Presented By: https://Jafrilibrary.com

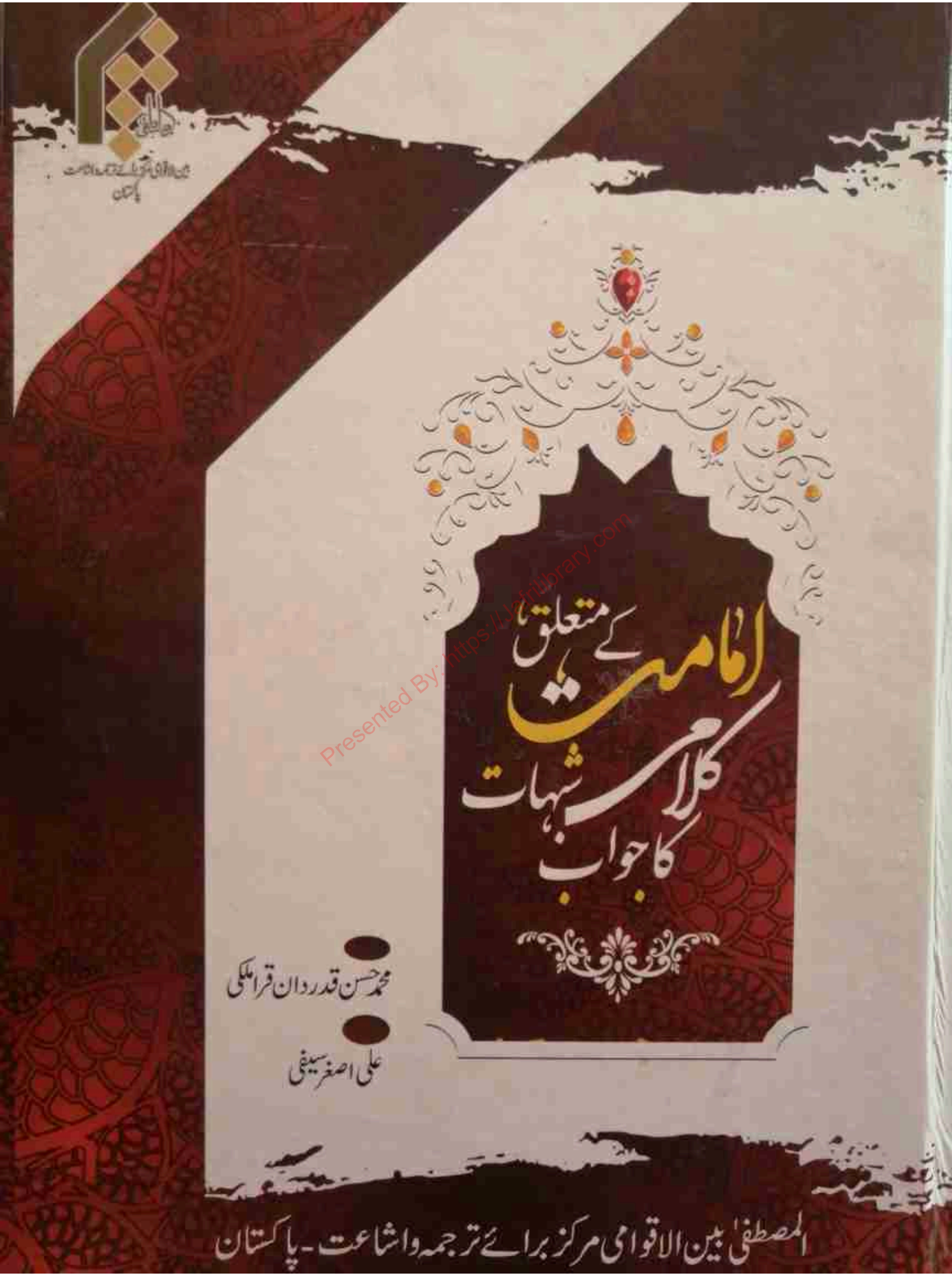

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

المصطفیٰ بین الاقوامی مرکز برائے ترجمہ واشاعت

اسلام آباد-پاکستان

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

امامتؑ کے متعلق کلامی شبہاتؑ کا جواب

مؤلف: محمد حسن قدردان قراملکی

مترجم: علی اصغر سیفی

اشاعت: اول

سال اشاعت: رجب المرجب ۱۴۳۹ مطابق مارچ ۲۰۱۸ عیسوی

تعداد: ۲۰۰۰

ہدیہ: ۸۰۰ روپے

ناشر: المصطفیٰ بین الاقوامی مرکز برائے ترجمہ واشاعت، اسلام آباد۔ پاکستان

ISBN:978-969-9687-12-7

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

فہرست

عرض ناشر ۱۹

پیش لفظ ۲۱

پہلا باب: عمومی ابحاث

اوّل: امامت کی حقیقت ۲۳

الف: اہل سنت کی نظر میں امامت ۲۳

ب: شیعہ اثنا عشریہ کی نظر میں امامت ۲۶

۱: حاکم کی تعین کیسے ہوتی ہے (قانون نصب یا انتخاب) ۲۸

الف: مستخلف عنہ کی اجازت کا معتبر ہونا یا نہ ہونا ۲۹

ب: فقہی یا کلامی رائے ۲۹

۲۔ امام (ع) کی صفات (علم و عصمت) پر حداقل اور حداکثر رائے ۲۹

۳۔ الٰہی حجت اور امام کی علمی و دینی مرجعیت ۳۱

۴۔ امام کا واسطہ فیض اور قطب ہونا (فلسفی اور عرفانی نظر) ۳۱

۵۔ وجوب امامت، عقل یا نقل کی رو سے ۳۲

ج۔ امام اور امامت کی شان و درجات ۳۳

دوم: فلسفہ امامت ۳۴

(الف) لوگوں کی ہدایت ۳۵

(ب) دینی مرجعیت ۳۵

(ج) مخاطبین کا مکمل عقلی بلوغ نہ رکھنا ۳۶

(د) فروعی احکام کا بیان ۳۶

(ھ) دینی حکومت کی تشکیل ۳۷

(و) ائمہ الٰہی، واسطہ فیض ۳۸

سوم: شناخت امام کی ضرورت ۴۲

چہارم: مکتب تشیع کے نظریہ انتصاب کا اثبات ۴۴

اوّل: نقل کی رو سے ۴۴

دوم: عقل اور تحقیق کی رو سے ۴۵

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

انتصاب کی ضرورت پر دلائل و شواہد ۴۶
الف: صدر اسلام کے اندرونی و بیرونی خطرات ۴۶
ب: اختلاف سے بچنا ۴۶
ج: اصلح شخص کی شناخت ۴۷
د: عصمت ۴۸
ھ: دین اسلام کا قیامت تک باقی رہنا ۴۸
و: سیرت انبیاء ۴۸
ز: حکم قرآن ۴۹
ح: سیرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۴۹
ط: پہلے دو خلیفہ کی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر برتری کا ثابت ہونا؟ ۵۰
ی: کشف نہ نصب ۵۱
خ: نظریہ انتخاب پر فقہی اور قانونی اعتراضات ۵۲
نصب کا مصداق؟ ۵۲

دوسرا باب: امامت کے بارے میں شبہات اور انکا جائزہ

پہلا شبہہ: وجوب امامت یعنی اللہ تعالیٰ کیلئے تکلیف معین کرنا ۵۳
تحقیق اور جائزہ ۵۳
الف: حسن و قبح عقلی کا انکار ۵۳
ب: وجوب تکوینی اور اعتباری میں خلط ۵۴
دوسرا شبہہ: امام کی تعیین کا بدعت ہونا ۵۵
تحقیق اور جائزہ ۵۵
تیسرا شبہہ: امامت کو کلامی بحث قرار دینا بدعت ہے ۵۹
جائزہ اور تحقیق ۵۹
چوتھا شبہہ: امامت کے مخالفین کی تکفیر ۶۰
جائزہ اور تحقیق ۶۰
پانچواں شبہہ: امامت کا وراثتی ہونا ۶۴
جائزہ اور تحقیق ۶۵
علماء اہل سنت اور ائمہ علیہم السلام کے فضائل کا اعتراف ۶۶

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

۱) خلفائے ثلاثہ اور فضائل ائمہؑ ۶۶
چھٹا شبھہ : بچپن میں امامت ۶۹
جائزہ اور تحقیق ۶۹
ساتواں شبھہ : نبوت پر امامت کی برتری ۷۴
تحقیق اور تجزیہ ۷۴
آٹھواں شبھہ : ائمہ شیعہ کی انبیاء پر برتری ۷۷
تحقیق اور جائزہ ۷۸
ایک نکتہ کا بیان ۸۵
نواں شبھہ : نبوت کے بغیر مقام امامت کا بعید شمار کیا جانا ۸۵
تجزیہ و تحقیق (ولایت نبوت کا گوہر ہے) ۸۶
دسواں شبھہ : امامت کا جمہوریت سے تضاد ۸۷
تحقیق و تجزیہ ۸۷
پہلا نقد : جمہوریت کے بہت سے نمونوں کا وجود ۸۷
اسلام اور تشیع کی جمہوریت کے ساتھ نسبت ۸۹
دوسرا نقد : شیعہ اور سیاست میں شرکت ۹۱
۲ : پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۹۳
۳ : امام علی علیہ السلام ۹۳
تیسرا نقد : امامت اور حکومت میں تفریق ۹۶
چوتھا نقد : ائمہ کی لیاقت ۹۷
پانچواں نقد : حقیقی جمہوریت کی ضروری پیش خیمہ کے لیے احتیاج ۹۸
چھٹا نقد : حکم الٰہی کی جمہوریت پر ترجیح ۹۹
ساتواں نقد : جمہوریت کے نقائص ۹۹
مغربی دانشوروں کا اعتراف ۱۰۰
مجموعی نتیجہ ۱۰۱
گیارہواں شبھہ : غیبت امام کا ضرورت امامت کے فلسفہ سے ناسازگار ہونا ۱۰۲
تحقیق و جائزہ ۱۰۳
بارہواں شبھہ : مہدویت کا جمہوریت سے ناسازگار ہونا ۱۰۷

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

تجزیہ اور تحلیل ۱۰۸
الف: مہدوی معاشرے کے فضائل کو نظر انداز کرنا ۱۰۸
مہدوی عالمی حکومت کی خصوصیات ۱۰۸
(ب) لوگوں کا مہدوی حکومت سے راضی ہونا ۱۱۱
(ج) جمہوریت وسیلہ نہ کہ ہدف ۱۱۲
(د): مسلمانوں کی اکثریت ۱۱۳
(ھ): اقلیتوں کے حقوق کی رعایت ۱۱۴

تیسرا باب: امامت کی خاتمیت کے ساتھ ناسازگاری

پہلا شبھہ: ۱۱۷
تجزیہ و تحقیق ۱۱۸
صدر اسلام کا عصر غیبت سے فرق ۱۱۸
دوسرا شبھہ: ۱۱۹
تحقیق اور جائزہ ۱۲۰
الف: علی معیار حق: ۱۲۵
ب: علیؑ قرآن کے ساتھ اور قرآن علیؑ کے ساتھ: ۱۲۶
ج: علیؑ حق و باطل کی تشخیص: ۱۲۶
تیسرا شبھہ: ۱۳۰
چوتھا شبھہ: ۱۳۱
شبھہ کی تشریح ۱۳۲
الف: پیغمبر اسلام ﷺ کی رسمی شخصیت سے ناسازگاری ۱۳۲
ب: ائمہؑ کی روایات کا حجت نہ ہونا ۱۳۳
تحقیق و تجزیہ ۱۳۴
الف: بغیر دلیل کے دعوی ۱۳۴
ب: حجت و اطاعت، عصمت کا لازمہ ۱۳۴
ج: قرآن مجید اور حکم اطاعت ۱۳۵
د: پیغمبرؐ اور حکم اطاعت ۱۳۶
برقعی اور اس شبھہ کے بیان میں نقلی دلائل سے تمسک ۱۴۱

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

الف: قرآن اور حجت الٰہی ۱۴۱
تحقیق و تجزیہ: ۱۴۱
ب۔ حجت الٰہی کی خاتمیت اور کلام امام علیؑ ۱۴۲
شبہ بیان کرنے والوں کی دوسری دلیل نہج البلاغہ کا ایک جملہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ۱۴۲
تجزیہ و تحلیل ۱۴۲
ج: حجت کا پیغمبرؐ اور عقل میں انحصار ۱۴۵
تجزیہ و تحقیق ۱۴۵
پانچواں شبہ: الہام اور باطنی ولایت کا خاتمیت کے ساتھ ناسازگار ہونا ۱۴۶
تجزیہ و تحقیق ۱۴۷
الف: غیر انبیاء میں الہام اور غیب سے رابطہ ۱۴۷
ب: مقام امامت و ولایت کا نبوت سے بلند ہونا (عرفانی نظریہ) ۱۵۱
ج: اہل سنت کا الہام اور مکاشفہ کا اعتراف ۱۵۳
د: احادیث نبوی میں ائمہؑ کی باطنی روح کا تذکرہ ۱۵۵
ھ۔ دہلوی اور سروش کو نقضی جواب ۱۵۶
چھٹا شبہ: ولایت تشریعی اور خاتمیت سے ناسازگاری ۱۵۹
تجزیہ و تحقیق ۱۶۱
الف: قانون تشریع اور تحظہ کی وضاحت ۱۶۱
ب: تشریع پیغمبر اکرمؐ اور واقعیت کا انکشاف ۱۶۲
ج: تشریع ائمہؑ ۱۶۴
د۔ تشریع ائمہ و تشریع الٰہی ۱۶۵
ھ: تشریع ائمہؑ اور جزئیات دین ۱۶۹
د: موافقین اور مخالفین کے نظریے کا جمع ۱۷۰
ساتواں شبہ: امام کا علم لدنی خاتمیت کے ساتھ ناسازگار ہے ۱۷۱
تحقیق اور جائزہ ۱۷۲
الف: علم لدنی کا انبیاء کے ساتھ خاص نہ ہونا ۱۷۳
ب: ائمہؑ کے علم لدنی کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کا بیان ۱۷۴
د۔ اہل سنت اور امام کے علم غیب کا اعتراف ۱۷۶

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ھ۔ علم غیب، ولایت باطنی کا ثمرہ ۱۷۷
آٹھواں شبہ ۱۸۰
تحقیق و جائزہ ۱۸۰

چوتھا باب: امامت کے منصوب ہونے کے بارے میں شبہات اور ان کا تجزیہ

پہلا شبہ: قرآن مجید میں نص کا نہ ہونا ۱۸۳
تجزیہ و تحقیق ۱۸۳
۱) امام کے منصوب ہونے پر آیات کا ظاہری طور پر دلالت کرنا ۱۸۳
۱) آیت تطہیر: ۱۸۳
۲) آیت انذار: ۱۸۴
۳) آیت ولایت: ۱۸۵
۴) آیت تبلیغ: ۱۸۷
۵) آیت اکمال: ۱۸۹
ج) آیت اولی الامر: ۱۹۰
دوسرا شبہ: قرآن مجید میں حضرت علی علیہ السلام کا نام ذکر نہ ہونا ۱۹۲
تجزیہ و تحقیق ۱۹۲
تیسرا شبہ: احادیث نبوی میں حضرت علیؑ کا منصوب نہ ہونا ۱۹۷
تجزیہ و تحقیق ۱۹۸
۱) احادیث خلافت ۱۹۸
حضرت علیؑ کی خلافت پر صراحت ۲۰۰
حدیث خاصف النعل ۲۰۱
۲) امامت، امیر المومنینؑ اور احادیث وزارت ۲۰۲
۳) حدیث غدیر ۲۰۳
۴۔ حدیث منزلت ۲۰۸
۵۔ حدیث قلم و دوات ۲۱۰
تجزیہ و تحقیق ۲۱۰
۶۔ احادیث حجت ۲۱۳
۷۔ احادیث عصمت ۲۱۴

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

۸۔ علمی و دینی مرجعیت ۲۱۴
چوتھا شبہ: تعیین، امت میں تفرقہ کا باعث ۲۲۱
تجزیہ و تحقیق ۲۲۲
الف: حکم شرعی کی اتباع کا لازم ہونا ۲۲۲
ب: تعیین اور نصب بہترین انتخاب ۲۲۳
ج۔ انتخاب میں خطا کا امکان ۲۲۴
د۔ حضرت علیؑ کا تحمل لوگوں میں اتحاد کو باقی رکھنے کا سبب ۲۲۵
ھ۔ نقضی جواب (پہلے اور دوسرے خلیفہ کا نصب اور تعیین) ۲۲۵
و۔ آمدی کا جواب ۲۲۶
پانچواں شبہ: نصب کا مشہور نہ ہونا ۲۲۷
تجزیہ اور تحقیق ۲۲۸
الف: بعض صحابہ کی طرف سے نص کی توجیہ ہونا ۲۲۸
ب: مخفی رکھنے کا امکان ۲۲۸
ج۔ مسئلہ امامت میں سیاسی مقاصد کا وجود ۲۲۹
د۔ حضرت علیؑ اور بعض اصحاب کا نص کے بارے میں اعتراف ۲۳۰
و۔ امامت و خلافت میں تفکیک و جدائی ۲۳۰
و۔ عدم شہرت اور عدم وجود کا لازم و ملزوم نہ ہونا ۲۳۱
ز۔ ترک نص کفر کے ساتھ ملازم نہیں ۲۳۱
چھٹا شبہ: سقیفہ میں بیعت کرنا ۲۳۲
تحقیق و تجزیہ ۲۳۲
حضرت علیؑ کا سقیفہ پر اعتراض ۲۳۴
سقیفہ کے مسئلہ میں عجلت کا اعتراف ۲۳۶
ب: سقیفہ کی بیعت میں دنیاوی مفادات ۲۳۶
ج۔ زبردستی اور جبری بیعت ۲۳۸
د۔ سقیفہ کے امیدواروں کے مخالفین ۲۳۹
بعض صحابہ کا حضرت علیؑ کی امامت کا اعتراف ۲۴۰
و۔ نصوص کی توجیہ ۲۴۶

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ز۔ نص کا مخفی رکھنا اور اسے فراموش کرنا ۲۴۶
ح۔ نظریہ "نص" کو مشہور ہونے سے روکنا ۲۴۷
ط۔ نص کی سیکولر فہم ۲۴۷
ی۔ حضرت علیؑ کو مختلف بہانوں سے ہٹانا ۲۴۸
ساتواں شبھہ) حضرتؑ کا قانون نصب کی بناپر احتجاج نہ کرنا: ۲۴۹
تجزیہ و تحقیق ۲۴۹
اول: وہ احادیث جس میں نصب، عہد، اختصاص، اصطفا، اختیار اور اخذ کے الفاظ آئے ۲۵۰
(دوم) حدیث غدیر ۲۵۳
سوم: حدیث منزلت ۲۵۹
چہارم: حدیث خلافت ۲۶۱
حدیث وزارت ۲۶۳
حدیث امیر المومنین ۲۶۵
نتیجہ بحث ۲۶۶
آٹھواں شبھہ: حکومت حاصل کرنے کے لیے حضرت کا اقدام نہ کرنا ۲۶۸
تحقیق و تجزیہ ۲۶۸
الف: حضرت زہراؑ کے گھر میں دھرنا ۲۶۸
ب: بیعت سے انکار ۲۶۹
ج: مخفی اور اعلانیہ فعالیت اور مسلحانہ مقابلہ ۲۶۹
د: امامت کے بارے میں حضرت کی نصوص ۲۷۱
نواں شبھہ: حضرت علیؑ کا سکوت ۲۷۲
تحقیق و تجزیہ ۲۷۲
الف: انصار کا نہ ہونا ۲۷۲
ب: مناسب وقت نہ آنا ۲۷۳
ج: مسلمانوں کی وحدت کو محفوظ رکھنا ۲۷۳
د: اپنے حق سے گزر جانا ۲۷۴
دسواں شبھہ: حضرت علیؑ کا ابو بکر کی بیعت کو قبول کرنا ۲۷۵
تجزیہ و تحقیق ۲۷۵

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

امامت کے متعلق کلامی شبہات کا جواب

۲۷۵ الف: انحراف اور کفر سے بچانا

۲۷۷ ب: اسلامی وحدت کی حفاظت

۲۷۸ ج: خونریزی سے بچانا

۲۷۸ د: اجماع کا معتبر نہ ہونا

۲۷۹ گیارہواں شبہ: خلیفہ سوم کو معین کرنے والی شوریٰ میں شرکت

۲۸۰ تحقیق و تجزیہ

۲۸۰ الف: سیکولر لوگوں کا شبہ دور کرنا

۲۸۰ ب: اتمام حجت

۲۸۱ ج: امت میں اختلاف سے پرہیز

۲۸۱ د: خلیفہ دوم کے نظریہ کو باطل قرار دینا

۲۸۲ ھ: اپنی رائے کو تحمیل کرنے کے بہتان سے بچنا

۲۸۲ و: حضرت کی نصوص اور رفتار سے خلفاء کی شرعی حیثیت کا بطلان

۲۸۳ بارہواں شبہ: خلیفہ سوم کے قتل کے بعد حکومت قبول نہ کرنا

۲۸۳ تجزیہ و تحقیق

۲۸۴ الف: گذشتہ خلفاء کی سیرت سے اجتناب

۲۸۴ ب: اتمام حجت

۲۸۵ ج: آنے والے فتنوں کی پیشین گوئی

۲۸۶ د: حکومت میں حرص کی تہمت سے دوری

۲۸۶ ھ۔ لوگوں سے شکوہ

۲۸۷ و۔ لوگوں میں صلاحیت کا نہ پایا جانا

۲۸۷ تیرہواں شبہ: خلفاء وقت سے تعاون کرنا

۲۸۹ تحقیق و تجزیہ

۲۸۹ چودھواں شبہ: نماز میں خلفاء کی اقتداء

۲۹۰ تحقیق و تجزیہ

۲۹۰ الف: اقتداء کی نفی

۲۹۰ ب: جماعت میں حاضر نہ ہونے کا لازمہ اختلافِ مسلمین

۲۹۱ ج: حضرت کا حاضر نہ ہونا فریضہ دینی کے ترک کرنے کی مانند قرار پانا

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

د: نماز کا صحیح ہونا ۲۹۲
پندرہواں شبہ: خلیفہ دوم سے رشتہ داری ۲۹۳
تجزیہ و تحقیق ۲۹۳
الف: حدیث کی سند میں شک و تردید ۲۹۳
ب: دعوی پر دلالت نہ ہونا ۲۹۵
ج: حق کے غضب ہونے پر وضاحت ۲۹۵
دیگر وجوہات پر اشارہ ۲۹۶
د: مصلحت اندیشی ۲۹۶
ھ: دھمکی اور جبر ۲۹۷
و: نقضی جواب ۲۹۷
سولہواں شبہ: خلفاء کے نام پر اپنے بیٹوں کا نام رکھنا ۲۹۸
تحقیق و تجزیہ ۲۹۸
الف: دعوی پر دلالت نہ ہونا اور مسئلہ کو سادہ سمجھنا ۲۹۸
ب: اس زمانے کا رواج ۲۹۸
ج: نام کو تحمیل کرنا ۳۰۰
د: حضرت کے بھائی کا نام عثمان ۳۰۱
ھ: توریہ کا مقصد ۳۰۱
سترہواں شبہ: خلفاء کی ستائش اور تمجید ۳۰۲
تجزیہ و تحقیق ۳۰۴
الف: اہل سنت کی روایات کی سند میں مشکل ہونا ۳۰۴
ب: شیعہ مآخذ میں افضلیت کی روایات کا ذکر نہ ہونا ۳۰۵
ج: اہل سنت کی دیگر روایات کے ساتھ تعارض ۳۰۵
نہج البلاغہ کی روایت کا تجزیہ و تحقیق ۳۰۶
ثقفی کی روایت کا تجزیہ (فتوی ابو بکر) ۳۱۱
آٹھارھواں شبہ: خلافت کی نصوص میں تعارض ۳۱۴
تجزیہ و تحقیق ۳۱۴
الف: ابو بکر کی خلافت پر شیعہ مآخذ میں روایات کا نہ ہونا ۳۱۴

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ب: اہل سنت کے مآخذ میں قابل خدشہ روایات ۳۱۵
حسن بصری کی روایت کا تجزیہ ۳۱۵
بکر بن اخت کی روایت کا تجزیہ ۳۱۵
ج: اہل سنت کا نص نہ ہونے پر اعتراف ۳۱۶
د: ابو بکر اور عمر کا ذکر نہ کرنا ۳۱۷
ھ: خلیفہ اول کا اعتراف ۳۱۷
و: خلیفہ دوم اور دیگر کا اعتراف ۳۱۸

پانچواں باب: امامت علیؑ کی نصوص کی دلالت میں شبہ

پہلی توجیہہ: اولویت اور احقیت کا بیان ۳۲۳
تجزیہ و تحقیق ۳۲۴
الف: نص کے مد مقابل اجتہاد ۳۲۵
ب: سیرت امام علیؑ سے تعارض ۳۲۶
توجیہہ کرنے والوں کی مشکل ۳۲۹
ط: حقیقت کی پیروی کا وجوب ۳۳۰
و: کسی چیز کا اثبات اسکے علاوہ کی نفی پر دلالت نہیں کرتا ۳۳۰
دوسری توجیہہ: امیدوار ہونے پر حمل کرنا ۳۳۱
تجزیہ و تحلیل ۳۳۳
الف: قاعدہ تاسیس واحتراز ۳۳۳
ب: روایات کا ظہور بلکہ نص ہونا ۳۳۳
ج: سیرت حضرت علیؑ سے تعارض ۳۳۳
د: امامت کی سیکولر تفسیر ۳۳۴
تیسری توجیہہ: امامت کو ہدایت اور علمی و دینی مرجعیت سے مختص کرنا ۳۳۴
دیگر تین بیانات ۳۳۵
الف: امامت اور خلافت میں تفکیک وجدائی ۳۳۵
ب: امامت اور حکومت میں جدائی = سیکولر ۳۳۵
ج: نبی کی نصوص کو دنیاوی اور دینی امور سے جدا کرنا (صحابہ کی سیکولر فہم) ۳۳۷
تجزیہ و تحقیق ۳۳۸

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

مصلحت اندیشی؟ ۳۴۶
چوتھی توجیہ: حضرت کی جوانی ۳۴۶
تجزیہ و تحقیق ۳۴۷
پانچویں توجیہ: حضرت کا اہل مزاح ہونا ۳۵۲
تجزیہ و تحقیق ۳۵۲
چھٹی توجیہ: عرب کا قبول نہ کرنا ۳۵۶
تجزیہ و تحقیق ۳۵۶
ساتویں توجیہ: قبیلہ عبدالمطلب کو دوست رکھنا ۳۵۹
تجزیہ و تحقیق ۳۵۹
آٹھویں توجیہ: نبوت اور امامت کے ایک خاندان میں جمع ہونے سے کراہت کرنا ۳۶۰
نویں توجیہ: اصل ترتب (دو مرحلہ اور خلافت کے لئے اولویت) ۳۶۱
تجزیہ و تحقیق ۳۶۳
دسویں توجیہ: اصل ضرورت اور حکم ثانوی ۳۶۴
اس نظریہ کے دلائل (شرعی جواز فراہم کرنے والی بیعت) ۳۶۴
تجزیہ و تحقیق ۳۶۶
گیارہویں توجیہ: حضرت کی امامت کا ان کے عملی اقدام پر موقوف ہونا ۳۷۱
تجزیہ و تحقیق ۳۷۲
بارہویں توجیہ: حضرت کی امامت کا لوگوں کی بیعت پر موقوف ہونا ۳۷۲
تجزیہ و تحقیق ۳۷۴
تیرہویں توجیہ: حضرت علیؑ کی امامت کے منسوخ ہونے کا دعوی ۳۷۵
تجزیہ و تحقیق ۳۷۶
چودہویں توجیہ: نصوص کا تعارض ۳۸۱
تجزیہ و تحقیق ۳۸۱
پندرہویں توجیہ: مطلق خلافت کا اثبات نہ خلافت بلا فصل ۳۸۱
تجزیہ و تحقیق ۳۸۲
سولہویں توجیہ: امامت کا معنوی ولایت سے خاص ہونا ۳۸۵
تجزیہ و تحقیق ۳۸۶

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

چھٹا باب: صفات امام (ع) کے بارے میں شبہات

پہلا شبھہ: ائمہ کے علم غیب کا انکار ۳۸۷
تجزیہ و تحقیق ۳۸۷
الف: امامت کی حقیقت سے مختلف نظریہ ۳۸۷
ب: دین کے امور میں علم غیب کا معتبر ہونا ۳۸۸
ج: فلسفہ امامت میں علم غیب کا لزوم ۳۸۸
ھ: علم غیب، عصمت اور حجت الٰہی کا لازمہ ۳۹۰
و: ائمہؑ کے علم غیب کے اثبات پر احادیث ۳۹۱
دوسرا شبھہ: بعض روایات میں علم غیب کی نفی ۳۹۲
تجزیہ و تحقیق ۳۹۲
الف: مقصرہ مخاطب کی رعایت ۳۹۲
ب: غالی مخاطب کا ملاحظہ ۳۹۳
ج: علم استقلالی کی نفی ۳۹۴
د: علم فعلی کی نفی ۳۹۴
تیسرا شبھہ: امام اور امامت میں علم غیب کا معتبر نہ ہونا ۳۹۴
تجزیہ و تحقیق ۳۹۵
ب: روایات کے ساتھ مخالفت ۳۹۵
ج: فلسفہ امامت کے ساتھ ناسازگاری ۳۹۷
چوتھا شبھہ: علم غیب کا ائمہ اطہارؑ کے بعض اعمال سے ناسازگار ہونا ۳۹۷
تجزیہ و تحقیق ۳۹۸
(ا): امام کے علم غیب کے بارے میں مختلف نظریات ۳۹۸
ب: علم غیب پر عمل کرنے کی مشکلات ۳۹۸
امام حسینؑ کے علم اور مسلم بن عقیل کے بارے میں شبھہ ۳۹۹
اماموں کا زہر کھانا ۴۰۰
علم غیب کے خلاف عمل پر اعتراف کو ظاہری علم پر حمل کرنا ۴۰۰
پانچواں شبھہ: ائمہؑ کا اپنے تعارف میں خارق العادہ صفات کا ذکر نہ کرنا ۴۰۱
چھٹا شبھہ: آئمہؑ کی عصمت کا انکار ۴۰۱

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ساتواں شبہ: ائمہؑ کی عصمت کا روایات اور دعاؤں سے تعارض رکھنا ۴۰۲
تجزیہ و تحقیق ۴۰۳
الف: آیات اور احادیث نبوی سے مخالفت ۴۰۳
ب: حضرت کے کلام میں اصول کلی کا بیان ۴۰۳
ج: امکان خطا ۴۰۴
د: حضرت کی عصمت پر دیگر نصوص ۴۰۴
شبہ کا دوسرا حصہ، دعاؤں میں ائمہؑ کا گناہوں کا اعتراف ۴۰۵
تجزیہ و تحقیق ۴۰۵
الف: عرفانی تفسیر ۴۰۵
ب: تعلیمی و تربیتی تفسیر ۴۰۶
ج: استغفار دفعی پر حمل کرنا ۴۰۶
د: امت کے گناہوں سے استغفار ۴۰۶
ط: دعاؤں کے ظاہر پر حمل کرنے کا ممکن نہ ہونا: ۴۰۷
و: پیغمبر ﷺ کی دعاؤں سے نقضی جواب ۴۰۸
آٹھواں شبہ: حجیت کو عبادتی اور شخصی امور میں خاص کرنا ۴۰۸
تجزیہ و تحقیق ۴۰۸
نواں شبہ: زمین و آسمان کی بقاء کی ائمہؑ کی طرف نسبت ۴۰۹
تجزیہ و تحقیق ۴۰۹
جواب شبہ، ائمہ سے پہلے کائنات کے محافظ ۴۱۲
دسواں شبہ: ائمہ کی تکوینی ولایت کا انکار ۴۱۲
تجزیہ و تحقیق ۴۱۲
الف: ولایت تکوینی، تقرب الٰہی کا نتیجہ ۴۱۲
ب: عرفانی تجربات ۴۱۳
د: قرآن اور غیر نبی کی ولایت تکوینی ۴۱۴
ھ: ولایت تکوینی کو علیت طولی یا مظہریت کے ذریعے بیان کرنا ۴۱۴

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

عرض ناشر

رسول گرامی اسلام ﷺ کے اسم مبارک سے مزّین المصطفی بین الاقوامی یونیورسٹی عالمی سطح پر اسلام کے آفاقی نظام حیات اور قرآن کریم کے لازوال الٰہی اصول واقدار کے مطابق انسانی معاشرے کی تشکیل کے لئے علمی، تحقیقاتی اور ثقافتی میدانوں میں مصروف عمل ہے۔ اس بین الاقوامی ادارے نے اسلامی تعلیمات کو جدید تعلیمی نفسیات اور نصابی اصولوں کے مطابق پڑھانے کے لئے عصر حاضر کے تقاضوں سے ہماہنگ ایک ایسا نظام تعلیم متعارف کرایا ہے جس میں حوزہ ہای علمیہ کی پاکیزہ روایات اور سائنٹفک نظام تعلیم کی تمام خوبیاں بیک وقت موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج کم وبیش ایک سو سے زائد ممالک کے ہزاروں طلباء وطالبات علوم آل محمدؐ اور باب مدینۃ العلم کے اس پاکیزہ چشمے سے اپنی علمی اور معنوی تشنگی بجھا رہے ہیں۔

عالمی تعلیمی اور تحقیقاتی اداروں میں یہ امتیاز صرف المصطفیٰ کو حاصل ہے کہ جس نے انسانی علوم کو اسلامیانے کی غرض سے نہ صرف سو سے زائد جدید تعلیمی شعبے قائم کئے بلکہ ان شعبوں کے لئے قرآنی تعلیمات اور اہل بیت رسول علیہم السلام کی سیرت کی روشنی میں باقاعدہ تعلیمی نصاب تشکیل دیکر انسانی اور معاشرتی علوم کو نئی سمت وسو بخشی ہے۔

ان تعلیمی شعبوں میں قرآنی علوم، حدیث و سیرت، فقہ اور اصول فقہ، فلسفہ، کلام جدید، عرفان اسلامی، ادیان و مذاہب، اسلامی اقتصاد، بین الاقوامی تعلقات، سیاسیات، نفسیات، قانون، تعلیم وتربیت، تاریخ، فنون لطیفہ اور مختلف زبانوں اور ثقافتوں کے ادب شامل ہیں۔

المصطفی اب تک مذکورہ موضوعات پر بارہ سو سے زائد نصابی اور غیر نصابی کتابیں مختلف زبانوں میں شائع کرچکا ہے جبکہ ایک ہزار کے قریب مسودے طباعت کے مختلف مراحل میں ہیں۔ یونیورسٹی نے پاکستان کے مدارس کی نصابی ضروریات کے پیش نظر تمام درسی کتابیں مقامی طور پر شائع کرنے کا اصولی فیصلہ کیا تاکہ نصابی کتب کے مسئلے کو ہمیشہ کے لئے حل کیا جاسکے۔

چونکہ یہ کتابیں اب تک ایران، عراق اور لبنان کے اشاعتی اداروں نے شائع کیں؛ اس لئے ہمارے پاس ان کتابوں کی قابل اشاعت فائلیں میسر نہ تھیں؛ لہٰذا تمام درسی کتابوں کو از سر نو کمپوز کرکے اشاعتی مرحلے

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

میں لانا ایک سنگین چیلنج کی شکل اختیار کر گیا تاہم اس مرکز کی فنی ٹیم کی دن رات جد وجہد نے قلیل مدّت میں اکثر بنیادی درسی کتابوں کو نیشنل لائبریری حکومت پاکستان اور بین الاقوامی اشاعتی اداروں کے معیار کے مطابق طباعت سے آراستہ کیا ہے۔ان میں سے چند کتابوں کے سوا تمام کتابوں کی کمپوزنگ، پروف ریڈنگ، تصحیح، نظر ثانی، تطبیق اور طباعت کے جملہ مراحل مقامی طور پر انجام پائے ہیں۔

زیر نظر کتاب "امامت کے متعلق کلامی شبہات کا جواب" فارسی زبان میں لکھی گئی کتاب "پاسخ به شبهات کلامی" کا اردو ترجمہ ہے جسے جناب علی اصغر سیفی صاحب نے انجام دیا ہے۔یہ کتاب جدید فارمیٹنگ اور عمدہ طباعتی خوبیوں کے ساتھ آپ کے ہاتھوں میں ہے؛ لہذا قارئین کرام اور اہل علم و دانش سے گزارش ہے کہ اپنی آراء سے ضرور آگاہ کریں۔آپ کی آراء اور عالمانہ نقد و نظر، نقش آئندہ کی بہتری کے لیے سنگ میل ثابت ہو گی۔

ڈاکٹر محمد کاظم سلیم
(ڈائریکٹر)
المصطفی بین الاقوامی مرکز برائے ترجمہ واشاعت۔پاکستان
(رجسٹرڈ نمبر ۲۰۱۱-۲۸۸)
رجب المرجب ۱۴۳۹ مطابق مارچ ۲۰۱۸ عیسوی
research_pak@miu.ac.ir

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

پیش لفظ

قارئین کرام کی خدمت میں جو کتاب پیش کی جارہی ہے، یہ کلامی شبہات کے جواب کے سلسلہ کی چوتھی کتاب "امامت" ہے۔ پہلی کتاب "اللہ تعالیٰ کی معرفت" اور دوسری کتاب "دین اور نبوت" کے عنوان سے پہلے شائع ہو چکی ہیں۔ تیسری کتاب "پیغمبر اسلام ﷺ" کی شخصیت پر کلامی اور تاریخی شبہات کے عنوان سے تحریر کے مراحل میں ہے۔ جیسا کہ اس کتاب کے موضوع سے واضح ہے کہ اس میں صرف عقیدہ امامت کے بارے میں پیدا ہونے والے شبہات اور اعتراضات کا تجزیہ کیا گیا ہے، جبکہ صرف شیعہ مذہب اور عقائد کے متعلق شبہات کا جواب ایک اور کتاب میں دیا گیا ہے۔

اس کتاب میں بندہ کی یہ کوشش رہی ہے کہ امامت کے بارے میں شبہات کا کلامی (فلسفی کلام)[1] اعتبار سے تجزیہ و تحقیق کیا جائے، البتہ اس تحقیق کی بنیادی روش کلامی ہے، کہیں کہیں ضرورت کے پیش نظر عرفانی اور فلسفی نظریات سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ شبہات کے جوابات میں ہر شبھہ کا جواب اسکی اہمیت کے پیش نظر تیار کیا گیا ہے لہٰذا ممکن ہے کہ بعض شبہات کا جواب دس صفحات سے زائد مطالب پر مشتمل ہو۔ قارئین اس تحقیق میں شبہات کے جواب کے علاوہ بعض مقامات پر بندہ کی جانب سے جدید جوابات، نکات اور تجزیوں سے بھی آشنا ہونگے جو کہ موضوع کے مختلف زاویوں میں بندہ کی تحقیق کا ثمرہ ہیں۔

بحث کی ضرورت قارئین پر واضح ہے کیونکہ امامت، مذہب تشیع کا بنیادی رکن ہے اور اس پر اسی زمانہ سے تنقید اور اعتراضات چلے آرہے ہیں جب سے پیغمبر اعظم ﷺ نے رحلت پائی اور مخالفین نے سقیفہ کے مسئلہ میں حضرت علی علیہ السلام کی جانشینی کے بنیادی عقیدہ کو نظر انداز کر دیا۔ اسکے علاوہ آج بعض سائٹوں اور تحریروں میں بعض نام نہاد روشن فکر حضرات کی اصطلاح کے مطابق شبہات دوبارہ زندہ اور ترویج پارہے ہیں۔ لہٰذا اس تحقیق کا ہدف امامت کے مسئلہ کی عقلی وضاحت اور اہل سنت برادران اوران انحرافی افکار کے حامل افراد کے شبہات کو دور کرنا ہے۔

---

[1]: فلسفی کلام دراصل علم کلام کی طرف ایک خاص نگاہ (فلسفی اور تعقلی) ہے۔ کہ جس میں متکلم دین کے اصولوں اور فرضیوں کو قبول کرتے ہوئے ایک خاص شیوہ اور روش (یعنی عقلی اور فلسفی) کے ساتھ دینی تعلیمات کا تجزیہ و تحقیق کرتا ہے اس علم میں فلسفہ اور عقل خاص مقام رکھتے ہیں کہ جسکی بناء پر ممکن ہے بعض رائج اور قدیمی تعلیمات مورد اعتراض ونقد قرار پائیں۔ فلسفی کلام رائج کلام کے ساتھ موضوع اور غرض و غایت میں مشترک ہے لیکن روش استدلال اور بیان میں اس سے مختلف اور فلسفہ کے نزدیک ہے۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

اس تحریر میں بعض مقامات پر عقیدہ امامت کے استحکام کیلئے روایات اور نکات بھی بیان ہوئے ہیں مثلاً امامت کے قانونِ نصب پر پیغمبر اکرم ﷺ کی مسلّمہ احادیث اور بعض علماء اہل سنت کے اعترافات بالخصوص خلیفہ دوم کے بیانات نیز انکی توجیہ کا رد، قارئین حضرات پہلی بار اس تحریر میں مشاہدہ کریں گے۔

میں مصنف مزاج اہل سنت برادران سے یہ توقع رکھتا ہوں کہ مندرجہ بالا نکات پر فیصلہ دیتے وقت عجلت سے کام نہ لیں اور حب و بغض سے بالاتر ہو کر توجہ فرمائیں، کیونکہ حقیقت سے بڑھ کر کوئی بھی چیز عزیز نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ میرا ہدف فقط علمی بحث ہے اور اپنے ناقدین سے بھی علمی اور مستدل جوابات کا خواہشمند ہوں، نیز پبلیشر کے ایڈریس یا اپنے ایمیل ایڈریس: ghadrdang@yahoo.com پر منتظر ہوں۔ امید ہے کہ اس تحقیق سے اہل سنت بھائیوں کو کوئی رنجش پیدا نہ ہو اگر ایسا محسوس کریں تو پہلے ہی سب سے معذرت خواہ ہوں۔

آخر میں فاضل اور دانشور دوستوں جناب ڈاکٹر سید یحییٰ یثربی، ڈاکٹر عبد الحسین خسرو پناہ اور حجۃ الاسلام والمسلمین جناب محمد صفر جبرائیلی کا نہایت مشکور ہوں کہ جنہوں نے موجودہ تحقیق کا مطالعہ کرتے ہوئے نہایت قیمتی اور دقیق نکات سے نوازا کہ جو مطالب کی تحقیق اور وسعت میں مفید ثابت ہوئے۔

وفقنا لما تحبّ و ترضی

محمد حسن قدردان قراملکی

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

عمومی ابحاث

اوّل: امامت کی حقیقت

موضوع امامت اسلام کی کلیدی ابحاث میں سے ہے۔ صدر اسلام سے اب تک اس موضوع میں بہت سے موافق اور مخالف افراد سامنے آئے۔

بسا اوقات طرفین مسئلہ نے ایک دوسرے کی تکفیر کی اور اس ضمن میں بہت سے لوگوں کا قتل بھی کیا گیا۔[1] لہٰذا موضوع بحث کی تعیین اور مخالفین کے شبہات کے جواب کیلئے ضروری ہے کہ ہم موضوع امامت پر مختلف جہات سے دقیق تجزیہ و تحقیق کریں۔

الف: اہل سنت کی نظر میں امامت

اہل سنت نے امامت کے مقام و منزلت کو سطحی لیا اور وہ اسکا ایک حکومتی، سیاسی اور معاشرتی مسئلہ کے عنوان سے جائزہ لیتے ہیں گویا اس بارے میں ہر قسم کا اقدام الٰہی حیثیت نہیں بلکہ دنیاوی اور معاشرتی مقام رکھتا ہے۔ بالفاظ دیگر وہ امامت کو ایک فقہی و فرعی مسئلہ اور فعل مکلّف کے عنوان سے لیتے ہیں، لہٰذا خلیفہ اور امام کی تعیین بھی لوگوں کی ذمہ داری سمجھتے ہیں اور مختلف طریقوں مثلاً بیعت اور اہل حل و عقد وغیرہ کے ذریعے امام کا انتخاب کرتے ہیں۔ گویا اس طرح سے سامنے آنے والا حاکم ایک معمولی انسان ہے۔ جبکہ امامت کی تعیین کو فعل پروردگار اور اسے ایک اصولی اور عقائدی مسئلہ قرار دینا دراصل شیعہ عقیدہ ہے اور اہل سنت اسکا انکار کرتے ہیں، یہاں پر بعض اہل سنت کے اقوال و آراء کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے:

۱۔ اسکافی (متوفی ۲۴۰ق): انَّ الامامةَ لا تشبه بِالنُّبوَّة و هی با لامارةِ أشبهُ۔[2]

اسکافی کہتے ہیں: امامت نبوت کے مشابہ نہیں ہے بلکہ یہ امارت و حکومت کی مانند ہے۔

۲۔ ماوردی (متوفی ۴۵۰ق): الامامةُ موضوعةٌ لخلافةِ النبوةِ فی حراسةِ الدین و سیاسةِ الدنیا وعقدها لمن یقومُ بها واجب بالاجماع۔[3]

---

[1]: شہرستانی، الملل والنحل، ص ۲۴

[2]: المعیار والموازنہ، ص ۴۳، (شیخ محمد باقر محمودی کی تحقیق کے ساتھ)

[3]: الاحکام السلطانیہ، ص ۵

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ترجمہ: امامت دراصل دین کے تحفظ اور دنیا کی سیاست میں نبی کی جانشینی ہے اور امام کے لیے ان امور کو بجا لانا اجماع کی رو سے واجب ہے۔

۳۔ امام الحرمین جوینی (متوفی ۴۷۸ ق): الامامةُ رياسةٌ تامةٌ وزعامةٌ عامة تتعلقُ با لخاصةِ والعامةِ من مهماتِ الدينِ و الدنيا۔[1]

ترجمہ: امامت مکمل اور وسیع ریاست و حاکمیت ہے جو دین اور دنیا کے اہم امور کے بارے میں لوگوں میں سے ہر خاص اور عام سے تعلق رکھتی ہے۔

۴۔ امام غزالی (متوفی ۵۰۵ ق): اِنَّ النظرَ فی الامامةِ ایضًا لیسَ من المهماتِ و لیس ایضًا من فنِّ المعقولاتِ بل من الفقهیاتِ۔[2]

ترجمہ: امامت کے موضوع میں نظر و رائے رکھنا نہ مہم ہے اور نہ یہ معقولات کے فن سے تعلق رکھتا ہے، بلکہ یہ فقہی امور میں سے ہے۔

۵۔ سیف الدین آمدی (متوفی ۶۳۱ ق): وَاعلم ان الكلامَ فی الأمامةِ لیس من اصولِ الدیانات و لا من الامورِ اللا بدیاتِ بحیثُ لا یسعُ المكلفُ الأعراضَ عنها بل لعمری ان المعرضَ عنها لأرجی من الواغلِ فیها۔[3]

اور جان لیں کہ امامت میں گفتگو نہ دین کے اصولوں میں سے ہے نہ ایسے ضروری امور میں سے ہے کہ جنہیں مکلف ترک نہیں کر سکتا بلکہ مجھے اپنی جان کی قسم ہے کہ اس مسئلہ کو اس میں داخل کرنے سے چھوڑنا بہتر ہے۔

۶۔ قاضی ایجی (متوفی ۷۵۶ ق): الا مامةُ رياسةٌ عامة فی امورِ الدينِ و الدنيا۔[4]

امامت دین و دنیا کے امور میں ریاست ہے۔

نوٹ: وہ اس تعریف کی مشکل نبوت کی مخالفت سمجھتے ہیں اور بذات خود ایک دوسری تعریف بیان کرتے ہیں:

هی خلافةُ الرسولِ فی اقامةِ الدينِ بحیث یجب اتباعُه علی كا فةِ الأمة۔

یہ دین کو قائم کرنے میں جانشینی نبی ہے کہ ساری امت پر اسکی اتباع واجب ہے۔

---

[1]: غیاث الامم فی التیاث الظلم، ص ۲۲
[2]: الاقتصاد فی الاعتقاد، ص ۲۷۵، باب سوم
[3]: غایۃ المرام فی علم الکلام، ص ۳۶۳
[4]: شرح مواقف، ج ۸، ص ۳۷۶

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ وہ اس تعریف میں خلافت کو صرف دینی امور کے ساتھ تفسیر کرتے ہیں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ یہاں دنیا کی قید غلطی سے چھوٹ گئی ہے یا انکے نزدیک دین اپنے وسیع معنی میں دنیا کو بھی شامل ہے۔ بہر حال امامت میں دنیا کی قید بھی انکے مد نظر تھی اور اسکی دلیل یہ ہے کہ انکا امام بمعنی عام کی صفات و شرائط کو بیان کرنا ہے، وہ کہتے ہیں:

الشرط:ذو رأی لیقومَ بامورِ الملک ،شجاع لیقوی علی الذب عن الحوزة ... یَجبُ ان یکونَ عدلاً لئلا یجور عاقلا لیصلح للتصرفاتِ -[1]

وہ صاحب رای ہوتا کہ مملکت کے امور چلا سکے، شجاع ہوتا کہ ملت کے دفاع کی قدرت رکھتا ہو۔۔۔واجب ہے کہ وہ عادل ہوتا کہ ستم نہ کر سکے کہ اس طرح حسن تدبیر سے نظام چلا سکتا ہے۔

۷۔ سید شریف جرجانی (متوفی ۸۱۶ ق): وہ شرح مواقف میں ایجی کی تعریف میں ملت اور دنیا کی قید کا اضافہ کرتے ہیں:

هی خلافةُ الرسولِ فی اقامةِ الدین و حفظِ حوزة الملّة۔[2]

یہ دین کو قائم کرنے اور حدود ملت کی حفاظت کرنے میں جانشینی پیغمبر ہے۔

۸۔ تفتازانی (متوفی ۷۹۳ ق): ریا ستٌ عامةٌ فی امرِ الدینِ و الدنیا خلافة عنِ النَّبی -[3]

جانشین پیغمبر کی حثیت سے دین و دنیا کے امور میں ریاست ہے۔

۹۔ ابن خلدون (متوفی ۸۰۸ ق): الخلافةُ حملُ الکافةِ علی مقتضی النظرِ الشرعی فی مصالحِهم الأخرویة و الدنیویة الراجعة الیها -[4]

خلافت شرعی نکتہ نظر سے امت کی ذمہ داریاں انکے اخروی اور دنیوی مصالح کی خاطر اٹھانا ہے جو کہ انکی طرف لوٹتے ہیں۔

۱۰۔ قوشجی (متوفی ۸۷۹ ق): ریاستُ عامةُ امر الدین و الدنیا خلافة عنِ النبی -[5]

جانشین پیغمبر کی حثیت سے دین و دنیا کے امور میں ریاست ہے۔

---

[1]: سابقہ ماخذ، ص ۳۸۱

[2]: سابقہ ماخذ

[3]: شرح المقاصد، ج ۳، ص ۴۶۹

[4]: مقدمہ ابن خلدون، ص ۱۹۱ اور یہ بھی تحریر کرتے ہیں: "قضای امر الامامة انها قضیة مصلحیة اجماعیة ولا تلحق بالعقاید" (تاریخ ابن خلدون، ج ۱، ص ۵۸۸)

[5]: شرح تجرید الاعتقاد، ص ۳۸۱

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ب: شیعہ اثنا عشریہ کی نظر میں امامت

اہل سنت مسئلہ امامت کو عام دنیاوی نظر میں ایک سیاسی اور معاشرتی مسئلہ کی حد تک دیکھتے ہیں جبکہ انکے برعکس شیعہ امامت کو اس سے کہیں وسیع افق میں پاتے ہیں اور اسے ایک الٰہی اور آسمانی مسئلہ کے عنوان سے لیتے ہیں۔ سب سے پہلے ہم یہاں علماء امامیہ کی امامت کے بارے میں تعاریف کو بیان کرتے ہیں۔

۱۔ شیخ صدوقؒ (متوفی ۳۸۱ ق): آپ حدیث غدیر میں "مولی" کی واجب الاطاعۃ سے تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فهو معنى الأمامةِ لان الامامةَ إنّما هيَ مشتقةٌ من الائتمامِ بالا نسانِ و الائتمامِ هو الأتباعُ و الاقتداءُ و العملُ بعمله و القولُ به ۔

یہ معنی امامت ہے کیونکہ امامت انسان کے ائتمام سے مشتق ہے اور ائتمام سے مراد اتباع واقتداء کرنا اور امام کے قول وفعل کے مطابق عمل کرنا ہے۔

آپ امام کی اطاعت اور امام کے دیگر فضائل کو پیغمبرؐ کے بعد انکی ہی مانند جانتے ہیں مگر یہ کہ امام سے نبوت اور وحی کا استثناء کرتے ہیں: ویجبُ ان یعتقدَ انه یلزم من طاعةِ الامامِ ما یلزمُنَا من طاعةِ النبیﷺ و انّ کلَّ فضلٍ آتاه الله (عزوجل) بنبیه فقد اتاه اللهُ الامامَ الا النُّبوَّة ۔[1]

۲۔ شیخ مفیدؒ (متوفی ۴۱۳ ق): الامامُ هو الانسانُ الذی له رئا سةٌ عامة فی امورِ الدینِ و الدنیا نیابة عنِ النبی ۔[2]

۳۔ سید مرتضیٰؒ (متوفی ۴۳۶ ق): الامامةُ ریاسةٌ عامة فی الدینِ بالاصالةِ لا بالنیابةِ عمن هو فی دارِ التکلیف ۔[3]

۴۔ شیخ طوسیؒ (متوفی ۴۶۰ ق): الامامُ هوَ الذی یتولّی الریاسة العامة فی الدینِ و الدنیا جمیعًا ۔[4]

---

[1]: معانی الاخبار، ص ۶۹

[2]: سلسلۃ مؤلفات، النکت الاعتقادیہ، ج ۱۰، ص ۳۹

[3]: الحدود والحقایق، بحث امامت اور الذخیرہ فی علم الکلام، ص ۴۰۹

[4]: شرح العبارات المصطلحۃ بین المتکلمین، امامت پژوھی، ص ۴۲ سے منقول۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

۵۔ محقق طوسیؒ (متوفی ۶۷۲ق): الامامُ هو الانسانُ الّذِی له الریاسة العامة فی الدینِ و الدنیا بالاصالةِ فی دارِ التکلیفِ ۔[۱]

۶۔ ابن میثم بحرانیؒ (متوفی ۶۷۹ق): الامامةُ رئاسةٌ عامة لشخصٍ من الناس فی امورِ الدینِ و الدنیا بالاصالة ۔[۲]

۷۔ علامہ حلیؒ (متوفی ۷۲۶ق): الامامُ هو الانسانُ الذی له الریاسةُ العامة فی امورِ الدینِ و الدنیا با لاصالةِ فی دارِ التکلیفِ [۳]

۸۔ حمصی رازیؒ (متوفی ساتویں صدی کا اوائل قمری): رئاسةٌ عامة فی امورِ الدینِ با لاصالةِ ۔[۴]

وہ اپنی بحث میں امامت کی تعریف میں "دنیا" کی قید کے ذکر کرنے پر اشارہ کرتے ہوئے واضح کرتے ہیں کہ "امور الدین" کی قید عام اور کلی ہے اور تمام دنیاوی امور بعنوان مثال طبقاتی اختلاف کے ختم ہونے اور معاشرہ کے مختلف طبقات مثلاً صنعت اور خطاطی وغیرہ کو شامل ہے۔ اگرچہ زندگی کے مختلف شعبہ جات اور معمولی مسائل مثلاً ان میں اولویت اور تنخواہوں کی تعیین وغیرہ امام کے متعلق امور میں سے نہیں ہے۔[۵]

۹۔ فاضل مقدادؒ (متوفی ۸۲۶ ق): فهی رئاسة عامة فی الدین و الدنیا لشخص انسانی خلافة عن النبی ۔[۶]

۱۰۔ عبدالرزاق لاھیجیؒ (متوفی ۱۰۷۲ق) "دنیا اور دین کے امور میں بعنوان پیغمبر کے خلیفہ اور نائب کی حیثیت سے ریاست عام ہے۔[۷]

مندرجہ بالا متکلمین کی تعاریف تھیں کہ جنہوں نے معمولاً اہل سنت کی طرح ریاست اور حکومت پر ہی تاکید کی ہے، لیکن عرفاء اور فلاسفہ بالخصوص حکمت متعالیہ کے حکماء امامت کے بنیادی عنصر کا امام کی باطنی ولایت کے عنوان سے تجزیہ کرتے ہیں جسے بعد والے صفحات پر ذکر کیا جائیگا۔

۱: تلخیص المحصل، ص ۴۲۶؛ رسالۃ الامامۃ، ص ۴۵۷

۲: قواعد المرام، ص ۱۷۴، النجاۃ فی القیامۃ فی تحقیق امر الامامۃ، ص ۴۱

۳: الالفین فی امامۃ مولانا امیر المومنین، ص ۱۲؛ باب حادی عشر، بحث امامت

۴: المنقذ من التقلید، ج ۲، ص ۲۳۴

۵: سابقہ ماخذ، ص ۲۳۶، ۲۳۷

۶: اللوامع الالھیہ، ص ۳۱۹ وارشاد الطالبین الی نہج المسترشدین، ص ۳۲۵

۷: گوہر مراد، ص ۴۶۱-۴

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

امامت کی تعریف میں اہل سنت اور امامیہ کی تعاریف پر پہلی نظر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں کلامی مکتب امامت کی مشترک اور ایک ہی تعریف بیان کرتے ہیں کیونکہ دونوں امامت کو "دین و دنیا کی سلطنت پر ریاست" سے تعبیر کرتے ہیں لیکن یہ نتیجہ جیسا کہ ذکر ہوا ہے کہ پہلی نظر کا نچوڑ ہے۔[1]

لیکن امامت کی تعاریف اور شخص امام میں ضروری شرائط اور صفات کی طرف دوبارہ نظر سے دونوں مکاتب میں موضوع امامت پر اختلاف کو مندرجہ ذیل تشریح کے ساتھ بیان کیا جا سکتا ہے۔[2]

۱: حاکم کی تعین کیسے ہوتی ہے (قانون نصب یا انتخاب)

اشارہ ہو چکا ہے کہ ہر دو مکتب امامت کی دین و دنیا پر ریاست عامہ کی تعریف و تفسیر میں اتفاق نظر رکھتے ہیں لیکن اس چیز پر توجہ رکھنی چاہیئے کہ امام اور حاکم کی حکومت کی تعیین کا سرچشمہ اور حقانیت ہر دو مکتب کے نزدیک مختلف ہے۔

امامیہ کا عقیدہ ہے کہ ان دلیلوں (کہ جنکی تفصیل بعد میں آئیگی) کے مطابق امامت ایک الٰہی مقدس منصب ہے اور خاص صفات و شرائط کی حامل ہے مثلاً عصمت اور مکمل علم رکھنا اور اس منصب کی تعیین وحی اور اللہ تعالیٰ کے ذریعے قرار پاتی ہے۔ (الٰہی مشروعیت = قانون نصب)، جبکہ دوسری طرف اہل سنت امامت کے بارے میں اپنی سطحی تفسیر (دینی و دنیاوی ریاست اور علم میں حد اکثر مجتہد کی حد تک اور عصمت نہ رکھنا) کرتے ہیں اور انہوں نے امام کی تعیین کیلئے مختلف تجاویز پیش کیں مثلاً بیعت، اہل حل وعقد کا اجماع، سابقہ خلیفہ کی نص، طاقت کے بل بوتے پر۔[3] سب کے سب امام کی وحی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعیین کی شرعی حیثیت نہ ہونے پر مشترک رائے رکھتے ہیں ان میں سے اکثر اتفاق و اجماع کی حد تک تاکید کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور پیغمبر ﷺ کی طرف سے خلافت اور امامت کے منصب کیلئے کوئی نص اور تعیین نہیں ہوئی۔ اہل سنت کی اپنی تعبیر میں امامت اور اسکا شرعی جواز ایک فقہی مسئلہ اور دین کے فروع میں شمار ہوتا ہے کہ جو لوگوں کے انتخاب پر چھوڑ دیا گیا ہے۔[4] اس نظریہ کی بناء پر امامیہ اور اہل سنت میں امامت کے مسئلہ پر کچھ دیگر جزئی اختلافات بھی سامنے آتے ہیں:

---

[1]: بعض علماء مثلاً حکیم لاہیجی اس مشترک تعریف پر توجہ کرتے ہیں اور اسے عجیب و غریب سے توصیف کرتے ہیں۔ (گوہر مراد، ص ۴۶۲)

[2]: تعریف میں اساسی قسم کے اختلاف کا دعوی کیا گیا ہے نہ کہ یہ آپس میں متضاد ہیں یعنی ہر دو مکتب تعریف "دین و دنیا پر ریاست عامہ" کے حوالے سے مشترک ہیں کہ پھر اسکی وضاحت نیز اہل سنت اور شیعہ میں اختلافی موارد کو متن کتاب میں ذکر کیا جائے گا۔

[3]: رجوع کریں: غزالی، احیاء العلوم، ج ۲، ص ۱۴۱، فضائح الباطنیہ، باب ۹ و ۱۰، ص ۹ - ۱۷۶، شرح المقاصد، ج ۳، ص ۴۷۰، ماوردی، الاحکام السلطانیہ، ص ۶؛ شرح مواقف، ج ۸، ص ۳۵۱

[4]: رجوع کریں: ماوردی، الاحکام السلطانیہ، ص ۶، قاضی ابو یعلی، الاحکام السلطانیہ، ص ۲۳، شرح المقاصد، ج ۳، ص ۴۶۹

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

الف: مستخلف عنہ کی اجازت کا معتبر ہونا یا نہ ہونا

اہل سنت اگرچہ امامت کو منصب پیغمبر ﷺ کی خلافت اور جانشینی سے تعریف کرتے ہیں، لیکن انکا یہ دعوی مکمل نہیں ہے کیونکہ خلفاء کا پیغمبر ﷺ کے مقام پر قرار پانے کو حضرت ﷺ کی اجازت سے مشروط نہیں سمجھتے، در حقیقت انکی نظر میں خلیفہ اور خلافت مستخلف عنہ کی اجازت کے بغیر تشکیل پاتی ہے۔ جبکہ مکتب امامیہ میں پیغمبر ﷺ کے مقام پر حضرت کی اجازت کے ساتھ قرار پایا جاتا ہے اسی لیے پیغمبر اکرم ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام اور دیگر ائمہ کرام کو اس منصب پر فائز فرمایا ہے۔

ب: فقہی یا کلامی رائے

اہل سنت مسئلہ امامت کی عظمت کم کرتے ہوئے اور اسے ایک حکومت کی شکل میں جاری کرتے ہوئے، اسے ایک فقہی اور فرعی مسئلہ کے طور پر لیتے ہیں کہ لوگوں پر ایک واجب فعل یہ بھی ہے کہ اپنے لیے ایک حاکم کا انتخاب کریں۔ لیکن امامیہ جہاں امامت اور امام کو نبوت اور پیغمبر ﷺ کے بعد سب سے بڑا مقام دیتے ہیں، وہاں عقیدہ رکھتے ہیں کہ امامت علم کلام کی اصولی اور بنیادی ابحاث میں سے ہے کہ اس مسئلہ پر علم کلام میں بحث اور تحقیق ہو۔[۲] البتہ اسکا یہ معنی نہیں ہے کہ امامت پر فقہی بحث نہیں ہو سکتی، بلکہ مقصد یہ ہے کہ امامت کی اصلی اور پہلی جگہ علم کلام ہے، بعد والے صفحات میں اشارہ ہو گا کہ امامت کا مسئلہ علم عرفان اور حکمت متعالیہ میں بھی بیان کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ امام (ع) کی صفات (علم و عصمت) پر حد اقل اور حد اکثر رائے

اہل سنت اور شیعہ میں امامت کی تعریف اور تشریح میں ایک اور اختلافی مورد امام کی خاص صفات کا لحاظ اور اعتبار کرنا ہے۔ اہل سنت امامت پر سطحی نظر رکھنے اور اسکا مقام گرانے (یعنی امام کو حد اکثر ایک دینی حاکم کا کردار ادا کرنے) کی بناء پر حد اقل صفات اسکے لیے لحاظ کرتے ہیں کہ اہم ترین اور نہایت قابل مناقشہ صفات مندرجہ ذیل ہیں:

---

[۱]: رجوع کریں: غزالی، الاقتصاد فی الاعتقاد، ص ۲۳۴، آمدی، غایۃ المرام فی علم الکلام، ص ۳۶۳، شرح المقاصد، ج ۳، ص ۲۶۹، شرح المواقف، ج ۸، ص ۳۳۴

[۲] علماء امامیہ امامت کو کلامی عقائد اور عقیدہ امامت کو اہم اور اساسی دینی مسائل میں سے قبول کرنے کے بعد اس چیز میں اختلاف نظر رکھتے ہیں کہ آیا امامت اصول دین میں سے ہے یا اصول مذہب میں سے ہے (رجوع کریں: کلام فلسفی، ساتواں باب)

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

الف: اجتہاد کی حد تک علم دین۔ ب: عدالت اور تقوا[1]

واضح سی بات ہے کہ علم میں اجتہاد کی حد تک قانع ہونا (کہ جو اپنی جگہ قوت وضعف کے درجات رکھتا ہے) دو نکتوں پر دلالت کرتا ہے: پہلا یہ کہ امام میں اعلمیت کی صفت معتبر قرار نہ پانا کہ جسکا لازمہ یہ ہے کہ مفضول کی فاضل پر امامت جائز ہو۔ اور دوسرا اجتہاد میں خطا کہ جس کا نتیجہ دین اور اسکی تعلیمات میں امام کی خطاء کا جائز ہونا ہے۔

مشہور اہل سنت امامت و خلافت کی ابتداء میں عدالت اور تقوا کی صفت کو قبول کرتے ہیں، لیکن بعد میں حکومت کے دوران انکے باقی رہنے پر اختلاف کرتے ہیں، بعض کا عقیدہ ہے کہ حکومت کے دوران اگر حاکم سے فسق اور عدالت کے منافی کوئی چیز ظاہر ہو تو اس سے اسکی خلافت کی شرعی حیثیت اور جواز سلب نہیں ہوتا، جیسا کہ باقلانی[2] تفتازانی[3] اور نسفی[4] واضح کرتے ہیں کہ امام لوگوں کے اموال کو غصب کرنے، لوگوں کے قتل کرنے اور حدود الٰہی کے اجراء نہ کرنے سے ہر گز اپنے مقام سے معزول نہیں ہوتا اور امت کا صرف یہ وظیفہ ہے کہ اسے نصیحت کریں اور زیادہ سے زیادہ اسے ڈرائیں۔

دوسری طرف امامیہ امام کو حقیقی مفسر قرآن اور محافظ دین سمجھتے ہیں کہ اس مقام کے تقاضے کی بناء پر، وہ اجتہاد کی جگہ علم لدنی اور الہام اور عدالت کی جگہ عصمت کو قرار دیتے ہیں کہ جسکی بناء پر اصحاب میں سے صرف امام علی علیہ السلام اس طرح کی ممتاز صفات کے حامل تھے۔[5]

لہٰذا اہل سنت کی نظر میں امام صرف ایک حاکم اور حد اکثر دینی حاکم کے طور پر پیش ہوتا ہے اور الہامی علم اور عصمت کے انکار کا لازمہ یہ ہے کہ امام علمی و دینی مرجعیت اور حجیت کا حامل نہیں ہے، جبکہ امامیہ کی نظر میں امام الہامی علم اور عصمت کا حامل ہونے کی بناء پر پیغمبر ﷺ کا حقیقی جانشین اور اسکی مانند علمی و دینی مرجعیت اور حجیت کا حامل ہے۔

---

[1]: رجوع کریں بغدادی، کتاب اصول الدین، ص ۲۷۴، قاضی ایجی، شرح المواقف، ج ۸، ص ۳۸۱، امام الحرمین جوینی، کتاب الارشاد، ص ۳۵۸ تفتازانی، شرح المقاصد، ج ۵، ص ۲۴۴، ابن خلدون، مقدمہ، ص ۱۹۱ قاضی عبد الجبار، شرح الاصول الخمسہ، ص ۷۵۱

[2]: رجوع کریں: تمہید الاوایل، ص ۴۷۸

[3] رجوع کریں: شرح المقاصد، ج ۳، ص ۴۷۰

[4]: "ولا ینعزل بالفسق والجور"، شرح عقائد اہل سنت، شرح عبد الملک السعدی، ۲۶۷

[5] رجوع کریں: شیخ صدوق، الاعتقادات، شیخ مفید کی مصنفات میں مندرج، ج ۵، ص ۹۶

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

۳۔ الٰہی حجت اور امام کی علمی و دینی مرجعیت

پچھلے موضوع میں وضاحت کی گئی ہے کہ ائمہ کے غیبی علم، الہام اور عصمت کی صفات کا لازمہ لوگوں کے حق میں انکے قول و فعل کا حجت ہونا ہے کہ جسکے نتیجہ میں انکا واجب الاطاعۃ ہونا ہے۔ امامت پر شبہات کے جواب کے باب میں امام کے واجب الاطاعۃ اور حجت ہونے کے بارے میں تفصیل سے بحث ہو گی۔

۴۔ امام کا واسطہ فیض اور قطب ہونا (فلسفی اور عرفانی نظر)

پہلے اشارہ ہو چکا ہے کہ امامیہ کا اہل سنت سے ایک اہم فرق دونوں کی امام کی ذات اور مقام کی طرف نگاہ کی نوعیت ہے۔ امامیہ نہ صرف یہ کہ امام کو پیغمبر کا ظاہری خلیفہ بلکہ پیغمبر اسلام ﷺ کا حقیقی جانشین بھی جانتے ہیں کہ ضروری ہے خلیفہ اور مستخلف عنہ خاص شرائط اور صفات کے حامل ہوں تا کہ مقام نبوت اور امامت پر فائز ہونے کی لیاقت رکھتے ہوں۔ ان صفات میں ایک کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک امام کے مقام و منزلت سے تعلق ہے، یعنی جیسا کہ الٰہی انبیاء خاص معنوی حالات اور اپنے زمان کے برتر اور مہذب انسانوں کی کمالی صفات کے حامل تھے اور اسی بناء پر الٰہی لطف و عنایت کے مرکز قرار پائے اور مقام نبوت پر مبعوث ہوئے، خود امام بھی ایسا ہی ہو، مقام امامت سے پہلے انسان کامل کی تمام ضروری کمالی صفات کا حامل ہو تا کہ الٰہی عنایت کی بدولت مقام امامت پر منصوب ہو، عرفانی تعبیر کے مطابق امام پہلے "ولی" ہو تا کہ ولایت کے زیر سایہ مقام امامت پر پہنچے، جیسا کہ ولایت گوہر نبوت ہے۔

امام اور امامت کی طرف یہ نگاہ در اصل نبوت اور اسکی حقیقت کی طرف فلسفی و عرفانی نگاہ ہے، فلاسفہ اور عرفانی کی تعریف میں واضح کرتے ہیں کہ پیغمبر ایک ایسے قدسی نفس کے حامل ہیں کہ جو کمال پا چکا ہے کہ جسکی پاکیزگی کے زیر سایہ انہوں نے عالم غیب (فرشتوں) اور ایک دوسری تعبیر کے مطابق "عقل فعال" سے رابطہ برقرار کیا ہے اور اس سے وحی حاصل کی ہے، امامیہ کا عقیدہ ہے کہ امام بھی پیغمبر کی مانند کامل اور پاکیزہ نفس کا حامل ہے کہ جسکی بناء پر وہ عالم غیب کے ساتھ رابطہ برقرار کر سکتا ہے اور کیا معلوم عالم امکان بھی اسکے قدسی نفس سے متاثر ہو جائے کہ جسے اصطلاح میں ولایت تکوینی سے تعبیر کرتے ہیں۔ نبی اور امام میں بنیادی فرق وحی کا حصول اور نئی شریعت کا لانا ہے کہ جو حضرت محمد ﷺ کی بعثت سے اپنے آخری نقطہ تک پہنچ چکی ہے۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

عرفا "ولی" کی حیثیت کو عالم غیب سے رابطہ پیدا کرنے سے بڑھ کر جانتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ "ولی مطلق" یا "قطب" کائنات میں واسطہ فیض اور الٰہی حجت ہے کہ دنیا کسی وقت بھی اس سے بغیر نہیں رہتی۔[1]

قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ عرفا نے یہ ظریف اور عرفانی نکتہ امام کی توصیف میں شیعی احادیث سے اخذ کیا ہے اور اسے "ولی" پر تطبیق کرتے ہیں البتہ بعض عرفا اسکی مصداق پر تطبیق میں خطا کا شکار ہو گئے۔

خلاصہ یہ کہ امامیہ "امام" کو عالم غیب سے تعلق رکھنے والے ایک ولی مطلق، انسان کامل، فیض الٰہی کا واسطہ اور آسمانی حجت جانتے ہیں، جبکہ اہل سنت اسے ایک معمولی انسان اور زیادہ سے زیادہ اجتہاد اور عدالت کی حد تک لاتے ہیں اور بعض نے تو حاکم کی حکومت کے برقرار ہونے کے بعد عدالت کی شرط کے معتبر ہونے کا انکار کیا ہے۔

۵۔ وجوب امامت، عقل یا نقل کی رو سے

امامت کی بحث میں شیعہ اور سنی کے درمیان ایک اختلافی بحث امامت کے وجوب کی نوعیت ہے، یعنی آیا امامت کا وجوب بغیر کسی شرعی حکم کے صرف ایک عقلی حکم ہے یا عقل اس مسئلہ میں کوئی حکم نہیں رکھتی اور صرف نقل اسکے حکم کی تعیین کرتی ہے؟

دونوں مکاتب امامت و خلافت کے وجوب میں اتفاق نظر رکھتے ہیں، لیکن دونوں کا اختلاف اسکے عقلی یا نقلی وجوب میں ہے۔ اشاعرہ کی اکثریت اور معتزلہ کا ایک گروہ امامت کے وجوب کو منقول دلیل کی رو سے قبول کرتا ہے جبکہ امامیہ اور بعض معتزلہ اسے عقلی وجوب کی بناء پر قبول کرتے ہیں۔[3]

لہٰذا اشاعرہ اور معتزلہ کے نظریہ کی بناء پر امام کی تعیین اللہ تعالیٰ پر نہیں بلکہ لوگوں پر واجب ہے۔[4] (فقہی وجوب کا حکم)، جبکہ امامیہ کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کمالی صفات مثلاً حکمت اور لطف کی بناء پر امام کی تعیین اللہ تعالیٰ پر واجب ہے۔ البتہ یہ وجوب ایک کلامی وجوب (یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات کا استفادہ = من اللہ) ہے اور نہ وجوب فقہی کہ اللہ پر واقع ہو۔

---

[1]: رجوع کریں: الٰہیات شفا، ص ۴۵۵، مصنفات شیخ اشراق، ج ۲، ص ۱۱، صدر المتالھین، تفسیر القرآن الکریم، ج ۶، ص ۲۹۹، مطہری، آثار، ج ۴، ص ۸۴۸، قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ اس نگاہ میں اہل سنت کے عرفا امامیہ کے ساتھ مشترک ہیں اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ امامیہ کی نگاہ کو قبول کرتے ہیں لیکن وہ مذکورہ مقام ائمہ کے غیر افراد بلکہ اپنے لیے بھی جاری کرتے ہیں، اسی طرح اہل سنت کے عرفا اللہ تعالیٰ کی طرف سے منصوب ہونے کے قانون کے بھی منکر ہیں (محی الدین عربی، فصوص، فص داودیہ، الفتوحات، ج ۱، ص ۲۵۴ اور ۱۴۳)

[2]: "الذین اوجبوھا سمعاً فھم جمھور اصحابنا و اکثر المعتزلہ" (فخر رازی، تلخیص المحصل، ص ۴۰۶) نیز رجوع کریں: سیف الدین آمدی، ابکار الافکار، ج ۳، ص ۴۱۷، غایۃ المرام فی علم الکلام، ص ۳۰۹؛ شرح المقاصد، ج ۳، ص ۴۷۱؛ شرح مواقف، ج ۸، ص ۳۷۶؛ مقدمہ ابن خلدون، ص ۱۹۶

[3]: مندرجہ بالا دو نظریات کے علاوہ بعض جیسے جاحظ اور کعبی عقلی و نقلی دونوں وجوب کے قائل ہیں جبکہ بعض مثلاً خوارج خود وجوب امامت کے ہی منکر ہیں۔ شرح المواقف ج ۸، ص ۳۷۷

[4]: اشاعرہ اپنی سب سے اہم ترین مسموع دلیل صدر اسلام کے مسلمانوں کا پیغمبر ﷺ کی وفات کے بعد خلیفہ کی تعیین اور پیغمبر ﷺ کے غسل و دفن کے ترک کرنے میں اتفاق کو ذکر کرتے ہیں۔ شرح مواقف، ج ۸، ص ۳۷۷، شرح المقاصد، ج ۳، ص ۴۷۳

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ج۔ امام اور امامت کی شان و درجات

گذشتہ صفحات سے واضح ہوا کہ اہل سنت اور امامیہ کی امامت اور اسکے مراتب کی تفسیر میں نظر مختلف ہے، اہل سنت نے امام کو ایک دینی حاکم کی حد تک تنزل دیا اور اسکا مرتبہ سیاسی زعامت اور حکومت سمجھتے ہیں اور چونکہ عصمت اور علم غیب کو امامت کی شرط نہیں جانتے، لہٰذا اسکی دینی تعلیمات میں تشریح و وضاحت بھی حجت نہ ہوگی، لیکن امامیہ امام کی طرف اپنی عمیق نظر کی بناء پر اسکے لیے مختلف درجات و مراتب کے قائل ہیں کہ یہاں اسکے عناوین کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

۱۔ حکومت اور حاکمیت: متکلمین کے نزدیک امام کی مشہور ترین شان و منزلت اسکی لوگوں کے دنیاوی اور سیاسی امور میں زعامت اور حکومت ہے جسے ہر دو مکتب (امامیہ اور اہل سنت) امامت کی تعریف میں ذکر کرتے ہیں۔

آخری چند صدیوں میں ان دو مکاتب فکر شیعہ اور سنی کے بعض روشن فکر (سیکولر) حضرات نے اس مندرجہ بالا منصب کا انکار کر دیا ہے، اہل سنت کے سیکولر مثلاً علی عبدالرزاق کا عقیدہ ہے: نبوت اور امامت کا دنیا اور حکومت سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نبی بما ھو نبی نیز اسکی اتباع میں امام کا کام صرف دین کی تعلیمات کو بیان کرنا اور لوگوں کو خدا اور آخرت کی راہنمائی کرنا ہے۔

بعض ہم عصر شیعہ روشن فکر حضرات نے بھی یہی آئیڈیا بیان کیا ہے آنے والے ابواب میں اس شبھہ اور اس پر تنقیدی جائزے کا تفصیل سے ذکر آئیگا۔

قابل غور نکتہ یہ ہے کہ یہ منصب، امام اور جانشین پیغمبر ﷺ کے مناصب اور درجات میں سے ایک منصب ہے نہ کہ امام کی ساری شان و منزلت ہی یہی ہو، لہٰذا وہ معنٰی جس میں اہل سنت اور شیعہ کا اختلاف پایا جاتا ہے وہ مندرجہ بالا معنٰی نہیں ہے، شہید مطہریؒ کی تعبیر کے مطابق شیعہ و سنی کے درمیان اختلاف کو اس معنی میں منحصر کرنا بعض شیعہ علماء کی خطا تھی۔[1]

۲۔ علمی اور دینی مرجعیت: پیغمبر ﷺ کا ایک اہم اور آسمانی منصب دینی تعلیمات کو بیان کرنا تھا، آپ کا وحی سے رابطہ ہونے کی بناء پر آپ کی دینی تعلیمات کی تشریح اور تفسیر مسلمانوں کیلئے حجت الٰہی قرار پاتی تھی اور قلب و عمل سے اسکی پیروی واجب تھی جسے اصطلاح میں "علمی اور دینی مرجعیت" کے عنوان سے یاد کیا جاتا ہے۔

شیعہ کا عقیدہ ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنا یہ منصب ائمہ کو بھی تفویض فرمایا ہے، لہٰذا ائمہ کی عصمت اور عالم غیب سے الہام (نہ کہ وحی) کی وجہ سے انکی دینی تعلیمات کی تشریح اور تفسیر بھی پیغمبر ﷺ کی مانند حجت الٰہی قرار پائے گی۔ لیکن اہل سنت امامت میں عصمت اور عالم غیب سے رابطہ کی شرط کا انکار کرتے ہیں اور

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

خلفاء راشدین کی عصمت نہ رکھنے اور انکی علمی خطاؤں کو قبول کرنے کی بناء پر امام اور حاکم کو "علمی اور دینی مرجعیت" سے متصف نہیں کر سکتے۔

۳۔ عمومی ولایت: نبی بالخصوص پیغمبر اسلام ﷺ کا تیسرا رتبہ مقام خلافۃ اللہ ہے، پہلے اشارہ ہو چکا ہے کہ انبیاء اپنی تہذیب نفس کی وجہ سے قرب الٰہی کے مقام پر فائز ہوتے ہیں اور صفات الٰہی کا مظہر اور جلوہ ہوتے ہیں۔ اکثر امامیہ کی رائے کے مطابق اس تناظر میں ائمہ علیہم السلام کمال کے بلند ترین درجہ پر فائز ہیں اور سوائے پیغمبر اسلام ﷺ کے تمام انبیاء پر برتری رکھتے ہیں۔ ائمہ علیہم السلام عمومی ولایت کے حامل ہونے کی وجہ سے کائنات اور انسانی دلوں پر تسلط رکھتے ہیں۔[1]

اکثر امامیہ ائمہ میں مندرجہ بالا تینوں مقامات کے قائل ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ امامت بھی ان تین الٰہی صفات کے ساتھ وجود میں آتی ہے، بالفاظ دیگر پیغمبر ﷺ کی رحلت کے بعد جب امام اور امامت کی بات ہو تو ذہنوں کو فوراً صرف ایک جہت مثلاً حکومت کی طرف توجہ مبذول نہیں کرنی چاہیے اور یہ کہا جائے کہ امام یعنی حاکم ، بلکہ ضروری ہے کہ یہ کہیں کہ امام یعنی: دینی و علمی مرجع، اسلام کا شارح اور حجت خدا۔ تو اس صورت میں ایسی شخصیات کو تلاش کرنا چاہیے کہ جو ان تمام صفات کی حامل ہوں۔ لہٰذا شیعہ اس بات پر مُصر ہیں کہ پیغمبر ﷺ کی رحلت کے بعد یہ تینوں مقامات صرف حضرت علی علیہ السلام کی ذات میں خلاصہ ہوتے ہیں۔

دوم: فلسفہ امامت

اسلام ایک مکمل اور آخری دین ہے کہ جو آخری آسمانی پیغمبر ﷺ کے ذریعے بشریت تک پہنچا، اس دین کا دعوی ہے کہ وہ بعنوان دین جاوداں تمام زمانوں میں دنیوی اور اخروی اعتبار سے کامل اور جامع ہے۔ زمانہ پیغمبر ﷺ میں اسکی تفسیر اور اجراء کی ذمہ داری خود حضرت پر تھی، پیغمبر اسلام ﷺ آسمانی وحی پر تکیہ کرتے ہوئے شریعت کا بیان اور تشریح، شبہات کا جواب اور تحریف کرنے والوں کا مقابلہ کرتے تھے۔ لیکن انکی رحلت کے ساتھ یہ خوف تھا کہ آنحضرت کی تیئس سالہ نہایت سخت کوشش و محنت گزرتے زمانہ کے ساتھ ختم ہو جائے اور آسمانی خالص تعلیمات کی جگہ اہل بدعت کی تفسیر بالرائے لے لے۔ یہ ایک عقلی احتمال تھا، لہٰذا ایک ایسا دین جو عالمی، جاودانی اور آخری ہونے کا اعلان کر رہا ہو، وہ اتنی آسانی سے اس سے چشم پوشی نہیں کر سکتا، پس ضروری ہے کہ اسے خطرات سے بچانے کے اقدامات کرے۔

اسلام نے عقیدہ امامت کے ذریعے مندرجہ بالا مشکل کو حل کیا۔ امام ایسی شخصیت ہے کہ جو اگرچہ وحی کے ذریعے مقام الوھیت سے رابطہ نہیں رکھتی، لیکن الہام کے ذریعے عالم غیب سے متصل ہے اور خصوصی علم "لدنی

---

[1]: رجوع کریں: مطہری، مجموعہ آثار، ج ۴، ص ۸۴۸ اور ۸۶۶

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

"اور مقام عصمت کی حامل ہے۔[1] مندرجہ بالا نکات کے پیش نظر نبوت کے بعد امامت کی ضرورت پر دلائل کچھ اس طرح سے بیان کیے جاسکتے ہیں:

(الف) لوگوں کی ہدایت

چونکہ شیعہ مکتب میں ائمہ معصومین علیہم السلام مقام ولایت و امامت کے حامل ہیں اور پیغمبر ﷺ کی رحلت کے بعد لوگوں کی ہدایت، راہ رسالت کے تسلسل اور اسلام کی تبلیغ کی ذمہ داری سنبھالتے ہیں۔ پیغمبر ﷺ کی رحلت کے بعد حضرت علی علیہ السلام جیسی شخصیت بعنوان "ولی کامل" کے ہوتے ہوئے دوبارہ نبی کی ضرورت نہیں تھی اور حقیقت میں انکا مقام ولایت، مقام نبوت سے بڑھ کر ہے۔ بالفاظ دیگر بعثت کے نہ ہونے سے سوال یا خاتمیت کی تفسیر کی وجہ یہ بیان کرنا کہ کائنات میں کامل انسانوں کی پیدائش کی صلاحیت مفقود ہوچکی ہے، دراصل آئمہ کے معنوی مقامات سے غفلت اور توجہ نہ رکھنے کی بناء پر ہے۔

(ب) دینی مرجعیت

گذشتہ مطالب میں یہ بیان کیا جاچکا ہے کہ نبی کا ایک کام لوگوں کو آسمانی وحی کا ابلاغ اور مخاطبین کیلئے اسکی صحیح اور خالص تفسیر و تشریح کرنا ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ کے ہوتے ہوئے دین کی نادرست تفسیر کا ذرہ برابر بھی احتمال نہیں تھا، لیکن انکی رحلت کے بعد دین کے بارے میں نادرست اور مختلف قسم کی تشریح پیش کرنے کا احتمال بہت زیادہ موجود تھا، آخری کتاب اور آسمانی شریعت کے بارے میں نادرست تفاسیر، بدعت اور انحرافات کے بڑھنے سے اسکے اعتبار کو ضرر پہنچ سکتا تھا لہٰذا ضروری تھا کہ ایک معتبر اور معصوم علمی مرجع تعیین کیا جائے۔ جسے اسلام میں مقام امامت اس قسم کی ضرورت کو حل کرتا ہے۔[2]

شاید یہاں کسی کو یہ وہم ہو کہ قرآن اور احادیث کے ہوتے ہوئے امامت کی ضرورت نہیں ہے بالفاظ دیگر حسبنا کتاب اللہ وسنۃالرسول کا دعوی کرے؟ ہم اسکے جواب میں کہیں گے کہ گذشتہ نکات اور بعد میں بیان ہونے والے نکات اسی وہم کا نقضی جواب ہیں، اسکے علاوہ یہ بھی ہے کہ پیغمبر ﷺ کی بعض احادیث کو جاعلین نے جعل اور تحریف کیا ہے، یوں تاریخ میں تقریباً حدیث کے ۷۰۰ جاعلین کا ذکر موجود ہے[3] جو خود اس بات پر دلیل ہے کہ ان احادیث کو بغیر انکی شناخت اور جانچ پڑتال کے انہیں معتبر اور حجت قرار نہیں دیا جاسکتا اور اسکی تشخیص امامت و عصمت کے مقام کی بناء پر ہے۔

---

[1]: امام کی صفات اور خصوصیات بعد والے ابواب میں عقلی و نقلی دلائل کے ساتھ بیان ہونگی۔
[2]: مرتضی مطہری، خاتمیت، ص ۵۳، جعفر سبحانی، الالھیات، ج ۳، ص ۵۰۷
[3]: رجوع کریں: الغدیر، ج ۵، ص ۲۰۸

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

(ج) مخاطبین کا مکمل عقلی بلوغ نہ رکھنا

پیغمبر اسلام ﷺ کی ختم نبوت کا ایک فلسفہ صدر اسلام کے مسلمانوں کا عقلی بلوغ اور کمال پانا تھا کہ اسی بلوغ کے زیر سایہ وہ آسمانی کتاب کو اسکی اصل اور خالص حالت میں محفوظ رکھنے اور بعد والی نسلوں کو منتقل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ لیکن قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ جزیرہ عرب کے لوگ تعلیمی اور نظری علوم مثلاً فلسفہ، تفسیر اور کلام میں ابتدائی سطح پر تھے، آیات متشابہ اور قرآن مجید کے بطن نیز اسکے ظریف نکات کو سمجھنے پر قادر نہ تھے، لہٰذا امام کے وجود اور قرآن کے معصوم مفسر اور مرجع کی ضرورت پڑی۔ مختلف دینی فرقوں کا ظہور، قرآن کی مختلف اور نادرست تشریح و تفسیر پر گواہ ہے کہ جو آیات کے ظاہر سے تمسک کرتے ہوئے مسلمانوں میں افتراق کا باعث بنے۔ یہاں فرقہ "مجسمہ" کو بعنوان مثال پیش کیا جا سکتا ہے کہ جو "العیاذ باللہ" اللہ تعالیٰ کے مجسم ہونے پر عقیدہ رکھتے تھے،[1] اسی طرح اہل سنت کی اکثریت کہ جو روز قیامت اللہ تعالیٰ کو ظاہری آنکھ سے دیکھنے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔[2] لیکن مکتب تشیع امام معصوم سے تمسک کی وجہ سے اس قسم کے عقائد سے پاک و منزہ ہے۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ معرفت و تفسیر کے میدان میں ہمیشہ معصوم امام اور مرجع کی ضرورت ہے اور دوسرے لوگ عصمت کے نہ ہونے کی بناء پر احتمال خطا رکھتے ہیں، ائمہ معصومین علیہم السلام نے دین کی شناخت کے ضروری اور بنیادی قوانین و اصول مخاطبین کو منتقل کیے اور ہشام کی مانند عظیم متکلمین اور مفسرین کی تربیت کرتے ہوئے زمانہ غیبت میں امام کی ضرورت کے احساس کو کم کیا۔ انہوں نے اصول دین اور دینی قوانین خالص شکل میں معاشرے کے حوالے کیے تاکہ وہ دینی تعلیمات کو تحریف اور بدعت کی مشکلات سے محفوظ رکھیں یا حد اقل ایسا مقصد انکے پیروکاروں کے درمیان تشکیل پائے۔

پس صدر اسلام کے مسلمانوں کا مکمل طور پر بالغ نہ ہونا اور امام معصوم کے زیر سایہ انکا تدریجی کمال پانا، ختم نبوت کے بعد وجود امام کی ضرورت کے دلائل میں سے ایک دلیل ہے۔ اس موضوع کی مزید وضاحت اس باب میں بیان ہو گی کہ جہاں عقیدہ امامت کا اصل ختم نبوت کے ساتھ سازگار نہ ہونے کا شبہ بیان کیا گیا ہے۔

(د) فروعی احکام کا بیان

پیغمبر اسلام ﷺ اپنی نبوت کے مختصر سے دورانیہ (تئیس سال) میں مختلف مشکلات مثلاً مکہ کے تیرہ سالہ دور میں مناسب ماحول فراہم نہ ہونا اور مومنین کی قلیل تعداد، مدینہ میں قیام کے دوران مشرکین اور بعض یہودی قبائل کی طرف سے جنگوں اور مخالفتوں کی بناء پر اسلام کے تمام جزئی اور فروعی احکام کو لوگوں کیلئے بیان نہ کر پائے، یا وہ بعض احکام جو آپ ﷺ نے بیان فرمائے، وہ عمیق اور شفاف انداز سے تحریر اور محفوظ نہ کیے جا سکے، اسی

---

[1]: رجوع کریں: ابوالحسن اشعری، مقالات الاسلامیین، ج۱، ص۲۸۱، شہرستانی، الملل والنحل، ج۱، ص۹۶

[2]: رجوع کریں: امام جوینی، کتاب الارشاد، ص۱۶۴، عبدالقاہر بغدادی، کتاب اصول الدین، ص۵۵

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

طرح وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسلام کو ایسے سوالات اور مسائل کا سامنا کرنا پڑا کہ جن کا حکم قرآن اور پیغمبر ﷺ کی سنت میں واضح طور پر موجود نہیں تھا، یہ شرعی اور قانونی خلا ایسے دین کے لیے کہ جو خاتمیت، ابدیت اور جامعیت کا دعویدار ہو، قابل قبول نہیں ہے، اسلام نے اس نقص کو عقیدہ امامت کے ذریعہ حل کیا ہے اور امام کے علمی اور الوہی مقام کے پیش نظر نئی قانونی اور شرعی مشکلات و مسائل کا جواب دیا ہے۔[1]

ائمہ علیہم السلام کی طرف شرعی احکام کے بیان کی نسبت دینے میں اختلاف برانگیز نکتہ یہ ہے کہ امامیہ میں دو نظریے ہیں[2] کہ جنکی تفصیل امام اور خاتمیت کے باب میں بیان ہو گی۔

(ھ) دینی حکومت کی تشکیل

وہ دین کہ جو فردی، اجتماعی اور سیاسی میدانوں میں ابدی اور جامع ہونے کا دعویدار ہے، یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ حکومت کے مسئلہ کی طرف توجہ نہ کرے کیونکہ طاقت و حکومت کا مقام معاشرے کی ہدایت کے راستے کی تعیین، علماء دین اور دانشور طبقہ کی تربیت نیز انکی فکری جہت کی تعیین میں قابل توجہ کردار ادا کرتا ہے۔

اسی بناء پر اسلام حکومت اور حکمران کو اپنی حیات کی تکمیل اور تتمیم کرنے والا نیز انحراف اور تحریف کی مصیبت سے بچانے والے کے عنوان سے خصوصی نظر سے دیکھتا ہے۔ دین کی حکومت اور حاکمیت کے مسئلہ کی طرف توجہ کے مفروضہ کے پیش نظر بعد کی بحث حاکم کی تعیین پر ہو گی۔

اسلام میں دین و حکومت کا مسئلہ آپس میں مدغم ہو چکا ہے اور اس میں دین و سیاست کی باہمی جدائی (سیکولرزم) کی داستان کی گنجائش نہیں ہے، لہٰذا ایسی شخصیت کہ جو علمی اور دینی مرجعیت نیز ولایت معنوی کے مقام کی حامل ہے، ایسا فرد ہی حکومت اور حاکمیت کا عہدہ سنبھال سکتا ہے، کیونکہ مطلق دینی و علمی مرجع اور ولایت مطلقہ کے مقام کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے فرد کی باری نہیں آسکتی؛ اسکے علاوہ مفضول اور مرجوح کا فاضل پر مقدم ہونا لازم آئیگا، بلکہ اگر کاموں اور ذمہ داریوں کو تقسیم اور جدا کرنے سے مثلاً سیاسی اور اجتماعی امور اور ملک کی قیادت کسی اور فرد کو سپرد کرنے سے یہ امکان موجود رہتا ہے کہ ایسا حاکم عصمت نہ رکھنے کی بناء پر علمی اور دینی مرجع کی فعالیت کی حدود جو معین اور جدا تصور کی گئی تھیں انہیں محدود کرے یا اس سے یہ حق چھین لے اور اسکی جگہ اپنا دلخواہ نمائندہ قرار دے، تو اس صورت میں غرض میں نقص لازم آتا ہے اور آخری اور ابدی دین اپنے مقاصد پورے نہیں کر سکتا۔

صدر اسلام کی تاریخ پر ایک اجمالی سی نظر مندرجہ بالا دعوی کی تائید کرتی ہے، حضرت علی علیہ السلام کا پیغمبر اسلام ﷺ کے جانشین ہونے کے عنوان سے تمام امور یعنی علمی اور دینی مرجعیت، عمومی ولایت اور حکومت

---

[1]: علامہ طباطبائی، شیعہ در اسلام، ص ۸۰، مصباح یزدی، آموزش عقائد ج ۱، ۲، ص ۳۵۳، ۳۵۲

[2]: رجوع کریں: سعید ضیائی فر، جایگاہ مبانی کلامی در اجتہاد، ص ۱۸۶ اور اسکے بعد کے صفحات۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

میں انتخاب اور تعیین کے باوجود پہلے تین خلفاء کے پچیس سالہ دور میں یہ سب کچھ محقق نہ ہو سکا، آپ معاشرہ سے عملی طور پر کٹ کر گوشہ گیر ہو چکے تھے اور حضرت قرآن کی جامع تفسیر تحریر کرنے اور باغ کے کاموں نیز کنویں کھودنے میں مشغول تھے۔ ان پچیس سال میں اسلام میں بہت سے انحراف اور نقائص پیدا ہو چکے تھے جو دین (امامت) کے سیاست و حکومت سے جدا ہونے کا نتیجہ تھے۔ (کتاب کے متن میں سے ان بعض امور کی طرف اشارہ ہو گا)۔

پس ضرورت امامت کا ایک فلسفہ خالص دینی حکومت کی تشکیل ہے جسکے زیر سایہ دین انفرادی اور اجتماعی میدانوں میں اپنے رشد و کمال میں خالص انداز میں بڑھے۔

(و) ائمہ الٰہی، واسطہ فیض

عرفان اور حکمت متعالیہ کی رو سے امامت کا ایک فلسفہ اور بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ جو روایات میں غور و فکر کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے، ذیل میں اس کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے:

فلسفہ میں ثابت ہو چکا ہے کہ ہر مادی وجود کا مثالی، برزخی اور عقلی وجود بھی ہے، در حقیقت ہر چیز کا مادی وجود اس سے پہلے عالم مثال میں ہے اور اس سے پہلے عالم تجرد میں (بسیط شکل میں) موجود تھا کہ جب مادی ہونے کی ضروری شرائط حاصل ہوئیں تو اوپر کے جہان سے نازل ہوا۔ فلسفہ سب سے پہلے وجود کو "عقل اوّل" سے تعبیر کرتا ہے کہ جو براہ راست خالق متعال کی تخلیق ہے اور اسکے بعد والی مخلوقات اس کے ذریعے وجود پاتی ہیں۔ یہ بحث فلسفہ میں "قاعدۃ الواحد" کی بحث میں قابل مطالعہ ہیں۔

احادیث اور روایات سے مندرجہ بالا نظریہ (ائمہ کا الٰہی فیض میں واسطہ ہونا) کا اثبات اور تحقیق مخالف کیلئے انکار کی گنجائش نہیں چھوڑتی، کچھ احادیث یہاں پیش کی جائیں گی اور کچھ بعد والے باب میں "ائمہ شیعہ کے انبیاء پر برتری کے دعوی میں شبہ" کا جائزہ لیتے ہوئے بیان کریں گے۔

روایات میں اس بات پر تاکید کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سب سے پہلی مخلوق حضرت محمد ﷺ کا وجود ہے جو اہل بیت (چودہ معصوم) کے نورانی وجود کے ہمراہ ہے۔ ائمہ شیعہ اور حضرت زہراء سلام اللہ علیہا کے نورانی انوار پیغمبر اعظم ﷺ کے نورانی وجود کے ساتھ متحد اور باہم وجود میں آئے تھے اور الٰہی فیض ان ہستیوں کے نورانی وجود کے ذریعے دوسروں تک منتقل ہوتا ہے۔ اسی لیے پیغمبر ﷺ اپنے آپ کو سب سے پہلا نبی توصیف کرتے ہیں کہ اس وقت حضرت آدم علیہ السلام کے مادی وجود پر روح قدسی پھونکی نہیں گئی تھی۔

كُنتُ نبياً و آدمُ بين الروحِ والجسدِ[1]

دوسرے مقام پر آتا ہے:

---

[1]: ینابیع المودۃ، ج ۱، ص ۴۵، ب ۱، ح ۵، ۳، ۱

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

كنتُ انا و عليّ بين يدى اللهِ عزوجل قبل ان يخلقَ آدمَ ـــ[1]

آدم کی خلقت سے پہلے میں اور علی اللہ کی بارگاہ میں موجود تھے۔

پیغمبر اسلام ﷺ حضرت علی علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

أنتَ منّی وانا منکَ انتَ کروحِی من جسدِی انتَ منی کالضوءِ من الضّوء [2]

تم مجھ سے ہو اور میں تجھ سے۔ تو میرے جسم کی روح کی مانند ہے تو ایسے مجھ سے ہے جیسے روشنی سے روشنی۔

پیغمبر ﷺ فرماتے ہیں:

بُعِثَ عليّ معَ كل نبی سراً و معِی جهراً [3]

علی ہر نبی کے ساتھ پنہاں اور میرے ساتھ واضح وآشکار بھیجا گیا۔

اہل سنت کی ایک صحیح روایت میں پیغمبر ﷺ سے نقل ہوا ہے:

كنتُ أنا و عليّ بن ابی الطالب نوراً بين يدى اللهِ تعالى قبلَ ان يخلقَ آدم باربعةِ آلافِ عام فلمّا خلقَ آدم قسّمَ ذلک النور قسمين :فجزءٌ انا وجزء عليّ ۔[4]

آدم کی خلقت سے چار ہزار سال پہلے میں اور علی بن ابی طالب اللہ کی بارگاہ میں موجود تھے۔ جب آدم خلق کیے گئے تو اس نور کو دو قسموں میں تقسیم کیا گیا: ان میں سے ایک میں اور دوسرے علی ہیں

ایک روایت میں پیغمبر اکرم ﷺ حضرت علی علیہ السلام کی ولادت کے بارے میں جابر بن عبداللہ انصاری کے جواب میں فرماتے ہیں:

انَّ اللهَ تبارکَ و تعالى خلق عليّاً من نورِی و خَلقَنِی من نوره و كلانا من نورٍ واحدٍ [5]۔

اس جیسی بہت سی احادیث نبوی فریقین کے بہت سے ماخذ میں نقل اور حکایت ہوئی ہیں۔[6]

ایک روایت میں حضرت اپنے آپ اور اپنے اہل بیت کو ملائکہ سے افضل توصیف کرتے ہیں اور اسکی دلیل وجود کے اعتبار سے پہلے ہونا اور اسکے نتیجہ میں پروردگار کے مقام کی شناخت میں سبقت کرنا بیان فرمائی ہے:

---

[1]: شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۹، ص۱۷۱

[2]: بحار، ج۳۸، ص۲۹۶

[3]: رجوع کریں: ابن جمہور، المجلی، ص۳۰۹، ۳۶۸

[4]: تذکرۃ الخواص، ص۳۶

[5]: کفایۃ الطالب، ص۴۰۵، ابن طاؤس، الیقین، ص۴۸۵، ب۱۹۴، ماخوذ از موسوعۃ الامامۃ فی نصوص اہل السنۃ، ج۳، ص۵۷

[6]: رجوع کریں: موسوعۃ الامامۃ فی نصوص اہل السنۃ، ج۳، باب۴، ۳ج۴، ص۴۱۵

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ماخَلَقَ اللهُ عز وجل خلقاً افضل منّی ولا اکرم علیه منی — لَولَا نحنُ ماخلقَ آدم ولاحوا ولا الجنةَ ولا سماءَ ولاارضَ فکیفَ لا نکون افضلُ من الملائکةِ وقد سبقناهُم الی معرفةِ ربّنا وتَسبیحهِ وتَهلیلِه وتَقدُّسیه ؟! لانَّ اوّلَ ماخلق اللهُ عزوجل ارواحَنا فانطقنا بِتَوحیدِہ وتَمجیدِہ ۔[1]

امام علی علیہ السلام بھی خاتم الانبیاء ﷺ کی جانشینی اور اپنے مقام ولایت و امامت (کہ جو نبوت کے مقام سے برتر ہے اور اسکی تشریح بعد والے ابواب میں ذکر ہو گی) کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے بیان کرتے ہیں:

کنت وصیاً و آدم بین الماء والطین [2]

ایک روایت میں امام صادق علیہ السلام حضرت محمد ﷺ اور علی علیہ السلام کے وجود کو دو ایسے سب سے پہلے متحد نور سے توصیف کرتے ہیں کہ ان دو وجود سے پہلے (سوائے وجود خدا کے) کوئی وجود نہ تھا، یہ دو نور پاکیزہ اصلاب میں بھی متحد تھے یہاں تک کہ حضرت عبداللہ (پیغمبر اکرم ﷺ کے والد گرامی) اور حضرت ابو طالب (حضرت علی علیہ السلام کے والد گرامی) سے یہ دونوں نور جدا ہوئے:

فَلَم یزالا نُورَین اولین اذلَا شیءَ کوّنَ قَبلَهُما — [3]

وہ حضرت اپنے سب کے وجود کو اللہ تعالیٰ کی پہلی اور آخری خلقت کے عنوان سے توصیف کرتے ہیں:

بِنَا فَتحَ اللهُ وبنا ختمَ اللهُ و نَحنُ الأوّلُونَ و نحنُ الاخرونَ - نحنُ علةُ الوجود [4]

فریقین کے مآخذ میں موجود احادیث نبوی میں بھی آیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اپنی خلقت کے بعد عرش الٰہی پر پانچ ایک جیسے انوار کو دیکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ان کے بارے میں سوال کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ جواب میں فرماتا ہے:

لَولا هُم ماخلقتکَ—یا آدم هولاء صفوتی مِن خَلقِی ،بهم أنجیهم و بهم اهلکهم فاذا کَانَ لک الیَ حاجةٌ فهولاء توسّلْ [5]

---

[1]: بحار، ج ۲۶، ص ۳۳۵

[2]: عوالی اللئالی ابن جمهور الاحسائی، ج ۴، ص ۱۲۳

[3]: کافی، ج ۱، ص ۴۴۱، کتاب الحجۃ، باب مولد النبی، ج ۹، امام خمینی، مصباح الهدایۃ، ص ۶۱

[4]: بحار، ج ۲۶، ص ۲۵۹

[5]: فرقد السمطین، ج ۱، ص ۳۶، قطب الدین راوندی، قصص الانبیاء

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

فریقین کی روایات میں تاکید ہوئی ہے کہ اہل بیت علیہم السلام نہ صرف الٰہی فیض میں واسطہ ہیں بلکہ خود عالم امکان (کائنات) کی بقاء اور وجود کا بھی واسطہ ہیں، بالفاظ دیگر کائنات مندرجہ بالا دلیل (کائنات کے وجود پانے اور بقاء میں امام واسطہ ہے) کے پیش نظر امام معصوم کے وجود سے کبھی بھی خالی نہیں رہتی۔

مندرجہ بالا مطالب کی عرفان اور عرفاء بھی تائید اور اس پر تاکید کرتے ہیں اور اس کو قطب عالم اور مقام ولایت سے تعبیر کرتے ہیں۔

اس نکتہ پر فریقین کی روایات میں بھی تاکید کی گئی ہے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

اَللھمَّ بلی لا تخلو الأرضُ من قائم لله بحجةٍ اما ظاهراً مشهوراً واما خائفاً مغموراً لئلا تبطلَ حججُ الله و بيناتِه [1]

اے میرے پروردگار! ہاں زمین اس سے خالی نہیں رہ سکتی کہ جو حجت اور دلیل کے ساتھ دین خدا کو قائم کرے، وہ یا ظاہر اور مشہور ہے یا خوفزدہ اور پنہاں، تاکہ اللہ تعالیٰ کی روشن حجتیں اور دلیلیں ختم نہ ہوں۔

ابن فضیل نے امام رضا علیہ السلام سے پوچھا کہ آیا زمین امام کے بغیر باقی رہ سکتی ہے؟ حضرت فرماتے ہیں: نہیں۔ اس نے دوبارہ حضرت سے سوال کیا کہ آیا امام صادق علیہ السلام سے یہ روایت نقل ہوئی ہے کہ اگر زمین امام کے بغیر ہو تو اللہ تعالیٰ اہل زمین یا لوگوں پر غضب ناک ہوتا ہے، حضرت نے فرمایا:

لا، لا تبقی اذاً لساخت [2]

نہیں، (زمین حجت سے) خالی نہیں رہتی، ورنہ تباہ ہو جائیگی۔

امام سجاد علیہ السلام ایک طولانی روایت میں وضاحت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری بنا پر آسمان کو زمین پر گرنے سے روکے ہوئے ہے اور ہماری وجہ سے باران رحمت نازل ہوتی ہے اور زمین میوہ دیتی ہے:

نحنُ امانُ اهل الارضِ كما ان النجومَ امانُ اهل السماءِ و نحنُ الَّذين بنا يمسك الله السماءَ ان تقعَ على الأرضِ الا باذنه و بنا يمسك باهلها و بنا ينزل الغيث و ينشر الرحمة و يَخرُج بركاتِ الأرضِ و لَو لا ما فى الارضِ منّا لساختِ الأرضُ باهلها ـ ولم تخل الارضُ منذُ خلق الله آدم من حجة لله فيهما ظاهرٌ مشهورٌ او غائبٌ مستورٌ [3]

---

[1]: نہج البلاغہ، حکمت ۱۳۹

[2]: کافی، ج ۱، ص ۱۷۹

[3]: فرائد السمطین، ج ۱ ص ۴۵؛ موسوعۃ الامامۃ، ج ۵، ص ۲۸۶

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ہم اہل زمین کیلئے اسی طرح امان ہیں جس طرح ستارے اہل آسمان کے لیے امان ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری وجہ سے آسمان کو زمین پر گرنے اور زمین کو اپنے اوپر رہنے والوں پر تنگی کرنے سے بچا کر رکھتا ہے۔ ہماری وجہ سے بارش ہوتی ہے، رحمت پھیلتی ہے اور زمین کی برکات و ثمرات نکلتے ہیں۔ اگر زمین پر ہم میں سے کوئی نہ ہوتا تو زمین اپنے اوپر رہنے والوں کو نگل لیتی۔

زیارت جامعہ کے مختلف فقرے بھی اس مضمون و مطلب کو بیان کرتے ہیں:

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

انَّ الأرضَ لا تخلو الا و فیها امام [1]

اسلامی فلاسفہ نے بھی اس بات کی تائید کی ہے۔[2]

نتیجہ:

پہلی بات یہ ہے کہ: کائنات میں اماموں کا وجود نیا اور حادث نہیں ہے بلکہ انکا نورانی وجود عالم مادہ کی خلقت سے پہلے اور ہر وجود سے قبل پیغمبر اعظم ﷺ کے نورانی وجود سے متحد تھا اور عظیم و بلند مرتبہ موجودات کی شکل میں مقام قرب الٰہی میں موجود تھا اور صرف مادی جہان میں انکا ظہور انسانی بدن میں ہوا ہے۔ ایک تعبیر کے مطابق انکا وجود عالم ممکن کی خلقت کے قانون کا لازمہ اور ذاتی تھا اور کہا گیا ہے کہ: "الذاتی لا یعلل" کسی چیز کا ذاتی جز و علت کا محتاج نہیں ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ: ائمہ کے وجود کی عظمت اور منزلت کی بناء پر عالم امکان کا وجود انکی وجہ سے قائم ہے اور ان کا وجود دیگر تمام موجودات کے حدوث و بقاء کا سبب ہے اور انکے نہ ہونے سے جہان عدم میں تبدیل ہو جائیگا۔ پس ان کا وجود کائنات کے وجودی بقاء کیلئے لازم اور ضروری ہے۔

سوم: شناخت امام کی ضرورت

ائمہ کے امتیازی اوصاف کی بناء پر کہ جن میں سے بعض فلسفہ امامت کی بحث میں گزر چکے ہیں، (مثلاً ہادی ہونا، دینی مرجعیت، فرعی و فقہی احکام کا شرعی بیان اور فیض الٰہی میں واسطہ)، ہر مسلمان حتی کہ غیر مسلم لوگوں (چوتھے مقام کو دیکھتے ہوئے) پر لازم ہے کہ سب سے پہلے مقام امامت پر اگرچہ کلی اور اجمالی صورت میں پھر اسکے مصادیق ائمہ کے بارے میں علم اور شناخت پیدا کریں، کیونکہ دین کے عقائد، عملی احکام اور اخلاقیات پر مشتمل تعلیمات کے بارے میں صحیح اور خالص شناخت کا چشمہ ائمہ علیہم السلام کا وجود ہے، ورنہ ہر مسلمان کی معرفت اور

---

[1]: کافی، ج۱، ص۲۵۱

[2]: رجوع کریں: الٰہیات شفا، ص۴۵۵، مجموعہ مصنفات شیخ اشراق، ج۲، ص۱۲،۱۱، میر داماد، القبسات، ص۳۹۷؛ محمد رضا حکیمی، خورشید مغرب، فصل نہم

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

عمل کہ جو ائمہ کے علاوہ کسی راستہ سے حاصل ہو وہ غلطیوں اور گمراہیوں میں مبتلا ہوا ہے اور یہ چیز انبیاء اور آسمانی ادیان کی بعثت سے مطابقت نہیں رکھتی ہے۔

قطع این مرحله بی همرهی خضر ممکن ظلمات است بترس از خطر گمراهی [1]

لہٰذا محمد وآل محمد (ص) کی احادیث میں متعدد بار امام کی حقیقی معرفت پر تاکید کی گئی ہے اور امام وامامت کے مقام سے جاہل کو زمانہ جاہلیت کے مردوں میں شمار کیا گیا ہے۔

مَن مَاتَ و لم یَعرِف امامَ زمانِه ماتَ میتةً جاهلیةً [2]

ایک اور روایت میں آیا ہے:

من ماتَ بغیر امامٍ ماتَ میتةً جاهلیةً [3]

ان روایات کی رو سے اگر کوئی شخص اپنے زمانہ کے امام کی معرفت حاصل نہ کرے تو وہ جاہلیت کی موت اور بغیر ایمان کے مرا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ امام سے مراد کونسا امام ہے؟ آیا اس سے مراد ہر طرح کا حاکم ہے خواہ وہ طاقت، غلبہ اور دھوکہ سے اقتدار پر قابض ہوا ہو؟ اگر ایسا ہو تو یہ سوال سامنے آئیگا کہ ایسے امام کی شناخت اور اسکے جاہل پر کفر اور جہالت کے آثار مرتب ہونے میں کیا تعلق ہے کہ روایات میں اس موضوع پر اتنی تاکید وارد ہوئی ہے؟

اگر امامت اور امام کے بارے میں بیان ہونے والی روایات نبوی پر دوبارہ غور وفکر کریں، بالخصوص ان روایات کی طرف نظر کریں کہ جن میں حضرت علی علیہ السلام اور گیارہ ائمہ کو بعنوان امام انتخاب کیا گیا اور انہیں بعنوان حجت خدا، فیض الٰہی کا واسطہ اور کائنات کی بقاء کا سبب توصیف کیا گیا ہے؛ تو یہ واضح ہوتا ہے کہ امام کی معرفت وشناخت کی ضرورت سے مقصود حقیقی اور کامل امام کی شناخت ہے کہ جو تمام ائمہ اطہار میں جلوہ گر ہے۔

اس طرح (جاہلیت اور کفر کی موت کے) حکم اور (امام سے جہالت کے) موضوع میں مناسبت اور تعلق کا یہ دعوی ثابت ہوتا ہے، نیز بہت سی ایسی روایات بھی وارد ہوئی ہیں کہ جو جاہلیت کی موت کو ائمہ معصومین علیہم السلام کی عدم معرفت پر تطبیق دیتی ہیں۔

---

[1]: دیوان حافظ

[2]: کافی، ج ۱ ص ۳۷۶، یہ کہ جاہلیت کی موت سے کیا مراد ہے، دو معنی کا احتمال دیا گیا ہے: الف؛ کفر و شرک۔ ب: ضلالت و گمراہی۔ روایات میں دونوں معانی ذکر ہوئے ہیں، کافی، ج ۱، باب من مات ولیس له امام، ص ۳۷۶؛ مجلسی، مرآة العقول، ج ۴، ص ۲۲۰

[3]: صحیح ابن حبان، ج ۱۰، ص ۴۳۴؛ مسند احمد، ج ۴، ص ۹۶ (۱۶۸۷۶)؛ المعجم الکبیر، ج ۱۹، ص ۳۸۸ (۹۱۰)؛ شرح المقاصد: ج ۲، ص ۲۷۵، این ماخذات سے واضح ہوتا ہے کہ ڈاکٹر التشار کا اپنی کتاب نشأة الفکر الفلسفی فی الاسلام، ج ۶، ص ۲۱۷ پر اہلسنت کے ماخذات میں اس حدیث کے انکار کا دعوی کس قدر کمزور ہے۔ اس موضوع پر سینکڑوں روایات کو جاننے کیلئے سعودی عرب کی سی ڈی "المکتبة الاسلامیه الکبری الشاملة" میں کلمہ "میتة جاهلیة" کی سرچ کی جاسکتی ہے۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

چہارم: مکتب تشیع کے نظریہ انتصاب کا اثبات

آئمہ شیعہ اوران میں سب سے پہلے امام حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام بعنوان پیغمبر ﷺ کے خلیفہ بلا فصل کی امامت قرآن، حدیث اور عقل تینوں طرح سے قابل اثبات ہے۔

حضرت علی علیہ السلام کی امامت پر دلالت کرنے والی آیات اور روایات نظریہ انتصاب پر پیش ہونے والے شبہات کے باب میں اس شبھ کے جواب میں تفصیل کے ساتھ بیان ہونگی کہ جس میں کتاب وسنت کے اعتبار سے انکی امامت پر نص نہ آنے کا شبھ پیش کیا گیا ہے۔

یہاں صرف ان پر اشارہ کیا جاتا ہے:

اوّل: نقل کی رو سے

اشارہ ہو چکا ہے کہ بہت سی اور مختلف آیات وروایات بلکہ ان میں سے بعض تو تواتر کے ساتھ حضرت علی علیہ السلام کی امامت پر دلالت کر رہی ہیں جو یہ سب بذات خود امامت کے انتصابی اور تعیینی ہونے کے نظریہ کو ثابت کرتی ہیں۔ ان نصوص کے علاوہ (جیسا کہ اپنی جگہ پر بھی آئیگا) بعض مقامات پر پیغمبر ﷺ بھی اپنی رحلت کے بعد حکومت کے انتصابی ہونے کی وضاحت کرتے رہے کہ اسکا معین کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ جیسا کہ صدر اسلام میں بنی عامر نامی ایک قبیلہ نے اپنے اسلام لانے کی یہ شرط رکھی کہ پیغمبر ﷺ کی رحلت کے بعد انہیں حکومت میں حصّہ ملے۔ حضرت نے انہیں منفی جواب دیا اور اسکی دلیل لوگوں یا قبائل کے سرداروں کے قبول نہ کرنے کو نہیں بتایا بلکہ اسکا شرعی ربط اللہ تعالیٰ سے منسوب کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے بعد حکومت اور خلافت کی تعیین صرف اللہ تعالیٰ سے وابستہ ہے:

الأمر الی اللہ یضعه حیث یشاء [1]

تاریخ بتاتی ہے کہ اس طرح کے مسائل اور درخواستیں دیگر مختلف قبیلوں اور افراد مثلاً کندہ،[2] عامر بن طفیل اور اربدین قیس [3] نے بھی پیش کیں اور ہمیشہ حضرت کی طرف سے منفی جواب پایا۔

اس نکتہ کی وضاحت میں قابل غور بات یہ ہے کہ مندرجہ بالا گروہوں کا حضرت سے مطالبہ حکومت، طاقت اور سیاست کے میدان کے متعلق تھا جسے اہل سنت ایک فقہی مسئلہ سے تعبیر کرتے ہیں کہ جو لوگوں کی استعداد اور انکے انتخاب پر چھوڑ دیا گیا ہے، جبکہ پیغمبر ﷺ اسے فعل الٰہی سے توصیف فرماتے ہیں۔

---

[1]: تاریخ طبری، ج ۲، ص ۸۴، سیرہ ابن ہشام، ج ۲، ص ۵۵، سیرہ حلبی، ج ۲، ص ۳

[2]: سیرہ ابن کثیر، ج ۲، ص ۱۵۹

[3]: سابقہ ماخذ، ج ۲، ص ۱۱۴

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

دوم: عقل اور تحقیق کی رو سے

پیغمبر اسلام ﷺ کی جانشینی اور رہبری کے مسئلہ میں تحقیق کیلئے ایک اور جہت قابل فرض اور مورد تجزیہ قرار پاتی ہے وہ عقلی اور معاشرتی اعتبار سے تحقیق و تجزیہ ہے جو اس زمانہ کے حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے مناسب بھی ہے ذیل میں ہم اسی موضوع پر بحث کرتے ہیں۔

پیغمبر اکرم ﷺ اور تین راہیں:

پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنی تیئس سالہ محنتوں اور کوششوں سے دین مقدس اسلام اور دینی حکومت کے دو پودے لگائے، جن دونوں پودوں کی نشوونما کیلئے ضروری تھا کہ انہیں ہر قسم کے خطرات اور آفات سے بچا کر رکھا جائے جبکہ آنحضرتؐ کی مختصر سی عمر اسکے لیے ناکافی تھی۔ یہ سب کچھ ایسے دور میں تھا کہ بیرونی دشمن روم اور قدیم ایران اور اندرونی دشمن (منافقین) اسلام کیلئے بڑا خطرہ سمجھے جاتے تھے۔ اب سوال یہ پیش آتا ہے کہ آیا پیغمبر اسلام ﷺ نے ان دو پودوں (دین اسلام اور اسکی حکومت) کی حیات کو برقرار رکھنے کیلئے کوئی راہ حل پیش کیا تھا یا انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیا تھا؟ ابتداء میں تین مفروضے قابل تصور ہیں:[1]

(۱) سکوت اختیار کرنا: یعنی آنحضرتؐ نے اپنے بعد حاکم اور خلیفہ کیلئے کسی قسم کا کوئی کام نہ کیا اور اس پر کسی شخص یا شوریٰ کو معین نہ کیا۔ بعد والے صفحات میں اس قسم کے نظریے کا ضعف دلائل اور شواہد کی روشنی میں بیان کیا جائے گا۔

(۲) شوریٰ کی تشکیل: دوسرا فرض یہ ہے کہ پیغمبر ﷺ نے دین اور دینی حاکمیت کیلئے شوریٰ یا برجستہ شخصیات کی تعیین یا مملکت کے نظام کو چلانے کیلئے بیعت کا انتظام کر دیا۔

اگرچہ یہ نظریہ گذشتہ نظریہ کی مانند اعتراضات اور مشکلات نہیں رکھتا، لیکن اس نظریہ کے اپنے خاص اعتراضات اور مشکلات ہیں کہ جن کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے:

الف: اعضاء شوریٰ کی اپنی اپنی اغراض اور رجحان کی بناء پر ممکن ہے کسی فرد کی شوریٰ میں تعیین اختلاف کا باعث ہو اور انکے درمیان اختلاف کی آگ کو شعلہ ور کرے۔

ب: اعضاء شوریٰ کے عصمت نہ رکھنے کی بناء پر ممکن ہے حقیقی قوانین اور معیار کی بجائے رابطے غالب آجائیں، جیسا کہ دوسرے خلیفہ کی بنائی ہوئی چھ افراد پر مشتمل شوریٰ کا نتیجہ بھی یہی نکلا اور حضرت علی علیہ السلام کے ہوتے ہوئے دوسرے شخص یعنی "عثمان" کو انتخاب کیا گیا۔

ج: تیسرا نکتہ یہ ہے کہ کوئی معتبر اور غیر معتبر دلیل موجود نہیں ہے کہ جو یہ بتائے کہ پیغمبر ﷺ نے امام کی تعیین کیلئے شوریٰ تشکیل دی ہو۔ پس یہ تیسرا فرض بھی اہل سنت میں کوئی حامی نہیں رکھتا۔

---

[1]: رجوع کریں: شہید صدر، بحث حول الولایۃ، ص ۱۱۳ اور اسکے بعد۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

۳۔ سب سے زیادہ صالح شخص کو خلیفہ منصوب کرنا: تیسرا فرض یہ ہے کہ پیغمبر ﷺ اپنے اصحاب کے بارے جو شناخت رکھتے تھے اسکی بناء پر ان میں سے ہر جہت اور انداز سے دین اسلام اور دینی حکومت کے نظام کو چلانے کیلئے مناسب ترین فرد کو منصوب کیا۔ یہ نظریہ مکتب شیعہ کا اختیار کردہ ہے لہٰذا سب سے پہلے ہم اس نظریہ کی ضرورت اور اثبات پر بحث کریں گے، پھر اسکے مصداق کے بارے میں گفتگو کریں گے۔

انتصاب کی ضرورت پر دلائل و شواہد

اب ہم تعیین اور نصب کی ضرورت اور اسکے اثبات کے نظریہ کی تائید مختلف دلائل اور شواہد سے بیان کرتے ہیں:

الف: صدر اسلام کے اندرونی و بیرونی خطرات

جیسا کہ اشارہ ہو چکا ہے کہ اسلامی حکومت کیلئے اندرونی و بیرونی خطرات مثلاً منافقین اور جھوٹے پیغمبروں کا ظہور جیسے مسیلمہ کذاب اور ان سے اہم اسلامی تعلیمات کیلئے تحریف اور بدعت کا خطرہ تقاضا کرتا تھا کہ پیغمبر ﷺ ان تمام خطرات اور حملات کے مد مقابل اپنی امت کو تنہا نہ چھوڑیں اور اپنے علم لدنی کی بدولت مسلمانوں کی علمی، دینی اور ملک کی سیاسی مرجعیت کے مقام کیلئے سب سے بہتر فرد کا انتخاب کریں۔ سادہ سی تعبیر کے مطابق ایک دیہات کے لوگ اپنے ریوڑ کو چرواہا کے بغیر نہیں چھوڑتے، کس طرح ممکن ہے کہ حضرت محمد ﷺ جیسے پیغمبر اپنی امت کو جانشین کے بغیر چھوڑ دیں؟

ب: اختلاف سے بچنا

معاشرے اور واضح شکل میں امتیں مختلف علاقوں، قبیلوں، قوموں اور زبانوں سے تشکیل پاتی ہیں کہ ہر کوئی حکومت کو اپنے ہاتھ میں لینے یا حد اقل اپنی حیثیت اور مقام کے مطابق اس میں حصہ دار بننے کی کوشش میں رہتا ہے۔ یہ تعدد اور اختلاف کشمکش، نزاع اور بسا اوقات اندرونی جنگ کا باعث بنتا ہے کہ گذشتہ معاشروں میں اسکا تشدد آمیز چہرہ بہت نمایاں تھا، اسکی ایک روشن مثال مدینہ کے دو مشہور قبیلوں اوس اور خزرج کے درمیان جنگ ہے کہ ہر دو کے اسلام قبول کرنے کی صورت میں جنگ کی یہ آگ بجھ گئی۔

پیغمبر ﷺ کے ذریعے اسلام کے رشد و ارتقاء پانے سے اسلام کے پیروکار مختلف علاقوں اور قبائل میں پھیل گئے تھے، مسلمانوں کے دو طاقتور محور یعنی مہاجرین اور انصار ہر کوئی اپنی جگہ حکومت سنبھالنے کا پروگرام اور منصوبہ رکھتے تھے یا پیغمبر اسلام ﷺ کی رحلت کے بعد حکومت پر قبضہ کرنے کی کوشش میں تھے۔ اس بات کی سقیفہ کا واقعہ تائید کرتا ہے، ابھی پیغمبر اسلام ﷺ کا جنازہ مبارک دفن نہیں ہوا تھا، انصار فوری طور پر سقیفہ نام کی جگہ پر جمع ہوتے ہیں اور اپنے لیے سعد بن عبادہ نام کے ایک شخص کو رہبر کے عنوان سے منتخب کرتے ہیں؛ جب یہ خبر عمر اور ابو بکر کے کانوں میں پڑتی ہے تو وہ فوراً سقیفہ پہنچتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ تم انصار کی رہبری کو

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

قریش کے امراء قبول نہیں کریں گے، لیکن اس دلیل سے انصار قدرت و سیاست کے میدان سے پیچھے نہیں ہٹتے ،یہاں تک کہ ابو بکر نے حدیث نبوی سے تمسک کیا کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا کہ امامت و خلافت قریش سے ہونی چاہیے، ابو بکر نے اپنی رائے کو مکمل کرنے کیلئے انصار کو وزارت کا وعدہ دیا۔

اس تاریخی حصہ سے واضح ہوتا ہے کہ یہ حدیث نبوی تھی کہ جس نے اختلاف و نزاع کی آگ کو ابو بکر کے حق میں بجھا دیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قبیلہ قریش سے امام کی تعیین کے بارے میں یہ کلی نص بذات خود مسئلہ اور اختلاف پیدا کرنے کا باعث نہیں تھی؟ کیونکہ قبیلہ قریش میں ہزاروں افراد تھے کہ جن میں سے دسیوں افراد خلافت و امامت کے دعویدار بن سکتے تھے، جیسا کہ عمر نے سقیفہ کے دن خلافت ابو بکر کو ہدیہ دی اور اسکے عوض میں ابو بکر نے بھی اپنے بعد عمر کو خلیفہ بنایا۔

اگر حضرت علی علیہ السلام کی مصلحت اندیشی نہ ہوتی، حضرت کے شیعہ ابو بکر کی خلافت کو قبول نہ کرتے تو اختلاف اور جنگ اسلام پر چھا جاتی اور اسلامی حکومت کا نو پا درخت خطرے میں پڑ جاتا۔

پس خود خاص نص اور اس پر عمل یہ صلاحیت رکھتے ہیں کہ اسلام کی عظمت اور نشو و نما کو باقی رکھے اور اختلاف اور جنگ سے بچائے۔ اس نکتہ کی بعض فلاسفہ نے بھی تائید کی ہے۔[1]

ج: اصلح شخص کی شناخت

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ طبیعی راستے اور وحی کے ذریعے ایسے فرد کے بارے میں علم و آگاہی رکھتے تھے کہ جو ہر جہت سے دینی و سیاسی مرجعیت کے عہدے کیلئے شایستہ اور اصلح تھا، اگر اس فرض کے باوجود حضرت مذکورہ فرد کو اس مقام پر تعیین نہ کریں، تو نہ صرف اپنی امت کو اصلح فرد کی دینی و سیاسی قیادت سے محروم کیا، بلکہ غیر صالح اور کیا معلوم غیر مفید شخص کے حکومت سنبھالنے سے دین اور اسلامی حکومت کے دو نو پا پودوں کو لاحق خطرات میں بھی اضافہ کیا ہے۔

ایسا فرض حکیم اور دین و امت کے بارے میں دل و درد رکھنے والے پیغمبر سے بعید بلکہ محال ہے۔ بالفاظ دیگر عقل، فاضل کی مفضول پر تقدیم اور اصلح کی صالح پر ترجیح کا حکم دیتی ہے اور عقل کے اس حکم کی قرآن مجید بھی تائید کرتا ہے: أَفَمَن يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَن يُتَّبَعَ أَمَّن لَّا يَهِدِّي إِلَّا أَن يُهْدَىٰ [2]

تو کیا جو کوئی حق کی طرف ہدایت کرے وہ زیادہ حق دار ہے کہ اس کی فرمانبرداری کی جائے یا وہ جو خود ہی راستہ نہیں پاتا مگر یہ کہ اسے راستہ دکھایا جائے۔

---

[1]: "الأستخلاف بالنص اصوب فان ذلک لا یئودی الی التشعب والتشاغب والأختلاف"، بو علی سینا، الھیات شفاء۔ ص ۴۵۱

[2]: یونس، ۳۵

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

اسی بناء پر پیغمبر اسلام ﷺ بھی خود ایک عاقل کے عنوان سے بلکہ عقل کل کی حیثیت سے مندرجہ بالا حکم سے آگاہ تھے اور انہیں اس پر عمل کرنا چاہیے تھا اور اس عمل کا لازمہ اصلح اور شایستہ فرد کی تعیین ہے ورنہ حکم عقل کی مخالفت لازم آتی ہے کہ جو آنحضرت ﷺ کی شان و منزلت سے بعید ہے۔

د: عصمت

فلسفہ امامت کی بحث میں گزر چکا ہے کہ صحیح دین کی حفاظت اور اسے خالص باقی رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ امام معصوم ہو تاکہ اسکی تفسیریں بھی عصمت اور حجیت ذاتی کی حامل ہوں۔ (امامت و خاتمیت میں مطابقت نہ ہونے کے باب میں اسی مسئلہ کے ذیل میں عصمت کی تفصیلی بحث بیان ہو گی)۔

موضوع امامت اور امام کی طرف اس نگاہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ دوسرے طریقے یعنی امام کی شوریٰ یا بیعت کے ساتھ تعیین ممکن نہیں ہے، کیونکہ وہ معصوم شخص کی عصمت سے بے خبر ہیں اور یہ علم صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے کہ وہ اسے اپنے پیغمبر کی طرف منتقل کرتا ہے۔[1]

ھ: دین اسلام کا قیامت تک باقی رہنا

گذشتہ انبیاء کے ادیان اور شریعتیں عارضی تھیں، یعنی انکا دین اور قانون کچھ مدت کے بعد دوسرے پیغمبر کے ظہور سے منسوخ ہو جاتا تھا۔ تو اس صورت میں انکے بعد تمام مسائل میں جانشین زیادہ ضروری نہیں تھا، لیکن دین اسلام ایک عالمگیر، ابدی اور آخری دین ہے کہ اسکے بعد کوئی پیغمبر ظہور نہیں کریگا۔ ایسا دین دنیا میں اپنی بقاء کیلئے اور انحراف، بدعت اور تحریف کے خطرات سے بچنے کیلئے عالمی اور آخری دین کے عنوان سے جانشین کا محتاج ہے۔

مصنف نے امامت اور خاتمیت کے رابطہ کی مفصل تشریح اپنی کتاب "آئین خاتم" میں پیش کی ہے کہ شائقین حضرات اسکی طرف رجوع کریں۔[2]

و: سیرت انبیاء

اگرچہ کہا جا چکا ہے کہ جانشین کی تعیین آخری دین کے ساتھ زیادہ مناسبت اور ضرورت رکھتی ہے، لیکن اگر انبیاء بالخصوص بڑے انبیاء کی دینی زندگی کی طرف نظر کریں تو واضح ہوتا ہے کہ وہ بھی اپنے دین و شریعت کی حفاظت اور بقاء کیلئے معمولاً وصی اور جانشین کی تعیین کرتے تھے، سب سے پہلے پیغمبر حضرت آدم، شیث اور اوقینان علیہم السلام سے لے کر خاتم الانبیاء ﷺ تک سب نے اپنے بعد حکم خدا سے وصی کا انتخاب کیا۔ ابو الحسن مسعودی (متوفی ۳۴۶) نے اپنی معروف کتاب "اثبات الوصیہ" میں انبیاء کے جانشینوں کی فہرست تحریر کی ہے۔

---

[1]: رجوع کریں: کشف المراد، ص ۴۹۵، الشافی فی الامامۃ، ج ۲، ص ۵

[2]: رجوع کریں: آئین خاتم، ص ۴۹۵ - ۵۲۴

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

اب یہ کیسے ممکن ہے کہ گذشتہ انبیاء اگرچہ خاتم الانبیاء بھی نہ تھے لیکن جانشین کی تعین کرتے تھے، لیکن پیغمبر اسلام ﷺ خاتم الانبیاء اور اپنے دین کے عالمگیر اور ابدی ہونے کے باوجود دین میں کسی جانشین کا اعلان نہ کریں؟

ز: حکم قرآن

قرآن مجید مسلمانوں کو موت کے وقت وصیت لکھنے کا حکم دیتا ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ [1]

ترجمہ: تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت قریب آپہنچے اگر اس نے کچھ مال چھوڑا ہو، تو (اپنے (والدین اور قریبی رشتہ داروں کے حق میں بھلے طریقے سے وصیت کرے، یہ پرہیزگاروں پر لازم ہے

قرآن مجید جو کہ معمولی مسائل اور گھریلو امور میں وصیت کو اتنی اہمیت دے رہا ہے اور تاکید کر رہا ہے اور مسلمان بھی اس امر کو اپنا وظیفہ شرعی سمجھتے ہیں کیسے ممکن ہے کہ اہم ترین اور اساسی مسئلہ یعنی پیغمبر ﷺ کے دینی اور سیاسی جانشین کی تعیین میں کچھ بھی نہ کہا ہو اور پیغمبر ﷺ بھی بغیر کسی وصیت کے اسے چھوڑ دیں؟ آیا یہ پیغمبر اکرم ﷺ کی شخصیت پر ایک سوال نہیں شمار ہوتا کہ آپ نے آیت کے حکم کے برخلاف امت کے بارے میں کوئی وصیت نہیں کی؟ [2]

ح: سیرت پیغمبر ﷺ

پیغمبر اکرم ﷺ کی بعنوان حاکم سیرت اور تاریخ پر نظر ڈالیں تو دیکھتے ہیں کہ آپ نے سفر کے مختلف مواقع پر مثلاً کسی جنگی محاذ میں شرکت کیلئے اپنے دار الحکومت سے نکلتے تو اپنا جانشین معین کرتے تاکہ انکی غیر موجودگی میں اداری، سیاسی اور حکومتی نظام چلتا رہے۔ حضرت علی علیہ السلام، ابن مکتوم اور معاذ ان اصحاب میں سے شمار ہوتے ہیں کہ جو پیغمبر اکرم ﷺ کی غیر موجودگی میں انکے جانشین منتخب ہوئے تھے۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک پیغمبر جو حکومتی مسائل پر اتنی توجہ اور عنایت رکھتے ہیں، کس طرح ممکن ہے کہ اپنی رحلت کے بعد اپنے جانشین کی تعیین سے چشم پوشی کریں [3] حالانکہ اسکا خطرہ اور ضرر ان تمام موارد سے کہیں زیادہ تھا کہ بعض کی طرف اشارہ ہو چکا ہے۔

---

[1]: بقرہ، ۱۸۰۔

[2]: رجوع کریں: فضل بن شاذان، الایضاح، ص ۱۰۵

[3]: رجوع کریں: کشف المراد، ص ۴۹۶

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ط: پہلے دو خلیفہ کی پیغمبر ﷺ پر برتری کا ثابت ہونا؟

پہلے دو خلیفہ کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو واضح ہوتا ہے کہ دونوں خلیفہ لوگوں کی بیعت اور انتخاب کو اہمیت نہیں دیتے تھے اور اپنے بعد حاکم کو خود معیّن اور منصوب کرتے تھے۔ ابو بکر اپنی بیماری کے وقت اپنے مشیر عثمان کو حکم دیا کہ عمر کا نام خلیفہ اور انکے جانشین کے طور پر تحریر کرے اور لوگوں سے بھی چاہا کہ اسکی بیعت کریں۔

فانّی استخلفت علیکم عمر بن الخطاب فَاسمَعُوا و اَطِیعُوہ۔[1]

عمر بھی اپنی موت کے وقت لوگوں کے انتخاب کی طرف توجہ کیے بغیر خود حاکم اور اپنا جانشین معین کرنے کا ارادہ کرتے ہیں، لیکن ایک شخص کی بجائے چھ نفر کے نام معیّن کرتے ہیں: عثمان، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن، سعد بن ابی وقاص اور علی علیہ السلام اور حکم جاری کرتے ہیں کہ ان میں سے ایک باقیوں کی رائے سے بعنوان خلیفہ انتخاب اور منصوب ہو۔ بعد میں ذکر کریں گے (جیساکہ امام علی علیہ السلام بھی وضاحت کرتے ہیں) کہ اس چھ افراد کی شوراری کا نتیجہ یعنی عثمان کا انتخاب پہلے سے معلوم تھا۔

بنابریں پہلے دو خلیفہ لوگوں اور مملکت کے مستقبل اور بظاہر دین کے آئندہ کے حوالے سے فکر مند تھے اور انہوں نے ہر قسم کے احتمالی خطرات سے بچنے کیلئے اپنی موت سے پہلے ہی چارہ جوئی کی۔

آیا پیغمبر اکرم ﷺ کہ جنہوں نے اپنا تمام وجود دین اسلام کیلئے وقف کر دیا تھا، آیا پہلے دو خلیفہ کی مانند آئندہ کی فکر نہ رکھتے تھے اور کوئی چارہ جوئی نہیں کی؟ اہل سنت کو جواب دینا چاہیے کہ آیا پہلے دو خلیفہ کی اپنے جانشین کی تعیین کے حوالے سے سیرت شرعاً جائز اور نقص سے خالی تھی یا نہ؟

اگر ان دو نوں کا عمل شرعاً ناجائز اور نقص سے خالی نہیں تھا، تو ہم یہاں سوا اس کے کچھ نہیں کہیں گے سوائے یہ کہ خود اہل سنت نے شیخین کے شرعاً ناجائز عمل کا اعتراف کیا ہے۔ اگر انکا عمل شرعاً درست، عقلی اور عقلائی تھا تو ہمارا سوال ہے کہ، پیغمبر ﷺ نے ایسے کیوں نہیں کیا؟ آیا" نعوذ باللہ "حضرت وحی سے متصل ہونے کے باوجود اس چیز کی سمجھ بوجھ نہیں رکھتے تھے، یا" نعوذ باللہ "دین اور مملکت کے مصالح کو عمداً نظر انداز کر چکے تھے اور امت کو اسکے حال پر چھوڑ دیا تھا؟ اہل سنت کے اس نظریہ کا لازمہ یہ ہے کہ شیخین "نعوذ باللہ" اس جہت سے پیغمبر اکرم ﷺ سے برتر اور افضل قرار پائیں! اس لازمہ کو خود اہل سنت بھی قبول نہیں کرتے۔

یہ وہ مشکل تھی کہ گذشتہ صدیوں سے اہل سنت اس میں گرفتار ہیں۔ ابن ابی الحدید نہج البلاغہ کے ان کلمات کی تشریح میں کہ جو قانون نصب کو بیان کرتے ہیں، صحابہ کی نص سے مخالفت کے وہم کی بناء پر ان کلمات کی توجیہہ کرتے ہیں، جیساکہ خطبہ ۱۶۳ کہ جس میں آیا ہے فانها کانت اثرة شحت علیها نفوس قوم اسکے ذیل میں اپنے استاد ابو جعفر یحییٰ محمد علوی سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کون ہیں کہ جنہوں نے

---

[1]: تاریخ مدینہ دمشق، ج ۱۸، ص ۳۱۰، تاریخ طبری، ج ۲، ص ۵۹۱، حوادث سال ۱۳

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

حضرت کے حق حکومت پر حملہ کیا آیا اس سے مراد سقیفہ کا مسئلہ ہے یا عمر کی چھ افراد کی شورای کہ جسکے نتیجہ میں عثمان منتخب ہوے تھے؟ اور وہ استاد اس سے مراد سقیفہ کا مسئلہ لیتے ہیں۔[1]

ابن ابی الحدید ایک سنی کے عنوان سے اعتراف کرتے ہیں کہ میرا نفس اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ صحابہ پر نافرمانی پیغمبر ﷺ کی تہمت لگاوں؟ انَّ نَفسی لا تسامِحنی اَن اَنسب الی الصحابۃِ عصیان رسول اللہ ودفع النص۔

یہاں ابن ابی الحدید کے استاد کہ جسے وہ منصف دانشور اور نہایت عاقل ہونے سے توصیف کرتے ہیں، یہ جواب دیتے ہیں کہ میرا نفس بھی یہ اجازت نہیں دیتا کہ پیغمبر ﷺ پر امت کی امامت اور رہبری کے مسئلہ میں غفلت اور انہیں اپنے حال پر چھوڑنے دینے کی تہمت لگاوں، یہ وہی پیغمبر ہے جو کہ اپنے ہر سفر کیلئے مدینہ میں اپنا جانشین معین کرتے تھے۔ ابو جعفر اپنے جواب کی تشریح کرتے ہیں یہاں تک کہ ابن ابی الحدید قانع ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مجھے بہت اچھا جواب دیا:

لَقَد اَحسنت فِیمَا قُلت

ی: کشف نہ نصب

شیعوں کے نظریہ انتصاب کے بارے میں آخری نکتہ یہ ہے کہ شیعہ آیات اور احادیث نبوی کی صراحت سے الہام لیتے ہوئے یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کا نورانی وجود کائنات کی مادی تخلیق سے قبل پروردگار کی عنایت کا حامل تھا اور آپ نے دنیا میں بھی فردی، اجتماعی، دینی اور سیاسی اعتبار سے ایک کامل انسان بننے کیلئے ضروری صفات اور فضایل کسب کیے ہیں۔ اسی لیے آغاز اسلام سے ہی بذات خود پیغمبر اکرم ﷺ کی جانشینی کا معیار اور شرائط رکھتے تھے اور نصب اور تعیین کے بالکل محتاج نہ تھے۔

بالفاظ دیگر، نصب اور تعیین اعتباری صفات اور قرادادی امور میں سے ہیں، جبکہ پیغمبر اکرم ﷺ کی جانشینی کا مقام ایک تکوینی اور حقیقی امر ہے کہ ان صفات کا حامل ہونے سے شخص خود بخود جانشنی کے مقام تک پہنچ جاتا ہے اور نصب اور تعیین کی ضرورت نہیں رہتی۔

---

[1]: اسکی وضاحت یہ ہے کہ ابن ابی الحدید اس گفتگو کے بعد پھر شبہ پیش کرتے ہیں کہ بظاہر مندرجہ بالا خطبہ میں حضرت کا اولویت کی رو سے استدلال ہے نہ کہ نص کی بناء پر۔ ابو جعفر اسکے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ خطبہ اس سوال کرنے والے کے جواب میں ہے کہ جس نے یہ پوچھا تھا کہ آپ تو دیگران کی نسبت حکومت اور پیغمبر کیلئے نزدیک ترین فرد اور اولویت رکھتے تھے کیوں آپکو ایک طرف ہٹا دیا گیا؟ حضرت نے اس دلیل کے ساتھ سائل کو مناسب جواب دیا۔ ابو جعفر کے اس جواب سے ہٹ کر ہم نے کتاب میں بہت سی جگہوں پر حضرت کے قانون نصب کے حوالے سے بہت سے احتجاجات اور استدلال کی طرف اشارہ کریں گے۔

[2]: شرح نہج البلاغہ۔ ج۹، ص ۲۴۸۔ ۲۵۰

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ہاں آیات و روایات میں ذکر ہونے والا نصب اور تعیین نہ کہ حقیقت میں تعیین ہے بلکہ لوگوں کو اس امر کے حقیقی اور تکوینی مصداق کی طرف ارشاد و راہنمائی ہے کہ یہ راہنمائی حقیقت میں انکے تکوینی اور حقیقی مقام کو کشف کرتی ہے۔ اسکی تشریح امامت کے وارثتی ہونے کے شبھہ کی تحقیق میں ذکر ہو گی۔

خ: نظریہ انتخاب پر فقہی اور قانونی اعتراضات

مخالف نظریہ یعنی خلیفہ کا شوریٰ اور بیعت کے ذریعے انتخاب بالخصوص وہ بیعت کہ جو سقیفہ میں چند افراد کے ذریعے انجام پائی ہے، شرعی و دینی جواز سے خالی ہے کہ اسکی تفصیل "امامت کے جمہوریت سے مخالفت" کے شبھہ میں ذکر ہو گی کہ جو دوسرے باب میں ہے اسی طرح چوتھے باب کے شبھہ "نصب تفرقہ کا سبب" میں بھی بیان ہو گی۔

نصب کا مصداق؟

گذشتہ صفحات میں قانون اور ضرورت نصب کا ثبوت اور دیگر دو نظریے یعنی پیغمبر کا سکوت اور شوریٰ کی تعیین وغیرہ کا باطل ہونا واضح ہو چکا ہے، اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہم پیغمبر ﷺ کی طرف سے نص اور نصب کی ضرورت کو قبول کرتے ہیں تو اسکا مصداق کون ہے؟

اس سوال کے جواب میں یہ نکتہ بتائیں گے کہ ضرورت نصب کے ثابت ہونے سے خود بخود حضرت علی علیہ السلام کی منصوص امامت بھی ثابت ہو جاتی ہے، کیونکہ تقریباً تمام اہل سنت اپنے خلفاء کی خلافت پر نص ہونے کے منکر ہیں، کہ جسکی تفصیل چوتھے باب میں نصوص کے تعارض کے شبھہ کے ذیل میں آئیگی۔ لیکن شیعہ حضرت علی علیہ السلام کی امامت کو بہت سی آیات اور روایات سے ثابت کرتے ہیں کہ اسکی تفصیل قرآن و سنت میں نص کے انکار کے شبھہ میں ذکر ہو گی۔

بالفاظ دیگر اہل سنت نص کے اصلی مصداق کی حیثیت سے کسی کو نہیں پیش کرتے، اس صورت میں وہ دوبارہ نص اور انتصاب نہ ہونے کی صورت میں پیش آنے والے اعتراضات کا جواب دیں، جبکہ شیعہ نصب کی ضرورت کا اثبات کرتے ہوئے اسکا مصداق بلکہ مصادیق کو مختلف نصوص کے ساتھ ثابت کرتے ہیں۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

امامت کے بارے میں شبہات اور انکا جائزہ

پہلا شبھہ: وجوب امامت یعنی اللہ تعالیٰ کیلئے تکلیف معین کرنا

عقیدہ امامت کے بارے میں اہل سنت اور بعض دوسرے مخالفین کی جانب سے مختلف شبہات سامنے آئے ہیں جنہیں اس باب میں نقل کرنے کے ساتھ ساتھ انکا تنقیدی جائزہ بھی لیا جائیگا۔

پہلے باب میں امامت کی تعریف میں بیان ہو چکا ہے کہ شیعہ اللہ تعالیٰ پر امام کو معین کرنا واجب عقلی جانتے ہیں، جبکہ اہل سنت اللہ تعالیٰ پر اس وجوب عقلی کے منکر ہیں اور اسی وجہ سے شیعہ کی مذمت کرتے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کیلئے وجوب جعل کرتے ہو کہ ضروری اور واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی رحلت کے بعد ایک امام معین کرے، [1] حالانکہ اللہ تعالیٰ خالق مطلق ہے اور اس سے سوال و پوچھ گچھ نہیں ہو سکتی۔ [2]

تحقیق اور جائزہ

اس شبھہ کے جواب میں دو نکتے قابل غور ہیں:

الف: حسن وقبح عقلی کا انکار

اہل سنت بالخصوص اشاعرہ کا یہ شبھہ در اصل انکے حسن وقبح عقلی سے انکار کے عقیدہ کی طرف پلٹتا ہے۔ جسکا انکار اشاعرہ کے کلامی نظریات میں سے ہے، اسکا مطلب یہ ہے کہ تمام چیزیں اور افعال پروردگار سے قطع نظر بذات خود حسن وقبح سے توصیف نہیں ہو سکتیں، بلکہ وہ سب کے سب شارع کے حکم اور فرمان کی تابع ہیں۔ [3]

اشاعرہ کے اس کلامی عقیدہ اور قانون کا ضعف علم کلام کی بحث میں آشکار ہو چکا ہے [4] وہاں کہا جا چکا ہے کہ اسکے انکار سے ایسے باطل نتائج لازم آتے ہیں کہ کوئی بھی انکا قائل نہیں ہو سکتا، مثلاً شریعت اور نبوت کا ثابت نہ ہونا، کیونکہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ جھوٹے انبیاء کیلئے معجزہ ظاہر کرے، بلکہ مندرجہ بالا قانون کے انکار سے کسی چیز

---

[1]: رجوع کریں: سیف الدین آمدی، ابکار الافکار، ج ۳، ص ۴۱۹، شرح المواقف، ج ۸، ص ۳۷۷

[2]: لا یسال عما یفعل، سورہ انبیاء، ۲۳

[3]: رجوع کریں: فخر رازی، الاربعین، مسئلہ ۲۵، ص ۲۴۶، تلخیص المحصل، ص ۳۹۳، شہرستانی، نہایۃ الاقدام، قاعدہ ۱۷، ص ۳۷۰ - ۲۸۰ قوشجی، شرح التجرید، ص ۳۳۹

[4]: مزید وضاحت کیلئے رجوع کریں: جعفر سبحانی، حسن وقبح عقلی، فصل ۹،۱۰

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

کے حسن و قبح کو ثابت نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ ممکن ہے کہ شریعت اور شارع کی کسی چیز کے حسن و قبح کی خبر جھوٹ ہو اور بناء بر فرض اللہ تعالیٰ پر کذب عقلی لحاظ سے محال نہیں ہے۔

لیکن حسن و قبح عقلی کے قانون کو قبول کرنے سے عقل حکم کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ فعل قبیح نہیں انجام دے سکتا بالفاظ دیگر ضروری ہے کہ پروردگار افعال حسن انجام دے۔ لیکن یہ شبہ کہ جسکا لازمہ اللہ تعالیٰ پر وجوب قرار دینا ہے (کہ اشاعرہ نے بیان کیا)[1] اسکا جواب بعد والے نکتہ سے واضح ہو گا۔

ب: وجوب تکوینی اور اعتباری میں خلط

اللہ تعالیٰ کی طرف وجوب کی نسبت سے ایک اور نکتہ جس پر توجہ دینا ضروری ہے وہ اس وجوب کا فقہی اور اعتباری وجوب سے فرق رکھنا ہے، اسکا مطلب یہ ہے کہ اعتباری وجوب ایسا وجوب ہے کہ باہر سے کسی شخص یا افراد پر لاگو اور معین کیا جائے کہ وہ اسے انجام دینے پر مجبور ہوں، مثلاً کیمپ کے اسیر یا جیل کے قیدی کو حکم دیا جائے کہ فلاں وقت فلاں جگہ حاضر ہو تو یہ فریضہ ایک حکم اور فقہی و اعتباری وجوب کا درجہ رکھتا ہے کہ مخالفت کی صورت میں پوچھ گچھ ہو سکتی ہے۔

ایک اور وجوب ہے کہ جو کہ جعل اور اعتبار سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ وہ تکوینی اور اشیاء کی ذات سے حاصل ہوتا ہے، مثلاً یہ کہا جاتا ہے کہ انار کا درخت بہر صورت انار کا پھل دیتا ہے یا مقناطیسی قوت چیزوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے، یہ فطری احکام کائنات کی اشیاء کے باہمی تعلقات سے حاصل ہوتے ہیں اور بالفاظ دیگر انکشاف ہوتے ہیں، یہ کہ انار کا درخت صرف انار کا پھل دیتا ہے، اس حوالے سے اس پر کسی قسم کا بیرونی جبر اور دباو نہیں ہے، بلکہ یہ قاعدہ اسکی ذات و طبیعت سے حاصل ہوتا ہے۔

دوسری مثال بعض انسانوں کے بارے میں ہے کہ دانا، عقلمند اور حکیم شخص فضول، بے فائدہ اور بیہودہ کام نہیں کرتا، اسی طرح کریم اور کھلے دل والا شخص حاتم طائی کی مانند احسان کرتا ہے، ماں اپنے بچے کی محبت میں ہر طرح کی کوشش کرتی ہے اور بسا اوقات اپنی جان بھی قربان کرتی ہے، یہ سب چیزیں کسی بیرونی وجوب یا جبر کی بناء پر نہیں ہیں بلکہ انسان کی فطری ذات اور صفات کی بناء پر پیدا ہوتی ہیں۔

نیک اور حسن افعال انجام دینا مثلاً انبیاء کی بعثت اور امام کی تعیین کا وجوب بیرونی اور وضعی وجوب نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفات کمال کی بناء پر پیدا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی حکمت، سخاوت اور خیر خواہی کی صفت کا تقاضا ہے کہ انسانوں کی راہنمائی کیلئے اور انہیں ابدی سعادت تک پہنچانے کیلئے، انبیاء اور ائمہ کا تقرر اور انہیں منصوب کرے اور یہ الٰہی فعل اسکی حکمت، لطف اور عنایت کی بناء پر ہے؛ ایک علمی تعبیر کے مطابق اللہ تعالیٰ پر وجوب نہ کہ وجوب علی اللہ = قرار دادی اور فقہی ہے بلکہ یہ وجوب من اللہ = کلامی اور عقلی ہے۔

---

[1]: رجوع کریں: ابن تیمیہ الرسائل الکبری، ج ۱ ص ۳۳۳، رسالہ ہشتم، اسفرائینی، التبصیر فی الدین، ص ۱۵۳

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

لہٰذا اللہ تعالیٰ پر امام کو معین کرنے کا وجوب مندرجہ بالا معنی کی نسبت سے دیکھیں تو کوئی اعتراض نہیں رکھتا۔ اتفاق سے بعض اشعری متکلمین نے بھی اسی نکتہ کا اعتراف کیا ہے کہ بعد والے شبہ کے ذیل میں اسکی طرف اشارہ ہوگا۔

دوسرا شبہ: امام کی تعیین کا بدعت ہونا

بعض اہل سنت نے یہ شبہ بیان کیا ہے کہ شیعوں کا امامت کے بارے میں نظریہ کہ اللہ تعالیٰ یا پیغمبر ﷺ کے ذریعے امام کی تعیین واجب ہے اور اس پر نص موجود ہے، بدعت ہے، کیونکہ ان دونوں (امام کی تعیین کا وجوب اور خاص امام پر نص کا وجود) میں سے کوئی بھی دین (قرآن وسنت) میں موجود نہیں ہیں اور یہی چیز بدعت ہے کیونکہ بدعت کی تعریف میں کہا گیا ہے کہ:

ادخال مالیس من الدین فی الدین

جو چیز دین کا جزو نہیں ہے اسے دین میں داخل کرنا۔

ابن خلدون اس شبہ کو یوں بیان کرتے ہیں کہ:

ظَهَرَ من بدعةِ الأماميه من قولهم — انه يَجِبُ على النَّبى تَعيينُها ۔[1]

قابل ذکر بات یہ ہے کہ آج یہ شبہ (امامت اور حکومت دین اور نبوت کی شان نہیں ہے) بعض شیعہ سنی سیکولر افراد بیان کرتے ہیں کہ جو اپنے مقام پر نقل اور تحقیق ہوگا۔

تحقیق اور جائزہ

اس شبہ کے جائزہ میں مندرجہ ذیل نکات قابل توجہ ہیں:

(۱): نظریاتی اختلاف: بحث کی کبری اور بدعت کی حقیقت، تعریف اور حرمت میں شیعہ اور سنی اختلاف نظر نہیں رکھتے، کیونکہ لغت کے اعتبار سے بدعت ایسی چیز کو ایجاد کرنا جو پہلے نہیں تھی، جبکہ اصطلاح دینی میں بدعت دین میں ایسی نئی چیز لانا کہ جو شریعت اور سنت نبوی کے مخالف ہو، جیسا کہ اہل لغت نے بھی اسکا اظہار کیا ہے۔ ابن اثیر بدعت کو دو قسموں بدعت ہدایت اور بدعت ضلالت میں تقسیم کرتے ہیں اور دونوں کی تعریف میں تحریر کرتے ہیں:

فَمَا كانَ فى خلافِ ماامرَ اللهُ به و رسوله (ص) ،فهوَ حيزًا لذمِ والأنكارِ وما كانَ تحت عمومِ ما نَدبَ الله اليه وحضَّ عليه الله او رسوله فهوَ فى حيِّز المدحِ ۔[2]

---

[1]: تاریخ ابن خلدون، ج۱، ص۵۸۸، فصل ۱۰

[2]: النھایۃ فی غریب الحدیث والاثر، ج۱، ص ۱۱۲

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

اس تعریف کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے اوامر کے خلاف ہے وہ مذموم اور جو منشاء اور پسند کی بناء پر ہو وہ ممدوح ہے۔

ابن منظور بیان کرتے ہیں:

اِنَّمَا یُرِیدُ ما خالفَ اصولَ الشریعةِ ولم یوافقِ السنةَ [۱]

طریحی بھی لکھتے ہیں:

البدعةُ الحدثُ فی الدِّینِ ومالیسَ له اصلٌ فی کتابٍ ولا سنةٍ [۲]

امام شافعی بھی بدعت کی حرمت کا معیار ایک نئی چیز لانا نہیں بلکہ کتاب و سنت یا اجماع کی مخالف ہونا ذکر کرتے ہیں:

مَا احدثَ وخالفَ کتاباً اوسنةً او اجماعاً فهو البدعةُ الضلالةُ وما احدثَ من الخیرِ ولم یخالف شیئاً من ذلکَ فهو البدعةُ المحمودةُ [۳]

اہل سنت کے قدیمی مفسرین میں سے ابن کثیر بھی بدعت کو بغیر دینی قواعد کے اپنی طرف سے دین میں کسی چیز کے لانے سے تعریف کرتے ہیں، جیسا کہ آیت اِبْتَدَعُوهَا مَا کَتَبْنَاهَا عَلَیْهِمْ [۴] کی شرح میں لکھتے ہیں:

اِنَّمَا هم التزمُوها من تلقاءِ انفسِهم — الابتداعُ فی دینِ اللهِ ما لم یأمر به اللهُ [۵]

زمخشری [۶] فخر رازی [۷] اور دیگر تمام مفسرین اہل سنت "ابتدعوها" کی "احدثوها من عند انفسهم" سے تفسیر کرتے ہیں۔

بنابرایں امامت کے بدعت ہونے یا نہ ہونے کی بحث کبریٰ میں نہیں بلکہ صغریٰ میں ہے، یعنی یہ کہ عقیدہ امامت کا دین سے تعلق ہے یا نہیں تاکہ اسکا دین میں داخل ہونا یا اس سے خارج ہونا تعریف بدعت میں شامل ہو؟

---

[۱]: لسان العرب، ج۱، ص ۳۴۲، مادہ بدعت کے ذیل میں، نیز، ج ۸ ص ۶، تاج العروس، ج ۱۱، ص ۹

[۲]: مجمع البحرین، ج ۱، ص ۱۶۴

[۳]: السیرۃ الحلبیۃ، ج ۱، ص ۱۳۷ سے منقول ہے۔

[۴]: حدید آیت: ۲۷

[۵]: تفسیر ابن کثیر، ج ۴، ص ۴۸۲

[۶]: تفسیر الکشاف، ج ۴، ص ۴۸۲

[۷]: تفسیر کبیر، ج ۲۹، ص ۲۴۶، نیز: ابن حجر عقلانی، تفسیر فتح الباری، ج ۳، ص ۲۵۳، ابن نجیم مصری حنفی، البحر الرائق فی شرح کنز الدقائق، ج ۱، ص ۶۱۱، ج ۳، ص ۳۱۹

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

شیعہ قرآن و سنت کی تمام نقلی دلیلوں کی بنیاد پر یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ عقیدہ امامت قرآن اور سنت پیغمبر ﷺ میں ذکر ہوا ہے اور کچھ دلائل کے مطابق لازمی تھا کہ اللہ تعالیٰ اور اسکے نبی ایک مذہبی و سیاسی رہبر اور امام کو مسلمانوں کیلئے معین کرتے (کہ انہوں نے ایسا کیا بھی ہے) پس عقیدہ امامت اور اسکی تعیین دین کا جزء ہے۔

دوسری طرف اہلسنت عقیدہ رکھتے ہیں کہ امامت جزو دین نہیں ہے لہٰذا اللہ اور اسکے نبی پر بھی لازم نہیں ہے کہ بعد والے امام کی شناخت کروائیں اور اسے منصوب کریں۔

لہٰذا یہاں دو قسم کے نظریے ہیں اور ایسا نہیں ہو سکتا کہ طرفین کی آراء اور دلائل کا تجزیہ کیے بغیر دعوی کریں کہ امامت اور اسکی تعیین پیغمبر ﷺ اور نبوت کی ذمہ داری نہیں ہے اور اسے دین میں داخل کرنا بدعت ہے۔

اکثر علماء اہل سنت اس نکتہ سے واقف تھے لہٰذا اس شبھہ کو بیان نہیں کرتے۔

(۲) وجوب کا کشف ہونا نہ کہ اللہ تعالیٰ پر واجب ہونا: دوسرا نکتہ یہ ہے کہ جیسا کہ پچھلے شبھہ کے تجزیہ میں گذر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے امام کی تعیین کا واجب ہونا ایک اعتباری اور قراردادی امر نہیں ہے کہ غیر خدا سے خدا پر کوئی چیز لاگو ہوتی ہو، بلکہ یہ تکوینی معنی رکھتا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی کمالی صفات مثلاً اسکی صفت حکمت سے حاصل ہوتا ہے۔ در حقیقت شیعہ کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یا اسکے پیغمبر کیلئے امام کی تعیین واجب اور شرعی تکلیف نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اور اسکے پیغمبر ﷺ کی صفات سے یہ وجوب ظاہر ہوتا ہے، ایک عمیق تعبیر کے مطابق یہ نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں دی گئی بلکہ کشف ہوتی ہے۔

(۳) بعض اہل سنت کا اعتراف: بعض علماء اہل سنت اس قسم کے وجوب یعنی "کشف" کا اعتراف کرتے ہیں اور اسے قبول کرتے ہیں، جیسا کہ نسفی انبیاء کی بعثت کے بارے میں کہتے ہیں:

وفی ارسال الرسل حکمة [1]

تفتازانی اسکی شرح میں تحریر کرتے ہیں:

ای مصلحةٌ و عاقبة حمیدةٌ وفی هذا اشارةٌ الی انَّ الأرسالَ واجبٌ لا بمعنی الوجوبِ علی اللهِ بل بمعنی انَّ قضیةَ الحکمةِ تقتضیه لما فیه من المصلحة [2]

(۴) مد مقابل کیلئے بھی بدعت کے دعوی کا امکان: جیسا کہ بعض علماء اہل سنت شیعہ کیلئے بدعت اور کفر کا دعوی کرتے ہیں، تو شیعہ بھی اہل سنت کیلئے ایسا ہی دعوی کر سکتے ہیں، اس طرح کہ عقلی اور نقلی دلائل کی رو سے

---

[1]: شرح العقائد النسفیہ، ماخوذ از شرح عقائد اہل سنت، ص ۲۱۳

[2]: سابقہ ماخذ۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

امامت اور اسکا تقرر دین کی اہم اور بنیادی تعلیمات میں سے تھا کہ افسوس ہے اہل سنت نے اسے دین سے خارج کرتے ہوئے ایک دنیاوی اور عرفی عہدہ قرار دیا۔

پس اگر قرار ہو کہ بدعت کا دعوی کیا جائے تو شیعہ بھی اہل سنت کے بارے میں ایسا دعوی کر سکتے ہیں۔

(۵) عمداً کسی شے کا دین میں داخل کرنا: درست ہے کہ وہ چیز جو دین میں نہیں ہے اسے دین میں داخل کرنا اور جو دین میں ہے اسے خارج کرنا بدعت ہے، لیکن اس میں عمد اور عناد کی قید ضروری ہے، یعنی ایک شخص کسی مسئلہ کے دینی ہونے کو جانتے ہوئے اسے غیر دینی بیان کرے یا یہ جانتا ہے کہ اسکا دین سے تعلق نہیں ہے، اسے دین کا جزو قرار دے۔

اگر بدعت میں یہ قید لحاظ نہ رکھی جائے تو اکثر علماء دین خواہ سنی خواہ شیعہ بدعت کی لپیٹ میں آجائیں گے، کیونکہ ایک مذہب کے علماء میں اکثر کلامی اور فقہی بحثیں اختلافی ہیں، مثلاً اہل سنت کی فقہ چار مذہبوں میں تقسیم ہو گئی ہے کہ انہوں نے ایک ایک مسئلہ اور موضوع میں مختلف آراء کا اظہار کیا ہے کہ ان میں سے ایک قطعاً حقیقی دین کے موافق ہے، لیکن باقی آراء کو بدعت کا نام نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ دوسرے علماء نے اپنی تمام سعی اور کوشش کی ہے، اگرچہ نتیجہ میں خطا ہوئی ہے۔ خود اہل سنت، ابوہریرہ سے نقل کرتے ہیں کہ:

للمخطی اجر و للمصیب اجران [1]

خطاء کرنے والے کے لیے ایک اجر اور حق تک پہنچنے والے کے لیے دو اجر ہیں

پس مخالف نظر والے پر بدعت کی تہمت لگانے سے پہلے بہت زیادہ غور و فکر اور دقت کی ضرورت ہے اور صرف مدمقابل کی رائے کا اپنی یا اپنے مذہب کے مخالف ہونے پر اسے بدعت نہیں کہا جاسکتا۔ لہٰذا مسئلہ امامت میں بھی توقع یہی ہے بالخصوص اہل سنت کہ اسے ایک فرعی اور فقہی مسئلہ سے تعبیر کرتے ہیں تو انہیں چاہیے کہ فقہی مسئلہ میں مخالف رائے رکھنے والے پر بدعت کی تہمت لگا کر اسکی مذمت نہ کریں۔ وہ اپنے نظریہ "للمخطی اجر و للمصیب اجران" کی بناء پر زیادہ سے زیادہ شیعہ اور پہلے تین خلفاء کی خلافت کے منکرین کو اجتہاد میں خطاء کرنے والوں سے توصیف کر سکتے ہیں اور انکے لیے ایک اجر کے قائل ہوں، نہ یہ کہ انہیں بدعت اور کفر سے توصیف کریں۔

البتہ یہ واضح ہے کہ اس قسم کی تہمتیں لگانے والے بہت کم لوگ ہیں، آج علماء اہل سنت اور شیعہ کی اکثریت اپنے آپ کو ہر قسم کے کفر و بدعت کی تہمت سے پاک و مبرا سمجھتے ہیں۔

---

[1]: فتح الباری، ج ۱۳، ص ۶۳، کتب و رسائل و فتاوی ابن تیمیہ، ج ۳۳، ص ۴۱

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

تیسرا شبھہ: امامت کو کلامی بحث قرار دینا بدعت ہے:

گذشتہ صفحات میں بیان ہو چکا ہے کہ اہل سنت مسئلہ امامت کو ایک فرعی اور فقہی مسئلہ کے عنوان سے تفسیر کرتے ہیں، اس حوالے سے مختلف دلائل لاتے ہیں کہ جن میں نقلی دلیل کی رو سے یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ لوگوں پر واجب ہے کہ وہ حکومت قائم کریں اور ایک حاکم تعیین کریں، جیسا کہ صدر اسلام کے مسلمانوں نے آنحضرت ﷺ کی رحلت کے بعد ایسا کیا۔ جبکہ شیعہ نے امامت کو ایک فرعی اور فقہی بحث سے نکال کر کلامی اور عقائدی بحث میں داخل کیا ہے اور انکا عقیدہ ہے کہ امامت عقائدی اور کلامی موضوعات میں سے ہے اور یہ کرنا بدعت ہوا۔ اس شبھہ کو ابن خلدون نے بیان کیا اور بتایا کہ اہل سنت نے امامت کو فقہی ابحاث میں داخل کیا ہے اور زیادہ سے زیادہ اسے عقائدی بحثوں سے ملحق کر دیا، شیعوں کو بدعت سے موصوف کرنے کی ایک دلیل انکے نزدیک شیعوں کا یہ نظریہ ہے کہ وہ امامت کو عقائد وایمان کا حصہ سمجھتے ہیں۔

ظَهرَ من بدعةِ الامامیةِ من قولِهم انَّها من عقایدِ الأیمانِ — ولاتلحق بالعقاید [1]

جائزہ اور تحقیق

پچھلے شبھہ کے تجزیہ سے اس شبھہ کا جواب بھی روشن ہو جاتا ہے، یہاں کچھ اور نکات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

(۱) بدعت کی تعریف میں بدعت: پچھلے شبھہ کے جواب میں بدعت کی تعریف بیان اور تحقیق ہوئی ہے، لیکن ابن خلدون کا یہ کہنا کہ چونکہ امامت ایک فرعی اور فقہی بحث ہے، لیکن امامیہ نے اسے عقائد اور کلامی بحث میں داخل کیا ہے، لہٰذا یہ کام بدعت کے دائرہ میں آگیا ہے۔ یہ گویا بدعت کی ایک جدید تعریف اور معیار ہے کہ اسکی اساس اور دلیل سے خالی ہے۔ یہ کہ ایک مسئلہ کلامی، فقہی، اصولی اور اخلاقی ہو؟ ممکن ہے اس میں مختلف نظریات اور آراء بیان ہوئی ہوں اور ہر نظریہ اپنے لیے ایک وجہ اور دلیل رکھتا ہو صرف ایک مسئلہ کو ایک علم سے دوسرے علم میں لے جانے سے بدعت نہیں ہوتی۔

بالفاظ دیگر ابن خلدون کی یہ کلام بذات خود بدعت کی وہ تعریف کہ جو مورد اتفاق فریقین ہے، اس میں نئی بدعت پیدا کرنا ہے کہ یہ وجہ اور دلیل سے بھی خالی ہے۔

(۲) بعض اہل سنت پر بدعت کی تہمت لگانا: اگرچہ علماء اہل سنت کی اکثریت امامت کو ایک فرعی اور فقہی مسئلہ کے عنوان سے تفسیر کرتی ہے، اس میں کوئی شک وشبھہ نہیں ہے، لیکن ان میں سے بعض علماء مثلاً بیضاوی

---

[1]: تاریخ ابن خلدون، ج۱، ص۵۸۸، نیز: ابوالفضل برقعی، تضاد مفاتیح الجنان با قرآن، ص۱۹۶

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

کتاب المنہاج میں اور اسکے حاشیہ نگاروں نے نہ صرف یہ کہ امامت کو عقائد میں سے شمار کیا ہے بلکہ اسے اصول دین میں سے قرار دیا ہے۔[1]

ابن خلدون کی نئی تعریف کے مطابق امام بیضاوی وغیرہ پر بھی بدعت صادق آتی ہے، کیونکہ وہ بھی امامت کو فرعی اور فقہی مسئلہ کی بجائے اصول دین میں سے سمجھتے ہیں۔

چوتھا شبہ) امامت کے مخالفین کی تکفیر:

اہل سنت کا امامیہ پر ایک شبہ اور اعتراض یہ ہے کہ شیعہ مسئلہ امامت کو فرعی اور فقہی مسئلہ کی حیثیت سے خارج کرتے ہوئے اسے اصول دین میں سے سمجھتے ہیں اور اسکے منکرین کو دین سے خارج اور کافر شمار کرتے ہیں۔ حالانکہ امامت ایک فقہی اور فرعی مسئلہ ہے۔[2]

جائزہ اور تحقیق

اس شبہ کے تجزیہ میں مندرجہ ذیل نکات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

(۱) فریقین کے افراطی طبقہ کی تکفیری نگاہ: آسمانی اور غیر آسمانی ادیان کا مطالعہ کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ یہ ادیان بعض وجوہات کی بناء پر اپنے اندر بہت سے مذاہب اور فرقوں میں تقسیم ہوتے ہیں کہ یہ فرقے اور مذاہب عام طور پر دیگر فرقوں کو قبول نہیں کرتے اور اپنے آپ کو درست اور دوسروں کو نادرست بلکہ کبھی کافر ہونے سے بھی توصیف کرتے ہیں۔ دین عسائیت کا کیتھولک، ارتھوڈکس اور پروٹسٹان میں تقسیم ہونا اور انکے نزاع وغیرہ ہمارے دعوی کی واضح مثالیں ہیں۔

افسوس کی بات ہے کہ تاریخ اسلام میں بھی یہ داستان تکرار ہوئی ہے، پیغمبر اکرم ﷺ کی رحلت کے بعد تاریخ اسلام کے اس طولانی دورانیے میں مختلف کلامی، فقہی اور تفسیری مذاہب اور فرقے ظاہر ہوئے کہ ان سب میں اہم ترین دو اساسی مذہب ہیں (۱) اہل سنت (کہ جو خلیفہ کے انتخابی ہونے کے طرفدار ہیں۔ (۲) تشیع (کہ جو قانون انتصاب کے طرفدار ہیں)۔ پھر ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے اندر بہت سے فرقوں میں تقسیم ہوئے، جیسے اہل سنت کلامی اعتبار سے اشاعرہ، معتزلہ، ماتریدیہ اور فقہی اعتبار سے چار فقہی مکاتب (شافعی، حنفی، مالکی اور حنبلی) میں تقسیم ہوئے اور شیعہ بھی اسماعیلیہ، زیدیہ، امامیہ وغیرہ میں تقسیم ہوئے، قابل افسوس ہے کہ مندرجہ بالا مختلف فرقوں کے اکثر معتقد حضرات صرف اپنے فرقہ کو خالص حقیقت سے توصیف کرتے ہیں جبکہ دوسرے فرقوں کے بارے میں باطل یا حق و باطل کے مخلوط ہونے کے قائل ہیں۔

---

[1]: رجوع کریں: بیضاوی، کتاب المنہاج، مبحث الاخبار، نیز ابجد العلوم، ج ۲، ص ۴۵۰

[2]: رجوع کریں: ابن حزم، الفصل، ج ۳، ص ۱۰، شہرستانی، الملل والنحل، ج ۱، فصل ۶، ص ۱۴۶ اور ۱۶۴، تلخیص المحصل، ص ۴۰۸

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

تاریخ میں اہل سنت کے ان چار فقہی مذاہب کے نزاع اور مختلف جنگوں کا ذکر ہے کہ جنکی بنیادی وجہ دوسرے فرقہ کو باطل اور کافر سمجھنا تھی۔[1] ہم یہاں اہل سنت یا شیعہ کے اندرونی فرقوں کے نزاع اور جھگڑے بیان نہیں کرنا چاہتے، بلکہ اس نکتہ کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ بعض شیعوں کی اپنے مخالفین یعنی اہل سنت کی تکفیر انکے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ ہر دو طرف سے تکفیر کی گئی ہے، اہل سنت کے افراطی لوگوں نے بھی اصل مذہب شیعہ کو قبول نہیں کیا بلکہ اسے عبداللہ بن سباء یہودی وغیرہ کا ایجاد کردہ مذہب توصیف کیا[2] اور اس کے کفر کا حکم صادر کیا کہ اس بناء پر شیعہ نے پوری تاریخ میں بہت سے شہید دیے کہ علامہ امینی (صاحب الغدیر) نے اپنی کتاب "شھدا الفضیلۃ" میں ان شہیدوں کا ذکر کیا۔[3] یہاں اس حوالے سے سیف الدین آمدی[4] ابوالفتح اشروشنی (متوفای ۶۳۲ق)[5]، قاضی بیضاوی،[6] شیخ حنفی[7] ابن تیمیہ[8] ابو عمر ربہ اندلسی[9] ابو محمد عثمان عراقی حنفی[10] ابن حزم" اور عبداللہ قمیصی[11] کی طرف اشارہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ سب سلفیہ کے پیروکار تھے۔[12] بعض یا اکثر علماء اہل سنت شیعہ راوی کی روایت کو اسکے رافضی ہونے کی بناء پر ضعیف قرار دیتے ہیں،[13] پوری تاریخ میں شیعہ لوگ سنی خلفاء اور حاکموں کے ذریعے پریشان اور محرومیت میں رہے ہیں۔ جی ہاں تاریخ میں بعض علماء شیعہ نے بھی اہل

---

[1]: رجوع کریں: محمد عرفہ، رسالۃ الاسلام، ج۷، ص۳۸۰

[2]: رجوع کریں: التنبیہ والرد علی اہل الاھواء والبدع۔ مقدمہ، ص(س)

[3]: یہ کتاب "شہیدان راہ فضیلت" کے عنوان سے بھی فارسی میں چھپ چکی ہے۔

[4]: الروافض والامامیۃ الخارجین من ربقۃ الدین (غایۃ المرام فی علم الکلام، ص۳۲۹)

[5]: یہ ابو بکر کی امامت کے منکر کو کافر سمجھتے تھے (الفصول الاشروشنی، بحث امامت)

[6]: یہ امامت کو اصول میں سے سمجھتے تھے کہ اسکی مخالفت کفر اور بدعت کا موجب ہے (کتاب المنھاج، بحث الاخبار)

[7]: "واما الکفر فمن وجوہ-منھا انھم ینکرون خلافۃ الشیخین -فیجب قتل ھولاء الاشرار الکفار" (تنقیح الفتاوی الحامدیۃ، ج۱، ص۱۰۳ منقول از شرف الدین، الفصول المختار، فصل۹)

[8]: ابن تیمیہ، منھاج السنۃ النبویۃ، ج۱، ص۷

[9]: رجوع کریں: عقد الفرید، ج۲، ص۳۱۰

[10]: الفرق المفترقۃ بین اہل الزیغ والزندقۃ، ص۳۰

[11]: رجوع کریں: الفصل، ج۴، ص۱۸۵

[12]: رجوع کریں الصراع بین الاسلام والوھبیۃ، ج۱، مقدمہ، ص۴

[13]: رجوع کریں: دکتر صالح عبدالرحمان، عقیدۃ الشیخ محمد بن عبدالوھاب، ص۳۶

[14]: مثال کے طور پر ابن الحدید معتزلی کہ جو شیعہ مذہب کے کچھ حد تک نزدیک ہیں اور نہج البلاغہ کے شارح بھی ہیں وہ تیسرے خلیفہ کے خلاف ایک روایت کا اس لیے انکار کرتے ہیں کہ وہ شیعہ کتب میں نقل ہوئی ہے۔ رجوع کریں: شرح نہج البلاغہ، ج۱۲، ص۲۷۵، نیز: رسول جعفریان، تاریخ تشیع در ایران، ص۲۴

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

سنت کی تکفیر کی ہے۔ لہٰذا یہ تکفیر دونوں طرف سے ہوئی ہے اگرچہ یہ قبیح کام تھا (کہ ابھی بھی ہے) دونوں مذاہب اسکی لپیٹ میں ہیں۔[1]

۲۔ تکفیر کی قید و شرط: اس تکفیر میں دوسرا نکتہ یہ ہے کہ امام علی علیہ السلام کی امامت کے منکرین کی تکفیر کرنے والے اس تکفیر کی یہ شرط و قید بتاتے ہیں کہ منکر علم اور آگاہی کے ساتھ انکی امامت کا انکار کرے، اس صورت میں ایسے منکرین کی تعداد بہت کم ہوگی، کیونکہ اکثر علماء اہل سنت یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ پیغمبر ﷺ کی طرف سے کسی فرد کو منصوب نہیں کیا گیا۔ لہٰذا یہ لوگ کافر ہونے کہ حد تک منکرین نہیں کہلاتے۔ تکفیر کرنے والے زیادہ تر رحلت پیغمبر ﷺ کے زمانہ کو پیش نظر رکھتے ہیں کہ بعض حضرت علی علیہ السلام کے امامت پر منصوب ہونے کے علم کے ساتھ انکی امامت سے منہ موڑ گئے تھے۔ امام خمینی رحمۃ اللہ بھی اسی نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ علماء اہل سنت کی اکثریت حضرت علی علیہ السلام کی امامت پر یقین نہیں رکھتی ہے۔[2]

لہٰذا اہل سنت اس زمانہ میں اور گذشتہ ادوار میں امام علی علیہ السلام کی امامت کے منکرین کی صف میں نہیں ہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ اس موضوع سے جاہل ہیں۔

۳: امامت کو اصول دین میں شمار کرنا ایک خاص فکر: اس شبھ کا ایک طرف یہ ہے کہ شیعہ امامت کو توحید، نبوت اور قیامت کی مانند اصول دین کا جزو شمار کرتے ہیں کہ جسکے نتیجہ میں اسکے منکر کو کافر قرار دیتے ہیں۔

اس قسم کے شبھ کے تجزیہ میں یہ کہا جائیگا کہ امامیہ (جیسا کہ امامت کی تعریف میں گزر چکا ہے) امامت کی خاص اہمیت کے قائل ہیں اور اسے مقام نبوت کی تکمیل کرنے والا اور دین کے اہم عقائدی موضوعات میں سے قرار دیتے ہیں، لیکن یہ کہ آیا امامت اصول دین کا جزو ہے اور اسکا منکر توحید یا نبوت کے منکر کی طرح اسلام سے خارج ہے، اس پر اتفاق نظر موجود نہیں ہے، بلکہ ایسا نظریہ امامیہ علماء کے ایک خاص گروہ کی فکر ہے، اسکے ساتھ

---

[1]: ان صفحات کو لکھنے کے زمانہ میں عراق اور پاکستان میں ہم سینکڑوں شیعہ لوگوں کو وہابی سلفیوں، بطور دقیق توجہ کریں تو ان تکفیریوں کے ہاتھوں قتل عام ہوتا دیکھ رہے ہیں، یہ وہی لوگ ہیں کہ جو سامراء میں امام حسن عسکری (ع) کی بارگاہ کو تحل نہ کر سکے اور اسے بھی بم کے ذریعے تباہ کر دیا۔ انہی دنوں (۱۶ ذیقعد، ۱۴۲۸ قمری) سعودی عرب کی دینی یونیورسٹیوں اور مدارس کے معلمین میں سے ۱۳۷ افراد کے دستخط سے ایک پیغام نشر ہوا ہے کہ جس میں اہل سنت کو شیعوں کے قتل پر انکے رافضی ہونے کا بہانہ سے دوار کیا گیا ہے (روز نامہ جمہوری اسلامی، ۱۳ اسفند ۸۵، ص ۱۲) لیکن حقیقی اہل سنت ان افراطی لوگوں کی طرف توجہ نہیں کرتے بطور مثال شیخ یوسف قرضاوی جو کہ اہل سنت کے مشہور رہبروں میں سے ہیں انہوں نے حزب اللہ کی حمایت کرنے کے ساتھ ساتھ تکفیریوں کے ذریعے شیعوں کے قتل عام کی مذمت کی ہے۔ مصنف اس کتاب کی تحقیق کے دوران ایک ایسی کتاب پاتا ہے کہ جس میں برصغیر کے متعصب اور افراطی اہل سنت کے اعتراضات کو جمع کیا گیا تھا کہ ان میں بعض اعتراضات میں دیکھا گیا ہے کہ اس میں امام حسین علیہ السلام کے مد مقابل یزید کی حکومت کے جواز کا دفاع کیا گیا، حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کا انکار کیا گیا اور خلافت راشدہ کو پہلے تین خلفاء میں منحصر کیا گیا، شیعوں بالخصوص امام خمینی پر مرتد اور کافر ہونے کی تہمت لگائی گئی کہ یہ وہ چیزیں ہیں کہ جس سے تمام شیعہ و سنی مسلمانوں کی روح آزردہ ہوئی ہے (رجوع کریں: فہرستوارہ ایرادات و شبہات علیہ شیعیان در ہند و پاکستان، دکتر سید کمال حاج سید جوادی)

[2] رجوع کریں: کتاب الطہارۃ، ج ۳، ص ۳-۳۲۱

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

دیگر نظریہ یہ بھی ہے کہ امامت اصول دین میں سے نہیں ہے بلکہ مذہب تشیع کے اصول میں سے ہے کہ اسکا منکر دین سے نہیں بلکہ تشیع سے خارج ہے۔

عصر حاضر کے بزرگان تشیع مثلاً شرف الدین کاشف الغطاء[۲]، حکیم[۳]، امام خمینی[۴]، علامہ طباطبائی[۵] اور شہید مطہری[۶] نے اہل سنت کے حقیقی مسلمان ہونے کا حکم دیا اور امامت پر عقیدہ نہ رکھنے کو دین اور اسلام سے خارج ہونے کا باعث نہیں جانتے۔

یہاں بطور خاص دنیائے تشیع کے عظیم رہبر حضرت آیت اللہ العظمی بروجردی اور جامعہ الازہر کے سربراہ اور مفتی شیخ محمود شلتوت کا تذکرہ کرتے ہیں کہ یہ دونوں رہبر دونوں مذہبوں کو قریب کرنے کی فکر میں تھے کہ اسکا شیریں ثمرہ شیخ محمود شلتوت کے ذریعے شیعہ فقہ کی تائید اس عنوان سے کہ یہ اسلام کی پانچ فقہی مذاہب میں سے ایک فقہ تھی۔

البتہ یہ دونوں قسم کی فکر اپنے لیے دلائل رکھتی ہے کہ جو قابل غور ہیں، مصنف ان دلائل کو پھر کسی اور فرصت میں تفصیل سے بیان کرے گا۔[۷]

البتہ یہاں پہلے گزر چکا ہے کہ علماء اہل سنت میں سے بھی بعض امامت کو اصول دین کا جزو سمجھتے تھے۔

۴۔مقابل کے علمی دلائل کی طرف توجہ: پچھلے دو نکتوں سے قطع نظر میرا خیال ہے کہ علمی ابحاث میں جذباتی اور غیر مربوط بحثوں سے اجتناب کیا جائے اور معتبر دلائل کے پیچھے چلنا چاہیے، اگر شیعہ امامت کو اصول دین اور سنی اسے فروع دین میں سے سمجھتے ہیں، فوراً مد مقابل پر انحراف، بدعت اور دین میں تحریف کی تہمت نہیں لگانی چاہیے، بلکہ اسکے دلائل کا تجزیہ و تحقیق کرنا چاہیے۔

چونکہ اہل سنت کی اکثریت اصل امامت اور خلافت کو ایک فقہی اور فرعی مسئلہ نہ کہ ضروریات دین یا اصول دین میں سے جانتے ہیں، تو اسکے نتیجہ میں وہ اسکے منکر کو بھی اسلام سے خارج یا کفر سے توصیف نہیں کرتے، بلکہ عمیق تعبیر یہ ہوئی کہ وہ اپنے دلائل کی بناء پر تکفیر نہیں کر سکتے۔

لیکن بعض اہل تشیع اپنی موجود ادلہ کی بناء پر امامت کو اصول دین میں سے اور اسکے منکر کو اصول دین کا منکر جانتے ہیں اور اپنی ادلہ کی بناء پر (اگر وہ دلائل درست ہوں) اسکے منکر کو کافر اور دین سے خارج جانتے ہیں۔

---

[۱]: "وقد اجمع اهل القبلة على انها ليست من اصول الدين "، الفصول المهمة، ص ۱۵۳

[۲]: اصل الشیعہ واصولھا، ص ۱۰۱-۱۰۴

[۳]: مستمسک العروۃ، ج ۱، ص ۳۹۴

[۴]: کتاب الطہارۃ ج ۳، ص ۲۲۹-۳۲۲

[۵]: قرآن در اسلام، ص ۱۳۷

[۶]: آشنائی با علوم اسلامی، علم کلام، درس ۸، ص ۷۹، عدل الٰہی، ص ۵۶، نبوت، ص ۳۵

[۷]: رجوع کریں: مصنف، کلام فلسفی، فصل ہفتم، نیز: نامہ مفید، تابستان ۱۳۷۷، "جدانگاری امامت از اصول دین"

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ان دونوں صورتوں میں اگر کوئی شخص مکتب تشیع میں قرار پائے، تو امامت کے اصول دین میں ہونے پر عقیدہ رکھنے سے وہ ہر دو مکتبوں کی تکفیر اور دین سے خروج کے حکم سے محفوظ رہا اور وہ زیادہ سے زیادہ ایک فقہی مسئلہ انتخاب کی جگہ انتصاب کا قائل ہوا۔

لیکن اگر کوئی مسلمان سنی مکتب میں قرار پائے، وہ کم از کم یہ احتمال دیتا ہے کہ شاید شیعہ کے دلائل حق ہوں اور وہ اس صورت میں امامت اور نصب کے انکار سے اصول دین میں سے ایک اصل کا منکر یا اسلام کے اہم عقیدہ کا منکر کہلایا۔ ایسے فرد کے لیے حکم عقل کی بناء پر کہ اس احتمالی خطرہ سے بچاو لازمی ہے، انصاف اور بغیر تعصب مذہبی کے مدمقابل کے دلائل کو دیکھے۔ اس کتاب میں شیعہ کے دلائل تفصیل سے بیان ہونگے، ہم یہاں فریقین سے منقول حدیث نبوی پر اکتفاء کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

مَن ماتَ ولم یعرف امامَ زمانِہ ماتَ میتۃً جاھلیۃً [1]

اس حدیث میں پیغمبر اکرم ﷺ امام کی شناخت اور معرفت کو اتنا اہم اور بنیادی شمار کرتے ہیں کہ امام عصر کا منکر بلکہ انکی معرفت سے جاہل کو زمانہ جاہلیت کے مردہ لوگوں میں سے شمار کیا ہے۔ اس حدیث سے اسلام میں امامت کی کلیدی حثیت کو جانا جاسکتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ امام عصر کی شناخت کی ضرورت سے مراد (تا کہ جاہلیت کی موت سے بچا جائے) ہر زمانہ اور دور کے حاکم کی شناخت ہے کہ کوئی بھی معمولی انسان جو مختلف طریقوں سے مثلاً طاقت اور مال وغیرہ کی بدولت اقتدار پر پہنچ جائے، جیسے یزید کی طرح عیاش ہو؟ [2]

آیا یہ حقیقت ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ یزید جیسے لوگوں کی شناخت کو زمانہ جاہلیت کی موت سے نجات قرار دیتے ہیں؟ یا اسکا مطلب یہ ہے کہ ہر دور میں حجت الٰہی کے عنوان سے خاص کمالی صفات کا حامل امام اور پیغمبر اکرم ﷺ کی تمام صفات میں انکے حقیقی جانشین کے عنوان سے موجود ہے کہ مسلمانوں کا وظیفہ ہے کہ نہ صرف اسکی شناخت پیدا کریں بلکہ اسکی اتباع بھی کریں۔ مصنف تمام اہل سنت بھائیوں اور انکے محققین سے خواہش رکھتا ہے کہ شیعہ کے تمام دلائل اور مندرجہ بالا حدیث میں اپنے ضمیر کے ساتھ غور فکر کریں، پھر فیصلہ کریں۔

پانچواں شبھہ: امامت کا وراثتی ہونا:

اہل تشیع پر ایک اعتراض امامت وخلافت کے وراثتی ہونے کا دعوی ہے، [3] چونکہ گیارہ امام سب کے سب امام علی علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ جبکہ اہل سنت خلیفہ کو بیعت اور لوگوں کے ذریعے منتخب کرنے کے قائل ہیں لہٰذا یہ نظریہ شیعہ نظریہ سے بہتر اور معقول نظر آتا ہے۔

---

[1]: مسند احمد، ج ۴، ص ۹۶، مسند ابی داود، ص ۲۵۹، مجمع الزوائد، ج ۵ ص ۲۱۸

[2]: واضح ہے کہ تمام علماء اہل سنت اور مورخین یزید کی رذیلہ صفات کے قائل ہیں (مروج الذھب، ج ۳، ص ۷۹)

[3]: رجوع کریں: عبدالقاھر بغدادی، کتاب اصول الدین، ص ۱۵۰

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

جائزہ اور تحقیق

جیسا کہ اشارہ کر چکے ہیں کہ مندرجہ بالا شبہ انتہائی سادہ ہے اسکے لیے مختصر سے جواب پر ہی اکتفاء کیا جائے گا۔

شیعہ نے ہر گز یہ دعوی نہیں کیا کہ چونکہ حضرت علی علیہ السلام پیغمبر ﷺ کے داماد یا چچازاد بھائی تھے اور سب سے زیادہ انکے قریب تھے، اسی وجہ سے وہ انکے بعد امام اور خلیفہ قرار پائے۔ بلکہ حضرت علی علیہ السلام کے مقام امامت پر فائز ہونے کی اصل وجہ، انکے عظیم فضائل اور صفات تھیں مثلاً انکے معنوی مقامات، امور میں تدبر، شجاعت اور سب سے بڑھ کر بچپن سے دامن رسالت میں پرورش پانا اور تربیت لینا کہ یہ سب حضرت کے ایمان کو عروج کی آخری منزل تک لے گئیں اور اسکے سایہ تلے حضرت علی علیہ السلام ایک کامل انسان اور صفت عصمت اور شریعت کے بارے الٰہی و جامع علم سے حامل ہوئے، یہ مقام اس طرح بڑھا کہ پیغمبر اکرم ﷺ پر حضرت جبرئیل کے نزول کے وقت آپ (ع) انہیں دیکھتے تھے۔ پیغمبر اکرم ﷺ نے بھی اس نکتہ کی تصریح فرمائی:

اری نورَ الوحیِ والرّسالةِ وأشمّ ریحَ النبوةِ ولقد سمعتُ رنّه الشیطانِ حینَ نزلَ الوحی علیه فقلت یا رسولَ الله ماهذهِ الرنّة ؟فقال: هذا الشیطان قد أیس من عبادتِه انّک تَسمعُ ماأسمعُ و تَری ما اَری اِلّا انکَ لستَ بنبیٌّ و لکنّکَ لوزیر و انّکَ لَعَلی خیرٍ [1]

یعنی میں وحی و رسالت کے نور کو دیکھتا تھا اور نبوت و پیغمبری کی خوشبو سونگھتا تھا اور جب آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تھی تو شیطان کی آواز سنتا تھا۔ میں نے عرض کی اے رسول ﷺ خدا یہ کونسی آواز ہے؟ فرمایا: یہ شیطان کی آواز ہے کہ وہ اپنی پرستش سے مایوس ہو گیا ہے۔ تم بھی وہ کچھ سنتے ہو کہ جو میں سنتا ہوں اور وہی چیز دیکھتے ہو کہ جو میں دیکھتا ہوں مگر یہ کہ تم پیغمبر نہیں ہو لیکن میرے وزیر ہو اور تم خیر و نیکی پر ہو۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ قرآنی نصوص اور فریقین کی کتابوں میں منقول احادیث و روایات کے مطابق حضرت علی علیہ السلام اور تمام اہلبیت النبوۃ خلقت سے لیکر قیامت تک تمام انسانوں سے افضل و برتر ہیں اور یہ افضلیت سوائے پیغمبر اسلام ﷺ کے تمام پیغمبروں کو بھی شامل ہے۔ اس شیعہ نظریہ پر قرآنی اور احادیثی دلائل کو آئندہ صفحات میں اس شبہ کی تحقیق و تجزیہ میں پیش کریں گے کہ جہاں ائمہ شیعہ کی انبیاء پر برتری کا شبہ اور اعتراض کیا گیا ہے، اسکا کچھ حصہ باب کلیات میں امامت کے چھٹے فلسفہ "ائمہ واسط فیض الٰہی" کی بحث کے ذیل میں گذر چکا ہے۔

پس امام علی علیہ السلام کی امامت پر تعیین وراثت و نسب کے مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں رکھتی، یہاں معیار صرف اور صرف آنحضرتؐ کی کمالی صفات ہیں، عمیق و دقیق تعبیر کے مطابق وہ آیات و روایات جو حضرت کے مقام امامت پر منصوب ہونے پر دلالت کر رہی ہیں وہ حقیقت میں انکے نصب پر نہیں بلکہ حقیقت کو کشف کر رہی

---

[1]: نہج البلاغہ، خطبہ ۱۹۲، فیض الاسلام، ص ۸۱۲، مطہری، مجموعہ آثار، ج ۴، ص ۳۵۶

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ہیں ایک طرح سے لوگوں کو تعلیم دی جارہی ہے اور اعلان کیا جارہا ہے کہ پیغمبر کے حقیقی خلیفہ اور امام حضرت علی علیہ السلام ہیں۔[1]

یہی نکتہ امام حسن و امام حسین علیہما السلام کی امامت میں ہے بلکہ بارہویں امام تک تمام ائمہ علیہم السلام میں بھی جاری ہے۔ ان اماموں میں سے ہر ایک اپنے دور میں تمام انسانوں میں برتر اور کامل تر تھے، اسی نکتہ کا ائمہ علیہم السلام کے زمانہ کے خلفاء اور علماء اہل سنت نے بھی اعتراف کیا جس کی طرف اشارہ کیا جاچکا ہے:

علماء اہل سنت اور ائمہ علیہم السلام کے فضائل کا اعتراف

اگر کوئی شیعہ اپنے امام کی تعریف اور تمجید کرتا تو شاید اہل سنت حضرات کے لیے قابل قبول نہ ہوتی جیسا کہ فارسی میں ضرب المثل ہے کہ عطر وہ ہے جس کی خوشبو سے ہی پتہ چل جائے نہ کہ عطار بتائے، ہم یہاں امامت کے حوالے سے ائمہ علیہم السلام کی امامت کے مخالفین کا انکے فضائل کے اعتراف کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

۱) خلفائے ثلاثہ اور فضائل ائمہؑ:

اگرچہ پہلے تین خلفاء اپنی مختلف توجیہات (جیسا کہ توجیہات کے باب میں ذکر ہوگا) کی بناء پر حضرت علی علیہ السلام کو امامت و خلافت کے مقام سے ہٹاتے ہیں؛ لیکن یہی خلفاء کئی بار انکے علمی اور دینی فضائل حتی کہ انکے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے امامت و خلافت کے مقام پر منصوب ہونے کا اعتراف بھی کرتے ہیں۔[2] (چوتھے باب میں خلافت کی احادیث کے تعارض کے شبہ میں خلفاء اور علماء اہل سنت کے اعترافات بھی ذکر ہونگے) امام علی علیہ السلام کے منصوب ہونے کا اعتراف بذات خود انکے صفات و کمالات رکھنے کا بھی اعتراف ہے۔ ورنہ یہ لازم آتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نعوذ باللہ حضرت کے فضائل کا لحاظ کیے بغیر انہیں منصوب کیا ہے۔

ابو حنیفہ (م ۸۰۴۔۱۵۰ق) یہ دو سال امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں حصول علم کی خاطر رہے، ان دو سالوں نے انکے علم کی بنیاد کو تشکیل دیا، جیسا کہ خود بھی ان دو سالوں کی یوں توصیف کرتے ہیں:

لَو لَا السَّنَتانِ لَهَلکَ النعمانُ [3]

اگر (وہ) دو سال نہ ہوتے تو نعمان قطعاً ہلاک ہو جاتا۔

---

[1]: مسئلہ غدیر ایسا مسئلہ نہیں ہے کہ حضرت کیلئے ایک مسئلہ بنا ہے یعنی حضرت امیر نے اپنے لیے غدیر کو مسئلہ بنایا ہو۔ بلکہ وہ مقدس وجود کہ جو ہر جہت سے منبع فیض ہے، باعث بنا کہ غدیر واقع ہو۔۔۔ حضرت امیر علیہ السلام کا خلافت پر منصوب ہونا ایسا نہیں ہے کہ یہ حضرت کے مقامات معنوی سے ہو، بلکہ حضرت کے معنوی مقامات اور جامع مقامات یہ تھے کہ غدیر پیدا ہو (صحیفہ امام، ج ۲، ص ۱۱۱)

[2]: مزید وضاحت کیلئے رجوع کریں: محمد مھدی الایمانی، الامام علی علیہ السلام فی آراء الخلفاء

[3]: آلوسی، مختصر التحفۃ الاثنی عشریہ، ص ۸

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

انہوں نے خلیفہ وقت منصور دوانقی کے حکم سے امام کے مقام اور منزلت کو کمزور کرنے کیلئے ان سے چالیس مسائل کے بارے میں سوال کیا اور حضرت سے انکے دقیق جوابات سننے کے بعد کہا:

مَا رایتُ اَفقهَ من جعفربن محمد ۔[1]

میں نے جعفر بن محمد سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا۔

مالک بن انس (م ۹۵۔۱۷۹ق): امام صادق علیہ السلام کی توصیف میں کہتے ہیں:

مَا رأت عینٌ ولا سَمعت اذنٌ ولا خطرٌ علی قلبِ بشرٍ افضل من جعفر بن محمد علمًا و عبادةً وورعًا [2]

ترجمہ: علم، عبادت اور تقوی میں جعفر بن محمد سے افضل نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی بشر کے دل میں ایسا خیال آیا۔

شافعی (م ۱۵۰۔۲۰۴ق): جب انہیں بتایا جاتا ہے کہ بعض اہل سنت فضائل اہل البیت سننے کی طاقت نہیں رکھتے اور اگر اس حوالے سے کوئی فضیلت بیان کرے، اس پر رافضی ہونے کی تہمت لگاتے ہیں. تو شافعی انکے جواب میں اپنے بہت مشہور اشعار کہتے ہیں کہ:

برءتُ الی المهیمنِ من اناسٍ یَرونَ الرفضَ حبَّ الفاطمیه

عَلی آل الرسول صلوةُ ربی ولعنتُهُ لتلک الجاهلیة

ان کان رفضاً حبُّ آلِ محمد فَلیَشهَد الثقلان انی رافض [3]

میں اللہ کی بارگاہ میں ایسے لوگوں سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں جو فاطمہ (علیہا السلام) کی محبت کو رفض سمجھتے ہیں۔ آل رسول پر میرے رب کی صلوۃ ہو اور اس قسم کی جاہلیت پر لعنت ہو۔ اگر آل محمد کی حب رفض ہے تو جن وانس گواہ رہیں کہ میں رافضی ہوں۔

احمد بن حنبل (م ۱۶۴۔۲۴۱ق): وہ وضاحت کرتے ہیں کہ کس کیلئے بھی علی علیہ السلام جیسے فضائل ذکر نہیں ہوئے ہیں۔ [4]

---

[1]: سیر اعلام النبلاء، ج ۶، ص ۵۸۶

[2]: محمد حسین مظفر، الامام صادق علیہ السلام واذاھب الاربعۃ، ج ۱ و ۲، ص ۵۳

[3]: ینابیع المودۃ، ج ۳ ص ۹۹، ۹۸، باب ۶۲

[4]: ینابیع المودۃ، ج ۲، ص ۳۸۵، باب ۷۹

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

۲) معتزلہ کے اعترافات:

اکثر معتزلہ حضرت علی علیہ السلام کی تمام اصحاب پر کہ جن میں پہلے تین خلفاء بھی ہیں، افضلیت کے قائل ہیں، جیسا کہ ابو جعفر اسکافی (م ۲۴۰ق) نے اس دعوی کو ثابت کرنے کیلئے "المعیار الموازنۃ" کے نام سے ایک کتاب تحریر کی۔

نہج البلاغہ کے مشہور شارح ابن ابی الحدید اپنی شرح کے مقدمہ میں ایک عجیب جملہ لکھتے ہیں:

اَلحمدُ للهِ الَّذِی قَدَّمَ المفضولَ عَلَی الفَاضِلِ [1]

حمد ہے اس خدا کی جس نے غیر افضل کو افضل پر مقدم کیا۔

جاحظ، امام صادق علیہ السلام کی توصیف میں کہتے ہیں:

جعفر بن محمد الذی ملا الدنیا علمه و فقهه [2]

جعفر بن محمد وہ ہستی ہیں جنہوں نے دنیا کو اپنے علم و فقہ سے بھر دیا ہے۔

طویل ہونے کے خوف سے ہم اسی پر اکتفاء کرتے ہیں اور صرف یہ تذکرہ کیے دیتے ہیں کہ خود علماء اہل سنت نے اپنی حدیثی اور رجالی آثار میں ائمہ علیہم السلام کے فضائل بیان کیے ہیں اور بعض نے تو انکے بارے میں مستقل کتابیں بھی تحریر کیں۔ [3] میرا خیال یہی مقدار کافی ہے کہ بارہ ائمہ علیہم السلام کے مقام امامت پر منصوب ہونے کی وجہ وراثت نہیں تھی بلکہ انکے ذاتی فضائل اور لیاقت تھی۔

آخری نکتہ کہ اس کا تذکرہ بھی مفید ہے یہ ہے کہ اگر نقلی اور عقلی دلائل سے ثابت ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ یا اسکے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ائمہ علیہم السلام اور امت کے دینی و سیاسی رہبروں کی تعیین کی ہے تو ہر مسلمان پر واجب ہے کہ انکی اطاعت کرے۔ اس اطاعت کا وجوب اہل سنت کیلئے بھی لازمی ہے چونکہ جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ انجام دیتا ہے وہ سب کچھ حسن و عدالت ہے اور امامیہ پر بھی لازمی ہے کہ وہ الٰہی اوامر کو حسن اور اسکی مصلحت سے کاشف سمجھتے ہیں۔ (نصوص امامت کی ادلہ بعد والے باب میں آئینگی)

یہ شبہ کہ بارہ ائمہ علیہم السلام کی امامت وراثتی ہے، یہ شبہ دراصل نص اور اللہ تعالیٰ کے اوامر کے مقابلہ میں میں شک و تردید کا اظہار ہے کہ جو کسی مسلمان کیلئے بھی شایستہ نہیں ہے۔ اسکے علاوہ تفصیل سے یہ کہا جا چکا ہے

---

[1]: رجوع کریں: نہج البلاغہ، ج ۱، خطبہ کتاب، ابن ابی الحدید کی آراء سے مزید آگاہی کیلئے رجوع کریں: سید ابوالفضل میر لوحی، تجلی فضیلت (اعترافات ابن ابی الحدید) ج ۲، ۱

[2]: رسائل جاحظ، ص ۱۰۶

[3]: رجوع کریں: ابو جعفر اسکافی، المعیار والموازنہ، قندوزی، ینابیع المودۃ لذوی القربی، سید محمد طاہر ھاشمی شافعی، مناقب اہل البیت از دیدگاہ اہل سنت

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

کہ ائمہ علیہم السلام کے منصب امامت پر فائز ہونے کی وجہ وراثت و میراث نہیں تھی بلکہ یہ انکی ذاتی فضیلت و صلاحیت کی بناء پر تھا۔

چھٹا شبھہ) بچپن میں امامت:

شیعہ کا عقیدہ ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ کی رحلت کے بعد امامت حضرت علی علیہ السلام اور انکی نسل سے گیارہ ائمہ علیہم السلام کی طرف منتقل ہوئی ہے، امامت کا جو بھی معنی خواہ حکومت اور خلافت، خواہ علمی و دینی مرجعیت اور حجت الٰہی ہو، اسکے لیے کچھ اوصاف اور شرائط ضروری ہیں کہ جن میں جسمانی استطاعت و توانائی رکھنا اور عمر کی شرائط بھی ہیں، وہ شخص جو طفولیت کی حالت میں ہے وہ مسلمانوں کا امام نہیں بن سکتا۔ حالانکہ بعض امام مثلاً امام تقی علیہ السلام سات سال کی عمر میں اور امام نقی علیہ السلام آٹھ سال کی عمر میں مقام امامت پر فائز ہوئے ہیں اور یہ چیز اس مقام و منزلت کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتی کہ جو شیعہ امامت اور امام کیلئے قائل ہیں۔[1]

جائزہ اور تحقیق

اس شبھہ کے تجزیہ کیلئے مندرجہ ذیل نکات قابل توجہ ہیں:

۱۔ حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کو کم سنی میں نبوت اور حکم عطا ہونا: سب سے پہلی بات یہ ہے کہ مندرجہ بالا دو اماموں کا طفولیت میں مقام امامت پر فائز ہونا قابل تعجب یا انکار کی وجہ نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ اس نے حضرت یحییٰ کو کم سنی میں حکم اور حضرت عیسیٰ کو طفولیت میں نبوت عطا کی ہے۔

يَا يَحْيَى خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا [2]

كَيْفَ نُكَلِّمُ مَن كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا [3]

اے یحییٰ! کتاب کو مضبوطی سے پکڑ لو اور ہم نے انہیں بچپنے ہی میں نبوت عطا کر دی۔

قوم نے کہا کہ ہم اس سے کیسے بات کریں جو گہوارے میں بچہ ہے۔ بچہ نے آواز دی کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔

یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ کو جو حکم عطا کیا ہے اس سے مراد کیا ہے آیا یہ نبوت کو بھی شامل ہے یا نہیں؟ اس حوالے سے شیعہ و سنی مفسرین میں اختلاف نظر موجود ہے، ہم یہاں اہل سنت کے مشہور مفسر اور متکلم یعنی فخر رازی کے تذکرہ پر اکتفاء کرتے ہیں کہ حضرت یحییٰ کو حکم عطا ہونے کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

---

[1]: الصواعق المحرقہ، ص ۱۶۶، احمد کاتب، تطور الفکر السیاسی الشیعی، ص ۱۱۲، ۱۰۲، احمد امین، ظہر الاسلام، ص ۶۷۲

[2]: مریم/۱۲

[3]: مریم/۲۹، ۳۰

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

الحکمُ هوَ النُّبوَّة فانَّ اللهَ تعالی احکمَ عقله فی صباه و أوحی الیه و ذالک لِاَنَّ اللهَ تعالی قد بَعَثَ یَحیی و عِیسی و هما صبیان [۲]

حکم وہی نبوت ہے، پس اللہ تعالی نے انکے بچپنے میں انکی عقل کو استحکام بخشا اور انہیں وحی کی اور یہ اس لیے تھا کہ اللہ تعالی نے یحییٰ اور عیسی (علیہما السلام) کو اس حال میں مبعوث فرمایا کہ وہ دونوں ابھی بچے تھے۔

"حکم" سے حد اقل مشترک اور یقینی معنی قوت فہم، عمیق درک اور غیبی الہام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت یحییٰ علیہ السلام کیلئے خاص عنایت اور انحصاری خصوصیت کے عنوان سے ذکر کیا۔

اس آیت مبارکہ سے روشن ہوتا ہے کہ خصوصی علم اور فہم کی صلاحیت اور غیبی رابطہ کم سنی اور طفولیت میں نہ صرف ممکن ہے بلکہ ایسا محقق بھی ہوا ہے اور یہ بعید نہیں ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے بارے میں آیت واضح ہے، اکثر شیعہ مفکرین نے اسے بچپن کی نبوت سے تفسیر کیا ہے۔ [۳] جبکہ اہل سنت کے مفسرین نے مختلف نظریات ذکر کیے ہیں، بعض نے اسکا انکار کیا ہے [۴] اور بعض نے دو قول (نبوت اور غیر نبوت) ذکر کرتے ہوئے بغیر دوسرے کو رد کیے ایک پر اکتفاء کیا۔ [۵] جبکہ بعض نے اسے نبوت پر حمل و تفسیر کیا، بروسوی اپنی روح البیان میں اس قول کو جمہور کی طرف نسبت دیتے ہیں۔ [۶] زمخشری بچپن میں نبوت کی تفسیر کو ظاہر آیت سے نسبت دیتے ہیں۔ [۷]

فخر رازی نہایت واضح انداز سے مندرجہ بالا دو آیت (حضرت یحییٰ علیہ السلام کا حکم اور حضرت عیسی علیہ السلام کی نبوت) کو بچپن پر حمل کرتے ہیں اور اس شبہ کے جواب میں کہ یہ بعید ہے، کہتے ہیں: خارق العادہ کام نبوت کا لازمہ اور اعجاز ہے اور جو اسکا منکر ہوگا، نبوت کے اثبات کی راہ کو بند کرے گا۔

---

[۱]: شوکانی ان معانی کو ذکر کرتے ہیں: حکمت، احکام کی فہم، علم و نبوت اور تفکر اور کہتے ہیں: "لا منع من ان یکون الحکم صالحا لحمل علی جمیع ما ذکر"۔ (تفسیر فتح القدیر، ج ۳، ص ۱۰) ابو منصور ماتریدی مندرجہ بالا آیت کو بچپن میں نبوت پر دلیل اور معتزلہ کے نظریہ کے مخالف اور رد ذکر کرتے ہیں (تاویلات اہل السنۃ، ج ۳، ص ۱۲۶۰ اور شیخ اسماعیل حقی البروسوی، تفسیر روح البیان، ج ۵، ص ۳۱۹) علامہ طباطبائی اسے الہی معرفت کا علم اور غیبت کے پردوں کے ظہور سے تفسیر کرتے ہیں (المیزان، ج ۱، ص ۱۹۲)

[۲]: تفسیر کبیر، ج ۱۱، ص ۱۹۲

[۳]: رجوع کریں: سلسلہ مولفات الشیخ المفید، اوائل المقالات، ج ۴ ص ۱۲۵، المیزان فی تفسیر القرآن، ج ۱۴، ص ۴۶

[۴]: رجوع کریں: تفسیر المراغی، ج ۶، ص ۴۸

[۵]: رجوع کریں: تفسیر البیضاوی، ج ۳، ص ۴۸، زمخشری، الکشاف، ج ۳، ص ۱۵

[۶]: تفسیر روح البیان، ج ۵، ص ۳۳۱

[۷]: تفسیر الکشاف، ج ۳، ص ۱۵

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

وہ آیت "اتانی الکتاب" کے ظاہر کو حضرت عیسیٰ کی بچپن میں نبوت پر دلیل جانتے ہیں کہ واجب ہے اسے اسکے ظاہر پر حمل کریں اور ظاہر کے خلاف تفسیر سے پرہیز کریں۔[1]

ابو منصور ماتریدی مکتب کلامی ماتریدیہ کے سربراہ بھی اس آیت کو بچپن میں نبوت سے تفسیر کرتے ہیں۔[2]

نتیجہ بحث یہ ہوا کہ نبوت اور احکام دین کی خاص معرفت و فہم کا عطا ہونا نیز قدسی مقام سے غیبی رابطہ بچپن میں ممکن ہے بلکہ بعض کیلئے مثلاً حضرت یحییٰ و عیسیٰ علیہما السلام کیلئے واقع بھی ہوا ہے۔ لہٰذا شیعہ عقائد میں بعض ائمہ کا بچپن میں مقام امامت پر فائز ہونا غیر ممکن اور قرآنی اساس کے مخالف نہیں ہے۔ ائمہ اطہار کی احادیث میں امام تقی علیہ السلام کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مشابہت پر بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے۔[3]

۲۔ زمانہ طفولیت میں نابغہ ہونا: پیغمبروں کے علاوہ بعض نابغہ افراد بھی بچپنے میں ایسے کام انجام دیتے ہیں کہ جو سب کے تعجب کا باعث بنتے ہیں، خبروں اور میڈیا میں اس قسم کی بہت سی مثالیں اور شواہد ملتے ہیں، مثلاً چھ یا سات سال کا بچہ یا اس سے کم سن بڑی آسانی سے اپنی مادری زبان اور اجنبی زبان میں لکھ پڑھ سکتا ہے یا کوئی کتاب یا اس کا کوئی حصہ مثلاً قرآن مجید کو حفظ کرتا ہے کہ اس عمر میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

جب یہ سطریں لکھ رہا تھا یعنی (فروردین ۸۶) تو میڈیا میں ایک روسی چھ سالہ بچے بنام گورگی ہیجا گوف کے بارے میں خبر دی گئی کہ جو دنیا کی بارہ زبانوں میں گفتگو کر سکتا ہے اور ریاضی کے سخت مسائل حل کر سکتا ہے۔ تما م اعلیٰ سطح کے سکولوں نے بھی اسکے خارق العادہ نبوغ کی بناء پر اسے داخلہ نہیں دیا۔

قاری محترم آپ بھی آسانی سے اس قسم کے نابغہ افراد کے بارے میں خبریں انٹرنیٹ پر لفظ نابغہ لکھ کر ڈھونڈ سکتے ہیں۔

تفسیر روح البیان کے مصنف شیخ اسماعیل حقی بروسوی اہل سنت کے مفسرین میں سے ہیں کہ جو سورہ مریم آیت ۱۲ ...وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا کے ذیل میں بیان کرتے ہیں کہ مشہور عارف شیخ سہل بن عبداللہ تستری کیلئے تین سے سات سال کی عمر میں کشف اور غیبی الہام کی حالت پیدا ہوئی تھی۔[4]

پس اس اعتبار سے پیغمبر اکرم ﷺ کی نسل پاک کیلئے تفسیر دین حتی کہ مملکت کا نظام چلانے کیلئے علم غیب اور عنایت الٰہی سے ایک خاص نبوغ ممکن ہے، بلکہ ایسا واقع بھی ہوا ہے کہ اس موضوع پر بعد میں بیان ہوگا۔

۳۔ طفولیت میں اسلام کی دعوت دینا: ایک ایسی چیز جس سے ائمہ علیہم السلام کی ذاتی لیاقت ثابت ہوتی ہے وہ پیغمبر اسلام ﷺ کا حضرت علی علیہ السلام کو دس سال کی عمر میں اسلام قبول کرنے کی دعوت دینا ہے۔ پیغمبر

---

[1]: تفسیر کبیر، ج ۱۱، ص ۲۱۵، ۱۹۳

[2]: تاویلات اہل السنۃ، ج ۳، ص ۲۶۴

[3]: الکافی، ج ۲، کتاب الحجۃ، باب الاشارۃ والنص علی ابی الحسن، ج ۱۳، ۱۰، ص ۳۲۱

[4]: رجوع کریں: تفسیر روح البیان، ج ۵، ص ۳۱۹

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

اسلام ﷺ نے اپنی پچیس سالہ دور نبوت میں کسی بچے کو دعوت اسلام نہیں دی، لیکن یہ امتیاز حضرت علی علیہ السلام کو نصیب ہوا۔

حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ پیغمبر اکرم ﷺ نے امام حسن اور امام حسین علیہما السلام سے بھی بچپن میں اسلام کی بیعت لی کہ ایسی بات ان دو کے علاوہ کہیں بھی نہیں دیکھی گئی۔ یہ تین نکتے (حضرت علی کو بچپن میں اسلام کی دعوت اور امام حسن اور امام حسین علیہما السلام سے بیعت لینا) بذات خود ائمہ کی انحصاری اور ذاتی فضیلت و لیاقت پر دلیل ہیں۔

امام تقی علیہ السلام کے ہم عصر عباسی خلیفہ مامون نے بھی حضرت کی صلاحیت و فضیلت کی تائید کرنے کیلئے اس نکتہ کو گواہ بنایا۔[1]

۴۔ امام تقی علیہ السلام کی ذاتی فضیلت: گذشتہ نکات بچپن میں ذاتی فضائل رکھنے کے امکان کو ثابت کرتے ہیں، لیکن امام تقی اور امام نقی علیہما السلام کے بارے میں امکان کے علاوہ ایسا واقع بھی ہوا ہے کہ اب اس پر اشارہ کیا جاتا ہے:

الف: علمی سوالات اور مناظروں کا جواب: امام رضا علیہ السلام کی رحلت کے بعد شیعوں نے حضرت تقی علیہ السلام کے مقام امامت کیلئے اہلیت رکھنے پر یقین پیدا کرنے کیلئے ان سے سوالات پوچھے۔ جیسا کہ بغداد میں بزرگان شیعہ نے فیصلہ کیا اور اسّی فقہاء حضرت کی خدمت میں بھیجیں اور مسئلہ کی تحقیق کریں، جب انہوں نے آٹھ سال کے بچے سے اپنے سوالات کے علمی اور عمیق جوابات حاصل کیے تو انکی امامت پر ایمان لے آئے۔[2]

ایک اور مقام کہ جہاں حضرت نے اپنی ذاتی لیاقت اور اپنے حق میں الٰہی عنایت کو مختلف مقامات پر ثابت کیا، وہ علمی مناظرات تھے کہ جو حضرت اور اس زمانہ کے مخالفین امامت اور حکومت سے منسوب مشہور علماء کے درمیان واقع ہوئے۔ حضرت نے کئی بار ان علماء سے مناظرہ کیا اور ان سب کا حضرت کی کم سنی کے باوجود ان سے شکست کھانا تاریخ میں درج ہے۔

حاکم وقت مامون نے جب امام تقی علیہ السلام کے فضائل اور کمالات کا مشاہدہ کیا تو کچھ مقاصد کے حصول کے لیے چاہا کہ اپنی بیٹی "ام الفضل" کو انکے عقد میں دے کہ یہ مسئلہ اسکے رشتہ داروں اور دربار کے علماء کی مخالفت کا باعث بنا، انہوں نے مامون سے درخواست کی کہ انکے اور حضرت کے درمیان ایک مناظرے کا اہتمام کیا جائے۔ یحییٰ بن اکثم زمانے کا سب سے بڑا عالم اور دربار کا قاضی القضات بھی اس مناظرے میں شریک ہوا۔ اس

---

[1]: رجوع کریں: سلسلہ مولفات الشیخ المفید، ج ۱۱، جزء دوم، ص ۲۸۷، کتاب الارشاد

[2]: مسعودی، اثبات الوصیۃ، ص ۲۲۰، قندوزی، ینابیع المودۃ، ج ۳، ص ۱۲۶

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

مناظرے میں بھی حضرت مخالفین پر کامیاب ہوئے اور تمام مخالفین مامون کی اس خواہش کے مد مقابل تسلیم ہوگئے کہ وہ اپنی بیٹی کی حضرت سے شادی کرے۔[۱]

ب: مامون اور دیگر مخالفین کا اعتراف: اہل سنت کے علماء کے ساتھ حضرت کے بہت سے مناظروں کے بعد وہ تمام مامون سمیت حضرت تقی علیہ السلام کی کم سنی میں انکی ذاتی ذکاوت، صلاحیت اور فضیلت کے قائل ہوئے اور زبان سے اسکا اعتراف بھی کیا۔ پہلے ذکر ہوا کہ اس زمانے کے علماء اہل سنت کے سربراہ کہ جو حضرت کی کمالی صفات کے سب سے پہلے مخالف تھے لیکن ان سے مناظرہ کے بعد اس چیز کا اعتراف کرتے ہیں۔ خود مامون نے بھی کئی بار نہ صرف یہ کہ انکے فضائل کی طرف اشارہ کیا، بلکہ ان فضائل کے فلسفہ اور سبب کی طرف بھی اشارہ کیا کہ یہ وہی نبوت کے سلسلہ سے وابستگی اور الہام اور عنایت الٰہی کے ذریعے علم اور فضیلت کے حصول کی بناء پر ہے، جیسا کہ وہ ایک مقام پر علماء کے ایک گروہ کو واضح انداز سے خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے:

وَیحکمُ انَّ ھذاالبیتَ حضوًا مِّنَ الخَلقِ بمَا تَرونَ منَ الفضلِ وانَّ صِغرَالسن لا یَمنَعُھُم مِنَ الکَمالِ—انَّ ھذا من اھل بیتٍ علمھم من اللہ و مواده و الھامه [۲]

اسی طرح دیگر علماء اہل سنت مثلاً ابن حجر ھیثمی نے حضرت کے فضل، علم، کمال، عظمت اور انکی کم سنی میں برہان واستدلال پیش کرنے کا اعتراف کیا ہے۔[۳]

امام تقی علیہ السلام کی ذاتی فضیلت: امام بھی اپنے والد گرامی کی مانند بچپن میں ہی مقام امامت پر فائز ہوئے، شیعوں نے امام تقی علیہ السلام کی مانند انکی بھی امامت کو قبول کیا۔ امام تقی علیہ السلام کی ذاتی فضیلت اور عظمت کے اثبات کیلئے اسی نکتہ پر اکتفاء کیا جاتا ہے کہ اس دور کے خلیفہ معتصم نے انکی طفولیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں زبردستی ایک شیعہ مخالف عالم بنام ابو عبداللہ جنیدی کے زیر نظر ایک گھر میں محبوس کیا کہ وہ انہیں تعلیم وتربیت دے۔ جنیدی حضرت کیلئے ایک خصوصی استاد کے عنوان سے ایک مقررہ مدت تک بظاہر انکی تعلیم وتربیت بالفاظ دیگر انکے ذہن کو تبدیل کرنے میں مشغول رہا۔ شیعہ علماء اور بزرگان اس مسئلہ کی بناء پر برہم تھے کچھ عرصہ بعد انہوں نے جنیدی سے امام کی حالت کے بارے میں پوچھا، اس نے کہا خدا کی قسم: میں انہیں تعلیم نہیں دے رہا بلکہ وہ ہیں کہ جو مجھے تعلیم دے رہے ہیں۔ اس خصوصی تعلیم کا ثمرہ جنیدی کا شیعہ ہونا تھا۔[۴]

---

[۱]: الصواعق المحرقہ، ص ۳۱۲، سلسلہ مصنفات الشیخ المفید ج ۱۱، جزء ۲، ص ۲۸۲، کتاب الارشاد؛ مسعودی، اثبات الوصیۃ

[۲]: احتجاج الطبرسی، ج ۲، ص ۲۸۶ - ۲۶۹، مفید، سابقہ ماخذ، ص ۲۸۲

[۳]: الصواعق المحرقہ، ص ۳۱۲

[۴]: مسعودی، اثبات الوصیۃ، ص ۲۳۰

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

امام کی بچپن میں اور اسکے بعد کرامات اور باعظمت صفات تابناک آفتاب کی طرح ظاہر تھیں کہ یہ چیز بعض کو تاہ نظر لوگوں کیلئے نا قابل تحمل ہو گیئں، وہ غلو میں مبتلاء ہو گئے اور حضرت نے اس مسئلہ کا مقابلہ کرتے ہوئے ان میں چند نفر کے قتل کا حکم بھی صادر کیا۔[1]

پس نتیجہ یہ نکلا کہ جب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں نبوت اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو کم سنی میں حکم عطا ہوا تو پیغمبر اسلام ﷺ کی نسل مبارک سے ائمہ کو امامت کا عطا ہونا ممکن اور حقیقت ہے، اس کے علاوہ یہ کہ ان ہستیوں کی امامت گذشتہ ائمہ کی روایات اور بالآخرہ پیغمبر ﷺ کی احادیث سے نقل اور حکایت ہوئی ہے[2] اور یہ چیز ان کی صلاحیت اور اس امکان پر "برھان لمی" ہے۔

امام مہدی عجل اللہ کی امامت پر جدا بحث کی جائیگی ۔

ساتواں شبھہ) نبوت پر امامت کی برتری:

اہل سنت میں شیعوں کے خلاف ایک شبھہ، مقام امامت کی مقام نبوت پر برتری ہے یعنی شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ ائمہ کا مقام و منزلت انبیائے الٰہی کے مقام و مرتبہ سے برتر اور بلند و بالا ہے۔

تحقیق اور تجزیہ

نبوت اور امامت کی تعریف اور اس میں فرق کی بحث ایک قرآنی اور کلامی بحث ہے جس کے بارے میں ہر مکتب و فرقہ اپنی رائے اور نظریہ بیان کر سکتا ہے، لیکن جو چیز ضروری ہے وہ یہ ہے کہ کسی بھی نظریہ اور رائے کی اساس دینی تعلیمات مثلاً کتاب و سنت ہونی چاہئے۔

امامت کی تعریف کے بارے میں اہل سنت اور شیعہ کی آراء کو دیکھتے ہوئے ہم ان میں واضح طور پر نظریاتی اختلاف پاتے ہیں، علماء اہل سنت اپنی کلامی کتب میں امامت کو حکومت و سیاست کے امور پر مشتمل ایک دنیاوی عہدے سے تفسیر کرتے ہیں کہ جس میں حاکم دینی امور کو اجراء کرنے کا ذمہ دار ہے۔ (اس مسئلہ میں اہل سنت کی آراء کی تفصیلات پہلے باب میں گذر چکی ہیں)۔

امام اور امامت کی اس قسم کی تعریف سے واضح ہوتا ہے کہ اہل سنت نے قرآن و احادیث سے امامت کی عام تعریف کو بیان کیا ہے،[3] کیونکہ قرآن مجید میں امام اور امامت کو مقام نبوت اور اس سے بالاتر مقام پر اسی طرح

---

[1]: سید ابوالقاسم خوئی، معجم رجال الحدیث، ج ۱۳، ص ۲۴۰، فارس بن حاتم کے ذیل میں۔
[2]: حاکم نیشابوری، شواھد التنزیل، ج ۱، ص ۷۶، ح ۸۹
[3]: فخر رازی، تفسیر کبیر، ج ۴، ص ۴۴، بقرہ کی ۱۲۴ آیت کے ذیل میں

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

مقام نبوت سے ہٹ کر دیگر مقامات مثلاً حکومت اور امت کی رہبری خواہ کفر و الحاد پر مشتمل ہو، پر حمل کیا گیا ہے مثلاً: وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ [1] فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ [2]

اس قرآنی نظر کے بعد یہ کہیں گے کہ اہل سنت بذات خود امامت اور امام کو نبوت و نبی سے کے علاوہ کسی مقام سے توصیف کر سکتے ہیں، لیکن یہ حق نہیں رکھتے اور نہ یہ منطقی ہے کہ وہ شیعہ کی امامت کے بارے میں تعریف اور نظریہ کی اپنی نظریہ کی مخالفت کی بناء پر، اسے قرآن اور اسلام کے مخالف بتائیں، کیونکہ شیعہ کی امامت کے بارے میں تعریف قرآن مجید سے اخذ کی گئی ہے، **وضاحت:** پہلے باب میں امامیہ کی نظر سے امامت کی تعریف اور اسکا اہل سنت کی نظر سے تفاوت، فرقوں اور شیعہ تعریف کی خصوصیات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے کہ جن میں سے اہم ترین: الف: امامت کی الٰہی نص۔ ب: خاص صفات (علم و عصمت)۔ ج: علمی اور دینی مرجعیت۔ د: واسط فیض اور قطب (عمومی ولایت رکھنا)۔ ھ: الہام سے حامل ہونا۔

اس تعریف اور خصوصیات کی رو سے ہر عادل حاکم امام نہیں بن سکتا، کیونکہ تمام مندرجہ بالا صفات کا ایک عام انسان میں اجتماع بہت مشکل بلکہ نا ممکن ہے اور فقط بہت قلیل سے انسان الٰہی فضل اور اللہ و رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نص کے ساتھ اس قسم کے دعوے کر سکتے ہیں۔

شیعہ کی طرف سے امام اور امامت کی مخصوص تعریف (جو روایات میں بھی آئی ہے) کی طرف دیکھتے ہوئے واضح ہوتا ہے کہ مندرجہ بالا صفات کا حامل پیغمبر نہیں ہے لیکن پیغمبروں کی صف میں قرار پاتا ہے اور ان دونوں میں فرق فقط وحی اور آسمانی کتاب کے اخذ کرنے میں ہے، البتہ ممکن ہے کہ امامت کی صفات کا حامل بعض پیغمبروں سے بڑھ کر مقام رکھتا ہو، بلکہ مندرجہ ذیل آیت سے حقیقتاً یہ دعوی (امامت کی نبوت پر برتری) ثابت ہوتا ہے:

وَإِذِ ابْتَلَى إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ [3]

اور اس وقت کو یاد کرو جب خدا نے چند کلمات کے ذریعے ابراہیم کا امتحان لیا اور انہوں نے پورا کر دیا تو اس نے کہا کہ ہم تم کو لوگوں کا امام اور قائد بنا رہے ہیں. انہوں نے عرض کی کہ میری ذریت سے بھی ہو ارشاد ہوا کہ یہ عہدہ امامت ظالمین تک نہیں جائے گا۔

آیت مبارکہ کے شان نزول اور اسکی تاریخ پر نظر ڈالیں تو واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبوت کے بعد انکی عمر مبارک کے آخری دور میں آزمائش اور بہت سے امتحانوں کے بعد مقام امامت عطا ہوا۔ اس سے

---

[1]: قصص: ۴۱

[2]: توبہ: ۱۲

[3]: بقرہ: ۱۲۴

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

معلوم ہوتا ہے کہ امامت کا مقام نبوت کے مقام سے مختلف ہے اور مقام امامت کا مرتبہ نبوت کے مقام سے بڑھ کر ہے، کیونکہ امامت نبوت کے مقام بعد عطا ہوئی ہے۔ اگر یہ وہی مقام نبوت ہی تھا تو پھر اسکو امامت کے عنوان سے عطا کرنا اور آزمائش لینے کی ضرورت نہ تھی۔

پس یہاں سے روشن ہوا کہ شیعوں کا مقام امامت کے نبوت کے مقام پر برتری کا عقیدہ قرآن کریم سے ماخوذ ہے۔

امام رضا علیہ السلام لوگوں کے مقام امامت کو سمجھنے سے قاصر ذہنوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: امامت نبوت سے بالاتر ہے اور حضرت نے اس بات کو ثابت کرنے کیلئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہلے نبوت اور پھر مقام امامت کے عطا ہونے سے استدلال کیا۔

وانَّ الاِمَامةَ خصَّ اللهُ بها ابراهيمَ الخليلَ (ع) بعد النبوةِ و الخلّةِ مرتبةً ثالثةً و فضيلةً شَرَّفَه بها [1]

حضرت مزید تاکید فرماتے ہیں کہ ایسا مقام صرف نسل علی علیہ السلام سے مخصوص ہے۔

امام صادق علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقامات اور صفات کی توصیف میں انکے مقامات کو ترتیب کے ساتھ بیان کرتے ہیں: ۱۔ عبد ۲۔ نبی ۳۔ رسول ۴۔ خلیل ۵۔ امام، سب سے پہلے عبد تھے پھر نبی، اسکے بعد رسول پھر خلیل اور آخر میں مقام امامت پر فائز ہوئے۔ انَّ اللهَ عزّوجل اتَّخَذَ ابراهيمَ عبداًقبلَ اَن يتخذه نبياً وانَّ اللهَ اتَّخَذَه نبياً قبلَ ان يَتَّخِذَه خَلِيلاً وَاَنَّ اللهَ اتخذه خليلاً قبلَ ان يَتَّخذَه اِماماً، فَلمّا جَمَعَ له الاشياءَ قَال: اِنِّی جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اماماً [2]

امام سجاد علیہ السلام اپنی ائمہ مسلمین کے عنوان سے توصیف کرنے کے بعد اپنے آپ کو:

حججُ الله"، "أمانُ اهل الارض "،"بِنَا يمسک اللهُ السماءَ" ،"بنا يُنزِلُ الغيث و يُنشِرُالرَّحمَة و يُخرِجُ بَرکاتِ الارضِ "اور "لَولا مَافِی الارضِ منا لَسَاخَت باهلها

اللہ کی حجتیں، اہل زمین کے لیے امان، ہماری وجہ سے اللہ نے آسمان کو قائم رکھا، ہماری وجہ سے بارش نازل ہوتی ہے، رحمت پھیلتی ہے اور زمین برکات نکالتی ہے اور اگر ہم میں سے کوئی نہ ہو تو زمین اپنے رہنے والوں کو نگل لے گی۔

---

[1]: عیون اخبار الرضا، ج ۲، صص ۶_۱۹۵، الکافی، ج ۱، ص ۱۹۹، کتاب الحجۃ، ب نادر جامع، ح ۱

[2]: کافی، ج ۱، ص ۱۷۵

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

کے ساتھ توصیف کرتے ہیں کہ انکی عمیق اور بلند نظر امامت تک پہنچاتی ہے۔[1]

یہ ائمہ علیہم السلام کی وہ خاص صفات ہیں کہ جس سے گذشتہ انبیاء، سوائے پیغمبر اکرم ﷺ کے کوئی بھی متصف نہ تھا۔

امامت کا بارہ اماموں پر منحصر ہونا اور انکی امامت کی دیگر انبیاء پر فضیلت پہلے باب میں "امام فیض الٰہی کا واسطہ اور سب سے پہلی مخلوق کے عناوین سے بھی واضح ہوتی ہے اور بعض دیگر روایات کو بعد والے شبہ کے تجزیہ میں بیان کیا جائیگا۔

نتیجہ یہ نکلا کہ شیعہ اور اہل سنت کا امامت کی تعریف میں اختلاف اساسی اور نظریاتی ہے اور اس سے چشم پوشی کی جاسکتی ہے، ان کے درمیان حقیقی طور پر اختلاف مندرجہ بالا نظریہ کے نتیجہ میں ہے کہ شیعہ امامت کے بارے میں اپنی خاص تعریف کی بناء پر اسے بارہ ائمہ علیہم السلام پر تطبیق کرتے ہیں، جسکے نتیجہ میں ائمہ کا مقام سوائے پیغمبر اسلام ﷺ کے تمام انبیا سے بڑھ کر جانتے ہیں کہ یہاں پر اہل سنت شیعوں پر غلو اور افراط کی تہمت لگاتے ہیں۔

بالفاظ دیگر آیا انبیاء کے علاوہ دیگر انسان بھی مقام امامت پر فائز ہوتے ہیں یا نہیں؟ امامیہ اس سوال کا مثبت جواب دیتے ہیں اور انکا عقیدہ ہے کہ آیات اور روایات کے مطابق شیعوں کے بارہ امام مقام امامت پر فائز ہوئے ہیں، اس دعوی کے اثبات پر دلالت کرنے والی آیات و روایات گذشتہ صفحات میں گزر چکی ہیں۔ انکی مزید وضاحت بعد والے شبہ کے تجزیہ میں آئیگی۔

آٹھواں شبہ: ائمہ شیعہ کی انبیاء پر برتری

شیعوں کا امامت کی تعریف میں قرآنی نظریہ کے پیش نظر کہ پچھلے شبہ کی تحقیق میں گذر چکا ہے، امامت وہ عظیم مقام ہے کہ جو نبوت سے بھی بلند ہے اور اسکے نتیجہ میں شیعوں کے ائمہ بھی دیگر انبیاء (سوائے پیغمبر اسلا ﷺ کے) افضل اور برتر قرار پاتے ہیں۔[2] اہل سنت بھی امامت کے بارے میں اپنے نظریہ (امامت کی سطحی تعریف اور اسے دینی حکومت و حاکم پر تطبیق دینا) کے پیش نظر ائمہ کے پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کے علاوہ تمام انبیاء پر برتری کے عقیدہ شیعہ کو غلط اور قابل اعتراض جانتے ہیں۔[3]

---

[1]: "نحن ائمة المسلمين و حجج الله على العالمين و سادة المومنين و قادة المجلين و موالى المومنين و نحن امان اهل الارض كما ان النجوم امان لاهل السماء نحن الذين بنا يمسك الله السماء ان تقع الارض و لو لا ما فى الارض منا لساخت باهلها" (فرائد السمطين، ج۱، ص۴۵؛ موسوعة الامامة فى نصوص اهل السنة، ج۵، ص۲۸۶)

[2]: رجوع کریں: شیخ صدوق، الهداية، ص۷۳، شیخ مفید، مجموعہ آثار، ج۵، ص۹۳، فاضل مقداد، اللوامع الالهيه، ص۳۴۳؛ بحار الانوار، ج۲۶، باب تفضلهم على الانبياء، ص۲۶۷؛ قابل توجہ نکتہ ہے کہ بعض امامیہ نے اس نظریہ میں توقف کیا ہے۔ (شیخ مفید، مجموعہ مصنفات، ج۱۴، ص۷۱)

[3]: رجوع کریں: ابوالحسن اشعری، مقالات الاسلامیین، ص۴۷، عبدالقاہر بغدادی، کتاب اصول الدین، ص۱۵۷

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

تحقیق اور جائزہ

اس شبھ کی تحقیق میں مندرجہ ذیل نکات قابل توجہ ہیں:

(۱)۔امامت کا عنوان افضلیت کو ثابت کرتا ہے: جب شیعہ قرآنی دلیل کے ساتھ ثابت کرتے ہیں کہ امامت کا مقام نبوت کے مقام سے بڑھ کر ہے اور دوسری طرف سے دینی نصوص (آیات اور احادیث نبوی) حضرت علی علیہ السلام اور دیگر گیارہ ائمہ کی امامت اور پیغمبر اسلام ﷺ کے جانشین کے عنوان سے تعیین پر دلالت کرتی ہیں۔ تو مندرجہ بالا دو مقدموں (امامت کا نبوت پر برتری رکھنا اور قرآن وسنت سے بارہ ائمہ علیہم السلام کی امامت کا اثبات) کا نتیجہ نکلتا ہے کہ شیعہ کے ائمہ ان انبیاء سے برتر اور افضل ہیں کہ جو صرف مقام نبوت رکھتے ہیں اور مقام امامت پر فائز نہیں ہیں۔ یہاں مورد بحث مندرجہ بالا دو مقدمے ہیں نہ کہ انکا نتیجہ، یعنی پہلا مقدمہ (مقام امامت کی نبوت پر برتری) کہ پچھلے شبھ کی تحقیق میں بحث ہوا اور دوسرا مقدمہ (حضرت علی علیہ السلام کا مقام امامت پر منصوب ہونا) بھی بعد والے باب میں قرآن و حدیث میں نصب کے نہ ہونے کے شبھ کے ذیل میں تفصیل سے بیان ہوگا۔

جی ہاں یہ دلیل صرف ثابت کرتی ہے کہ ائمہ شیعہ صرف ان انبیاء پر برتری رکھتے ہیں کہ جو مقام امامت پر فائز نہیں ہوئے، لیکن ائمہ علیہم السلام کی پیغمبر اسلام ﷺ کے علاوہ تمام انبیاء پر فضیلت کا دعوی بعد والی دلیل واضح کرے گی۔

(۲)۔ائمہ کی افضلیت پر خاص نصوص کا وجود: پچھلے دو نکات (امامت کی نبوت پر برتری اور ائمہ شیعہ علیہم السلام کی امامت پر نص کا وجود) کے علاوہ بھی آیات اور روایات کے ذریعے ائمہ شیعہ علیہم السلام کی افضلیت اور واضح تر صورت میں حضرت علی علیہ السلام کی تمام انبیاء پر برتری کو ثابت کیا جا سکتا ہے۔ بالفاظ دیگر اگر گذشتہ دلیل (مندرجہ بالا دو مقدمے) کے صحیح ہونے اور شیعہ دعوی پر صادق ہونے میں شک وتردید کو فرض کریں، تو بھی خاص نصوص کے ساتھ اسے واضح اور ثابت کیا جا سکتا ہے، کیونکہ قرآن اور احادیث سے ائمہ علیہم السلام کی انبیاء پر فضیلت کے حوالے سے خاص نصوص موجود ہیں کہ یہاں اختصار سے انکی طرف اشارہ کیا جاتا ہے: مباہلہ کے واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر سے چاہا کہ وہ اپنی اہل بیت کے ہمراہ مباہلہ کریں اور دعا کیلئے ہاتھ بلند کریں۔

فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ۔[۲]

---

[۱]: مباہلہ یہ ہے کہ دو مختلف دین کے پیروکار اپنے اپنے مکتب کی حقانیت کو علم اور دلائل سے ثابت کرنے سے مایوس ہو جائیں اور اس چیز پر اتفاق کریں کہ کسی خاص زمان اور مکان میں جمع ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اپنا عذاب مخالف دین کے ماننے والوں پر نازل کرے۔

[۲]: آل عمران: آیت ۶۱

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ان سے کہہ دیجئے کہ آؤ ہم لوگ اپنے اپنے فرزند، اپنی اپنی عورتوں اور اپنے اپنے نفسوں کو بلائیں اور پھر خدا کی بارگاہ میں دعا کریں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت قرار دیں۔

تمام مفسرین اور اہل تاریخ اس بات پر اتفاق نظر رکھتے ہیں کہ پیغمبر ﷺ مباہلہ میں اپنی اکلوتی بیٹی حضرت زہراء، امام حسن، امام حسین اور امام علی علیہم السلام کو اپنے ساتھ مباہلہ میں لیکر گئے۔[1] حضرت زہراء (س) آیت میں "نساونا" کا مصداق اور حضرت علی علیہ السلام آیت میں "انفسنا" کا مصداق ہیں۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت پیغمبر اسلام ﷺ کے ہم نفس اور انکے ہم مرتبہ تھے، ایک عمیق و دقیق تعبیر کے مطابق حضرت علی علیہ السلام کا مقام و مرتبہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اتنا بلند تھا کہ اللہ تعالیٰ اور اسکا رسول انہیں پیغمبر کے ہم نفس ذکر فرماتے ہیں اور یہ اس بات پر دلیل ہے کہ پیغمبر کے لیے حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ کوئی بھی صفات و کمالات میں انکی طرح نہیں تھا اور چونکہ پیغمبر اسلام انسانوں اور انبیاء میں سب سے بلند مقام پر فائز تھے، لہٰذا انکا ہم نفس اور ہم مرتبہ بھی یعنی حضرت علی علیہ السلام بھی پیغمبر اسلام ﷺ کی طرح تمام انسانوں اور انبیاء سے برتر تھے۔[2]

پیغمبر اسلام ﷺ نے مختلف مقامات پر بارہ ائمہ معصومین علیہم السلام کی افضلیت اور خاص مقامات پر حضرت علی علیہ السلام کی تمام انسانوں اور انبیاء پر برتری کی تاکید اور وضاحت فرمائی کہ جن میں سے بعض موارد کی طرف کلیات کے باب میں نظریہ انتصاب کے اثبات کی بحث میں "ائمہ واسط فیض الٰہی" کے عنوان کے ذیل میں اشارہ ہو چکا ہے، یہاں دیگر بعض موارد کو بیان کیا جاتا ہے۔

الف: اہل بیتؑ سب سے پہلی الٰہی مخلوق: روایات میں اس مطلب پر تاکید کی گئی ہے کہ عالم دنیا سے پہلے انسانوں کی ارواح عالم ذر، الست یا نور کے نام سے ایک اور عالم میں موجود تھیں، اس دنیا میں سب سے پہلی مخلوق پیغمبر اسلام ﷺ کی روح اور حضرت علی علیہ السلام اور تمام ائمہ علیہم السلام کی ارواح تھیں۔ احادیث میں حضرت علی علیہ السلام کے نور سے پیغمبر اکرم ﷺ کے نور کے اتحاد پر تاکید ہوئی ہے:

خُلِقتُ اَنَا وَ عَلِی بن اَبی طالب مِن نُورِ اللهِ عَن عینِ العرشِ نسبِّح اللهَ و نُقَدسه من قبلِ ان یَخلُقَ اللهُ (عزو جل) آدمَ بِاربَعَةَ عَشرَ اَلفَ سَنَةٍ[3]

میں اور علی علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نور سے اور عین عرش سے خلق ہوئے ہیں، حضرت آدم کی تخلیق سے چودہ ہزار سال پہلے اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کر رہے تھے۔

---

[1]: مسند احمد، ج۱، ص۱۸۵، تفسیر کبیر، ج۸، ص۸۱

[2]: فاضل مقداد، اللوامع الالٰہیہ، ص۳۸۳

[3]: فرائد السمطین، ج۱، ص۴۱، تذکرۃ الخواص، ص۴۶، مزید روایات کیلئے رجوع کریں: موسوعۃ الامامۃ فی نصوص اہل السنۃ، ج۳، ص۵۸ اور اسکے بعد، ج۴، ص۴۱۵، شمس الدین احمد ذہبی، تاریخ الاسلام، ج۲۵، ص۲۸۵

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

پیغمبر اسلام ﷺ اپنے اس بیان کے ساتھ حضرت علی علیہ السلام کے حقیقی مقام کی تعریف اور وضاحت میں ہیں کہ انہیں عالم انوار اور ارواح میں اپنے ساتھ متحد ذکر کر رہے ہیں۔ اس مضمون کے ساتھ اہل سنت سے بھی چند روایات ذکر ہوئی ہیں۔ [1]

یہ کہ سب سے پہلی خلقت ہونا حضرت علی علیہ السلام کے مقام کی افضلیت پر دلالت کرتی ہے، یہ چیز واضح اور تفضیل کی محتاج نہیں ہے، کیونکہ بذات خود پیغمبر اکرم ﷺ اسی نکتہ کو اپنے اور حضرت علی علیہ السلام کی فرشتوں پر فضیلت شمار کرتے ہیں:

فَکیفَ لَا تَکونُ اَفضلُ مِنَ المَلائکةِ وَقَد سَبَقناهم الی مَعرفةِ رَبنَا و تَسبیحِه و تَهلیلِه و تَقدیسِه؟ لِاَنَّ اوَّلَ مَا خَلَقَ اللهُ (عزوجل) خلقَ ارواحَنَا فانطقنا بتَوحیدِه وَ تَحمیدِه — [2]

ہم ملائکہ پر کیوں افضل نہ ہوں حالانکہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی معرفت، تسبیح، تھلیل اور تقدیس میں ان سے سبقت کی ہے؟ ہماری ارواح سب سے پہلی مخلوق الٰہی تھیں اور ہم نے اللہ تعالیٰ کی توحید و حمد و ثناء کی۔

ب: ائمہ کے ناموں کا جنت میں درج ہونا: مختلف روایات میں آیا ہے کہ آل عبا سے پانچ شخصیتوں کے نام یا بارہ ائمہ کے اسماء حضرت آدم علیہ السلام کے زمین پر آنے سے پہلے مقدس جگہوں پر مثلاً جنت، عرش اور جنت کے دروازے پر درج تھے اور حضرت آدم علیہ السلام نے انکی حقیقت اور وجود کے بارے میں سوال کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے بھی انکے کامل اوصاف ذکر کیے۔

اللہ تعالیٰ نے بھی بعض احادیث قدسی اور دیگر احادیث مثلاً حدیث معراج میں اس مسئلہ کی وضاحت فرمائی ہے، جیسا کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی طرف سے عرش الٰہی کے ستون پر بارہ ائمہ کے اسماء کا مشاہدہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا آئی کہ:

هُم اَوصیاؤک وخلفاؤک وَ خیرُ خَلقِی بعدکَ [3]

وہ آپکے اوصیاء، خلفاء اور آپکے بعد میری سب سے بہتر مخلوق ہیں۔

حضرت محمد ﷺ کے وصی رواج کے مطابق وفات کے مسئلہ میں صرف انکے ذاتی اور خاندانی امور میں وصی نہیں ہیں بلکہ یہاں نبوت کے امور میں وصی اور جانشینی مراد ہے۔ خوش قسمتی سے یہی نکتہ اسی حدیث میں آگے ذکر ہوا ہے، جیسا کہ تذکرہ ہوتا ہے کہ پیغمبر ﷺ نے بارہ نور کا مشاہدہ کرنے کے بعد پوچھا: آیا یہ میرے اوصیاء ہیں؟ الٰہی ندا آتی ہے کہ:

---

[1]: ینابیع المودۃ، ج ۳، باب ۵۶، ص ۳۰۷

[2]: ینابیع المودۃ، ج ۳، ص ۳۷۹، ب ۹۳، ح ۱؛ بحار، ج ۲۶، ص ۳۳۷

[3]: ینابیع المودۃ، ج ۳، ص ۳۷۹، ب ۹۳، ح ۱، بحار، ج ۲۶، ص ۳۳۷

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

یَا محمد هولاءُ اَولیائِی وَاَحِبَّائِی وَ اَصفِیَائِی وَحُجَجِی بعدک علی بَرِیَّتی وهُم اوصیاؤُک وَ عزّتی وَ جَلالِی لأُطهِرَنَّ الأرضَ بِاخِرهم المهدی مِن الظُّلمِ [1]

اے محمد یہ آپکے بعد مخلوقات پر میرے اولیاء ،احباء ،،برگزیدہ اور حجت ہیں۔ یہ تیرے اوصیاء اور خلفاء ہیں اور تیرے بعد میری سب سے بہترین مخلوق ہیں۔

واضح سی بات ہے کہ اگر انسانوں اور انبیاء میں ائمہ علیہم السلام کے علاوہ بلند مرتبہ شخصیات ہوتیں تو انکے نام اور اسماء جنت میں درج ہوتے اور حضرت آدم علیہ السلام انکا مشاہدہ کرتے۔ ائمہ کے اسماء کا درج ہونا انکی برتری کی دلیل ہے۔

ج۔ پیغمبرؐ اور ائمہؑ مقصد خلقت: پیغمبر اکرم ﷺ سے منقول بہت سی روایات میں آیا ہے کہ حضرت نے عالم امکان کی تخلیق کا فلسفہ اور ہدف اپنا اور اپنی پاک اہل بیت علیہم السلام کا وجود ذکر فرمایا۔ بہت سی روایات میں آیا ہے کہ اہل بیت کے اسماء جنت میں درج ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام نے انکی زیارت کی ہے، انہی اکثر روایات میں اللہ تعالیٰ حضرت آدم کے سوال کے جواب میں انکے فضل کی تاکید کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اگر یہ نہ ہوتے تو کوئی جہان خلق نہ ہوتا۔

یا آدمُ لو لاهُم لَمَا خلقتُکَ و لما خَلقتُ النارَ والعرشَ والکرسی واللوحَ والقلمَ [2]

د۔ کسی کا ائمہ سے مقائسہ نہ کرنا: پیغمبر ﷺ کی ذات اور ائمہ علیہم السلام کا عالم امکان میں مرتبہ اتنا بلند اور مقام عروج پر ہے کہ حضرت پیغمبر اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق کوئی بھی اس حد میں نہیں ہے کہ انکے ساتھ مقایسہ ہو۔

نحنُ لایُقاسُ بِنااحد [3]

امام علی علیہ السلام سے بھی اسی مضمون میں مختلف روایات وارد ہوئی ہیں، مثلاً:

نحنُ اهل البیتِ لا یُقاسُ بنَااحد [4]

---

[1] ینابیع المودۃ، ج۳، ص۳۸۰، ۳۷۹، ب۹۳، ح۱۱، ص۴، بحار، ج۲۶، ص۳۳۷

[2] :رجوع کریں :تاریخ بغداد ،ج۱، ص۲۴۷، تاریخ مدینہ دمشق ،ج۱۴، ص۱۷۰، فرائد السمطین ،ج۱، ص۳۶، موسوعہ الامامۃ فی نصوص اہل السنۃ، ج۳، ص۴۰۰، ۳۰۴، ۶۹

[3] :فرائد السمطین ،ج۱، ص۴۵، کنزالعمال ،ج۱۲، ص۱۰۴، ینابیع المودۃ ج۲، ص۱۱۷، ابن حجر ،زھر الفردوس ،ج۴، ص۱۲۱، دیلمی ،الفردوس، ج۴، ص۲۸۳، موسوعۃ الامامۃ، ج۴، ص۲۲

[4] :تاریخ مدینہ دمشق ،ج۳۰، ص۳۶۱، حلیۃ الاولیاء، ج۷، ص۲۰۱، ابن الطریق ،الوحی المبین ،ص۲۲۵، نہج البلاغہ، خطبہ ۲، موسوعۃ الامامۃ، ج۴، ص۲۴

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ہم اہلبیت سے کسی کا مقایسہ نہیں ہو سکتا

اہل سنت کے بزرگان میں سے احمد بن حنبل نے اسی روایت کی رو سے فتوی دیا ہے، جب اسکے فرزند عبداللہ نے لوگوں میں سے سب سے برتر افراد کے بارے میں پوچھا؟ تو اس نے جواب دیا ابو بکر، عمر اور عثمان پھر خاموش ہو گیا، عبداللہ کہتا ہے میں نے پھر پوچھا: پس علی ابن ابی طالب کا مقام کہاں ہے؟ تو احمد نے جواب دیا:

هوَ مِن اهل البيتِ لايُقاسُ به هؤلاء [1]

وہ اہل بیت میں سے ہے انکا اس سے مقایسہ نہیں ہو سکتا۔

ھ۔ حضرت علیؑ کی افضلیت پر وضاحت: گذشتہ روایات اہل بیت علیہم السلام کی افضلیت پر التزامی دلالت رکھتی ہیں کہ بعض نے انکی دلالت میں شک و تردید پیدا کرنے کی کوشش بھی کی ہے، لیکن خوش قسمتی سے بہت سی ایسی روایات وارد ہوئی ہیں کہ جو نہایت شفاف انداز سے براہ راست اہل بیت اور ائمہ علیہم السلام کی برتری پر دلالت کرتی ہیں کہ ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

پیغمبر ﷺ عبدالرحمن بن عوف سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

أنّكم اصحابِی و علیّ بن ابی طالب اَخِی وَ منی وَاَنَا من علیّ فَهُوَ بابُ علمِی وَ وَصِیی وَهوَ وفَاطمةُ وَالحسنُ وَالحسینُ هُم خیرُ الارضِ عنصراً و شرفاً و کرماً [2]

بلاشبہ تم میرے صحابی ہو اور علی بن ابی طالب میرا بھائی ہے اور مجھ سے، میں علی سے ہوں، وہ میرے علم کا باب اور میرا وصی ہے نیز وہ، فاطمہ، حسن اور حسین یہ سب شرف و عظمت میں زمین میں سب سے بہتر مخلوق ہیں۔

عائشہ پیغمبر اکرم ﷺ سے نقل کرتی ہے کہ قیامت میں اللہ کے نزدیک سب سے بہترین خلقت اور ان میں سے عظیم ترین کو خوارج قتل کریں گے:

هُم شرُّالخلقِ یقتلُهُم خیر الخلق واعظَمهم عندَ اللهِ یومَ القیامةِ وسیلة [3]

حضرت خود اپنی ذات اور اپنی اہل بیت کو تمام مخلوقات پر برگزیدہ الٰہی کے عنوان سے توصیف کرتے ہیں:

انَّ اللهَ تعالی اختَارَنی واهل بیتی عَن جَمِیعِ الخلقِ — فَأنا واهل بَیتِی صِفوةُ اللهِ و خیرتُه مِن خلقِه [4]

---

[1]: ینابیع المودۃ، ج ۲، ص ۲۹۸

[2]: ینابیع المودۃ، ج ۲، ص ۳۳۳، خوارزمی، مقتل الحسین ج ۱، ص ۶۰

[3]: قاضی نعمان مغربی، شرح الاخبار، ج ۱، ص ۱۴۲، مناقب ابن مغازلی، ص ۵۶

[4]: ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۱، ص ۲۵۶، ابن طاووس، الطرائف، ص ۹۷، تاریخ بغداد، ج ۴، ص ۳۹۲

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

پیغمبر اکرم ﷺ نے انصار اور مہاجرین کے اجتماع میں حضرت علی علیہ السلام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

یاعَلی لو انَّ احداً عَبَدَالله حقَّ عبادِہ ثُمَّ شَکَّ فیکَ و اھل بیتکَ فی اَنَّکُم افضل النَّاس کَانَ فِی النَّارِ [۱]

اے علی اگر کوئی اللہ کی کامل عبادت کرتا ہو، پھر تیری اور تیری اہل بیت کی لوگوں پر افضیلت میں شک کرے، وہ جہنم میں ہو گا۔

ایک اور حدیث کہ جو حدیث "اکل الطیر" کے عنوان سے معروف ہے کہ بعض اہل سنت مثلاً حاکم نیشا پوری "مستدرک" میں اور ذہبی "تذکرۃ الحفاظ" میں اسکے صحیح ہونے کی وضاحت کرتے ہیں۔ انس بن مالک کہتے ہیں کہ میں نے چند بھنے ہوئے پرندوں کو پیغمبر اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، حضرت نے اس میں سے ایک لقمہ کھایا اور فرمایا:

اَللّھُمَّ ائتنی باحبِّ خلقِکَ الیکَ مِنَ الاَوَّلینَ و الآخرینَ [۲]

اے میرے پروردگار اول و آخر مخلوقات میں اپنے سب سے زیادہ محبوب کو میری طرف بھیج دے۔

انس کہتے ہیں: ایک دم دروازہ سے آواز آئی اور دیکھا کہ علی ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام کے وارد ہونے کے بعد پیغمبر اکرم ﷺ نے دعا قبول ہونے پر پروردگار کی حمد و سپاس کی۔

وہ واضح اور صریح حدیث کہ جو ائمہ کے تمام لوگوں یہاںتک کہ تمام گذشتہ انبیاء پر افضل ہونے پر دلالت کرتی ہے، وہ حضرت علی علیہ السلام کی حدیث ہے کہ جو فریقین کی کتب میں وارد ہوئی ہے۔ اس حدیث میں حضرت (ع) نے پیغمبر اکرم ﷺ سے پوچھا کہ آپ افضل ہیں یا جبرائیل؟ پیغمبر انبیاء کے فرشتوں پر افضل ہونے کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یا علیُّ انَّ الله تبارک و تعالی فضَّل اَنبیاہ المُرسَلینَ علی مَلائکتَہ المقربینَ وفضلنی عَلی جمیعِ النبیینَ والمرسلینَ والفضل بعدی لَکَ یا علی وللآئمۃِ مِن ولدکَ مِن بعد فانَّ الملائکۃَ من خدّامِنَا و خدامِ محبینا [۳]

---

[۱]: المودۃ فی القربی، ص ۱۳۲، ینابیع المودۃ، ج ۳، ص ۲۹۸

[۲]: سنن ترمذی، ج ۵، ص ۴۳۶، ب ۱۱، المستدرک علی الصحیحین، ج ۳، ص ۱۳۲، ۱۳۰، المعجم الکبیر، ج ۱، ص ۲۵۳، ح ۷۳۰، مناقب ابن مغازلی، ص ۱۶۹، فضائل الصحابہ، ج ۲، ص ۵۶۰، ۹۴۵

[۳]: ینابیع المودۃ، ج ۳، ص ۳۷۷، باب ۷۳

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

اے علی اللہ تعالی نے اپنے انبیاء و مرسلین کو اپنے مقرب فرشتوں پر فضیلت دی اور مجھے تمام انبیاء اور مرسلین پر فضیلت دی۔ میرے بعد اے علی تجھے اور تیری اولاد میں سے اماموں کو فضیلت حاصل ہے۔ بے شک فرشتے ہمارے اور ہمارے محبین کے خادم ہیں۔

و۔ روایات معصومین: احادیث نبوی کے علاوہ خود ائمہ شیعہ نے تمام لوگوں اور پیغمبروں پر اپنے افضل ہونے کی روایات بیان کی ہیں۔

شاید کسی کو یہ شبھہ ہو کہ ہم ائمہ کی افضلیت کو خود ائمہ کی احادیث سے ثابت کر رہے ہیں لہٰذا یہ استدلال حجت نہیں ہو گا۔

اسکے جواب میں کہیں گے: ہم ائمہ کی افضلیت کو ثابت کرنے سے پہلے انکی امامت اور ضروری صفات مثلاً عصمت، دینی مرجعیت اور انکے اقوال کی حجیت ثابت کر چکے ہیں اور ان چیزوں کو اپنی بحث کی اساس اور طے شدہ امر قرار دیگر اس سے آگے بحث کر رہے ہیں، اس وقت اسی ماخذ یعنی عصمت اور الٰہی حجت کے ماخذ سے سب سے برتر انسانوں کے بارے میں سوال کرنے کیلئے رجوع کرتے ہیں اور اس سوال کا جواب خود اسی سے حاصل کرتے ہیں:

امام علی علیہ السلام پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عترت کو تمام عترتوں میں سے سب سے بہترین عترت کے عنوان سے توصیف کرتے ہیں:

عترتُه خيرُ العتر [1]

امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

نحنُ جنبُ اللهِ و نحنُ صفوةُ اللهِ و نحنُ خيرته [2]

ہم اللہ کے جنب (پہلو یعنی قریب) ہیں، ہم اللہ کے برگزیدہ اور ہم اسکے سب سے بہتر بندے ہیں۔

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

بنَا فَتحَ اللهُ و بنا ختمَ اللهُ و نحنُ الأولونَ و نحنُ الآخرونَ و نحنُ اخيارُ الدهرِ و نواميسُ العصرِ و نحنُ سادةُ العبادِ و نحنُ علةُ الوجودِ [3]

ہماری وجہ سے اللہ (باب رحمت) کھولتا ہے اور ہماری وجہ سے بند کرتا ہے۔ ہم سب سے پہلے (مخلوق خدا) اور ہم سب سے آخر ہیں اور ہم (اپنے اپنے) زمانہ میں سب سے بہتر، ہم زمانوں کی عزت وآبرو ہیں اور ہم اللہ کے بندوں کے سردار اور ہم موجودات کی وجہ تخلیق ہیں۔

---

[1]: نہج البلاغہ، خ ۹۴

[2]: فرائد السمطین، ج ۲، ص ۲۵۳، منقول از "موسوعۃ الامامۃ"، ج ۳، ص ۲۷۴

[3]: بحار، ج ۲۶، ص ۲۵۹

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ایک نکتہ کا بیان

گذشتہ مطالب سے واضح ہو گیا کہ حضرت علی علیہ السلام پیغمبر اسلام ﷺ کے بعد تمام لوگوں سے افضل ہیں، یہ قاعدہ اور نکتہ اہل سنت کی ان روایات کے ظاہر کی مخالفت کرتا ہے جو ابو بکر اور عمر اسی طرح بعض روایات میں عثمان کی تمام لوگوں پر افضیلت کو ثابت کرتی ہیں، لیکن ان دونوں قسم کی روایات کو جمع کرنے کیلئے اس نکتہ کا اضافہ کیا جا سکتا ہے کہ اہل سنت کے مختلف علماء کے نزدیک حضرت علی علیہ السلام کی دیگر اصحاب پر افضیلت میں شک و تردید نہیں ہے لیکن یہ کہ وہ اس دوران ابو بکر اور عمر کو افضل شمار کرتے ہیں، تو یہاں کہیں گے کہ یہ افضیلت پیغمبر ﷺ کے صحابہ کے درمیان تھی کہ انکے نزدیک یہ تین شخصیات دیگر اصحاب سے برتر تھیں اور اس مقایسہ میں حضرت علی علیہ السلام موجود نہیں ہیں، کیونکہ حضرت علی کی شخصیت تمام اصحاب سے بلند بلکہ پیغمبر ﷺ کے مرتبہ میں ہے۔

اس جمع پر احمد بن حنبل کی کلام واضح طور پر دلالت کر رہی ہے کہ اس سے پہلے بیان ہو چکی ہے۔ انکی گفتگو کے علاوہ یہ نکتہ بعض روایات اور بعض اصحاب کی آراء میں بھی بیان ہوا ہے۔ مثلاً عمر کے فرزند عبداللہ کہتے ہیں: ہم جب پیغمبر ﷺ کے اصحاب کا برتری کے اعتبار سے حساب کرتے تھے، تو ہم کہتے تھے: ابو بکر، عمر، عثمان۔ اس وقت کسی شخص نے سوال کیا کہ پس علی علیہ السلام کا مقام کہاں ہے؟ عبداللہ بن عمر کہتے ہیں:

علیّ من اهل البیتِ لا یقاسُ به احد هوَ معَ رسولِ اللهِ ﷺ و فی درجتِه[1]

علی اہل بیت میں سے ہیں ان سے کسی کا مقایسہ نہیں ہو سکتا وہ رسول خدا ﷺ کے ساتھ اور انکے درجہ میں ہیں۔

عبداللہ بن عمر کی کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا حضرت علی علیہ السلام کی دیگر اصحاب پر افضیلت آفتاب کی طرح روشن تھی، وہاں موضوع بحث حضرت کے علاوہ دیگر اصحاب تھے کہ بظاہر اکثر افراد ان تین اصحاب کی طرف میلان رکھتے تھے۔

نواں شبہہ: نبوت کے بغیر مقام امامت کا بعید شمار کیا جانا:

احتمال ہے کہ یہ شبہہ پیش ہو کہ کس طرح ممکن ہے کہ ائمہ جو انبیاء نہیں تھے انکا مقام انبیاء سے بھی بلند ہو، بالفاظ دیگر کس طرح ائمہ نے مقام نبوت پانے کے بغیر مقام امامت حاصل کیا ہے؟

---

[1]: ینابیع المودۃ، ج ۳، ص ۲۹۷، ب ۵۶، ح ۸۵۰

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

تجزیہ و تحقیق (ولایت نبوت کا گوہر ہے)

وہ چیز کہ جس کی بناء پر انبیاء میں یہ لیاقت پیدا ہوئی تھی کہ ان پر قدسی امر اور فرشتہ وحی نازل ہوا، وہ انکی روح کا بلند و بالا ہونا تھا، وہ نبوت سے پہلے اس انداز سے اپنی روح کے کمال اور پاکیزگی کی کوشش کرتے تھے کہ وحی حاصل کرنے اور مقام رسالت پر فائز ہونے کی شان و لیاقت کے حامل ہو جاتے تھے، البتہ اس راہ میں بھی الٰہی عنایت انکے شامل حال ہوتی تھی۔

عرفانی اصطلاح میں روح کی بلندی اور صاحب روح کے قرب الٰہی کے نزدیک ہونے کو مقام ولایت کہا جاتا ہے۔ اس مقام پر فائز شخص خاص الٰہی تقرب و منزلت کا حامل ہوتا ہے، غیبب اور فرشتوں سے رابطہ جیسا الٰہی لطف و عنایت اسکے شامل حال ہوتی ہے کہ اس صورت میں اس روح کا حامل شخص نبوت اور وحی حاصل کرنے کا گوہر اور ضروری شرط پاتا ہے، لیکن ممکن ہے ایسا شخص شریعت اور نبوت والی وحی کو حاصل کرے اور ممکن ہے یہ حاصل نہ کرے۔ جیسے حضرت لقمان کہ قرآن میں انکی بہترین نصیحتوں کا بہت زیادہ ذکر ہوا ہے۔ لیکن مشہور نقل کے مطابق وہ الٰہی حکیم تھے نہ کہ نبی۔ اسکے باوجود انکا مقام و منزلت بعض انبیاء سے زیادہ تھا۔

ایک اور وضاحت کے مطابق مقام ولایت کا حامل شخص بہر صورت تقرب الٰہی کے مقام، عالم غیب سے رابطہ اور عقلی و دینی اور شناخت کے متعلق معارف پر مشتمل الٰہی معارف اور اسرار حاصل کرنے کی شان رکھتا ہے اور اسی لیے اسے "نبی" یعنی عالم غیب سے خبر دینے والے کا نام دیا جا سکتا ہے۔ عرفان میں اس مقام کو "نبوت تعریفی" کا نام دیا گیا ہے۔ لہٰذا عرفاء خاتمیت کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ "تشریعی نبوت" ختم ہو چکی ہے، لیکن تعریفی نبوت یعنی کامل انسانوں کا تقرب الٰہی تک پہنچنے اور عقلی اور دینی حقائق کے حصول کا مقام، نہ کہ شریعت حاصل کرنے کا مقام، ابھی تک جاری ہے۔

محی الدین عربی کہتے ہیں:

وَاَمَّا نبوةُ التشريعِ والرسالةِ فَمنقطعة—اَلَّا ان اللهَ لطيف بعبادِهِ فأبقى لَهم النبوة العامة التى لَا تشريعَ فيهما [۲]

پس مقام ولایت کے حامل فرد کی مقام نبوت پر برتری قرآن اور عرفانی قواعد کے عین مطابق ہے، لیکن ائمہ شیعہ بھی اس روح اور مقام کے حامل ہیں؟ ہم اس چیز کو احادیث نبوی سے ثابت کرتے ہیں۔ بہت سی روایات موجود ہیں کہ جن میں پیغمبر اکرم ﷺ انکی قدسی روح اور انکی انبیاء کی ارواح پر برتری پر تاکید اور وضاحت کرتے

۱: فصوص الحکم، فص داودیہ، ص ۶۲، الفتوحات، ج ۱، ص ۱۴۳ اور ج ۲، ص ۴۲۹، مقدمہ قیصری بر فصوص، ج ۱، ص ۱۲۷، فصل ۱۲

۲: فصوص الحکم، آخر فص عزیزی، ص ۱۳۴، فص شیثی، ص ۷۲

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ہیں کہ جن میں سے بعض احادیث گذشتہ صفحات میں گزر چکی ہیں اور بعض پہلے باب میں "ائمہ الٰہی فیض کا واسطہ" میں بیان ہو چکی ہیں۔

دسواں شبھہ: امامت کا جمہوریت سے تضاد:

عقیدہ امامت اور مکتب تشیع کے مخالفین اور معترضین نے مختلف انداز سے اس عقیدہ اور مکتب پر حملہ اور اعتراضات کیے ہیں ان میں سے ایک اعتراض عقیدہ امامت کے ڈیموکریسی و جمہوریت (لوگوں کی اکثریت) کے مخالف ہونے کا دعوی کرنا ہے، یعنی چونکہ امام لوگوں کا حاکم، سیاسی اور معاشرتی رہبر ایک قدسی مقام یعنی پیغمبر ﷺ یا اللہ تعالیٰ کے ذریعے انتخاب اور منصوب ہوتا ہے، تو یہاں لوگوں کی آراء اور ڈیموکریسی کو نظر انداز کیا گیا ہے، لہٰذا یہ عقیدہ ڈیموکریسی کے مخالف ہے۔

ڈاکٹر سروش نے سال ۱۳۸۵ ش ھ میں پیرس کی سوربن یونیورسٹی میں لوگوں کی رہبری اور تشیع کے موضوع پر اپنی دو گھنٹے کی تقریر میں ان دونوں کو آپس میں مخالف قرار دیا۔

البتہ یہ شبھہ تقریباً ایک صدی سے بیان ہو رہا ہے کہ اہل سنت کے روشن فکر علماء مثلاً احمد امین مصری نے امامت کے موضوع میں شیعہ نظریہ کو ڈیموکریسی کے مخالف قرار دیا۔[1]

تحقیق و تجزیہ

مندرجہ بالا شبھہ پر نقد و تجزیہ میں مندرجہ ذیل نکات قابل توجہ ہیں:

پہلا نقد: جمہوریت کے بہت سے نمونوں کا وجود:

افسوس کا مقام ہے کہ امامت اور ڈیموکریسی کی باہمی مخالفت کو بیان کرنے والے بغیر اسکے کہ ان دونوں موضوع کی تشخیص اور تشریح کریں، صرف انکے ٹکراو کا فیصلہ سنا رہے ہیں، حالانکہ، بحث میں منطقی رویہ یہ تقاضا کرتا ہے کہ سب سے پہلے امامت اور ڈیموکریسی کی تعریف ہو پھر انکے ٹکراو اور آپس میں جمع نہ ہونے کی وضاحت کی جاتی۔ یہاں ہم بحث کی منطقی حرکت کو مد نظر رکھتے ہوئے ان دونوں کی وضاحت کرتے ہیں۔

ڈیموکریسی کا لغوی معنی لوگوں کی حکومت ہے کہ ڈیموس demos یعنی لوگ اور کراٹین (kratein) یعنی حکومت کرنے کی باہمی ترکیب سے حاصل ہوتا ہے، اصطلاح میں بھی یہ لفظ لوگوں کی حکومت یا اکثریت کی حکومت سے تعریف اور ترجمہ ہوا ہے، ماہرین عمرانیات اور سیاسی فلاسفہ نے اس تعریف پر اعتراضات وارد کیے ہیں کہ جو اپنے مقام پر قابل تجزیہ ہیں۔[2]

---

[1]: احمد امین، ضحی الاسلام، ص ۶۵۵

[2]: رجوع کریں: داریوش آشوری، دانشنامہ سیاسی، ص ۱۵۷۲

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

اسکے علاوہ ڈیموکریسی مختلف اعتبار سے مثلاً لوگوں کی (براہ راست اور واسط کے ساتھ) شرکت، تاریخی حرکت (کلاسیک اور دور حاضر کی روش)، ہدف (لیبرل، سوسیالیسٹ، برگزیدہ افراد کی طرف میلان اور روش یا اہمیت کے حوالے سے) مختلف اقسام اور ماڈلز میں تقسیم ہوتی ہے کہ جسکی بناء پر ڈیموکریسی کی تعریف کرنا نہایت دشوار ہے، لہٰذا ہم یہاں اسکے مختلف ماڈلز کی وضاحت کرتے ہیں:

(۱) جمہوریت یعنی اہمیت: جمہوریت اور ڈیموکریسی کے اہم ترین ماڈل، دو ماڈل "اہمیت کے معنی میں" اور "روش کے معنی میں" مشہور ہیں، پہلی قسم خود ڈیموکریسی، لوگوں کی آراء اور اکثریت کو بذاتہ اہمیت اور قدر و قیمت کی نظر سے دیکھتی ہے، اس طرح کہ اکثریت کے انتخاب کو درست، معقول اور حقیقی خیر اور عمومی مصلحت سے کشف کرنے والا جانتی ہے، یہ ماڈل کچھ بنیادوں اور فرضیوں پر استوار ہے، مثلاً لوگوں کا اپنے اوپر حکومت کرنے کی لیاقت رکھنا، انسان کا عقل، منطق اور اخلاق کی پیروی کرنا اور بشر کا مادی و معنوی ترقی تک پہنچنے کی استعداد رکھنا۔

یہ ماڈل خود چھوٹی اقسام میں بھی تقسیم ہوتا ہے، مثلاً پلورلزم کہ جو انسانوں کی ہر قسم کی شناخت خواہ درست اور نادرست، حق اور باطل سب کو احترام کی نظر سے دیکھتا ہے اور کوئی خاص تفکر نہیں رکھتا ہے۔

(۲) جمہوریت یعنی روش: جمہوریت اور ڈیموکریسی کا دوسرا ماڈل روش کے معنی میں ہوتا ہے، جیسا کہ اسکے نام سے واضح ہے کہ یہ اکثریت کے انتخاب کو حکومت کیلئے ایک روش اور راستے کے عنوان سے جانتا ہے، یہ ماڈل دوسرے مختلف ماڈلز اور نظریات کی نسبت لچک رکھتا ہے، لہٰذا لیبرالیزم اور سوشیلزم اس ماڈل کے تحت شمار ہوتے ہیں۔[۲] ان دو آخری ماڈلز کی اہمیت کے پیش نظر ہم انکی تعریف یہاں بیان کرتے ہیں۔

۱۔ لبرل ڈیموکریسی: لبرل ڈیموکریسی شہریوں کی آزادی کو دیگر اقدار مثلاً مساوات، شہری تہذیب، سہولیات اور رفاہ پر اولویت اور ترجیح دیتی ہے۔ آجکل کے نئے لیبرل مفکر مثلاً ہایک واضح طور پر کہتے ہیں کہ یہ لیبرالزم ہے کہ ڈیموکریسی کیلئے خدوخال بناتا ہے اور اکثریت کا انتخاب کبھی بھی لیبرالزم کی اقدار مثلاً شہریوں کی آزادی کو سلب یا محدود نہیں کر سکتا۔

۲۔ سوشیالسٹ ڈیموکریسی: سوشیالسٹ ڈیموکریسی شہریوں کی آزادی کی بجائے قانون مساوات اور انکے اقتصادی حقوق کیلئے اہتمام کرتی ہے اور انکا نظریہ یہ ہے کہ حکومت کو اقتصادی امور میں دخل دینا چاہیے اور قانون مساوات اور اقتصادی حقوق کے حصول کیلئے حکومت لوگوں کی آزادی کو سلب یا محدود کر سکتی ہے۔

۳ اور ۴۔ قانونی اور برگزیدہ افراد کی ڈیموکریسی: ڈیموکریسی کی مشہور اور کلاسیکل تعریف لوگوں کی اکثریت کا حاکم کے انتخاب اور حکومت کے نظام میں شرکت کرنا ہے۔ لیکن اس آخری صدی میں بعض سیاست کے فلاسفہ نے دو ماڈلز اور بھی بیان کیے ہیں، ڈیموکریسی قانونی یعنی ڈیموکریسی کا مرکز اکثریت کی حکومت نہیں بلکہ

---

[۱]: رجوع کریں: عبدالرسول بیات اور دیگران، فرہنگ واژہ ھا، مقالہ ڈیموکریسی، ص ۲۷۵، ۲۷۰

[۲]: رجوع کریں: کلایمردی اور دیگران، آشنائی با علم سیاست، ج ۱، صص ۱۱۰، ۱۱۵

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

قانون کی حکومت ہے۔ اس نظریہ کی رو سے طاقت خطرناک ہے لہٰذا اسے قانون کے ذریعے مہار کرنا چاہیے اور طاقت کے ذریعے ناجائز مفادات اٹھانے کو اکثریت سے نہیں بلکہ قانون سے کنٹرول کرنا چاہیے۔ حد اکثر یہ ہے کہ ڈیموکریسی کا یہ ماڈل لوگوں کی براہ راست حکومت نہیں ہے بلکہ اکثریت سے مشورہ کرنے کا وسیلہ ہے۔

ڈیموکریسی کا دوسرا ماڈل، برگزیدہ افراد کی ڈیموکریسی ہے۔ اس ماڈل کے موجد حضرات کا عقیدہ ہے کہ ڈیموکریسی اس معنی میں کہ لوگوں کی اکثریت کا حکومت میں شریک ہونا اور انتخاب ناممکن ہے اور محض ایک خیال ہے ،بلکہ حقیقت میں حکومت معاشرے کی ایک اقلیت، برگزیدہ افراد کے ہاتھوں میں ہے۔ کلاسیکل منتخبین مثلاً پارٹو اور موسکا، جدید منتخبین مثلاً شومیٹر اور رابرٹ ڈال سے نظریاتی طور پر جدا ہیں۔ جدید اور عصر حاضر کے منتخبین کا کلاسیکل مفکرین کے برخلاف یہ عقیدہ ہے کہ اگرچہ ڈیموکریسی کے قوانین معتبر ہیں لیکن عملی طور پر ڈیموکریسی کی حکومت، برگزیدہ لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔[1]

اسلام اور تشیع کی جمہوریت کے ساتھ نسبت

جمہوریت اور ڈیموکریسی کے مختلف ماڈلز کی وضاحت کے بعد اب اسلام اور ڈیموکریسی کی نسبت کا جائزہ لیتے ہیں۔ اہل علم قارئین اس پیدا ہونے والے سوال کا کہ آیا اسلام ڈیموکریسی کے ساتھ سازگاری رکھتا ہے؟ فوری جواب دیں گے کہ سب سے پہلے ڈیموکریسی سے اپنا مقصد اور مراد واضح اور شفاف انداز سے بیان کریں پھر اسلام سے اسکا جواب حاصل کریں۔

الف: اسلام اور تشیع کی جمہوریت بمعنای اہمیت کے ساتھ ناسازگاری: اگر اسلام کی ڈیموکریسی کے پہلے معنٰی یعنی اہمیت کے ساتھ نسبت کو دیکھیں، تو کہیں گے کہ اسلام اور تشیع بذات خود ناقابل تغییر بنیادوں اور قوانین پر استوار ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کی حقیقی حاکمیت، دنیا کا اخروی سعادت کیلئے وسیلہ ہونا اور معاشرے میں دین کے احکام کا اجراء ہونا، لہٰذا اس ڈیموکریسی اور اسکے قوانین کے ساتھ سازگاری نہیں رکھ سکتا، مثلاً یہ کہ اکثریت کا انتخاب بذات خود اہمیت کا حامل، صحیح اور منطقی ہو، یہ چیز عقل سلیم کے ساتھ بالکل سازگار نہیں ہے، کیونکہ اکثریت کی خطاء کے موارد تاریخ میں بہت زیادہ ہیں۔ یہ کہنا ہے کہ اکثریت کا فیصلہ بہر صورت خواہ دین اور اسکی تعلیمات کی مخالفت میں ہو، واجب الطاعۃ اور لازم الاجراء ہو، اسلام اسے قبول نہیں کرتا فقط اکثریت کی آراء کو عقل، فطرت اور دین کے سازگار مسائل اور موارد میں قبول کرتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے کہ جہاں احتمالی صورت میں ان لوگوں کا دفاع کیا جائے کہ جو اسلام اور ڈیموکریسی میں ٹکراو اور مخالفت کے قائل ہیں، یہ نکتہ واضح کیا جائیگا کہ انکا اسلام کی ڈیموکریسی سے مخالفت سے مقصود ڈیموکریسی کا اہمیت کے معنی میں ماڈل ہے کہ علماء دین اکثر اسے غربی ڈیموکریسی سے تعبیر کرتے ہیں۔

---

[1]: بی بی، باٹور مو، نخبگان اور جامعہ، ترجمہ علیر ضا طیب، ص ۷ اور ۱۲۲

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ب۔اسلام اور تشیع کی جمہوریت بمعنای روش کے ساتھ سازگاری: لیکن اگر اسلام اور تشیع کے مد مقابل روش کے معنی میں ڈیموکریسی ہو تو یہاں قاطع اور مستحکم انداز سے ان دونوں کے درمیان تعارض اور مخالفت کی بات نہیں کی جاسکتی، بلکہ یہ کہا جائیگا کہ اس ماڈل کی حقیقت یہ ہے کہ اکثریت کا انتخاب اہمیت اور قیمت کے مقام پر نہیں ہے بلکہ ایک روش اور طریقہ کے عنوان سے ہے، تو اسلام بھی اکثریت کی آراء کو عزت کی نظر سے دیکھتا ہے ، لیکن اسکے لیے بھی کچھ شرائط اور حدود بیان کی ہیں، کہ جس میں اہم ترین شرط یہ ہے کہ اکثریت کا انتخاب دین اور اسکی تعلیمات کی حدود کے اندر ہو، بالفاظ دیگر ڈیموکریسی اور اکثریت کا انتخاب دین اور اسکے احکام کو پشت کرنے کا باعث نہ بنے ، بلکہ یہ دین اور اسکی تعلیمات ہیں کہ جو اکثریت کی رائے کی سمت اور جہت کو معین کرتی ہیں ۔اکثریت کی رائے اور اسکا اثر معصوم کی غیبت کے زمانہ میں نہایت واضح ہے، لوگوں کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنی اقدار اور دینی صفات کے اعتبار سے براہ راست یا واسطہ کے ساتھ حاکم اور رہبر کا انتخاب کریں تا کہ وہ ملکی معاملات کو سنبھالے اور تمام امور پر نظارت میں اپنا کردار ادا کرے۔اس قسم کی ڈیموکریسی کو دینی ڈیموکریسی ، قدسی اور لوگوں کی دینی حاکمیت کا نام دیا جاسکتا ہے۔

یہ کہ ایسا دینی ڈیموکریسی کا ماڈل مغرب میں موجود نہیں ہے اور یہ کہیں گے پہلی بات یہ ہے کہ :ڈیموکریسی روش کے معنی میں دینی ڈیموکریسی کے ساتھ لچک رکھتا ہے اور اصل میں بات ڈیموکریسی کے معیاروں کا تطبیق کرنا ہے۔ لیکن یہ کہ مغرب میں ڈیموکریسی کا ایسا ماڈل موجود نہیں ہے، یہ اسکے ناتواں یا باطل ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ : جب لیبرل لوگ ڈیموکریسی اور اکثریت کے انتخاب کو اپنے لیبرل مکتب کی حدود میں قبول کرتے ہیں اور جب لیبرل کے اصول ڈیموکریسی سے ٹکرائیں تو اپنے اصولوں کو مقدم اور حاکم سمجھتے ہیں، تو اس وقت کوئی بھی ڈیموکریسی کو ضرر پہنچنے یا اسکے مغلوب ہونے سے دفاع نہیں کرتا، لیکن جب دینی اقدار ڈیموکریسی کو ایسے مقام پر کہ جہاں لوگوں کی مصلحت مقصود ہوتی ہے وہاں محدود کرے، تو سب ڈیموکریسی کے دین کے ساتھ تعارض کی بات کرتے ہیں ؟اس طرح کی بات سوشیلزم ڈیموکریسی میں بھی تکرار ہوگی۔

تو نتیجہ یہ حاصل ہوا کہ بطور مطلق اسلام کی ڈیموکریسی کے ساتھ موافقت یا مخالفت کی بات نہیں کی جاسکتی، بلکہ ضروری ہے کہ ڈیموکریسی کے معنی اور قسم کو بیان کیا جائے اور تحلیل کی جائے، پھر اسلام کے موقف کو جانا جائے۔

ج: اسلام اور تشیع کی قانونی ڈیموکریسی کے ساتھ سازگاری: ڈیموکریسی کا یک ماڈل قانون کی حاکمیت اور قانون کے مطابق چلنے کے قاعدہ کا دفاع ہے نہ کہ اکثریت کی رائے کا ہونا، اس قسم کے ڈیموکریسی کے ماڈل کے ماننے والے اپنے اختیار کردہ کلچر اور قانون مثلاً لیبرلزم ، دینی اور اقتصادی مفادات کی بناء پر تفسیر اور تشریح کرتے ہیں اور اپنی پسند کا ڈیموکریسی ماڈل ان بنیادوں پر استوار کرتے ہیں۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

اس قسم کی ڈیموکریسی کو اسلام اور تشیع میں جاری اور تفسیر کرسکتے ہیں، اسلام اور تشیع سیاست اور حکومت میں ایک خاص سیاسی اور اقتصادی نظام کے حامل ہیں اور انکا عقیدہ ہے کہ معاشروں میں خاص قواعد اور قوانین حاکم ہوں اور حکومت کرنے والا شخص حقیقت میں ان قوانین کو اجراء کرنے کا ذمہ دار اور لوگوں کا امین ہے۔ اس مفروضہ میں اسلام کی ڈیموکریسی کے اس ماڈل سے موافقت کی بات کی جاسکتی ہے۔ لیکن ڈیموکریسی کے اس ماڈل کا قانون اور قاعدہ مغربی ڈیموکریسی مثلاً لیبرلزم سے مختلف ہوگا۔

د۔ **اسلام اور تشیع کی برگزیدہ افراد کی ڈیموکریسی سے سازگاری:** منتخبین کی ڈیموکریسی، دور حاضر کے جدید مغربی ماڈلز میں سے ہے کہ اسکے اکثر معتقد حضرات اکثریت کی رائے سے قطع نظر، معاشرے کے برگزیدہ اور منتخبین کے پارٹیوں سے ملکر رقابت کے ساتھ حکومت کا نظام چلانے پر تاکید کرتے ہیں۔ اس قسم کی ڈیموکریسی کو فی الجملہ اسلام پر بھی تطبیق دی جاسکتی ہے، اسلام نے چودہ سو سال پہلے افراد کی ذاتی صلاحیتوں اور کمالات کی بناء پر انہیں نبوت اور امامت کا مقام بخشا اور لوگوں کے امور کو چلانے کیلئے "الٰہی نظر سے" خاص قسم کے برگزیدہ افراد پر تاکید کی ہے اور زمانہ غیبت میں بھی اسلام نے اسلامی معاشرے کے رہبر کیلئے خاص صفات مثلاً علم، عدالت اور انتظامی صلاحیت رکھنے کی تعیین کی ہے۔

ڈیموکریسی اور اسکے ماڈلز کی تعریف کے بعد ڈیموکریسی کے تشیع سے نہ ٹکرانے کی بیشتر وضاحت کرتے ہیں اس مقصد کے حصول کیلئے تشیع کی نظر سے سیاست اور حکومت کے میدان میں لوگوں کے کردار اور اثر کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

دوسرا نقد: شیعہ اور سیاست میں شرکت

امامیہ اگرچہ اللہ تعالیٰ اور پیغمبر اکرم ﷺ کے ذریعے حضرت علی علیہ السلام کی حکومت اور خلافت کے منصوب ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، لیکن ساتھ یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ ضروری ہے حضرت کی حکومت لوگوں کی قبولیت اور رضایت کے ساتھ وجود میں آئے اور جبر واکراہ کے ساتھ کسی حکومت کو لوگوں پر لاگو نہیں کرنا چاہیے، خواہ وہ حکومت شرعی ہی کیوں نہ ہو۔ بالفاظ دیگر اسلام اور مکتب تشیع میں حکومت دو چیزوں سے تشکیل پاتی ہے: پہلی چیز حکومت اور رہبر کا دینی ہونا ہے، معصوم کے ہوتے ہوئے حکومت غیر معصوم تک نہیں پہنچتی کہ ایسی حکومت پیغمبر ﷺ اور بارہ ائمہ معصومین علیہم السلام کی حکومت کہلائے گی۔

دوسری چیز لوگوں کا حکومت کے مسئلہ میں شرکت کرنا اور دینی حکومت کا لوگوں کے ہاں مقبول ہونا ہے۔ چونکہ آج بعض روشن فکر حضرات یہ کوشش کرتے ہیں کہ حکومت کے بارے میں شیعہ نظر کو لوگوں کی شرکت اور ڈیموکریسی سے ناسازگار توصیف کریں، لہٰذا ہم مجبور ہیں کہ اس دوسرے مورد کی وضاحت کریں:

۱۔ قرآن مجید

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

پہلا نکتہ یہ ہے کہ مصنف نے حکومت کے امور میں لوگوں کے کردار کے حوالے سے قرآنی نظریات کو ایک اور مقام پر تفصیل سے بیان کیا ہے[1] اب اسکے عناوین کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

(۱) انسان خلیفہ خدا: اس مطلب پر کچھ آیات دلالت کرتی ہیں۔[2] خلافت کا لازمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذمہ داری اور حقوق اپنے ذمہ لینا مثلاً حکومت، حکمرانی اور نص کے نہ ہونے کی صورت میں ضروری معاشرتی قوانین کو پاس کرنا ہے۔[3]

(۲) قانون شوریٰ: شوریٰ اور حکومت کے امور میں مشورہ کرنے پر قرآن نے تاکید کی ہے[4] اور شیعہ مفکرین نے بھی اسے بیان کیا ہے۔

(۳) تمام مومنین کی ولایت: قرآن کریم نے مومنین کو ایک دوسرے کے امور کا ولی، متولی اور سرپرست بیان کیا ہے[5] اور مومن انسانوں کو معاشرے کے امور پر ایک قسم کی حاکمیت اور ولایت کا حق عطا کیا ہے۔[6]

(۴) حکومت کی تشکیل اور اسکی حفاظت کی ذمہ داری: قرآنی نظر سے دینی حکومت کی تشکیل اور اسکی حفاظت لوگوں کے وظائف میں سے شمار ہوتی ہے۔[7] اسکے علاوہ قرآن مجید نے معاشرتی اور قضاوت سے متعلق احکام کے اجراء کو نہ صرف حاکم بلکہ تمام معاشرے اور شہریوں سے چاہا ہے۔ واضح سی بات ہے کہ لوگ بغیر حکومت تشکیل دیے اور طاقت و قوت کی لگام سنبھالے اس حکم الٰہی کو بجالانے پر قادر نہیں ہیں۔

(۵) حکومت کا امانت ہونا: قرآنی مجید کی رو سے حکومت حاکموں کے پاس لوگوں کی امانت ہے اور وہ لوگوں کے حقوق کے امین اور محافظ ہیں۔[8]

(۶) آمریت سے نہی: قرآن کریم نے بہت سی آیات میں آمریت اور ظلم وجور پر مبنی حکومت سے منع کیا ہے اور انبیاء کا یک وظیفہ آمرانہ حکومتوں سے جہاد اور لوگوں کو انکے ظلم و ستم سے چھڑانا شمار کیا ہے۔[9] ظالم اور آمرانہ

---

[1]: عسائیت اور اسلام میں سیکولیرزم، فصل ۶

[2]: بقرہ آیت ۳۰، اعراف آیت ۶۹، فاطر آیت ۳۹، ص آیت ۲۶، قصص آیت ۵، نور آیت ۵۵

[3]: مزید وضاحت کیلئے رجوع کریں: شہید صدر، الاسلام یقود الحیاۃ، ص ۱۱، ۱۳۴، المجموعۃ الکاملۃ لمولفات الصدر، ج ۱۲، جعفر سبحانی، مفاہیم القرآن ج ۴، ص ۱۹۱، معالم الحکومت الاسلامیۃ، ص ۲۱۱، حسین علی منتظری، دراسات فی ولایۃ الفقیہ، ج ۱، ص ۵۰۱، سید محمد حسین شیرازی، الفقہ، کتاب الحکم فی السلام، ص ۳۴

[4]: آل عمران آیت ۱۵۹، شوریٰ آیت ۳۸

[5]: توبہ آیت ۷۱

[6]: شہید صدر، الاسلام یقود الحیاۃ، ص ۱۷۱، تفسیر المیزان، ج ۹، ص ۳۳۸، ۱۴۱

[7]: آل عمران آیت ۱۴۴، مزید وضاحت کیلئے رجوع کریں: علامہ طباطبائی، بحثی درباره مرجعیت وروحانیت، ص ۸۲، ۸۱، محقق کانی، حاشیہ کتاب المکاسب، ج ۱، ص ۲۱۴، آیت اللہ اراکی، المکاسب، ج ۱، ص ۹۴

[8]: نساء، آیت ۵۸

[9]: طٰہٰ، آیت ۴۳، قصص، آیت ۸۳

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

حکومت کا ایک مصداق لوگوں پر جبر اور اکراہ سے حکومت کرنا ہے۔[۱] لوگوں کے امور حکومت میں شرکت کو ثابت کرنے کے قرآنی عناوین کے بعد اس موضوع میں چند روایات بیان کرتے ہیں:

۲: پیغمبر اسلام ﷺ[۲]

آنحضرت ﷺ ایک مشہور حدیث میں حضرت علی علیہ السلام کی الٰہی حکومت اور حاکمیت کے اصول پر تاکید کرتے ہیں، لیکن اس قسم کی حکومت کے وجود اور تشکیل کو لوگوں کی قبولیت اور منشاء سے مشروط فرماتے ہیں:

یَابنَ اَبی طالب لَکَ ولاء امتی فان وَلوکَ فی عافیةٍ واجمَعُوا علیکَ بالرِّضا فقُم فی امرِهم وانِ اختلَفُوا علیکَ فدعهُم ومَاهُم فیه [۳]

اے فرزند ابو طالب میری امت پر اصلی حاکمیت اور ولایت تیری ہے۔ اگر لوگ مکمل عافیت اور رضایت سے تیری طرف آئیں، تو لگام حکومت اپنے ہاتھوں میں پکڑ لو، اگر تیرے حوالے سے اختلاف اور ٹکراو کی راہ اختیار کریں تو لوگوں اور انکی حکومت کو ان پر چھوڑ دو۔

پیغمبر اکرم ﷺ نے دوسری حدیث میں جبر اور اکراہ اور بغیر مشورہ والی حکومت سے منع کیا ہے۔

مَن جاءکُم یُریدُ ان یفرّق الجماعة و یَغصبَ الامة امرَها و یتولّی من غیرِ مشورةٍ فاقتلُوها فانَّ اللهَ قد اذنَ ذلکَ [۴]

جو بھی جماعت مسلمین کی صفوں میں تفرقہ ڈالے اور امت کے امور کو غصب کرے اور بغیر کسی شوریٰ کے ان کی سرپرستی سنبھالنا چاہے، اسے قتل کر دو کہ اللہ تعالیٰ نے اسکی اجازت دی ہے۔

۳: امام علی علیہ السلام

آپؑ نے حکومت جو انکا الٰہی حق تھا، اس کی باگ ڈور سنبھالنے میں جبر و اکراہ سے کام نہیں لیا بلکہ اسے بھی لوگوں کی درخواست اور انکی بیعت کے بعد قبول کیا، واضح انداز میں لوگوں کی اعلانیہ بیعت و رضایت پر اسے موقوف کیا۔

فانَّ بیعتِی لا تَکونُ خفیّاً ولاتَکونُ الاعن رضی المسلمینَ [۱]

۱: جعفر سبحانی، مبانی حکومت اسلامی، ص ۱۷۰

۲: شیعہ نکتہ نظر کے عنوان سے احادیث نبوی کو ذکر کرنے کی دو وجہیں ہیں: (۱) امامیہ کے نزدیک احادیث نبوی کا حجت ہونا (۲) احادیث کا منابع شیعہ میں نقل ہونا۔

۳: مستدرک الوسائل، ج ۱۱، ص ۷۸، نہج السعادۃ، ج ۵، ص ۲۱۸

۴: شیخ صدوق، عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۶۲، ب ۳۱، ح ۲۵۴

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

لوگوں کی بیعت کے مرحلہ میں حاکم سے بیعت اور آزادانہ انتخاب انکے اپنے اختیار سے ہے، لیکن بیعت کے بعد لوگوں پر ضروری ہے کہ وہ عہد کی پاسداری کریں۔

أنّماالخیارللناسِ قبلَ أن یُبعایِعُوا [۲]

حضرت کی نظر میں حکومت امانت اور حاکم لوگوں کا امین ہے، جیسا کہ حضرت نے اپنے ایک گورنر کو خط میں تحریر کیا:

انَّ عملَکَ لیسَ لکَ بطعمةٍولکنَّه فی عنقِکَ امانةٌوانت مسترعاً لمَن فوقَکَ لیسَ لکَ أن تفتات فی رعیتکَ [۳]

آنحضرتؑ ایک خط میں اپنے کمانڈروں کو لوگوں کا محافظ اور وکیل توصیف کرتے ہیں:

فانکُم خزّانُ الرعیةووکلاءُالأمّة [۴]

آنحضرتؑ حکومت اور حاکمیت کو لوگوں کا حق اعلان کرتے ہیں۔

ایهاالناس عن ملاءٍ واذن انّ هذا امرکُم لیس لاحدٍ فیه الحق الامن امرتُم و انه لیسَ لی دونکم الامفاتیحَ مالکم معی [۵]

اے لوگوں حکم کی تعیین صرف تمہارا حق ہے اور کوئی بھی مسند حکومت پر نہیں بیٹھ سکتا مگر یہ کہ تم لوگ اسے انتخاب کرو، میں حاکم کے عنوان سے صرف تمہارا امین اور کلید دار ہوں۔

آنحضرتؑ شوریٰ کے ذریعے حاکم کی تعیین مہاجرین اور انصار کا حق بیان کرتے ہیں:

أنّمَا الشورا للمهاجرینَ والأنصارِ فان اجتمعُوا علی رجلٍ وسمُّوه اماماً کانَ ذلکَ لله رضی [۱]

۱: تاریخ طبری، ج ۳، ص ۴۵۶، موسسہ الاعلمی، انساب الاشرف، ج ۲، ص ۲۱۰

۲: ارشاد مفید، ص ۱۱۶، بحار، ج ۳۲، ص ۳۳

۳: نہج البلاغہ، نامہ ۵

۴: سابقہ ماخذ، نامہ ۳۱

۵: تاریخ کامل طبری، ج ۳، ص ۱۹۳

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

بلاشبہ شوریٰ مہاجرین اور انصار کا حق ہے۔ وہ اگر کسی شخص پر اجتماع کریں اور اسے امام و رہبر کا نام دیں، تو اللہ تعالیٰ بھی اس پر راضی ہے۔

آنحضرتؐ لوگوں کے ذریعے حاکم کا انتخاب اللہ کے حکم اور اسلام میں مسلمانوں پر واجب ذکر کرتے ہیں اور اسے موضوع حقوق کے ساتھ ساتھ شرعی ذمہ داری بھی بیان کرتے ہیں:

ولواجب فی حکمِ اللهِ و حکمِ الاسلامِ علی المُسلمینَ بعد ما یَموتُ اما مهم او یُقتل اَن لایعملوا عملاً ولا یحدثُوا حدثاً ولایقدموا یدًا ولارجلاً ولایبدوا بشیءٍ قبلَ ان یختارُوا لانفسهم اماماً [۲]

اللہ کے حکم اور اسلام کے حکم میں مسلمانوں پر اپنے امام کی وفات یا قتل ہونے کے بعد واجب ہے کہ وہ کوئی عمل انجام نہ دیں اور کسی کام کیلئے اقدم نہ کریں اور کسی کام کیلئے ہاتھ اور پاوں نہ بڑھائیں قبل اسکے کہ وہ اپنے لیے کوئی امام انتخاب کریں۔

ہم بحث کی طوالت کے خوف سے صرف انہی روایات پر اکتفاء کرتے ہیں اور دیگر ائمہ علیہم السلام کی روایات کے تذکرہ اور شیعہ علماء کی آراء کو بیان کرنے سے چشم پوشی کرتے ہیں۔ امید ہے کہ یہی مقدار کافی ہے کہ شیعہ مکتب اور عقیدہ امامت کا مطلب لوگوں پر جبر واکراہ سے معصوم کی حکومت تحمیل کرنا نہیں ہے بلکہ چودہ سو سال پہلے شیعہ ائمہ علیہم السلام تھے کہ جنہوں نے شوریٰ، بیعت اور لوگوں کے انتخاب کا سیاست اور حکومت کے میدان میں دفاع کیا اور خود حضرت علی علیہ السلام کی حکومت بھی اس دعوی کو بیان کرتی ہے۔ اگر یہ قرار ہو کہ صدر اسلام میں اسلام اور ڈیموکریسی کی نسبت کا جائزہ لینا ہے تو ضروری ہے کہ خلیفہ اول کے ذریعے خلافت عمر کا منصوب اور وصیت ہونا اور عمر کی بنائی ہوئی پانچ افراد پر مشتمل انجمن کے ذریعے عثمان کی تعیین کا تجزیہ کیا جائے، تو واضح ہو گا کہ اہل سنت کا اسلام ڈیموکریسی سے بالکل عملی طور پر سازگار نہیں ہے نہ کہ شیعہ کا۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ فاضل قاری محترم سیاست وحکومت میں لوگوں کے کردار پر اتنی تاکید اور اہتمام یعنی دینی حکومت کے دوسرا حصہ کا مطالعہ کر رہا ہے، جبکہ دینی حکومت کا پہلا حصہ یعنی اللہ و رسول ﷺ کے ذریعے حکومت

---

[۱]: نہج البلاغہ، نامہ ۶

[۲]: کتاب سلیم بن قیس، ص ۱۶۱، ۱۹۶، بحار الانوار، ۸۶

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

اور معصوم حاکم کی تعیین وہ چیز ہے کہ جسے لوگ نہ جبر واکراہ سے بلکہ اپنے مذہبی عقائد کی بناء پر قبول کریں اور جیسا کہ کہا جا چکا ہے، اگر اسے قبول کرنے سے انکار کریں، تو دینی اعتبار سے گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں اور اس صورت میں معصوم کی دینی حکومت تشکیل نہیں پائی اور معصوم بھی جبر واکراہ کے ذریعے مسند حکومت پر نہیں بیٹھیں گے۔ پس شیعہ کے سیاسی نظریہ اور روش کے معنی میں ڈیموکریسی میں کسی قسم کا تضاد موجود نہیں ہے۔

تیسرا نقد: امامت اور حکومت میں تفریق

امامت کے نقاد حضرات امامت کی ناقص تشریح اور اسکی ایک جہت کو لیکر، یعنی امامت سے مراد پیغمبر اسلام ﷺ سے حکومت اور سیاسی رہبری کو منصوب کرنا سمجھتے ہوئے، امامت کو حکومت کے مساوی قرار دیتے ہیں اور پھر اسے ڈیموکریسی کے مخالف دیکھ کر اس پر اعتراضات کی بوچھاڑ کر دیتے ہیں۔ یہی نقاد حضرات شیعہ عقیدہ کی بعض باتیں حذف کرتے ہوئے یا دقیق تعبیر کے ساتھ شیعہ نظریہ کے اصلی ارکان یعنی امام معصوم کہ جو علم لدنی کے مالک ہیں اور صاحب الہام ہیں (کہ جسکی پہلے بحث گزر چکی ہے) ان کو حذف کرتے ہیں اور صرف تاریخی حصہ یعنی بحث حکومت کو لیتے ہوئے، مکتب تشیع کو مغالطہ کے ساتھ کمزور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ چیز کہ شیعہ جسکے منصوص ہونے پر اصرار کرتے ہیں وہ پیغمبر اسلام ﷺ کی حیات کے بعد صرف مسلمانوں کیلئے حاکم اور والی کی تعیین نہیں ہے۔ موضوع بحث مسئلہ حکومت کے موضوع اور حکمران کی تعیین سے بڑھ کر ہے، بلکہ شیعہ امامت کو ایک وسیع دائرہ میں دیکھتے ہیں اور اسے حکومت سے بلند اور برتر سمجھتے ہیں کہ جو دینی اور علمی مرجعیت پر مشتمل ہے۔ یعنی امام اور پیغمبر کا جانشین اس کی مانند عصمت اور بیان میں الٰہی ذمہ داری اور دین کی نگہبانی رکھتا ہے، اسکی کلام پیغمبر کی کلام کی طرح تمام دینی، سیاسی، اجتماعی میدانوں میں امت کیلئے فصل الخطاب ہے۔ امام کی یہ شان وعظمت اس حکومت والی کی شان سے کہیں بلند وعظیم ہے کہ استاد مطہری اس حوالے سے کہتے ہیں:

> امامت کے مسئلہ میں جو چیز سب سے پہلے اہمیت کی حامل ہے وہ پیغمبر کی جانشینی ہے۔۔۔آیا پیغمبر کے بعد کوئی ایسا انسان تھا کہ حقیقت میں دین کا مرجع ہو جس طرح کہ آپ (ص) مرجع، مفسر اور بیان کرنے والے تھے[1]
>
> اگر امامت کو اس سادہ انداز میں حکومت کی حد تک بیان کریں اور کہیں کہ امامت یعنی حکومت، تو اس وقت ہم دیکھیں گے کہ اہل سنت کی نظر شیعہ نظر سے زیادہ پرکشش ہے۔[1]

---

[1]: امامت ورہبری، ص ۷۲، ۷۱

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

وہ اس طریقہ سے گفتگو کو بہت بڑی غلطی سمجھتے ہیں کہ جو قدیم متکلمین سے بھی سرزد ہوئی ایک جگہ بیان کرتے ہیں:

بالفاظ دیگر اگر محکم دلائل کے ساتھ امام علی علیہ السلام کی پیغمبر اسلام ﷺ کی جانشینی اور انکے دینی مرجعیت کے مقام پر ذمہ داری سنبھالنا ثابت ہو جائے، تو حکومت کے مسئلہ میں انکی نیابت خود بخود ثابت ہو جائے گی۔[۳]

چوتھا نقد: ائمہ کی لیاقت

ائمہ کی عصمت، علم اور الہام کی ابحاث میں واضح ہوا ہے کہ امامت کے مقام کا حامل ہونا اور اسکی تعیین لیاقت اور صلاحیتوں کی بنا پر ہے، صدر اسلام میں چونکہ ایسی لیاقت اور عمیق بیان سے علت مقتضیہ صرف حضرت علی علیہ السلام کے مبارک وجود میں منحصر تھی، تو اس سے معلوم ہوا کہ حضرت حقیقت اور ثبوت کے مقام پر امام اور پیغمبر کے حقیقی جانشین تھے اور اس حد تک پیغمبر کی نص اور تعیین کی بھی ضرورت نہ تھی،

لہٰذا پیغمبر اکرم ﷺ کی طرف سے حضرت علی علیہ السلام کی امامت کے بارے میں جو نصوص وارد ہوئی ہیں وہ کاشفیت اور ارشادی حیثیت کی حامل ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ حضرت علی علیہ السلام ان نصوص کی بناء پر مثلاً حدیث غدیر کی بناء پر مقام امامت پر فائز ہوئے ہیں، بلکہ آپ چونکہ مقام واقع میں امامت کی لیاقت رکھتے تھے، لہٰذا یہ نصوص وارد ہوئی ہیں۔

بنا بر ایں حضرت علی علیہ السلام کا مقام امامت نصوص اور تعیین سے حاصل نہیں ہوا کہ کوئی یہ اعتراض کرے کہ شیعوں نے حکومت کے مسئلہ کو ڈیموکریسی اور عقلانی صورت سے خارج کر کے اسے وراثتی شکل میں تبدیل کر دیا ہے۔

بالفاظ دیگر ائمہ اپنے زمانوں میں بعنوان صاحبان لیاقت، حقیقی بر گزیدہ افراد اور مقام امامت حکومت پر فائز ہونے کے لیے تہاترین افراد تھے اور شیعہ بھی یہ دعوی کرتا ہے کہ سیاسی، اجتماعی، علمی اور دینی امور پر حقیقی منتخبین سرپرستی کریں کہ یہ ڈیموکریسی کے ماڈل بر گزیدہ افراد کی ڈیموکریسی کے مطابق ہے۔

---

[۱]: سابقہ ماخذ، ص ۶۹
[۲]: سابقہ ماخذ، ص ۷۱
[۳]: امامت و رہبری، ص ۹۶، ۸۰

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

اسکے علاوہ عقیدہ امامت، امامت کے منصوب ہونے کے قانون کے ساتھ ساتھ اسکی حاکمیت کے اجراء کیلئے لوگوں کے قبول اور راضی ہونے کی شرط بیان کرتا ہے اور اس چیز میں کوئی جبر و اکراہ نہیں ہے، پس نظریہ امامت کسی مرحلہ میں بھی ڈیموکریسی سے مخالفت نہیں رکھتا۔

پانچواں نقد: حقیقی جمہوریت کی ضروری پیش خیمہ کے لیے احتیاج

شاید یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ کیوں پیغمبر ﷺ نے امام اور حقیقی رہبر کو انتخاب کرنے کی ذمہ داری لوگوں پر نہیں ڈالی اور کیوں مختلف روایات سے لوگوں پر لازم قرار دیا کہ وہ ائمہ علیہم السلام کی بیعت کریں؟

اس سوال کا جواب واضح ہے کہ کیونکہ پیغمبر ﷺ کی ایک ذمہ داری اپنی امت کی راہنمائی اور اصول شریعت کو بیان کرنا تھا اور دوسری طرف چونکہ صدر اسلام کے مسلمان مختلف شبہات کی بناء پر مثلاً امویوں، منافقین اور جاہ پسند لوگوں کے پروپیگنڈہ کی وجہ سے اس قدر سیاسی فہم کے حامل نہیں تھے کہ اپنا حقیقی امام خود بخود ڈھونڈ کو اسے معین کر لیتے، لہٰذا یہاں نص کی ضرورت تھی۔ استاد مطہری اس حوالے سے کہتے ہیں:

یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے کے لوگ یہ صلاحیت نہیں رکھتے تھے کہ خلیفہ یعنی ولی امر کا انتخاب کریں اور بطور فرض اگر ہم قبول کریں کہ اسلامی حکومت کی اصل انتخاب ہے نہ منصوب، تو ان ایام بلکہ سالوں اور صدیوں تک ضروری تھا کہ حاکم منصوب ہو۔[1]

بالفاظ دیگر حقیقی جمہوریت یا ڈیموکریسی، حکومت کیلئے لائق اور ضروری شرائط کے حامل حاکم کا لوگوں کے ذریعے انتخاب ہے کہ جسکے لیے ضروری پیش خیمہ مثلاً لوگوں میں تشخیص کی صلاحیت، لائق امیدوار کے خلاف غلط پروپیگنڈہ نہ ہونا اور لائق امیدوار کی شناسائی کیلئے وسائل مہیا ہوں۔ اگر یہ شرائط محقق نہ ہوں تو حکمت و عقل کا تقاضا ہے کہ تمام امور کو چلانے اور لوگوں کی مدد کرنے کیلئے ضروری اسباب مہیا کیے جائیں یا ایک لائق ترین شخص کا انتخاب کیا جائے کہ ایسا کام منطقی اور قیادت کے لائق ہے۔

ڈاکٹر سروش وغیرہ پر تعجب ہوتا ہے کہ جو خود کو اہل غرب کے سیاسی فلسفہ مثلاً پوپر فلسفہ کا حامی بتاتا ہے، پوپری تیسری دنیا کیلئے لوگوں کے ترقی یافتہ نہ ہونے کی بناء پر ڈیموکریسی کی بات نہیں کرتا بلکہ بڑے آرام سے ڈیموکریسی کو مغرب کی خواہشات پر قربان کر دیتا ہے، جبکہ ڈاکٹر سروش ڈیموکریسی کے مسئلہ میں اہل مغرب سے

---

[1]: حماسہ حسینی، ج ۳، ص ۴۴

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

بھی غرب زدہ ہو گیا ہے، شیعہ اور نظریہ امامت پر یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ ڈیموکریسی کے مخالف ہیں ان پر اعتراض وارد کرتا ہے، لیکن اس نکتہ کی طرف متوجہ نہیں ہے کہ اس زمانے میں حضرت علی علیہ السلام کی شخصیت کے بارے میں اس قدر پروپیگنڈہ (مثلاً حضرت نماز نہیں پڑھتے) کے باوجود آیا ایسے مناسب مواقع فراہم تھے کہ لوگ لائق شخص کا انتخاب کریں اور بالفاظ دیگر وہاں ڈیموکریسی موجود ہو؟

اگر اللہ تعالیٰ اور پیغمبر ﷺ حضرت علی علیہ السلام کا لوگوں کے رہبر اور امام کے عنوان سے تعارف نہ کرواتے تو آج کی نسلیں اس بارے میں کیا قضاوت کرتیں؟ آیا "نعوذ باللہ "اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ پر حقیقت چھپانے اور برگزیدہ افراد کی طرف رجحان کے قانون کو نظر انداز کرنے کا الزام نہ لگاتے؟ آیا یہ نہ کہتے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ نے کیوں معاویہ، منافقین اور دیگر جاہ طلب اور تشنہ قدرت افراد کے مد مقابل علی علیہ السلام کو تنہا چھوڑ دیا؟

چھٹا نقد: حکم الٰہی کی جمہوریت پر ترجیح

اگر پچھلے تمام مطالب سے چشم پوشی کی جائے اور ہم یہ قبول کریں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے منصوب امامت وحکومت مغربی یا دیگر تمام انسانوں کے نظریہ کے مطابق ڈیموکریسی سے ٹکراتی ہے، تو جب اللہ تعالیٰ کا حکم کسی مغربی حکم یا بظاہر مہذب انسانوں کے حکم سے ٹکرائے تو کسے ترجیح دیں اور مقدم کریں گے؟ اگر امامت کا منصوب ہونا حکم الٰہی ہو جیسا کہ شیعہ اس پر عقیدہ رکھتے ہیں، تو کونسی ضرورت ہے کہ الٰہی حکم کو غیر الٰہی حکم پر قربان کر دیا جائے؟ آیا انسان اپنے وجود کے خالق پروردگار کے حکم کے مد مقابل نہ جھکے؟ یا صرف علم کی ترقی کی بناء پر اسکے مد مقابل مخالفت والا راستہ اختیار کرلے؟

واضح سی بات ہے کہ دین دار اور اللہ پر عقیدہ رکھنے والا شخص الٰہی حکم کو اپنی جان پر بھی مقدم رکھتا ہے۔

اسکے علاوہ مغربی ڈیموکریسی مختلف حقوقی اور انسانی کمزوریاں بھی رکھتی ہے کہ جن کی طرف اشارہ ہوگا اور صرف اس گمان پر کہ مکتب تشیع اس ڈیموکریسی کے مد مقابل ہے اسے تشیع پر ترجیح نہیں دینی چاہیے۔

ساتواں نقد: جمہوریت کے نقائص

یہ نظریہ (کہ بعض اسے بطور مطلق مقدس اور قابل احترام جانتے ہیں اسے امامت کے مقابلہ میں ترجیح دیتے ہیں) بہت سے قانونی اعتراضات اور عقلی نقائص کا حامل ہے جسکے صحیح اور مکمل ہونے کیلئے ترمیم کی ضرورت ہے ہم یہاں پر ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کر رہے ہیں:

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

(۱) اکثریت کا شرکت نہ کرنا: مغرب کے تمام گذشتہ انتخابات کا تجربہ واضح کرتا ہے کہ اکثر لوگ انتخابات میں شرکت نہیں کرتے۔ پس ڈیموکریسی کا اساسی مقصد محقق نہ ہوا۔

(۲) حاکم کا اکثریت کے ذریعے انتخاب نہ ہونا: ممکن ہے شاید کسی جگہ پر کچھ حد تک زیادہ لوگ انتخابات میں شرکت کرتے ہوں لیکن حکومتی امیدواروں کی کثرت کی بناء پر، صراحت سے یہ دعوی کیا جاسکتا ہے کہ کوئی بھی حاکم انتخابات میں اکثریت کے ذریعے منتخب نہیں ہوتا۔ انہی دو نقائص کا بیسویں صدی کے مشہور فلسفی عالم یعنی کارل ریمونڈ پوپر نے بھی اعتراف کیا ہے۔[1]

(۳) بعد والی نسل میں قانونی اساس کا فقدان: دو انتخابات کے درمیان ہزار و بلکہ لاکھوں لوگ معاشرے میں ووٹر کی قانونی عمر تک پہنچتے ہیں کہ جو مجبور ہیں کہ ایسی حکومت اور حاکم کی اطاعت کریں کہ جسکا انہوں نے انتخاب نہیں کیا تو قانونی جہت سے اس جبر کی اساس کیا ہے؟

(۴) انتخابات میں زہریلی فضا کا تسلط: اکثر انتخابات میں یہ پروپیگنڈہ ہے کہ جو خاص امیدواروں کیلئے راستہ ہموار کرتا ہے۔ واضح سی بات ہے کہ یہ پروپیگنڈہ کروڑوں بلکہ اربوں روپے کی حد تک خرچ کرنے سے وجود میں آتا ہے کہ خاص امیدواروں کیلئے ضروری ہے کہ خاص افراد اور پارٹیوں کے کئے ہوئے گذشتہ وعدے پورے کریں

(۵) حکومت کی کارگردگی کا تنزل: ممکن ہے انتخابات کی اس روش سے صلاحیت سے محروم یا لائق کی جگہ نالائق شخص مختلف دلائل مثلاً امیدوار خاص قومیت کی بناء پر حکومت تک پہنچے، تو ملک ناقص انتظامات کا شکار ہوگا جسکے نتیجہ میں حکومت کی کارگردگی کا گراف گر جائیگا۔ بلکہ ایسی صورت حال بسا اوقات معاشرے کو بحران کی طرف پہنچاتی ہے۔ اسی طرح ممکن ہے جلد دوسرے انتخابات اور انتظامی سربراہوں کی تبدیلی سے حکومت طولانی مدت کے جاری پروگراموں کو ملک کی سلامتی اور ترقی کیلئے نہ چلا سکے۔

مغربی دانشوروں کا اعتراف

مندرجہ بالا نقائص خود مغرب کے سیاسی فلسفیوں کی نظر سے مخفی نہیں رہے اور ان میں سے منصف مزاج افراد نے ڈیموکریسی پر نقد کیا بلکہ ڈیموکریسی کے بہت سے ماڈلز ہونے کی بناء پر ہر ماڈل کے حامیوں نے دوسرے ماڈلز کو غیر منطقی اور بے فائدہ قرار دیا کہ یہاں انکے اعترافات کو ذکر کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔[2]

---

[1]: جامعہ باز و شناسی، ج ۳، ص ۱۳۳۵، ور س این قرن، ص ۱۵۱، ۱۱۵، ۱۲۰، زندگی سراسر حل مسئلہ است، ص ۱۹۲

[2]: انتونی گیدنز، جامعہ شناسی، ترجمہ منوچہر صبوری، ص ۳۳۳، ۳۳۲، جوزف، شومپیتر، کاپیٹالیسم، سوسیالیسم و دموکریسی، ترجمہ حسن منصور، ص ۳۱۵، ۳۱۴، تجلی، پاتار مو، نخبگان و جامعہ، ترجمہ علی رضا طیب، ص ۱۲۲، ۷، اور اسکے بعد ص ۱۳۶، ۱۲۸، کارلتون کلابکردوی، اجتماعی یا علم

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

آٹھواں نقد: نقضی جواب

ڈاکٹر سروش جیسے لوگوں کیلئے کہ جو اس گمان کی بناء پر کہ امامت کا ڈیموکریسی سے ٹکراو ہے، امامت پر اعتراض کرتے ہوئے ڈیموکریسی کو ترجیح دیتے ہیں، بسااوقات ممکن ہے ایسی روش کے ساتھ بعض اہل سنت بھی امامت پر اعتراضات وارد کریں، تو ان سب کیلئے نقضی جواب یہ ہے کہ ان نقاد حضرات کے پاس پیغمبر اسلام ﷺ کی حکومت کا کیا جواب ہے؟ آیا حضرت محمد ﷺ کی حکومت بھی ڈیموکریسی کے مخالف تھی؟ واضح سی بات ہے کہ امامت کے نقاد لوگ جس قسم کی روش اور رائے امامت اور ڈیموکریسی کے بارے میں رکھتے ہیں، یقیناً نبوت اور پیغمبر اسلام ﷺ کی حکوت اور ڈیموکریسی کے ساتھ بھی ضرور رکھیں گے، تو اب انکے پاس جواب کیا ہے؟ آیا وہ اس میدان میں بھی ڈیموکریسی کو نبوت پر ترجیح دیں گے؟

ڈاکٹر سروش پیرس میں اپنی تقریر میں تشیع پر اعتراض کرتے ہوئے صرف تشیع کو ڈیموکریسی کا مخالف بیان کرتا ہے، البتہ وہ کونسے اسباب ہیں کہ جو مصنف کیلئے واضح نہیں ہیں کہ ڈیموکریسی کی اصل دین اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی حکومت کے ساتھ نسبت کو بیان نہیں کرتا، لیکن بہت عرصہ پہلے ہر الٰہی حکومت کا لوگوں کے حق انتخاب اور ڈیموکریسی سے تقابل کرتے ہوئے انکار کر چکا ہے۔ آیا اسکے موقف میں تبدیلی آئی ہے؟ یا اپنے مخاطبین میں اپنا نظریہ پیش کرنے کی کشش نہیں پاتا؟ امید ہے کہ وہ آئندہ اپنا موقف شفاف انداز سے بیان کرے۔

مجموعی نتیجہ

(۱) ڈیموکریسی کے تجزیہ اور تحقیق میں واضح ہوا کہ مغرب میں رائج ڈیموکریسی کا ماڈل سیاسی فلاسفہ کی اکثریت کا مورد اتفاق نہیں ہے بلکہ وہاں مختلف ماڈل رائج ہیں کہ ہر ماڈل کے معتقد حضرات دوسرے ماڈلز پر نقد اور اعتراضات رکھتے ہیں۔ سب سے جدید اور آخری ماڈل "برگزیدہ افراد کی ڈیموکریسی" میں ڈیموکریسی کی اساس یعنی اکثریت کی آراء کو نظر انداز کیا گیا ہے۔

سیاست، ج۱، ص ۱۳۰، ۱۲۷، لسٹر تارو، آیندہ سرمایہ داری، ترجمہ عزیز کیاوند، ص ۲۱۵، ۳۱۳، رنہ گنون، بحران دنیای متجدد، ترجمہ ضیاء الدین دہشری، ص ۱۱۵، ۱۱۳، پویر، جامعہ باز و دشمنانش، ج ۴، ص ۱۱۳۵، درس ایں قرن، ص ۱۵۱، ۱۱۵، ۱۲۰، زندگی سراسر حل مسئلہ است، ص ۱۶۴۔

: ہر حال میں حکومت لوگوں کا حق ہے، لوگوں کی حکومت لوگوں کے پاس ہے نہ خداوں کے پاس کہ جو لوگوں کی آراء کے ساتھ ہوتے ہیں یا لوگوں کے فیصلہ سے نہیں ہوتے ہیں (مدارا و مدیریت، کیان، شمارہ ۲۱، ص ۱۲، اور نیز فربہ ترازایدئولوژی، ص ۵۲)

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

(۲) دینی اساس کے بغیر ڈیموکریسی اور لوگوں کی اکثریت کی رائے پر تاکید بہت سے نقائص اور قانونی ابہامات رکھتی ہے کہ جو میری نظر میں پروردگار کی دخالت کے بغیر درست نہیں ہو سکتے۔

(۳) ڈیموکریسی کے مختلف ماڈلز میں غور و فکر کے بعد واضح ہوتا ہے کہ ان تمام کے حامی حضرات تین اساسی قوانین (لوگوں کی اکثریت، قانون اور برگزیدہ) پر تاکید کرتے ہیں، لیکن ہر طبقہ نے ایک قانون کو مد نظر رکھا ہے اور باقی دو قاعدوں کی نفی اور انکار کیا ہے۔ میری نظر میں ڈیموکریسی کا بہترین ماڈل ان تین بنیادوں کا جمع ہونا ہے کہ مصنف نے اپنی تحقیق و کوشش کے ساتھ سرزمین مغرب پر انکا معتقد یا پیش کرنے والا نہیں پایا۔

(۴) اسلام اور تشیع کے سیاسی نظام میں دوبارہ غور و فکر کرنے سے واضح ہو گا کہ خوش قسمتی سے چودہ صدیوں پہلے اسلام اور شیعہ کے ائمہ علیہم السلام نے مندرجہ بالا تینوں بنیادی قواعد کی پاسداری کی ہے۔ اسلام نے انتصاب کے قانون سے مقام نبوت و امامت کو رہبری کے لائق اور برگزیدہ کے عنوان سے مورد توجہ قرار دیا اور یہ تاکید کی کہ منصوب شدہ حاکم قانون اور شریعت کے مد مقابل ایک عام شخص کی طرح ہے اور اس حوالے سے کوئی امتیاز نہیں ہے (قانون کی رعایت)۔

دوسری طرف سے اسلام نے مختلف راستے اور طریقے بیان کیے مثلاً دینی حکومت اور حاکم کے انتخاب میں لوگوں کی رضایت کا حصول، شوریٰ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے قانون کے ساتھ کوشش کی حکومت، حاکم اور معاشرے کا نظام چلانے میں لوگوں کی آراء کا احترام کرے اور اسے ضروری قدر و قیمت بخشی۔ غیبت کے زمانہ میں معصوم کے عصر حضور کی نسبت لوگوں کا اپنے حاکم کی تعیین میں کردار بہت نمایاں ہے۔ مصنف کا عقیدہ ہے کہ دینی ڈیموکریسی (لوگوں کی دینی حکومت اور قیادت) مغربی ڈیموکریسی کے تینوں کمالات (اکثریت، قانون اور برگزیدہ شخص کی قیادت) اور عناصر کی حامل ہے اور ساتھ ساتھ پروردگار عالم کے ساتھ رابطہ اور اللہ تعالیٰ سے شرعی جواز رکھتے ہوئے مغربی ڈیموکریسی کے نقائص سے محفوظ ہے۔

گیارہواں شبہہ: غیبت امام کا ضرورت امامت کے فلسفہ سے ناسازگار ہونا:

شیعہ اثناء عشری کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی بناء پر پیغمبر اسلام ﷺ نے بارہ ائمہ علیہم السلام کی تعیین اور انہیں منصوب کیا۔ ضرورت امام کے دلائل (قاعدہ لطف اور قاعدہ امکان اشرف)[1] اور فلسفہ امامت

---

[1]: کشف المراد، ص ۴۹۰

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

کے دلائل (۱۔لوگوں کی ہدایت ۲۔دینی مرجعیت ۳۔ مخاطبین کا مکمل بلوغ نہ رکھنا ۴۔شریعت ۵۔حکومت ۶۔واسطہ فیض) کہ جو پہلے باب میں بیان ہو چکی ہیں، وہ سب بتاتی ہیں کہ اسلامی معاشرہ میں امام کے وجود کی ضرورت ہے۔

اس شبہ میں ناقد ضرورت امامت کے دلائل کو بطور فرض قبول کرتا ہے اور یہ کہ خاتمیت کے بعد معاشرے کیلئے امام معصوم کے وجود کی ضرورت ہے، یہ شبہ پیش کرتا ہے کہ مذکورہ دلائل شیعوں کے غیبت امام کے نظریہ سے ٹکراتے ہیں، کیونکہ شیعہ ایک طرف سے معاشرے میں امام معصوم کے وجود کی ضرورت پر تاکید اور اصرار کرتے ہیں اور دوسری طرف سے غیبت کا نظریہ پیش کرتے ہوئے عقیدہ رکھتے ہیں کہ فی الحال معاشرے میں معصوم امام حاضر نہیں ہے۔دوسرے الفاظ میں معاشرہ غیبت کے زمانہ سے گزر رہا ہے۔

یہ شبہ صدیوں پہلے سے بیان ہوا تھا اور آج بھی بعض اسے محکم انداز سے بیان کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

تحقیق وجائزہ

اس شبہ پر تحقیق میں مندرجہ ذیل نکات قابل توجہ ہیں:

(۱) صدر اسلام میں امام معصوم کے وجود کی ضرورت: پہلے باب میں فلسفہ امامت کی بحث میں اشارہ ہوا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کے ہوتے ہوئے کسی اور فرد یا امام کی بالکل ضرورت نہ تھی، لیکن آپ کی رحلت کے بعد اسلام اس نئے پودے کی طرح ہے کہ جو ابھی اگا ہے اور اسے پانی اور دیگر خصوصی دیکھ بھال کی ضرورت ہے، چونکہ لوگ مکمل طور پر دینی پرورش نہیں پا چکے تھے تاکہ دین کی تفسیر میں خود کفیل ہوں اور حق کو باطل سے تشخیص دیں، شرعی تعلیمات اور احکام کو عملی طور پر اجراء کرنے کیلئے ایک دینی حکومت اور اسکے اوپر معصوم امام وحاکم کی ضرورت تھی تاکہ دینی حاکم ان دو بنیادی عہدوں یعنی علمی اور دینی مرجعیت کا مقام (کہ انکے علم لدنی اور عصمت کی بنا پر ہے) اور اپنے سیاسی مقام اور بظاہر قدرت وطاقت سے دین خاتم کو بیان کرے، مخالفین اور جہلاء کے شبہات کو دور کرے اور تحریف کرنے والے اور دشمنوں سے مقابلہ کرے یہاں تک کہ اسلام بعد والی نسلوں تک منتقل ہو جائے، دوسرے لفظوں میں لوگوں کے درمیان ایسے قائم ہو کہ بعد والی نسلوں تک چلتا رہے اور لوگ بھی ائمہ کی راہنمائی سے اپنے آپ میں ضروری آمادگی پیدا کریں۔خوش قسمتی سے پہلا عہدہ (علمی ودینی

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

مرجعیت) پیغمبر اسلام ﷺ کی رحلت کے بعد کچھ عرصہ تک لوگوں کے درمیان تھا اور مسلمان اور دوسرے ادیان کے پیروکار بھی اپنے شبہات امام علی علیہ السلام سے پوچھتے تھے اور ضروری و منطقی جواب ان سے وصول کرتے تھے۔

قابل افسوس ہے کہ دوسرا مقام یعنی سیاسی حکومت وقدرت پہلے عہدے یعنی دینی و علمی مرجعیت سے (بعض اسباب کی بناء پر کہ جن میں سے بعض کا تذکرہ ہو چکا ہے اور بعد میں بھی ذکر ہو گا) پچیس سال تک جدا رہا ،اس حوالے سے اسلام کو کچھ خطرات لاحق ہوئے، لیکن حضرت علی علیہ السلام کے اقتدار سنبھالنے پر ان میں سے کچھ خطرات دور ہوگئے۔ حضرت علی علیہ السلام کے بعد دس ائمہ علیہم السلام نے بھی اسلام کی خالص تعلیمات کو بعد والی نسلوں میں منتقل کیا، جیسا کہ امام صادق علیہ السلام صاحب مدرسہ بلکہ وسیع حوزہ کے مالک تھے کہ جس میں چار ہزار کے قریب اساتذہ اور طالب علم موجود تھے اور وہ سب آپ کے حضور سے کسب فیض کرتے تھے، حضرت کے شاگردوں کا دائرہ صرف شیعوں سے خاص نہ تھا بلکہ اہل سنت کے چار فرقوں کے ائمہ اور بانی یعنی شافعی، حنبلی ،مالکی اور حنفی آپکے براہ راست یا واسطہ سے شاگرد تھے۔[1]

یہاں یہ دعوی کیا جا سکتا ہے کہ امام باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام کی سعی و کوشش سے ایسے باصلاحیت علماء اور مبلغین تربیت پائے کہ جو امام اور علمی و دینی مرجعیت کے کچھ وظائف کو معاشرہ میں ادا کر سکتے تھے۔ اس سلسلہ کے جاری رہنے سے کچھ حد تک معاشرے میں امام معصوم کے حضور کی ضرورت کم ہوئی اور اسلامی معاشرہ معصوم امام کی غیبت کے زمانہ کیلئے تیار ہونے لگا۔ کیونکہ معاشرے میں امام کے وجود کی ضرورت کا فلسفہ علمی و دینی مرجعیت اور لوگوں کی ہدایت تھا کہ جو بارہ ائمہ علیہم السلام کے وجود سے معاشرے میں قرار پایا اور راسخ ہوا پھر اسکی تکمیل علماء دین کے کندھوں پر رکھی گئی۔

جہاں تک شرعی مسائل کا تعلق ہے کہ وہ ائمہ علیہم السلام کے زمانے میں لازم مقدار تک بیان ہو چکے تھے اور معاشرے کی ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے ضروری شرائط کے حامل فقہاء پر اجتہاد کے حصول کی ذمہ داری رکھی گئی۔ ہاں جہاں تک واسطہ فیض ہونے کے مسئلہ کا تعلق ہے یہ چیز صرف ائمہ کی ذات میں منحصر ہے کہ شیعہ عقیدہ کے مطابق یہ امر خود حضرت حجت ابن الحسن علیہ السلام کے وجود مبارک کے ذریعے زمانہ غیبت میں بھی انجام پا رہا ہے اور اس طرح سے زمین حجت الٰہی سے خالی نہیں ہے۔

---

[1]: الذریعہ، ج ۲، ص ۱۲۹، مجموعہ مقالات ہمایش امام جعفر صادق علیہ السلام و تجدید حیات اسلام، ص ۱۰۰

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

(۲) لطف الٰہی کی عطا، مانع نہ ہونے سے مشروط : یہاں قبول کرنا چاہیے کہ ہر زمانہ میں امام معصوم کا وجود بذات خود دوگنا لطف رکھتا ہے کہ اسکی جگہ کوئی عالم پر نہیں کر سکتا، اگر معصوم امام موجود ہو تو مسلمانوں میں علمی اختلافات نہایت کم نہ کہ صفر کی حد تک ہوتے ہیں۔ کیونکہ گیارہ ائمہ معصومین علیہم السلام کی موجودگی میں اہل سنت کا مذہب بنا۔

اس نکتہ کی طرف بھی توجہ کرنی چاہیے کہ دو گنے لطف کا عطا ہونا ضروری قابلیت چاہتا ہے لیکن قابل افسوس ہے کہ بارہویں امام علیہ السلام کے زمانہ میں ظالم حکومت نے امام حسن عسکری علیہ السلام پر بہت سخت پابندیاں لگائی ہوئی تھیں کہ جیسے ہی اسے امام زمانہ (عج) کی ولادت کی اطلاع ملتی وہ حضرت کو شہید کر دیتے اور لوگ بھی امام حسن عسکری علیہ السلام کا ضروری دفاع نہ کر پاتے، تو یہاں نہ کہ بارہویں امام علیہ السلام کے حضور کے اسباب مہیا تھے بلکہ انکی شہادت کے اسباب موجود تھے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ اس عظیم امام کو پس پردہ غیبت میں لے گئے تا کہ وہ کسی اور وقت میں ظہور کریں اور معاشرے کو عدالت سے بھر دیں۔ پس امام کی غیبت بھی دلیل لطف کے ساتھ منافات نہیں رکھتی۔

(۳) زمانہ غیبت میں ہدایت تشریعی و تکوینی کا امکان : امام اور مقام امامت کی ایک شان اور وظیفہ اسکا فیض الٰہی میں واسطہ ہونا ہے کہ احادیث کے مطابق اللہ تعالیٰ عالم تکوین کو ائمہ کے وجود شریف کے ذریعے ہدایت کرتا ہے اور اسکا نظام چلاتا ہے۔ اس طرح کی روایات کہ آسمان وجود ائمہ کے ذریعے گرنے سے بچا ہوا ہے اور وجود ائمہ کے فیض سے بارش برستی ہے، ان کی بحث و تشریح پہلے باب میں گذر چکی ہے۔

واضح سی بات ہے کہ امام کی شان انکے اصل وجود شریف سے تعلق رکھتی ہے، اسکا امام کے لوگوں کے درمیان حضور یا غیبت سے کوئی ربط نہیں ہے۔ پس امام کی یہ شان اور ذمہ داری انکے زمانہ غیبت میں بھی جاری و ساری ہے اور یہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ضروری فیض پہنچنے کیلئے امام معصوم کا وجود ضروری ہے اور غیبت کا مسئلہ اس سے مانع نہیں ہے۔

امام کی اس شان اور ولایت تکوینی کے علاوہ امام حجت (عج) پس پردہ غیبت مختلف طریقوں سے مثلاً مسلمانوں اور انسانوں کے دلوں میں تصرف کرتے ہوئے انکی حق تعالیٰ کی طرف ہدایت کا پیش خیمہ فراہم کرتے ہیں جیسا کہ آیت کریمہ میں ائمہ اور رہبروں کے کردار کے بارے میں فرمان ہے:

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا [۱]

اور ہم نے ان میں سے کچھ امام و پیشوا بنا دیئے جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے رہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حجت (عج) کی غیبت کی طرف اشارہ کرنے کے بعد زمانہ غیبت میں ان کے وجود سے کسب فیض کے سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

قسم ہے اس پروردگار کی کہ جس نے مجھے نبی بنا کر بھیجا، بلا شبہ لوگ اسی طرح انکے نور سے ہدایت لیں گے اور انکی ولایت سے فیض لیں گے، جس طرح لوگ بادلوں کی اوٹ میں پنہاں سورج سے روشنی لیتے ہیں۔ [۲]

وہ حضرت کبھی مصیبت زدہ لوگوں کی مشکلات دور کرتے ہیں اور انکی مدد کرتے ہیں کہ یہ شان دعاوں میں انکی ایک صفت کے طور پر ذکر ہوتی ہے جیسے:

مفرّجُ الکربِ ومزیلُ الھمِ وکاشفُ البلوی [۳]

السلامُ علیکَ ایھا الغوث والرحمۃ الواسعۃ [۴]

صاحبُ الضیاءِ والنورِ والکھفِ والعضدِ السلامِ عَلی مفرّجِ الکربات [۵]

وہ لوگ جنہیں توفیق حاصل ہوئی کہ انکا دیدار کریں اور انکے وجود شریف سے کسب فیض کریں، یا وہ لوگ کہ جنکی حضرت نے مدد فرمائی، یہ سب تاریخی ماخذ میں ذکر ہوا ہے کہ فاضل قاری انکی طرف رجوع کرے۔ [۶]

مسلمانوں بالخصوص شیعوں کے محاذ کا دشمنوں کی سازشوں سے محفوظ رہنا بالخصوص شیعہ اسلامی ملک ایران کا ہر قسم کی سازش سے محفوظ رہنے کو بعض حضرت کے وجود کی برکات میں سے بیان کرتے ہیں۔ [۷] اس دعوی کی تائید میں آٹھ سالہ جنگ (ایران اور عراق کی جنگ) میں اسلامی لشکر کی کامیابیوں اور لبنان کے شیعوں کی اسرائیل کے مد مقابل کامیابی پر اشارہ کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالی اور حضرت حجت (عج) کی غیبی امداد و نصرت ان جنگوں میں اہل لوگوں کیلئے مخفی نہ تھیں۔

---

[۱]: سجدہ: ۲۴

[۲]: کمال الدین، ج ۱، ص ۴۷۵، بحار، ج ۵۲، ص ۱۷۱، الاحتجاج، ج ۲، ص ۴۹۲

[۳]: زیارت کے بعد دعا، بحار، ج ۱۰۲

[۴]: زیارت آل یسین

[۵]: زیارت حضرت حجت (عج)، بحار، ج ۱۰۲، ص ۸۴

[۶]: طبرسی نوری، نجم الثاقب، ج ۲، باب ۷

[۷]: آیت اللہ لطف اللہ صافی گلپایگانی، امامت و مہدویت (عج)، دس سوالوں کا جواب، ص ۳۰۵

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

(۴) غیبت وانتظار کے مزید فوائد: پس پردہ غیبت خود حضرت (عج) کا وجود اور انکے ظہور کا یہ وعدہ کہ آپ عالمگیر عادلانہ حکومت برپا کریں گے اور دنیا سے ظلم اور ظالمانہ حکومتیں ختم کر دیں گے، اس سے مومن انسانوں کے دلوں میں امید پیدا ہوتی ہے۔ بالفاظ دیگر حضرت کی غیبت ساری دنیا کیلئے روشن کرنے والے کے ظہور اور نیک انجام کا پیش خیمہ ہے۔

بے شمار انسان ایسے ہیں کہ جو حضرت کی بارگاہ میں حضور کی توفیق کسب کرتے ہوئے انکے سپاہیوں میں شامل ہوتے یا حضرت کے دیدار سے فیض یاب ہونے سے کامل اور وارستہ انسانوں کے زمرہ میں قرار پاتے ہیں یا اسی میدان میں ہیں۔ انجمنوں میں بے شمار مذہبی جوانوں کا وجود اور انکا "یا مہدی" ذکر کرنا بذات خود "غیبت امام" کے فوائد اور آثار پر بہترین گواہ ہے۔

لہٰذا حضرت حجت (عج) کی غیبت بذات خود بے شمار فوائد کی حامل ہے کہ جو ضرورت امام کے دلائل سے منافات نہیں رکھتی۔

بارہواں شبہہ) مہدویت کا جمہوریت سے ناسازگار ہونا:

شیعہ عقائد میں سے ایک عقیدہ مہدویت ہے کہ جسکی بناء پر ایک زمانہ (جسکا وقت معلوم نہیں ہے) ایسا آئیگا کہ بارہویں امام حضرت مہدی موعود علیہ السلام ظہور کریں گے اور دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے اور ایک عالمگیر حکومت تشکیل دیں گے۔[1] یہ امام بھی پیغمبر اسلام ﷺ اور دیگر ائمہ کی طرح حجت خدا ہے اور اسکی اطاعت سب پر واجب ہے۔ بعض نے عقیدہ مہدویت کو ڈیموکریسی سے ناسازگار بیان کیا ہے۔[2] ڈاکٹر سروش اس بارے میں کہتا ہے:

---

[1]: بحار، ج ۵۲، ص ۱۰۲

[2]: اقبال لاہوری، احیاء فکر دینی، پانچویں باب کا آخر، اسکی وضاحت یہ ہے کہ ڈاکٹر سروش اور دیگر افراد سے مہدویت کا ڈیموکریسی سے تعارض بہت زور وشور سے بیان ہوا ہے، لیکن اقبال لاہوری کی کتاب کی طرف رجوع کرنے سے معلوم ہوا ہے کہ وہ اپنے مذہبی عقیدہ (سنی ہونے) کی بناء پر سرے سے ان ائمہ اور مہدویت کے منکر تھے کہ جو پیغمبر ﷺ کی طرف سے منصوب ہوئے تھے۔ انہوں نے ناانصافی کے ساتھ اسے زرتشت کے نظریہ (خیر وشر اور اسکے علاوہ کئی خداؤں کا عقیدہ) کے مشابہ قرار دیا اور عالم اسلام میں نبی کے ظہور کو مجوسی افکار کے زیر اثر قرار دی۔ آئندہ بشریت میں نبی کے وجود کے نظریہ پر نقد وتجزیہ کی بحث ہے کہ جس میں خود اس نے تاکید کی ہے کہ یہ بحث عیسائیوں اور یہودیوں میں بھی ہے اسکا مہدویت کے ڈیموکریسی سے تعارض کی بحث سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے اسی طرح اسکی عبارت میں بھی ایسا کوئی ذکر نہیں ہے (رجوع کریں: محمد اقبال، تجدید التفکیر الدینی فی الاسلام، ص ۱۷۷، ترجمہ عربی، عباس محمود، ونیز سید غلام رضا سعیدی، مفخر شرق سید جمال الدین اسد آبادی، اقوال لاہوری، ص ۴۳۲، پیشکش سید ہادی خسروشاہی۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

اگر یہ قرار ہو کہ ایک مہدی آئے کہ جو وہی پیغمبر کی شان و صفات رکھتا ہو، تو ہم خاتمیت کے فوائد سے محروم ہیں۔۔۔ تو شیعوں سے یہ سوال باقی ہے کہ مہدویت کو کیسے نظریہ رہائی اور ڈیموکریسی کے ساتھ جمع کیا جاسکتا ہے؟[1]

تجزیہ اور تحلیل

اس شبہ کے تجزیہ میں مندرجہ نکات پر غور و فکر ضروری ہے:

الف: مہدوی معاشرے کے فضائل کو نظر انداز کرنا

جناب سروش نے مہدویت کی بحث میں بھی ناقص تصویر اور بسا اوقات کرخت اور ڈیموکریسی کی مخالف تصویر پیش کی ہے، حالانکہ انصاف اور منطق کا تقاضا ہے کہ جب ایک عقیدہ یا نظریہ پر تحقیق اور نقد کیا جاتا ہے، بالخصوص ایک دینی نظریہ کہ جسے لاکھوں اور کڑوڑوں لوگ مقدس سمجھتے ہیں، تو اس وقت اسکی ناقص تصویر اور اسے تحریف شدہ انداز میں پیش نہیں کرنا چاہیے، اسکی مثبت خصوصیات اور مختلف جہات کا جائزہ لیے بغیر فوری اس پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے (مغالطہ حذف)

ہم یہاں اختصار کے ساتھ مہدوی معاشرے کے فضائل اور خوبیوں کی طرف اشارہ کریں گے تا کہ فاضل قاری پہلے مہدوی معاشرہ اور اسکی مختلف جہات سے آشنا ہو جائے اور اگر بالفرض اس میں کسی جگہ ڈیموکریسی سے مخالفت بھی ہو، تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو علم و فکر کے ساتھ ترجیح دے۔

مہدوی عالمی حکومت کی خصوصیات

احادیث پر نگاہ کرنے سے عصر ظہور اور اسلام کی عالمگیر حکومت (کہ اسے اسلام کا عالمگیر ہونا بھی کہا جا سکتا ہے) کی خصوصیات واضح ہوتی ہیں کہ یہاں ان کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

(۱) اچھے مستقبل کی امید: عصر ظہور کی پہلی خصوصیت انسانوں کو مستقبل کی طرف امید دینا ہے۔ یہ چیز ان مکاتب کے برخلاف ہے کہ آئندہ کی تاریخ کو شر، فساد اور بد بختی سے توصیف کرتے ہیں۔ اسلام انسانوں کے آئندہ کو امید وار کرنے والا بتاتا ہے کہ ایک عالمگیر مہدوی (عج) حکومت کے سایہ میں ایک آئیڈیل حکومت اور معاشرہ قائم ہوگا۔

---

[1]: پیرس کی سوربن یونیورسٹی میں تقریر، سال ۸۵، سایٹ سروش، اس نے جناب بہمن پور کو اپنے پہلے جواب میں بھی لکھا ہے: جی ہاں عقیدہ مہدویت سیاسی میدان میں حق ہو یا باطل یہ یا تو سیاسی بے عملی یا صفوی سفاکی اور عوام الناس فریبی یا ولایت فقیہ مطلقہ یا اسلحہ سازی کی روش پر ختم ہوگا کہ جو ہر صورت میں پاکیزہ جمہوریت کے انصاف سے دور ہے۔ (سروش کی سایٹ)

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

(۲) بلند اخلاق و معنویت: لوگوں کے ایمان اور حضرت حجت (عج) کی راہنمائی کے زیر سایہ لوگوں کی اکثریت بلند اخلاق اور معنویت سے بہرہ مند ہو گی، پیغمبر اسلام ﷺ اور امام علی علیہ السلام اس معاشرے کی خصوصیات میں سے ایک لوگوں کے دلوں میں کینہ نہ ہونا اور دشمنی کا ختم ہونا فرماتے ہیں۔[۱] مہدوی معاشرے میں میں اخلاقی، جنسی فساد، حرص و طمع ختم ہو جائیگا۔[۲]

(۳) فردی اور اجتماعی عدالت کا وجود میں آنا: حضرت کے قیام اور لوگوں کے عقلی بلوغ اور رشد کے زیر سایہ تمام انسان بیشتر اوقات گناہوں کے ارتکاب سے پرہیز کریں گے اور معاشرہ میں عدالت اجتماعی پیدا ہو گی۔

(۴) مادی رفاہ اور اقتصادی ترقی: مہدوی معاشرے کی خصوصیات میں سے ایک مادی فقر کا ختم ہونا ہے، اس طرح کہ ہر شخص ایک باوقار اور دوسروں سے بے نیاز زندگی گزارے گا۔ روایات میں اس خصوصیت سے یہ تعبیر ہوا ہے کہ زمین اور درخت اپنی برکتیں ظاہر کردیں گے اور پورے معاشرے میں صدقہ اور انفاق کا مستحق شخص نہیں ملے گا[۳] اور زکات و خمس دینے کیلئے کوئی مستحق نہیں ملے گا۔[۴] زراعت،[۵] مویشیوں کی پرورش[۶] اور تجارت[۷] اپنے عروج پر ہو گی۔

(۵) بشری علوم کا کمال پانا: عصر ظہور میں نظری اور تجربی علوم اپنے کمال کی آخری حد تک پہنچ جائیں گے۔ روایات میں بیان ہوا ہے کہ علم کے ستائیس حصے ہیں کہ اب تک انسان کیلئے صرف دو حصے ظاہر ہوئے ہیں اور باقی پچیس حصے عصر ظہور میں ظاہر ہونگے۔[۸] اسی طرح روایات میں آیا ہے کہ حضرت اور ہر دوسرے انسان کی تصویر اور آواز پوری زمین میں سب جگہ دیکھی اور سنی جائیگی۔[۹]

---

[۱]: الخصال، ج ۲، ص ۲۵۴، ح ۱۰۵، ابن طاووس، الملاحم، ص ۱۵۲

[۲]: اثبات الھداۃ، ج ۲، ص ۵۲۴

[۳]: بحار، ج ۵۱، ص ۷۵، ۸۴، ۱۰۴، ج ۵۲، ص ۳۸۴

[۴]: سابقہ ماخذ، ج ۵۲، ص ۳۵۲، ۳۹۰

[۵]: سابقہ ماخذ، ج ۵۲، ص ۳۴۵، ۳۱۶، اثبات الھداۃ، ج ۳، ص ۵۰۴، ابن طاووس، الملاحم، ص ۱۵۲۔

[۶]: بحار، ج ۵۱، ص ۸۱، احقاق الحق، ج ۱۳، ص ۲۱۵

[۷]: الدر المنثور، ج ۵، ص ۳۵۴

[۸]: موسوعۃ احادیث المہدی، ج ۴، ص ۵۳

[۹]: بحار، ج ۵۷، ص ۲۳۶، ۳۹۱

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

(۶) امن وامان: مہدوی معاشرے میں مختلف میدانوں میں بشر کو امن وامان نصیب ہوگا۔ روایات میں اس حوالے سے رات کی تاریکی میں طولانی مدت تک تنہا بوڑھے افراد کے سفر کا تذکرہ ہوا ہے[۱] عدلیہ میں امن اور مظلوموں کے حقوق ظالموں سے واپس لینا مہدوی امن وامان کا ایک اور پہلو شمار ہوتا ہے۔[۲]

(۷) عالمگیر حکومت: حضرت کی حکومت کی بنیادی خصوصیات میں سے ایک انکی پوری زمین پر تنہا اور وسیع عالمی حکومت ہے۔ روایات میں اسے حضرت کی مشرق ومغرب تک حکومت کے پھیلنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس خصوصیت کے نتیجے میں لوگ سرحدوں پر آنے جانے کی کوئی مشکل نہیں رکھیں گے اور بغیر کسی رکاوٹ کے دنیا کے دور دراز علاقے تک سفر کر سکیں گے۔

(۸) عام لوگوں کا حکومت سے راضی ہونا: ہر حکومت کی پسندیدہ خصوصیات میں سے یہ ہے کہ عام لوگ حکومت اور حاکم سے راضی ہوں۔ یہ چیز حضرت کی عالمی حکومت میں مکمل طور پر واضح ہوگی۔[۳]

(۹) جنگ کا اختتام اور صلح کی برقراری: اسلام کی عالمگیر حکومت تشکیل پانے کی صورت میں لوگ کسی جنگ اور خونریزی کو نہ دیکھ پائیں گے اور پوری دنیا مکمل صلح ومحبت سے زندگی گزارے گی۔

(۱۰) انسان اور قدرتی اشیاء میں سازگاری: عصر مہدویت کی ایک اور خصوصیت انسان اور قدرتی اشیاء یعنی جمادات، نباتات اور حیوانات میں سازگار تعلق قائم ہونا ہے۔ احادیث میں جنگلی حیوانات کی آپس میں اور انسانوں کے ساتھ امن وامان کے ساتھ زندگی گزارنے کا تذکرہ ہوا ہے۔[۴] جبکہ یہ امر امام (عج) کی ولایت اور پروردگار کے حکم سے انجام پا سکتا ہے۔[۵]

(۱۱) سالم معاشرہ: مہدوی معاشرہ میں عام طور پر لوگ جسم وروح کی سلامتی کے حامل ہونگے اور مختلف بیماریوں سے پاک صاف ہو کر زندگی گزاریں گے۔[۶] لوگوں کی عمر طولانی ہوگی۔[۷]

---

[۱]: المعجم الکبیر، ج ۳، ص ۴۷، سنن بیہقی، ج ۹، ص ۱۸۰، بحار، ج ۵۲، ص ۳۴۵

[۲]: بحار، ج ۵۲، ص ۲۲۴، ابن طاووس، الملاحم، ص ۶۸

[۳]: اثبات الھداۃ، ج ۳، ص ۵۲۴، بحار، ج ۵۱، ص ۷۴، ۱۰۴

[۴]: عقد الدرر، ص ۱۴۹، ۱۳۷، سید صدر الدین الصدر، المھدی، ج ۷، ص ۲۲۶، ابن طاووس، الملاحم، ص ۹۷، ۱۵۲

[۵]: مندرجہ بالا خصوصیات مختلف صورتوں میں روایات اور علمی تحقیقات میں درج ہیں مثلاً شہید مطہری، قیام وانقلاب مہدی، ص ۶۰

[۶]: ابن طاووس، الملاحم، ص ۹۷

[۷]: عقد الدرر، ص ۱۵۹، القول المختصر، ص ۲۰، بحار، ج ۵۲، ص ۳۳۵، ۳۶۴، ۳۱۷، ۳۲۷، مہدوی حکومت کی خصوصیات کے بعض منابع، نجم الدین طبسی کی کتاب "چشم انداز ی بہ حکومت مہدی" سے لیے ہیں۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

نتیجہ یہ ہوا کہ متواتر اور بہت سی روایات میں مہدوی معاشرہ انسانوں کیلئے ہر جہت سے (مادی اور معنوی) ایک آئیڈیل معاشرہ توصیف ہوا ہے کہ فلاسفہ اسے مدینہ فاضلہ اور آج کی دنیا میں آرزوؤں والے معاشرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ جامعہ مہدوی کی اس توصیف کے بعد کوئی ایسا ہوگا کہ جو ایسے معاشرے کو نہ چاہتا ہو اور اسکے سربراہ یعنی حضرت حجت (عج) سے منہ موڑے؟

یقیناً اسکا جواب منفی ہے لیکن ممکن ہے یہ سوال ہو کہ شاید ایسا معاشرہ وجود میں نہ آئے۔ تو جواب میں کہیں گے کہ ہم روایات اور احادیث کی رو سے بحث کر رہے ہیں، جیسا کہ ڈاکٹر سروش امام عصر (عج) کی شان اور اسکے جمہوریت سے ناسازگار ہونے کو روایات کی رو سے بیان کرتے ہیں۔

اسے چاہیے کہ اپنی تحقیق، تجزیہ اور قضاوت کو مکمل کرے اور بیان کرے کہ روایات کی رو سے مہدوی معاشرہ مندرجہ بالا خصوصیات کا حامل ہے، لیکن وہ ڈیموکریسی کہ جو میری مراد ہے اسکے ساتھ ناسازگار ہے۔

بعد والے صفحات میں کہیں گے کہ مہدوی معاشرہ کے جمہوریت سے تعارض کا دعوی نہایت غلط دعوی ہے، کیونکہ مہدوی معاشرے کی ایک خصوصیت جیسا کہ گزر چکا ہے لوگوں کا امام عصر (عج) سے راضی ہونا ہے اور اس اساس کے ہوتے ہوئے ڈیموکریسی عملی طور پر موجود ہے۔

(ب) لوگوں کا مہدوی حکومت سے راضی ہونا

مہدوی حکومت کی ایک خصوصیت لوگوں کا مہدوی حکومت اور خود حضرت مہدی (عج) سے راضی اور خشنود ہونا ہے، جیسا کہ روایات میں آیا ہے:

"یرضی عنه ساکن السّماء و ساکن الأرض"۔[1]

اہل آسمان اور زمین اس سے راضی ہونگے۔

ایک اور حدیث میں پیغمبر ﷺ فرماتے ہیں کہ لوگ حضرت سے محبت کریں گے۔

---

[1] اثبات الھدۃ، ج ۳، ص ۵۲۳، ینابیع المودۃ ص ۴۳۱، بحار ج ۵۱، ص ۱۰۱، ۸۰، ۷۳

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

یحبُّه ساکن السَّماء وساکن الاَرض۔ یَتَمَنَّی الاحیاء الاَموات بنا صَنَعَ اللهُ باهل الاَرضِ من خیرِه[1]

زمین اور آسمان کے ساکنین اس سے محبت کریں گے۔۔۔زندہ لوگ آرزو کریں گے کہ مردے پلٹ آئیں تا کہ ان خیرات و برکات کو دیکھیں کہ جو اللہ تعالیٰ نے حضرت کی برکت سے زمین والوں کو عطا کیں۔

(ج) جمہوریت وسیلہ نہ کہ ہدف

اگر ڈیموکریسی پر اعتراضات اور اسکے نقائص (کہ جو امامت اور ڈیموکریسی میں ناسازگاری پر نقد میں گزر چکے ہیں) سے چشم پوشی کریں اور ڈیموکریسی (لوگوں کے ذریعے حاکم کا انتخاب اور اس پر نگرانی) کو ویسے قبول کر لیں بلکہ اس سے بڑھ کر تمام لوگوں کا ایک حاکم اور حکومت پر اتفاق بھی قبول کریں، یہاں یہ سوال کریں گے کہ آیا خود حکومت اور حاکم کی تعیین، لوگوں کا ہدف ہے یا لوگ اپنے حقوق کے حصول کیلئے ایک حکومت اور حاکم کا انتخاب کرتے ہیں؟ یقیناً یہاں دوسرا جواب ٹھیک ہے۔

غیر معصوم حکومتوں میں ڈیموکریسی اور لوگوں کا انتخاب، لوگوں کے حقوق کے حصول اور حکومت کے کنٹرول کیلئے بہترین راستہ ہے۔

مہدوی معاشرہ میں ایک ظریف اور اہم نکتہ یہ ہے کہ وہ لوگوں کی آرزوؤں کے مطابق معاشرہ اور مدینہ فاضلہ ہے، اس طرح کہ لوگوں کے بنیادی حقوق مثلاً فردی اور اجتماعی عدالت، ظلم وجور کا ختم ہونا، مختلف پہلوؤں میں امن وامان، سالم زندگی اور مادی ضرورتوں کا پورا ہونا، حسن خلق رکھنا اور صالح ہونا اور مختلف گروہوں اور مذاہب کا صلح اور اتفاق کے ساتھ رہنا یہ سب کچھ مہدوی حکومت کے ذریعے بہتر اور مکمل طور پر پورا ہوگا۔ اس دور میں حاکم اور حکومت کے دیگر عہدیدار سب کے سب عدل اور عدالت کے مطابق چلیں گے اور ان میں سے کوئی بھی خلاف عدل کام نہیں کرے گا۔

اس فرض میں آیا لوگوں کی اپنی حکومت سے بنیادی ضرورتیں خود بخود پوری نہیں ہوئیں؟ پھر لوگ کس ہدف کی خاطر ڈیموکریسی اور قانون کے انتخاب کی طرف رخ کریں گے؟ ڈیموکریسی تو خود صرف ایک روش اور وسیلہ

---

[1]: احقاق الحق، ج۱۹، ص ۶۶۳

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

تھا کہ جسکے مد نظر اہداف و مقاصد پہلے سے ہی مہدوی حکومت کے ذریعے حاصل ہو چکے ہیں۔ تو اس نظر اور تحقیق سے دعوی کیا جا سکتا ہے کہ مہدوی حکومت میں بالکل ڈیموکریسی کے موضوع کی گنجائش نہیں ہے، چونکہ جو کچھ آنکھوں سے دیکھا جا رہا ہے اسے بیان کرنے کی ضرورت کیا ہے۔

ہاں لوگوں کی خاص قسم کی سیاسی آزادی مثلاً پارٹی بنانا، آزادی بیان اور قلم وغیرہ، تو کہیں گے مہدوی معاشرہ جو خصوصیات رکھتا ہے اسکے ہوتے ہوئے انکی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ ایک پارٹی کی تاسیس، میٹینگ، مطبوعات کی آزادی، حکومتی عہدیداروں پر نگرانی سے مقصود حکومت میں شراکت یا خود حکومت کو اپنے ہاتھ میں لینا ہے، جبکہ ہمارا فرض ہے کہ مہدوی حکومت میں حاکم امام معصوم ہے اور زمین عدالت اور انصاف سے بھر چکی ہو گی اور لوگ بہت بلند پیمانے پر اخلاق اور معنویت کے حامل ہونگے اور لوگ اپنی تمام آرزوئیں اور مقاصد حاصل کر چکے ہونگے، اس وقت لوگ کسی پارٹی میں ممبر بننے کی ضرورت محسوس نہیں کریں گے۔

لہٰذا اس قسم کی سیاسی آزادی بذات خود غیر ضروری اور باب تحصیل حاصل سے محسوب ہو گی، کیونکہ پارٹیوں کی سیاست بنیادی طور پر عدالت، امن وامان کے حصول، بے روزگاری کے خاتمہ اور اجتماعی رفاہ کے حصول وغیرہ کیلئے ہوتی ہے جبکہ فرض یہ ہے کہ ایسے سب مقاصد مہدوی حکومت میں پہلے سے ہی حاصل ہو چکے ہیں۔

(د): مسلمانوں کی اکثریت

شاید یہاں یہ سوال اور شبھہ پیش ہو کہ امام مہدی (عج) کی حکومت بعنوان اسلامی حکومت اگرچہ مسلمانوں کیلئے ڈیموکریسی کے حوالے سے رضایت بخش ہو، لیکن دیگر تمام ادیان کے پیروکار ایسے حاکم پر راضی نہیں ہو سکتے کہ جو انکے دین ومذہب سے تعلق نہیں رکھتا اور اس کا نتیجہ ڈیموکریسی کے خلاف ہے بالخصوص اگر دیگر مذاہب کے لوگ اکثریت پر ہوں۔

اس شبھہ کے جواب میں کہیں گے: آیات قرآن کریم اور احادیث مہدویت کے مطابق دین اسلام دیگر تمام ادیان پر دلیل اور حجت کیساتھ غلبہ پائے گا اور دیگر ادیان اور انکے پیروکار اقلیت میں ہونگے۔ بنابر ایں ڈیموکریسی کا تقاضا ہے کہ اکثریت اقلیت پر حکومت کرے۔ لیکن اس اسلامی اکثریت کی حکومت میں تمام اقلیتوں کے حقوق کی بھی رعایت ہو گی۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

(ھ): اقلیتوں کے حقوق کی رعایت

جیسا کہ آیات اور روایات میں اشارہ ہوا ہے کہ دنیا کی اکثر آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہو گی، حکومت اور حاکم بھی مسلمانوں میں سے ہو گا۔ اس مہدوی معاشرہ میں اقلیتوں کے حقوق (جس طرح کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امام علی علیہ السلام کی حکومت میں انکی رعایت کی گئی تھی) کی مکمل اور احسن انداز سے رعایت کی جائیگی۔

مہدوی معاشرے کی تمام خصوصیات اور امتیازات کہ جنکی طرف پہلے اشارہ ہو چکا ہے، مثلاً عدالت، امن وامان، آزادی اور مادی رفاہ کا حصول، سب کے سب اقلیتوں کو بھی حاصل ہونگے۔

روایات کے مطابق حضرت قائم (عج) طاقت مطلق اور اسلام جیسی انحصاری حقانیت رکھنے کے باوجود نہ صرف یہ کہ، دیگر ادیان کے پیروکاروں کو صلح اوا تفاق سے زندگی گزارنے کا حق دیں گے بلکہ انکے اختلافات کا خود انکی کتاب کے مطابق فیصلہ کریں گے۔

یہ وہ چیز ہے کہ جو آج کل بظاہر جمہوری ممالک میں اقلیتوں کے بارے میں رعایت نہیں ہوتی، بلکہ مختلف عناوین کے ساتھ انکے ابتدائی انسانی اور دینی حقوق مثلاً لباس کی تعیین میں آزادی جیسے مسلمان عورتوں کا حجاب وغیرہ، بھی سلب کیا جاتا ہے۔

روایات میں بیان ہوا ہے کہ حضرت بیت المال کو لوگوں میں مساوی تقسیم کریں گے[۲] اور خود حضرت کا وجود اختلاف اور پریشانیوں کے دور ہونے اور وحدت پیدا کرنے کا سبب ہے

السَّلامُ علَى المَهدى الَّذِى وَعَدَ اللهُ تعالى الامم اَن يجمَع به الكلم ديلم به الشعث[۳]

اس مہدی پر سلام کہ جسکا اللہ تعالیٰ نے وعدہ دیا اسکے ذریعے کلمات کا اتحاد ہو گا اور پریشانیاں دور ہو نگی۔

مندرجہ بالا نکات میں ان نکات کا بھی اضافہ کیا جاسکتا ہے کہ جو امامت کے ڈیموکریسی سے ناسازگاری کے شبھہ کے جواب میں ذکر ہوئے، مثلاً حق الٰہی کا انسانی حق پر مقدم ہونا اور ائمہ معاشرے کے حقیقی برگزیدہ ہیں۔

۱: نعمانی، الغیبۃ، ص ۱۲۵، ملحقات احقاق الحق، ج ۲۹، ص ۱۲۰

۲: اثبات الھداۃ، ج ۳، ص ۵۲۴، ینابیع المودۃ، ص ۴۳۱، بحار، ج ۵۱، ص ۸۱

۳: بحار، ج ۸۹، ص ۲۶۴

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

میرے خیال میں مہدویت کے ڈیموکریسی سے تعارض کے شبہ کے جواب میں مندرجہ بالا نکات کافی ہوں، قاری محترم اس نظر سے جان لے گا کہ مہدوی حکومت حقیقی طور پر دنیا کے تمام لوگوں خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلم سب کی آرمانی حکومت اور مدینہ فاضلہ ہے۔[1]

Presented By: https://Jafrilibrary.com

[1]: البتہ اس حوالے سے مخالف روایات موجود ہیں کہ مصنف نے انہیں جمع کرتے ہوئے انکی وضاحت کی ہے۔ رجوع کریں: مقالہ "دکترین مہدویت و پلورالیزم" مجموعہ آثار برگزیدہ دومین همایش دکترین مہدویت، ج۱

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

تیسرا باب:

امامت کی خاتمیت کے ساتھ ناسازگاری

پہلا شبھہ:

امامت، نبوت اور عقیدہ خاتمیت کو مکمل کرنے والی ہے، لیکن بعض اہل سنت اور بعض روشن فکر حضرات نے آخری چند سالوں میں کوشش کی کہ ان دونوں عقائد کو آپس میں مخالف دکھلائیں، کہ یہ شبھہ پھر بہت سے شبہات میں تقسیم ہو گیا کہ اب اہمیّت کے پیش نظر ان شبہات کے تجزیہ و تحقیق پر بحث کرتے ہیں:

پہلا شبھہ اس وہم کو ذہن میں ڈالتا ہے کہ فلسفہ خاتمیت کے اس بیان کے مطابق کہ صدر اسلام کے لوگ عقلی طور پر بالغ ہیں، یہ لازم آتا ہے کہ پھر عقیدہ امامت اور پیغمبر کے بعد امام معصوم کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ مسلمانوں کی عقل یا حد اقل انکے منتخبین کی عقل امامت کی جگہ لے سکتی ہے۔ خاتمیت کی طرف یہ نگاہ دین کے عرفی ہونے کا باعث بنتی ہے۔[1]

بالفاظ دیگر فلسفہ خاتمیت کی عقلی بلوغ کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ وضاحت زیادتر اہل سنت کے مسلک سے سازگاری رکھتی ہے نہ کہ مذہب تشیع کے ساتھ۔

بعض شہید مطہری کی لوگوں کے فکری بلوغ اور رائے میں کمال کو ایک طرف اور امامت کی شریعت کے محافظ ہونے اور اسلام کی شناخت کے مرجع ہونے کی تفسیر کو دوسری طرف سے مقایسہ کرتے ہوئے ان دونوں کو ناسازگار بیان کرتے ہیں:

جب لوگ اس حد تک عقلی و فکری بلوغ اور رشد تک جا پہنچے ہیں کہ اپنی ہدایت اور سعادت کے پروگرام کو ایک جگہ پر حاصل کر سکتے ہوں اور اجتہاد کے سایے تلے کلمات وحی کی تفسیر اور توجیہہ کر سکتے ہوں، تو دین کی تفسیر اور اسلام کی شناخت کے مرجع کی کیا ضرورت ہے۔[2]

---

[1]: ختم نبوت کی یہ تفسیر ماننا اور شیعہ نگاہ میں اسکی مثال غیبت کبریٰ کا فلسفہ ہے کہ وحی کا منقطع ہونا اس بات کی علامت ہے کہ بشریت پیغمبروں کی تعلیم کے تحت رہنے سے عقلی بلوغ اور رشد تک پہنچ چکی ہے اور اسکے بعد انسان خود قادر ہے کہ عقل کے چراغ کی مدد سے اس راہ پر چلتا رہے کہ جسے انبیاء نے طے کیا اور اپنے راستہ کو ہموار کرے یہ شریعت کے عرفی ہونے کا ایک راستہ ہے "از شاہد قدسی تا شاھد بازاری ص ۷۲

[2]: حجت اللہ نیکوئی، تئوری امامت در ترازوی نقد، ص ۱۳

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

تجزیہ و تحقیق

مندرجہ بالا شبھہ کے تجزیہ میں یہ کہیں گے کہ پہلی بات یہ ہے کہ صدر اسلام کے لوگوں کے عقلی بلوغ سے مراد انکا دین شناسی اور تفسیر قرآن میں اجتہاد کی حد تک پہنچنا نہیں ہے، بلکہ یہاں مقصود انکا آسمانی کتاب کو تحریف سے محفوظ رکھتے ہوئے صحیح طریقہ سے بعد والی نسلوں میں منتقل کرنے کی استعداد اور تکامل رکھنا ہے، اس بیان کے ساتھ پیغمبر ﷺ کی تعلیمات کے زیر سایہ دین و قرآن کی فہم و دانش کے ایک مرتبہ تک پہنچے ہیں کہ انکی نسل بھی سلمان، کمیل اور مقداد جیسے دین شناس افراد کی طرح ظاہر ہونے اور تربیت رکھنے کی استعداد رکھتی ہے ،اس کے باوجود لوگوں اور علماء کے معصوم نہ ہونے کی وجہ سے صدر اسلام میں احتمال خطاء اور دین کی غلط تفسیر کا احتمال بھی زیادہ تھا، کیونکہ اس زمانہ میں دین کے مسلّم اور ثابت اصول اور اساسی نظریات کی واضح اور شفاف تدوین نہیں ہوئی تھی ،لہٰذا اس دور میں ایک معصوم علمی و دینی مرجع بعنوان امام کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ بنابرایں دین کے اصول اور اساسی نظریات شفاف انداز سے تدوین ہونے تک امام اور معصوم دینی مرجع کی طرف احتیاج مکمل اور ضروری طور پر محسوس ہوتی ہے تاکہ حداقل دین کے اصول اور بنیادی نظریات خطاء سے محفوظ رہیں۔

صدر اسلام کا عصر غیبت سے فرق

یہ اعتراض کہ معصوم دینی مرجع کی احتیاج ہر زمانہ میں مثلاً غیبت و اجتہاد کے زمانہ میں بھی لازمی ہے، کیونکہ اجتہاد میں بھی احتمال خطا موجود ہے،[1] یہ اعتراض درست نہیں ہے، کیونکہ عصر غیبت میں احتمال خطاء اصول دین میں نہیں بلکہ فروع دین اور جزئیات میں پیش آتا ہے کہ اسکی خطاء سے اصل دین پر کوئی ضرر نہیں پہنچتا اور ان دونوں کا قیاس مع الفارق ہے۔

شہید مطہری خاتمیت کی وضاحت میں لوگوں کے عقلی بلوغ کی کیفیت کو بیان کرنے میں اسکے مراتب کی طرف اشارہ نہیں کرتے، لیکن خاتمیت کے اصل امامت سے منافات کے شبھہ کی طرف متوجہ تھے، لہٰذا اس شبہ کے جواب میں امام کی علمی مرجعیت اور دینی اختلافات کے حل ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ مسلمان اور

---

[1]: کیا اجتہاد کے وقت (جزئیات کو کلیات کی طرف پلٹاتے وقت) خطا کا امکان ختم ہو جاتا ہے اور غلط استنباط کا احتمال ختم ہو جاتا ہے؟ واضح سی بات ہے کہ جواب منفی ہے۔ تو اس حساب سے اجتہاد بھی عصمت کا محتاج ہے اور غیر معصوم اجتہاد کا حق نہیں رکھتا، لیکن آیا اس بات کو آپ قبول کریں گے؟ تئوری امامت در ترازوی نقد، ص ۱۲،۱۱

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

منتخبین انہیں حل کرنے سے عاجز تھے اور یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ شہید مطہری کی مراد صدر اسلام کے مسلمانوں کا کچھ حد تک عقل بلوغ تھا، جیسا کہ وہ کہتے ہیں:

"شریعت ختمیہ میں اختلافات، افتراق، انتشار کا سلسلہ اور مختلف اقسام کے مذاہب پیدا ہوئے تو ضروری ہے ایک ایسا مقام موجود ہو کہ ان مختلف مذاہب کے لوگ کہ جنہیں نفسانی خواہشات اور تعصب نے پیدا کیا ہے اگر چاہیں کہ حق جان لیں تو اس مقام کی طرف جائیں۔۔۔ علماء امت دعوت، تبلیغ اور انبیاء کے جانشین کی ترویج میں قرار پاسکتے ہیں لیکن لوگوں کے اختلافات کو حل کرنے کے مرجع نہیں قرار پاسکتے۔[1]

بالفاظ دیگر اسلام کے مخاطبین کا عقلی بلوغ اور کمال صرف عقیدہ امامت کے ساتھ منافات نہیں رکھتا بلکہ مندرجہ بالا معنی کے مطابق استعداد اور عقلی کمال امام کے وجود سے بہرہ مند ہونے کیلئے شرط اور مقدمہ ہے، کیونکہ لوگوں یا علماء دین کا متشابہات کی تفسیر اور دینی اختلافات کے حل کیلئے امام کی طرف رجوع نہ کرنا، یا معاشرے میں فکری جمود اور دینی نظریات کے خشک ہونے کی حکایت کرتا ہے یا لوگوں اور علماء دین کی عقیدہ امامت سے جہالت اور دینی مسائل کے حل کیلئے انکی احتیاج کو نہ سمجھنا ظاہر ہوتا ہے، کہ دونوں فرضوں میں صدر اسلام کے مسلمانوں کے عقلی اور فکری بالغ نہ ہونے کی علامت ہے کہ اس صورت میں عقیدہ امامت ثمر بخش نہیں ہوگا۔ پس عقیدہ امامت کے ذریعے خاتمیت کو بیان کرنے کیلئے بھی صدر اسلام کے مسلمانوں کے کچھ حد تک فکری بلوغ کا قائل ہونا چاہیے۔

آخری بات یہ ہے کہ عقلی بلوغ صرف خاتمیت کو بیان کرنے کا تنہا معیار نہیں ہے بلکہ امامت کو بیان کرنے کے دلائل میں سے ایک دلیل اور معیار کے طور پر بیان ہوتا ہے کہ یہ تمام دلائل عقیدہ خاتمیت کو بیان اور تشریح کرتے ہیں۔[2]

دوسرا شبہ:

الٰہی انبیاء وحی کے حاصل کرنے اور اسکی تبلیغ میں ہر قسم کی خطا، آفت اور بھول چوک سے بچنے کیلئے بالفاظ دیگر آسمانی پیغام زمین والوں تک پہچانے کیلئے الٰہی عنایت کے ساتھ صفت عصمت سے مزین ہیں، پیغمبر اسلام

---

[1]: خاتمیت، ص ۵۳

[2]: خاتمیت کے معیاروں کی مزید وضاحت کیلئے رجوع کریں مصنف کی کتاب: آئین خاتم، ص ۴۳۳، ۴۹۹

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ﷺ کی عصمت میں اہل سنت اور شیعوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے،[1] لیکن شیعوں نے عصمت کے دائرہ کو ائمہ علیہم السلام تک پھیلایا ہے اور انہیں بھی انبیاء کی طرح معصوم جانتے ہیں اور یہ بات عقیدہ ختمیت کے ساتھ منافات رکھتی ہے۔ کیونکہ پیغمبر اعظم ﷺ کی رحلت کے بعد حضرت کی تمام خصوصیات مثلاً عصمت اور وحی کا حصول سب منقطع اور خاتمیت تک پہنچ گئی ہیں اور شیعوں کا عقیدہ خاتمیت کے خلاف ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی امام کی صفت عصمت کیساتھ توصیف کو خاتمیت اور عقیدہ نبوت سے منافی جانتے ہیں کہ انکی عبارت بعد میں ذکر ہو گی۔ ڈاکٹر سروش اس بارے میں لکھتے ہیں:

پیغمبر اسلام ﷺ کے بعد کوئی بھی ظہور نہیں کرے گا کہ جسکی شخصیت دینی لحاظ سے اسکی کلام اور کردار کے صحیح ہونے کی ضامن ہو۔[2] ایک اور مقام پر لکھتا ہے:

کیسے ہو سکتا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کے بعد ایسے لوگ آئیں کہ جو وحی اور شہود کی بناء پر باتیں کہیں کہ جنکی دلیل قرآن اور سنت نبوی میں نہ ہو اور انکی تعلیم، شرعی احکام کا بیان، واجب اور حرام کرنا وحی نبوی کے مقام پر ہو اور پیغمبر ﷺ کی مانند عصمت اور حجت ہونے کا مقام حاصل کریں اور پھر بھی خاتمیت میں کوئی خلل پیدا نہ ہو؟[3]

بعض لوگ عصمت، علم لدنی اور عقیدہ نصب کو ماوراء بشر صفات سے توصیف کرتے ہیں اور اسکے مخالف کے نظریہ (یعنی مندرجہ بالا صفات کے انکار) کو عقیدہ ختم نبوت کے موافق بیان کرتے ہیں۔[4]

تحقیق اور جائزہ

مندرجہ بالا شبہ پر تجزیہ اور نقد کے حوالے سے چند نکات قابل غور ہیں:

(۱) عصمت کا انبیاء سے مختص ہونا: پہلا نکتہ یہ ہے کہ مقام عصمت ایک الٰہی عنایت ہے کہ جو معصوم انسان کے پاکیزہ نفس کے ہمراہ ہوتی ہے کہ یہ نبوت اور انبیاء کیلئے لازمی صفات میں سے شمار ہوتی ہے اور دوسرے

---

[1]: اہل سنت صرف انبیاء کے وحی لینے اور پہنچانے پر عصمت رکھنے پر متفق ہیں، لیکن بعثت سے پہلے یا بعد میں خطاء اور گناہ صغیرہ انجام دینے کو قبول کرتے ہیں اور بعض اسکا عقیدہ بھی رکھتے ہیں (شرح المقاصد، ج۵، ص۵۰) لیکن شیعہ زندگی کی تمام جہات میں عصمت کے قائل ہیں (پژوہشی در عصمت، نشر پژوہشگاہ فرہنگ واندیشہ اسلامی)

[2]: بسط تجربہ دینی، ص۱۳۴

[3] سروش کا دوسرا جواب بہمن پور کو۔ سائٹ سروش، و نیز آئینہ اندیشہ، شمارہ ۲، ص۸۴

[4]: محسن کدیور، قرائت فراموش شدہ، مجلہ مدرسہ، شمارہ ۳، اردیبہشت ۸۵، ص۹۶

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

لفظوں میں مقام نبوت کا لازمہ ہے، لیکن اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ صفت دیگر لوگوں میں نہیں ہو سکتی اور صرف انبیاء کے وجود میں منحصر ہے۔ شبہ کرنے والے ان دو مسئلوں میں خلط کر چکے ہیں، انہوں نے یہ وہم کیا ہے کہ وحی کے نزول کی طرح عصمت بھی انبیاء سے خاص صفات میں سے ہے، حالانکہ انہیں چاہیے کہ سب سے پہلے اپنا یہ دعوی کہ عصمت نبوت کے ساتھ خاص ہے اسے ثابت کریں، پھر عصمت کا غیر انبیاء مثلاً اہل بیت نبوت کو شامل ہونے کے نظریہ کو نبوت کے منافی کہیں۔

اس کے علاوہ فریقین کے پاس روایات بلکہ قرآن مجید کی آیات ہیں کہ جو اہل بیت کی عصمت پر دلالت کرتی ہیں کہ ان پر اشارہ ہو گا۔

(۲) عصمت گوہر امامت: یہ کہ امامت کیلئے صفت عصمت لازم ہے یا نہ؟ یہ چیز امامت کی طرف نظر اور اسکی تشریح سے تعلق رکھتی ہے، اگر امامت اہل سنت کی رائے کے مطابق صرف خلافت اور حکومت ہو یا حداکثر دین کی تفسیر و تشریح کے معنی میں ہو تو اس فرض میں ضروری نہیں ہے کہ وہ عصمت کی حامل ہو، لیکن اگر امامت اس سے بلند معنی کی حامل ہو اور قرآنی کی تعبیر کے مطابق نبوت سے بلند مقام رکھتی ہو ، اس صورت میں امامت کیلئے ضروری ہے وہ عصمت کے ساتھ ہو، اس نظریہ کی دلیل پروردگار کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مقام نبوت کے بعد آخری عمر میں مقام امامت عطا کرنا ہے۔

وَإِذِ ابْتَلَى إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ[1]

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ابراہیم) علیہ السلام) کو ان کے رب نے کئی باتوں میں آزمایا تو انہوں نے وہ پوری کر دیں، (اس پر) اللہ نے فرمایا: میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بناؤں گا، انہوں نے عرض کیا: (کیا) میری اولاد میں سے بھی؟ ارشاد ہوا: (ہاں! مگر) میرا وعدہ ظالموں کو نہیں پہنچتا۔

یہ آیت شریفہ بتا رہی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو الٰہی امتحان سے گزرنے کے بعد امامت عطا ہوئی تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امامت نبوت سے بڑھ کر ہے۔ حضرت ابراہیم مقام امامت پر فائز ہو کر (کہ آیت نے اسکے عطا کو اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت دی ہے) اپنی نسل کیلئے اسکا تقاضا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے منفی

---

[1]: بقرہ: ۱۲۴

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

جواب آتا ہے اور اسکی دلیل اللہ تعالیٰ ابراہیم کی نسل کا ظلم بتاتا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقام امامت کی قسم کے ظلم اور گناہ کے ساتھ اکٹھا نہیں ہو سکتا ہے اور اسکا حامل قطعی طور پر معصوم ہونا چاہیے۔

(۳) وجود معصوم کی ضرورت پر عقلی دلیل: انبیاء کی بعثت کے ضروری ہونے کی دلیل امام کی عصمت کے ضروری ہونے کا بھی تقاضا کرتی ہے۔ اسکی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نوع انسان کی راہنمائی کیلئے اپنے لطف و حکمت سے جنس بشر سے معصوم راہنماؤں کو مبعوث کرے، کیونکہ اگر الٰہی انبیاء معصوم نہ ہوں تو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے یا اسکی تفسیر و تشریح میں خطا اور سہو سے دوچار ہوں اور یہ چیز انکی بعثت کے مقصد کے خلاف ہوگی۔ جس دور میں انبیاء مسلسل آرہے تھے، اس وقت امام کے وجود کی ضرورت نہ تھی، لیکن آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آخری وحی آسمانی کے بھیجنے کے بعد اور اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر کی الوداع کے بعد یہ الٰہی دین بغیر کسی معصوم شارع اور مفسر کے نہیں چھوڑا جا سکتا، کیونکہ تمام لوگوں کی دین سے تفسیر اور فہم خطا اور اشتباہ سے پاک نہیں ہوگی، تو یہاں ایک میزان اور معیار ہونا چاہیے تا کہ ان تفاسیر اور معلومات میں غلط اور درست کی تشخیص ہو سکے۔ اگر ہمیشہ ایک معصوم شخص نہ ہو تو وقت گزرنے کے ساتھ یہ آخری دین بھی تحریف اور انحراف کی مصیبت میں مبتلا ہو جائیگا اور یہ چیز بعثت کے ہدف اور عقیدہ خاتمیت سے سازگار نہیں ہے۔ بالفاظ دیگر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاتمیت امام معصوم کے وجود کی ضرورت کی مقتضی ہے نہ کہ یہاں نبی کی ضرورت ہے، یہ نکتہ روایات میں بھی تاکید اور تشریح ہوا ہے۔[1]

(۴) قرآن اور عصمت: قرآن مجید کی بعض آیات صراحت کے ساتھ اہل بیت نبوت کی عصمت و طہارت پر دلالت کرتی ہیں کہ روایات میں اہل بیت سے مراد امام علی علیہ السلام، امام حسن علیہ السلام، امام حسین علیہ السلام اور حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام بیان کیے گئے ہیں۔ مندرجہ ذیل آیت ان آیات میں سے ہے کہ جو نہایت واضح دلالت کر رہی ہے:

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا [2]

بس اللہ یہی چاہتا ہے کہ اے (رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے) اہل بیت! تم سے ہر قسم کے گناہ کا میل (اور شک و نقص کی گرد تک) دُور کر دے اور تمہیں (کامل) طہارت سے نواز کر بالکل پاک صاف کر دے۔

---

[1]: شیخ صدوق، کمال الدین و تمام النعمۃ، ج۱، ص ۲۴۴، ۲۲۱

[2]: احزاب: ۳۳

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

پیغمبر اسلام ﷺ کی زوجات میں سے ام سلمہ نقل کرتی ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد پیغمبر ﷺ نے علی، حسن، حسین اور فاطمہ علیہم السلام کو بلایا اور فرمایا:

اَللّٰھمَّ ھولاءُ اھل بیتِی وخاصتِی اذھَب عنھم الرجسَ وطھّرَ ھم تطھیرا [1]

اے ہمارے پروردگار یہ میرے اہلبیت اور خاص ہیں ان سے رجس دور فرما اور ان کو پاک و پاکیزہ قرار دے۔ اہل سنت کی کتابوں میں اسی طرح ایک واقعہ عایشہ سے بھی نقل ہوا ہے۔ [2]

پیغمبر اسلام ایک حدیث میں اپنی اہل بیت و عترت کا عصمت اور حق کے ساتھ ملازمہ بیان کرتے ہوئے واضح فرماتے ہیں:

معاشرَ الناس اوصیکُم فِی عترتِی واھل بیتی خیراً فانَّھُم مَع الحَق والحَق مَعَھُم وھُمُ الآئمۃُ الرَّاشِدونَ بعدی والامناء المعصومونَ [3]

اے لوگو میں تمہیں عترت و اہلبیت کے بارے میں خیر خواہی کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ حق کے ساتھ اور حق انکے ساتھ ہے اور یہ میرے بعد آئمہ راشدین اور معصوم امین ہیں۔

(۵) احادیث اور عصمت: پہلے گزر چکا ہے کہ آیت شریفہ اور حدیث نبوی کہ جو حدیث کساء کے عنوان سے مشہور ہے، اہل بیت کی عصمت پر شفاف انداز سے دلالت کر رہی ہیں، اسکے علاوہ بھی چند روایات اس حوالے سے وارد ہوئی ہیں کہ بعض کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

ابن عباس پیغمبر اکرم ﷺ نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

اَنا وَعلی والحَسَن والحُسَین وتسعَۃ من وُلدِ الحُسینِ مُطھّرُونَ و معصومُونَ [4]

میں، علی، حسن، حسین اور حسین کی اولاد سے نو افراد پاکیزہ اور معصوم ہیں۔

معروف حدیث نبوی، حدیث ثقلین بھی عترت پیغمبر خدا ﷺ کی عصمت پر دلالت کرتی ہے۔

---

[1]: سیوطی، الدر المنثور، ج۵، ص۱۹۸،۱۲۹، ذیل آیت، سنن ترمذی، ج۵، ص۳۶۰، ح۳۹۳۹، مسند احمد، ج۶، ص۳۰۴، فرائد السمطین، ج۱، ص۳۱۲، ح۲۵۰، ینابیع المودۃ، ج۱، ص۳۴۸

[2]: صحیح مسلم، ج۷، ص۱۳۰

[3]: ابو القاسم قمی رازی، کفایۃ الاثر، ص۱۰۴

[4]: ینابیع المودۃ، ج۳، ص۳۱۶، فرائد السمطین، ج۲، ص۳۱۳، موسوعۃ الامامۃ فی نصوص اہل السنۃ، ج۱۳، ص۲۷۹، بحار، ج۲۵، ص۲۰۱

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

وانّی قد ترکتُ ما اِن أخذتُم به لَن تضلُّوا بَعدی -الثقلین -،واحدهمَا اکبرُ من الاخر، کتابُ اللهِ حبل ممدود منَ السَّمَاءِ اَلی الارضِ وعترتِی اهل بیتی الا وانَّهُمَا لَن یفترقَا حتّی یردَاعلیَّ الحوض [1]

یہ حدیث متواتر صورت میں فریقین سے نقل ہوئی ہے۔ اس حدیث میں اہل بیت قرآن کے ہم مرتبہ اور مساوی قرار دئے گئے ہیں اور یہ وضاحت کی گئی ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہونے والے ہیں اور ہر دو سے تمسک کیا جائے، پھر کوئی بھی گمراہ نہ ہوگا (لن تضلوا میں لن نفی ابدی پر دلالت کرتا ہے)۔

واضح سی بات ہے اگر عترت رسول معصوم نہ ہو، تو کبھی بھی قرآن کے مساوی اور اسکے ہم مرتبہ شمار نہ کی جاتی اور نہ یہ تاکید کی جاتی کہ ان دونوں سے باہم تمسک خطاء اور ضلالت سے محفوظ رکھتا ہے۔ اس طرح کی تاکید قرآن اور اسکے ہم درجہ یعنی اہل بیت کی عصمت پر واضح دلالت کر رہی ہے، اب یہ کہ اہل بیت کون ہیں؟ پہلے گذر چکا ہے کہ اس سے مقصود حضرت زہرا اور ائمہ کرام علیہم السلام ہیں۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک حدیث میں حضرت علی علیہ السلام اور انکی نسل سے ائمہ کی توصیف میں فرماتے ہیں:

فانَّهُم خِیَرةُ اللهِ عزوجل و صفوتُه وهُمُ المعصُومُونَ من کلِّ ذنبٍ و خطئیة [2]

یقیناً وہ اللہ کے منتخب اور برگزیدہ ہیں اور وہ ہر گناہ وخطاء سے معصوم ہیں۔

اسی طرح پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی علیہ السلام کے اعمال نامہ کے کاتب دونوں فرشتوں کے بارے میں بتاتے ہیں کہ انہوں نے حضرت کا کوئی گناہ نہیں لکھا۔ [3] حضرت آیت "اولی الامر" کے بارے میں اشارہ کرتے ہوئے اسکا مصداق معصومین بتاتے ہیں کہ انکی عصمت باعث بنی کہ اللہ تعالی نے انکی اطاعت کا حکم دیا:

اَنَّمَا امر بطاعةِ اولی الامرِ لانَّهم معصُومُون مطهَّرُونَ لایامرونَ بمعصیةِ اللهِ "[4] "اَطِیعُوا علیّا فانَّه مطهر مَعصُوم لایضل ولایشقی [5]

---

[1]: مسند احمد، ج ۳، ص ۵۹ (۱۱۵۶۱) و ص ۲۶ (۱۱۲۱۱) ص ۱۴ (۱۱۱۰۴)

[2]: بحار، ج ۲۵، ص ۱۹۳

[3]: سابقہ ماخذ، ص ۱۹۴، ۱۹۳

[4]: کتاب سلیم بن قیس، ص ۴۰۶

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

اس حدیث میں حضرت علی علیہ السلام کی اطاعت کی وجہ انکی صفت عصمت وطہارت بیان کی گئی کہ جسکا ثمرہ گمراہی، ضلالت اور شقاوت سے محفوظ رہنا ہے۔

أنا وعَلی والحسنُ والحسینُ وتسعَة من وُلدِ الحسینِ مطهرونَ معصومونَ [۲]

اس حدیث میں پیغمبر اکرم ﷺ نے تمام ائمہ کی عصمت پر تاکید فرمائی ہے۔

پیغمبر اسلام ﷺ بعض احادیث میں صفت عصمت کی تصریح کی بجائے عصمت کے لوازم کا ذکر فرماتے ہیں مثلاً علی علیہ السلام معیار حق، علی حق کے ساتھ اور حق علی کے ساتھ لازم وملزوم، علی قرآن کے ساتھ وقرآن علی کے ساتھ لازم وملزوم اور علی فاروق اور حق وباطل میں تمیز کے معیار ہیں۔

الف: علی معیار حق:

"علیٌ معَ الحقِّ والحقُّ معَ علی ولَن یَفترقَا حتّی یردَا علیَّ الحوض یومَ القیامةِ" [۳] "علیٌ مَعَ الحقّ والحقُّ مَعَ علیٌّ اللّهُم أدرالحق معَ علی حَیثُمَادَارَ [۴]

علی حق کے ساتھ اور حق علی کے ساتھ ہے۔ یہ دونوں ہر گز ایک دوسرے سے جدا نہیں ہونگے یہاں تک کہ دونوں روز قیامت باہم حوض کوثر کے پاس مجھ پر وارد ہونگے۔ علی حق کے ساتھ اور حق علی کے ساتھ ہے، اے پروردگار حق کو اس طرف پھیر جس طرف علی پھرتے ہیں۔

فخر رازی اس آخری حدیث کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مَن اقتدی فی دینه بِعلیّ ابنِ ابی طالبٍ فقد اهتدی والدلیلُ علیه قولُه ﷺ [۵]

جس نے اپنے دین میں علی بن ابی طالب کی اقتداء کی پس وہ ہدایت پاگیا، اس پر دلیل حدیث پیغمبر ﷺ ہے۔

---

[۱]: معانی الاخبار، ص ۳۵۲، علل الشرائع، ج ۱، ص ۱۷۵، بحار، ج ۳۸، ص ۸۲

[۲]: الخصال، ص ۱۳۹

[۳]: تاریخ بغداد، ج ۱۴، ص ۳۲۱، تاریخ دمشق، ج ۴۲، ص ۴۴۹

[۴]: سنن ترمذی، ج ۵، ص ۶۳۳، تاریخ دمشق، ج ۴۲، ص ۴۴۸، البدایہ والنہایہ، ج ۷، ص ۳۶۱، مناقب خوارزمی، ص ۱۰۴

[۵]: تفسیر کبیر، ج ۱، ص ۲۱۰

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

مندرجہ ذیل روایات بھی حضرت علی علیہ السلام کے قرآن اور قرآن کے حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ ملازمہ پر تاکید کرتی ہیں:

ب: علیؑ قرآن کے ساتھ اور قرآن علیؑ کے ساتھ:

علیٌ معَ الحقِّ والحقُّ معَ علی ولَن یَفترِقَانِ حتّی یردَا علیَّ الحوض [1] علیٌ معَ الحقِّ والحقُّ معَ علی ولَن یَفترِقَا حتّی یردَا علیَّ الحوض یومَ القیامۃ [2]

ج: علیؑ حق و باطل کی تشخیص:

پیغمبر اسلام ﷺ نے بہت سی احادیث میں حضرت علی علیہ السلام کو صدیق اکبر اور فاروق امت سے توصیف کیا:

وَھذا الصدیقُ الأکبرُ وھذا فاروقُ ھذہِ الأمَّۃِ بین الحقِ والبَاطلِ [3] ستکُونُ بعدی فتنۃ فاذَا کَانَ کذلکَ فَالزمُوا عَلیَّ بنِ ابی طالبٍ فانَّہ اولُ مَن یرانِی واوّلُ من یُصافحُنی یومَ القیامۃِ وَھوَ الصدیقُ الاکبرُ فاروقُ ھذہِ الأمَّۃِ یفرق بین الحقِ والبَاطلِ وَھوَ یَعسُوب المومنینَ [4]

یہ صدیق اکبر ہیں، یہ اس امت کے حق و باطل کے درمیان فاروق ہیں، عنقریب میرے بعد ایک فتنہ کھڑا ہوگا جب ایسا ہو تو علی بن ابی طالب کی طرف رجوع کرنا، کیونکہ یہ وہی ہیں جو سب سے پہلے مجھے دیکھیں گے اور روز قیامت سب سے پہلے مجھ سے مصافحہ کریں گے۔ وہ صدیق اکبر ہیں، وہ اس امت کے حق و باطل کے درمیان فاروق ہیں اور وہ مومنین کے پیشوا ہیں۔

ایک اور حدیث کہ جو ائمہ علیہم السلام کی عصمت کو ثابت کرتی ہے مشہور حدیث "سفینہ" ہے۔

اَلا انَّ مثلَ اھلِ بیتِی فیکُم کَسفینۃِ نوحٍ مَن رکِبَھا نجی من تَخلَّفَ عنھا غَرِقَ [5]

---

[1]: المعجم الاوسط، ج۵، ص۱۳۵، المعجم الصغیر، ج۱، ص۲۵۵، الصواعق المحرقہ، ص۱۲۴

[2]: ربیع الابرار، ج۱، ص۸۱۸، فرائد السمطین، ج۱، ص۱۷۷

[3]: المعجم الکبیر، ج۶، ص۲۶۹، تاریخ مدینہ دمشق، ج۴۲، ص۸۳۶۸

[4]: اسد الغابۃ، ج۶، ص۲۶۵، الاصابۃ، ج۷، ص۲۹۴، و نیز: شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید، ج۱۳، ص۲۲۸

[5]: بحار، ج۲۳، ص۱۰۵، المعجم الاوسط، ج۵، ص۳۰۶، تفسیر روح المعانی، ج۲۵، ص۳۲

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

جان لو کہ میری اہلبیت کی مثال تمہارے درمیان کشتی نوح کی مانند ہے، جو بھی سوار ہوا نجات پا گیا اور جو اس سے رہ گیا وہ غرق ہو گیا۔

گذشتہ نکات سے واضح ہوا کہ اہل بیت کی عصمت کا عقیدہ نہ صرف یہ کہ عقیدہ خاتمیت کے ساتھ منافات نہیں رکھتا، بلکہ عقلی، قرآنی اور حدیثی دلائل نیز عقیدہ خاتمیت کے عین مطابق ہے، جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

۶: **عصمت اور احادیث ولایت:** اگر ہم چاہیں کہ امامت اور اسکی صفات کی حقیقت کو جان لیں تو ائمہ سے بڑھ کر خالص اور شفاف ماخذ کونسا ہے؟ انہوں نے بذات خود اپنی صفت عصمت پر تاکید فرمائی ہے۔

امام علی علیہ السلام عصمت کے دائرے کو پیغمبر اسلام ﷺ سے وسیع تفسیر کرتے ہیں اور اسکا اولی الامر کو شامل ہونا بھی جانتے ہیں:

أنّما الطاعةِ لله عزّوجلّ ولرسوله ولِولاةِ الامرِ وأنّما أمَر بطاعةِ اولی الامرِ لأنّهُم مَعصُومونَ مطهرونَ لا يَأمُرونَ بمعصيةٍ [1]

حضرت (ع) اہل بیت کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

انّ الله تباركَ وتعالى طهرنَا وعَصمنَا وجعلنَا شهداءَ على خلقِه وحجتِه فی أرضِه وجَعَلنَا معَ القُرآنِ وجَعل القرآنَ معنا لَا نُفَارقُه ولايُفارقُنا [2]

بے شک اللہ تعالی نے ہمیں پاکیزہ، معصوم اور اپنی مخلوق پر شاھد قرار دیا۔ ہمیں اپنی زمین پر اپنی حجت قرار دیا اور ہمیں قران کے ساتھ اور قران کو ہمارے ساتھ قرار دیا، نہ ہم اس سے جدا ہونگے اور نہ وہ ہم سے جدا ہوگا۔

اس روایت میں حضرت اپنی عصمت کے ساتھ اپنے حجت الٰہی ہونے کی تصریح بھی فرماتے ہیں۔

امام سجاد علیہ السلام امامت اور عصمت کے لازم و ملزوم ہونے کے بارے میں فرماتے ہیں:

الامامُ منّا لا يكونُ الامعصوماً [3]

ہم سے امام صرف معصوم ہے۔

---

[1]: شیخ صدوق، علل الشرایع، ص ۵۲، الخصال، ج ۱، ص ۶۸

[2]: کافی، ج ۱، ص ۱۹۱

[3]: بحار، ج ۲۵، ص ۱۹۹

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

امام کاظم علیہ السلام، امام سجاد علیہ السلام سے شرط بلکہ عمیق تعبیر کے ساتھ امامت اور امام کا ایک اصلی رکن عصمت نقل فرماتے ہیں اور یہ اضافہ کرتے ہیں کہ چونکہ عصمت ایک ظاہری امر نہیں ہے کہ پہچانا جائے، لھذا امام کو منصوص ہونا چاہیے۔

الامامُ منّا لایکونُ الا معصوماًولیستِ العصمۃُ فی ظاھرِ الخلقۃِ فیعرفُ بھا فلذلکَ لایکونُ اَلّامنصوصاً [1]

امام صادق علیہ السلام بھی امامت کی شرط گناہ صغیرہ اور کبیرہ خواہ توبہ کے فرض کے ساتھ کیوں نہ ہو، اس کے ارتکاب نہ کرنے کو بتاتے ہیں:

لاتصلحُ الأمامۃُ من قَدارتکبَ من المحارمِ شیئاً صغیراً کان او کبیراً وان تَابَ منہ بعدَ ذلکَ [2]

آپ انبیاء اور اوصیاء کی توصیف میں فرماتے ہیں:

الانبیاءُ واوصیائُھم لَاذنوبَ لَھم لانَّھم معصومونَ مطھرونَ [3]

انبیاء اور اوصیاء سے گناہ سرزد نہیں ہوتا کیونکہ وہ معصوم اور مطہر ہیں۔

عصمت کی بحث اور اسکا معنی ائمہ اطہار علیہم السلام کے زمانہ میں بیان ہوتا تھا اور شیعہ اس پر عقیدہ رکھتے تھے، جیسا کہ حسین اشقری نے جناب ہشام بن حکم سے اس عقیدہ شیعہ "ان الامام لایکون الامعصوماً" کے معنی کے بارے میں پوچھا، تو ہشام کہتے ہیں میں نے یہی سوال امام صادق علیہ السلام سے پوچھا، تو انہوں نے فرمایا:

المعصوم ھو الممتنع باللہ من جمیع محارم اللہ [4]

معصوم وہ ہے جو اللہ کی طرف سے تمام الٰہی محارم سے بچا ہو

امام رضا علیہ السلام امامت اور امام کی حقیقت پر ایک طولانی حدیث میں فرماتے ہیں:

---

[1]: معانی الاخبار، باب العصمۃ، ص ۱۳۲

[2]: سابقہ ماخذ، ص ۲۰۰

[3]: بحار، ج ۲۵، ص ۱۹۹

[4]: معانی الاخبار، باب العصمۃ، ص ۱۳۳، ۱۳۲، ح ۳، ۲

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

الامامُ المطهرُ منَ الذنوبِ المبراعَن العيوبِ -- معدنُ القدسِ والطهارةِ والنسکَ والزهادةِ ونسلِ المطهر-- فَهو معصُوم مُوَيَّدموفَّق مسدّد قد أمِن مِن الخطايا والزُّللِ والعثارِ يَخُصُّه اللهُ بذلکَ ليکونَ حجتُه على عبادِه وشاهد على خلقِه [1]

امام گناہوں سے پاک اور ہر عیب سے منزہ ہو۔۔۔امام قداست، پاکیزگی، عبادت اور زہد کی معدن ہے۔ امام پاکیزہ نسل سے ہے۔ وہ معصوم اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مورد تائید اور توفیق یافتہ ہے کہ بلا شبہ خطاؤں، لغزشوں اور گمراہی سے امان پانے والے ہیں۔ یہ خصوصیت اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کی تاکہ اسکے بندوں پر حجت اور اسکی مخلوق پر شاھد ہو۔

امام رضا علیہ السلام مامون کو عصمت امام کی وجہ بیان فرماتے ہیں:

لَایفرضُ اللہ تعالی بطاعةِ مَن یعلم أنّه یضلُّهم ویغویهُم [2]

اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی اطاعت کہ جسکے بارت میں وہ جانتا ہے کہ لوگوں کو گمراہی وانحراف کی طرف لے جائے گا، واجب نہیں کرتا۔"

زیارت جامعہ میں بھی وارد ہوا ہے کہ:

عصمکم اللہ من الزلل [3]

۷۔ اہل سنت اور عقیدہ عصمت: منصف مزاج محقق عقلی و نقلی دلائل کو اپنے عقائد اور نظریات کا معیار قرار دینا چاہئے، بالفاظ دیگر ندائے "نحن ابناء الدلیل" بلند کریں۔

اسی بناء پر بعض منصف مزاج علماء اہل سنت عصمت کے عقلی و نقلی دلائل کو پڑھنے اور توجہ کرنے نیز ائمہ علیہم السلام کی خاص شخصیت کا مطالعہ کرنے کی بناء عقیدہ عصمت کے قائل ہوئے اور انکی عصمت کو خاتمیت کے ساتھ سازگار بیان کیا۔

---

[1]: الکافی، ج۱، ص ۲۰۳، ۲۰۲، ۲۰۰، عیون الاخبار الرضا، ج ۲، ص ۱۹۹، ۱۹۷

[2]: عیون الاخبار الرضا، ج۱، ص ۱۲۵، باب ۳۵

[3]: من لایحضرہ الفقیہ، ج۱، ص ۶۰۹

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ابن ابی الحدید معتزلی امام علی علیہ السلام کی عصمت پر عقیدہ رکھتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ ابو محمد بن متویہ اپنی کتاب "الکفایۃ" میں بھی یہ عقیدہ رکھتے تھے۔[۱] عالم اسلام کے مشہور عارف ابن عربی بھی پیغمبر اسلام ﷺ اور انکی اہل بیت علیہم السلام کی عصمت پر عقیدہ رکھتے ہیں۔[۲] انہوں نے سلمان کے بارے میں حدیث نبوی "سلمان منا اهل البیت" [۳] سے تمسک کرتے ہوئے اسے بھی معصومین کے ساتھ ملحق کیا۔[۴]

تیسرا شبھہ:

شیعہ اپنی دعاؤں، زیارت ناموں اور روایات میں ائمہ اطہار علیہم السلام کو واجب الاطاعۃ اور انکی اطاعت کو اللہ کی اطاعت اور انکی نافرمانی کو اللہ کی نافرمانی سے توصیف کرتے ہیں۔[۵] اور یہ چیز عقیدہ خاتمیت کے ساتھ ناسازگار ہے، کیونکہ خاتمیت یعنی حجت الٰہی کے ظہور کا اختتام ہونا ہے اور اسکے بعد کوئی بھی مطلق واجب الاطاعۃ نہیں ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی عالم رویا میں پیغمبر ﷺ کی رویت کا دعوی کرتا ہے اور اس موضوع میں یہ کہتا ہے:

عالم رؤیا میں نبی کی روح سے میں نے مذہب شیعہ کے بارے میں سوال کیا اور حضرت نے فرمایا: انکا مذہب باطل ہے اور انکے مذہب کا بطلان لفظ امام سے معلوم ہوتا ہے۔

جب اس حالت سے مجھے افاقہ ہوا، لفظ امام میں غور و فکر کیا تو معلوم ہوا کہ انکی اصطلاح میں امام معصوم، واجب الاطاعۃ، لوگوں کیلئے منصوب ہے اور امام کیلئے باطنی وحی کے جواز کو ثابت کرتے ہیں، پس یہ لوگ حقیقت میں ختم نبوت کے منکر ہیں اگرچہ زبان سے حضرت کو خاتم الانبیاء کہتے ہوں[۶]۔۔۔ وہ امام کو معصوم، واجب الاطاعۃ اور روح باطنی کا حامل جانتے ہیں اور یہ پیغمبری کے ساتھ زیادہ فرق نہیں رکھتا۔[۷]

---

[۱]: شرح نہج البلاغۃ، ج۶، ص۲۷۶، خطبہ ۸۶

[۲]: "وقد طهره (ص) واهل بيته تطهيراً و اذهب عنهم الرجس و هو كل ما يشينهم"۔ الفتوحات المکیۃ، ج۱، ص۱۹۶، باب ۲۷، ظریف نکتہ یہ ہے کہ وہ اہل بیت کو مطہرون نہیں بلکہ "عین الطہارۃ" سے توصیف کرتا ہے: فهم المطهرون بل هم عين الطهارة" (سابقہ ماخذ)

[۳]: سیرہ ابن ہشام، ج۱، ص۷۰، تاریخ طبری، ج۲، ص۵۶۸

[۴]: سابقہ ماخذ

[۵]: الکافی، ج۱، ص۱۸۵، الحجۃ، باب فرض طاعۃ الائمہ اور دیگر ابواب

[۶]: دہلوی، التفہیمات الالٰہیۃ، ج۲، ص۳۰۱، ۲۹۴

[۷]: سابقہ ماخذ، ص۳۰۱

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

قاضی محمد ثناءاللہ (متوفی ۱۲۲۵ قمری) دہلوی کا شاگرد اپنے استاد کی عبارت پر اپنے حاشیہ میں اس موضوع کی تائید کرتا ہے۔[۱]

ڈاکٹر سروش بھی یہی شبہہ بیان کرتے ہیں۔[۲]

اس شبہہ کا جواب بعد والے شبہہ (ائمہ کو حجت الٰہی جاننا) کے جواب میں بیان ہوگا۔

چوتھا شبہہ:

بعض نے دعوی کیا ہے کہ خاتمیت سے مراد حجیت، تقدیس اور بغیر دلیل کے قبول کرنے کا خاتمہ ہے، کیونکہ یہ پیغمبر اسلام ﷺ کی خصوصیات میں سے تھیں، حضرت کی رحلت کے بعد ہم کسی اور ایسے انسان کے قائل نہیں ہیں کہ جسکا قول اور فعل ہمارے لیے حجت ہو اور ایسی رسمی شخصیت ہو کہ جو قداست کی حامل ہو، باعث تعبد ہو اور اس سے تمسک بغیر کسی دلیل کے واجب ہو، ذاتی حجیت صرف انبیاء کے ساتھ خاص ہے اور دین اسلام میں صرف حضرت محمد ﷺ اس سے بہرہ مند تھے۔ بنابر ایں وہ خاص مقام کہ جو شیعہ اپنے اماموں کیلئے قائل ہیں اور انہیں قدسی مقام کا حامل اور حجت الٰہی ہونے سے توصیف کرتے ہیں، یہ چیز عقیدہ خاتمیت سے معارض ہے، ڈاکٹر سروش نے اس وادی میں مختلف جگہوں پر حکم فرمائی کی اور مندرجہ بالا نظریہ کو "غلو" سے تعبیر کیا ہے:

وہ چیز جو اسلام کی ذاتی ہے، پیغمبر کی شخصیت، باطنی تجربہ اور اوامر اور نواہی کہ ان تجربوں سے پیدا ہوئے ہیں، یہ سب انکی رحلت سے ختم ہوگئے ہیں اور اسکے بعد جو کچھ بھی آئے ضروری ہے وہ اس انداز سے تفسیر ہو کہ اس اساسی اصل اور بنیادی رکن سے منافات نہ رکھتا ہو۔ غالی لوگ بہت زیادہ تھے خواہ، وہ کہ جو اولیاء خدا کو الٰہی رتبہ دیتے ہیں اور وہ جو انہیں مرتبہ نبی پر لاتے ہیں۔[۳]

البتہ ڈاکٹر سروش سے پہلے بعض فکری تحول کا شکار شیعوں نے بھی مندرجہ بالا شبہہ بیان کیا تھا۔[۴]

---

[۱]: سابقہ ماخذ، ص ۳۲۱

[۲]: بات یہ ہے کہ امامت کو کمال دین کی شرط شمار کرنا اور ائمہ کو وحی باطنی کا حامل، معصوم اور واجب الاطاعۃ جاننا (جیسا کہ شیعہ عقیدہ رکھتے ہیں) کیسے سمجھیں کہ خاتمیت کے ساتھ ناسازگار نہ ہو اور انکی کلام پیغمبر کے درجہ پر نہ ہو اور انکی گفتار حجت نہ ہو (سروش کا بہمن پور کو پہلا جواب، سایٹ سروش اول شہریور ۱۳۸۴)

[۳]: بسط تجربہ نبوی، ص ۱۴۴

[۴]: تین عشرے سے پہلے ابوالفضل برقعی نے دعائے عدیلہ "اقوالھم حجۃ" کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے: آیا حجت کا جعل کرنا تم دعانویسوں کے ہاتھ میں ہے یا اللہ حجت الٰہی قرار دے، اللہ نے کہاں کہا ہے کہ ائمہ کے اقوال حجت ہیں تاکہ تم لوگ ائمہ کے نام اور انکے قول کی طرف نسبت دیکر

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

شبھہ کی تشریح

ائمہ علیہم السلام کے حجت الٰہی ہونے کا خاتمیت سے ناسازگار ہونا دو مندرجہ ذیل نکتوں میں قابل تجزیہ ہے:

الف: پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسمی شخصیت سے ناسازگاری

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسمی شخصیت کے حامل تھے جسکا اہم ترین رکن صفت "ولایت" ہے اور اسکا لازمہ احکام شرعی کے بیان کا جواز، حکمیہ خطابات، انکے حکم کو بغیر دلیل کے مطالبہ کے قبول کرنا اور انکے دینی تجربہ کی حجیت تمام افراد پر ہونا ہے۔ ڈاکٹر سروش اس حوالے سے کہتے ہیں:

یہ عنصر (پیغمبر کی قانونی شخصیت کا اساسی عنصر) ولایت ہے کہ جسکا معنی یہ ہے کہ اس شخص کی شخصیت اس درجہ پر ہے کہ اسکی بات اور فرمان حجت ہو اور یہ چیز خاتمیت کے ساتھ بطور مطلق ختم ہو چکی ہے۔

اب ہم کسی کی بات کو قبول نہیں کریں گے مگر یہ کہ دلیل لائے یا کسی قانون کی رو سے بات کرے۔ لیکن انبیاء کی بات ایسے نہیں ہے، وہ اپنے کلام اور فرمان کی دلیل خود تھے، خود ہی حجت عطا کرنے والے تھے۔۔۔ انکا دینی تجربہ متعدی تھا نہ لازم۔ انکا حکم دوسروں کو بھی شامل ہے اور شرعی ذمہ داری لانے والے اور عمل بتانے والے ہیں[1]

وہ واضح کرتے ہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت سے حجت الٰہی کا اعتبار بھی ختم ہو گیا اور یہ چیز ائمہ علیہم السلام کے اقوال کو بھی شامل ہے:

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی بھی ظہور نہیں کرے گا کہ جسکی شخصیت دینی لحاظ سے اسکی کلام کے صحیح ہونے اور اسکے حسن خلق کی ضامن ہو اور دوسروں پر شرعی ذمہ داری لائے۔[2]

اس دلیل کا نقد بعد والی دلیل کے نقد میں ذکر ہوگا۔

ہر قسم کے خرافات کو جعل کرو۔ (تضاد یا سفاتج، ص ۲۵، ۲۴)۔ وہ پھر ایک آیت کے ظاہر اور نہج البلاغہ کے چند کلمات کو پیش کرتے ہیں کہ آئندہ صفحات میں انکی تشریح کی جائیگی۔

[1]: بسط تجربہ نبوی، ص ۱۳۳، ۱۳۲

[2]: سابقہ ماخذ، ص ۱۳۴

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ب: ائمہؑ کی روایات کا حجت نہ ہونا

جب پیغمبر کی ذات میں رسمی اور دینی شخصیت کو منحصر کیا جائے، تو اسکا لازمہ یہ ہوگا کہ ان کے علاوہ کوئی دوسرا بطور مطلق حجیت نہیں رکھتا، بالخصوص ائمہ کی دینی پہلوؤں پر کلام اور تفسیر اور اس پر نقل ہونے والی روایات بھی معتبر نہیں ہیں، کیونکہ مندرجہ بالا تھیوری کے دعویدار کے گمان کے مطابق ائمہ کی کلام و تفسیر کو حجت قرار دینا خاتمیت کے ساتھ ناسازگار ہے۔ ڈاکٹر سروش اس بارے میں کہتے ہیں:

پیغمبر اسلام کے بعد کوئی بھی ظہور نہیں کرے گا کہ جسکی شخصیت دینی لحاظ سے اسکی کلام کے صحیح ہونے اور اسکے حسن اخلاق کی ضامن ہو اور دوسروں کیلئے شرعی ذمہ داری لائے[1] خدا اور پیغمبر کے کلمات کی تفسیر بھی کسی فرد اور شخصیتوں پر منحصر نہیں ہے، اسے بھی گروہی انداز میں اور استدلال کے ساتھ ہونا چاہیے[2]

سروش حجت الٰہی کی خاتمیت سے معرفت اور متون دینی کی تفسیر کی طرف جاتے ہیں اور خاتمیت کا لازمہ متون دینی کی تفسیر کی حجیت کا ختم ہونا قرار دیتے ہیں، بالفاظ دیگر دینی معرفت کے یقینی نہ ہونے سے تشریح کرتے ہیں:

"کسی دینی متن اور کلام کی ایسے تفسیر نہیں کی جاسکتی کہ اس معنی میں اسے حق ولایت دے، یہ بالکل تناقض ہے کہ رسول خاتم کسی کو ایسے حقوق عطا کریں کہ جو خاتمیت کو نقض کرنے والے ہوں۔[3]

خاتمیت کا پیغام یہ ہے کہ دین کی کسی فہم کو فہم خاتم نہ سمجھیں اور اس راہ سے اس دریا کے راستہ کو دیگر دریاوں تک پہنچائیں، تجربہ نبوی کو پھیلنے کا موقعہ دیں۔[4]

خاتم النبیین تو آئے ہیں، لیکن خاتم العارفین نہیں آئے ہیں۔ کسی شخص کی شرح و تفسیر کے مقام پر بات وحی کے درجہ پر نہیں ہے، لہٰذا اگرچہ ہم دین خاتم رکھتے ہیں، لیکن فہم خاتم نہیں رکھتے، اگرچہ کامل دین رکھتے ہیں (دین کا اندر سے یہ دعوی ہے اور پیغمبر کی تصدیق سے سچا ثابت ہوا) لیکن کامل دینی معرفت نہیں رکھتے۔[5]

---

[1]: سابقہ ماخذ، ص ۱۳۳
[2]: سابقہ ماخذ، ص ۱۳۴
[3]: سابقہ ماخذ، ص ۱۳۵
[4]: سابقہ ماخذ، ص ۱۵۹
[5]: سابقہ ماخذ، ص ۱۴۸

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ڈاکٹر سروش تصریح کرتے ہیں کہ ہم کلام نبوی میں دلیل نہیں مانگتے، لیکن نبی کی کلام سے ہٹ کر مثلاً حضرت علی علیہ السلام کی کلام کی قبولیت دلیل کے معیار سے ہو وگرنہ نہ صرف صاحب کلام کی شخصیت حجت نہیں لائے گی:

اگر قانع کنندہ دلیل ہو، تو دعوی قبول کر لیں گے اور اگر نہ ہو تو پھر یہ کوئی اہم نہیں ہے کہ استدلال کرنے والے علی علیہ السلام ہوں یا کوئی اور اسکی کلام کی حقانیت کا معیار دلیل ہے نہ اسکا صاحب کرامت متکلم۔[1]

وہ اپنے آخری موقف میں بھی ائمہ علیہم السلام کے اقوال کی حجیت کو خاتمیت سے ناسازگار بیان کرتے ہیں۔[2]

تحقیق و تجزیہ

مندرجہ بالا دعوی کے نقد و تجزیہ میں مندرجہ ذیل نکات قابل غور ہیں:

الف: بغیر دلیل کے دعوی

جیسا کہ عصمت کے عقیدہ خاتمیت کے ساتھ ناسازگاری کی بحث میں گزر چکا ہے، کہ اس بحث میں عصمت اور ہماری بحث میں واجب الاطاعۃ اور حجت ہونا نبوت کیلئے لازمی شرط ہے نہ کہ نبوت میں منحصر ہے، لہٰذا واجب الاطاعۃ اور حجت ہونے کی وسعت عقیدہ نبوت اور خاتمیت کے ساتھ کوئی منافات نہیں رکھتی، بالفاظ دیگر منافات کا دعوی کرنے والا سب سے پہلے اپنے دعوی یعنی امام کے واجب الاطاعۃ اور حجت ہونے کے خاتمیت کے ساتھ منافات کو ثابت کرے، حالانکہ انہوں نے صرف دعوی کیا اسکے علاوہ ہم بعد والے نکات میں انکے برعکس دعوی کو ثابت کریں گے۔

ب: حجت واطاعت، عصمت کا لازمہ

اس سے پہلے ائمہ علیہم السلام کی عصمت عقلی اور نقلی دلائل سے ثابت ہو چکی ہے، اب اس نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ جب امت میں ایک امام اور معصوم شخص ہو اور اسکا اعلان اور تائید قرآن اور پیغمبر ﷺ سے (کہ پہلے بحث ہو چکی ہے) ہو تو اس اعلان اور تائید سے مراد آیا اسکی اطاعت اور پیروی کا وجوب نہیں ہے؟ آیا عصمت کا لازمہ یہ نہیں ہے کہ اسکی ہر بات، عمل، موقف اور حکم واجب الاطاعۃ، واقع کے مطابق اور دوسروں کیلئے حجت ہو؟

---

[1]: سابقہ ماخذ، ص ۱۳۵

[2]: بہمن پور کو پہلا جواب، اول شہریور ۸۴، سایٹ بازتاب سروش

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

اگر ائمہ کی عصمت پر اعتراض ہو یا اسکا انکار ہو تو اس شبھہ (ائمہ کے اقوال کی حجیت اور اطاعت کے لزوم کا انکار) کی کوئی گنجائش نہیں رہتی، لیکن عصمت کے فرض کے ساتھ یہ شبھہ سرے سے ہی غیر معقول ہے، کیونکہ اس میں عصمت کے معنی اور لازمہ کی طرف توجہ نہیں دی گئی۔

ج: قرآن مجید اور حکم اطاعت

قرآن مجید "اولی الامر" کی اطاعت کو رسول خدا کی اطاعت کے برابر ذکر کرتا ہے: أَطِيعُواْ اللَّهَ وَأَطِيعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِي الأَمْرِ مِنكُمْ[1]

اس آیت شریفہ میں ایک امر "اطیعوا" کے ساتھ لوگوں کو حکم دیا گیا ہے کہ پیغمبر اور اولی الامر کی اطاعت اور پیروی کریں، در حقیقت اطاعت اولی الامر اطاعت پیغمبر شمار ہوئی ہے۔ یہ جو شبھہ میں کہا گیا ہے کہ اطاعت صرف پیغمبر کے ساتھ اختصاص رکھتی ہے آیت کی صراحت کے ساتھ ناسازگار ہے۔ البتہ "اولی الامر" کی تفسیر میں بحث ہے کہ آیا یہ امام معصوم کے ساتھ خاص ہے یا غیر کو بھی شامل ہے؟

اس آیت کے دینی شرائط کے حامل رہبر کو شامل ہونے پر تمام شیعہ اور اہل سنت اتفاق نظر رکھتے ہیں[2] کہ اسکے واضح ترین مصداق ائمہ اطہار علیہم السلام ہیں، کہ اس پر فریقین کی مختلف روایات بھی وارد ہوئی ہیں۔[3] لیکن اہل سنت نے اسے حاکم اور رہبر پر عمومیت دی اور ان میں سے بعض نے اسکا فاسق حاکم پر بھی اطلاق کیا۔[4]

پس 'واجب الاطاعۃ" نہ صرف شیعوں کے ساتھ خاص ہے اور نہ ہی عقیدہ خاتمیت کے ساتھ تعارض رکھتا ہے، کیونکہ (جیسا کہ بہت سی صورتوں میں ذکر ہو چکا ہے) خاتمیت کا موضوع صرف نبوت، وحی کے نزول اور نئی شریعت کی حدود کے اندر معنی اور مفہوم پیدا کرتا ہے اور یہ معصوم اور واجب الاطاعۃ انسانوں کے ظہور کے ساتھ کوئی ٹکراو نہیں رکھتا۔

---

[1]: نساء، ۵۹

[2]: "الامامة هی خلافة الرسول فی اقامة الدین بحیث یجب اتباعه علی کافة الامة"، شرح مواقف، ج۸، ص۳۴۵ اور سیف الدین آمدی، ابکار الافکار فی اصول الدین، ج۳، ص۴۱۶

[3]: شواهد التنزیل، ج۱، ص۱۹۱، تفاسیر اہل سنت و شیعہ، ذیل آیت فوق

[4]: تفتازانی، شرح المقاصد، ج۳، ص۴۶۹

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

د: پیغمبرؐ اور حکم اطاعت

مندرجہ بالا تھیوری کے دعویدار نے کوشش کی ہے کہ خاتمیت کے موضوع سے توسل کرتے ہوئے، آخری الٰہی حجت صرف پیغمبر اکرم ﷺ کو بیان کیا ہے اور ائمہ اطہار علیہم السلام کو انکے خاص مرتبہ اور شان سے عام لوگوں کی حد تک لایا ہے، لیکن اگر یہ محترم معترض اپنی تھیوری پر یقین رکھتا ہے اور یہ قبول کرتا ہے کہ حد اقل حضرت محمد ﷺ رسمی شخصیت کے حامل ہیں، ضروری ہے کہ انہیں حجت الٰہی قبول کیا جائے اور اپنی نظر کے مطابق انکی کلام اور نظر کو بغیر دلیل کے مطالبہ کے قبول کرنا چاہیے، تو اپنے اس دعوی کے لازمہ کو بھی قبول کرے۔

یعنی پیغمبر اکرم ﷺ کی امام علی علیہ السلام اور انکی منزلت اور مقام اور دیگر ائمہ کے حق میں احادیث کو بھی قبول کرے۔

اس مفروضے کے ساتھ جب ہم پیغمبر اسلام ﷺ کی حضرت علی علیہ السلام کے حق میں احادیث پر سرسری نظر ڈالیں تو یہ جان لیتے ہیں کہ اللہ اور رسول کے ذریعے حضرت علی علیہ السلام کو رسمی شخصیت کا حامل قرار دیا گیا ہے کہ جسکا لازمہ حضرت کیلئے مقام ولایت (نہ نبوت) اور حجت قرار دینا ہے۔ جیسا کہ حدیث منزلت کی شرح میں کہا جا چکا ہے، پیغمبر اسلام ﷺ نے حدیث منزلت اور دیگر احادیث نیز بہت سی آیات کے ساتھ مقام امامت یعنی علمی اور دینی مرجعیت اور دینی امور میں پیغمبر کی جانشینی کا مقام حضرت علی علیہ السلام کو تفویض فرمایا کہ جسکا لازمہ حضرت کے اقوال اور افعال کا تمام مسلمانوں کیلئے حجت قرار پانا اور دینی معرفت میں حضرت کی روایات اور تفاسیر کا معتبر قرار پانا ہے۔ فریقین کی طرف سے اس باب میں بہت سی آیات اور روایات بیان ہوئی ہیں کہ ہم یہاں صرف ان پر اشارہ کی حد تک اکتفاء کرتے ہیں:

۱۔ علیؑ حجت خدا: پیغمبر اسلام ﷺ نے کئی بار امام علی علیہ السلام کے مقام اور منزلت کی طرف برگزیدہ اور حجت الٰہی کے عنوان سے تصریح کی جیسا کہ اپنے ایک صحابی کو حضرت کے مقام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یا انس انا وھذا حجۃ اللہ علی خلقہ[1]

---

[1]: تاریخ مدینہ دمشق، ج ۴۲، ص ۳۰۴

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

اس حدیث میں قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ حضرت نے اپنی اور علی علیہ السلام کی توصیف حجت الٰہی کے عنوان سے فرمائی ہے، گویا پیغمبر اکرم ﷺ نے ایک ہی سیاق میں ہر دو کے حجت خدا ہونے کی تشریح کی۔

حضرت علی علیہ السلام نے خاتمیت کے بعد حجت الٰہی کے جاری رہنے پر روایات بیان کی ہیں کہ جو اسی شبہ کی نقلی دلیل کے نقد میں ذکر ہونگی۔

اسی طرح پیغمبر اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

اِنَّ اللهَ جَعَلَ عليّاً وزَوجَته وأبنائه حُججُ الله عَلى خَلقِه [1]

اللہ تعالی نے علی، اسکی زوجہ اور اسکے بیٹوں کو اپنی مخلوق پہ الہی حجتیں قرار دیا ہے۔

۲۔ علیؑ واجب الاطاعۃ: ذیل کی آیت مومنین کو اللہ، اسکے رسول اور اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیتی ہے:

أَطِيعُواْ اللّهَ وَأَطِيعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِي الأَمْرِ مِنكُمْ [2]

پیغمبر اسلام ﷺ نے بہت سی احادیث میں اولی الامر (کہ جسکی اطاعت رسول خدا کی اطاعت ہے) کو حضرت علی علیہ السلام پر تفسیر کیا۔ [3] پیغمبر اکرم ﷺ نے دیگر احادیث میں حضرت کی تصدیق اور اطاعت کا حکم فرمایا:

اِنَّ امامَكم عَلیّ ابنِ ابی الطَّالب فنَاصحُوه وَصدّقوه [4]

اِنَّ هذَا اَخی وَوَصیّ وخَلیفَتی فَاسمعُوالَه واَطِيعُوا له [5]

۳۔ علیؑ ولی اللہ: اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیت میں مومنین کے ولی اللہ تعالیٰ، پیغمبر اور وہ لوگ کہ جو رکوع کی حالت میں زکوۃ دیتے ہیں بتایا ہے:

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُواْ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلاَةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ [1]

---

[1]: شواهد التنزیل: ج۱، ص۷۶

[2]: نساء: ۵۹

[3]: موسوعۃ الامام علی، ج۲، ص۱۶۹، ۱۲۹

[4]: شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۳، ص۹۸، شواهد التنزیل، ج۲، ص۲۲۵

[5]: سابقہ ماخذ، ج۱۳، ص۲۴۴، ج۲، ص۱۴۵، تاریخ دمشق، ج۴۲، ص۴۸

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

پیغمبر اسلام ﷺ بہت سی روایات میں اسے حضرت علی علیہ السلام پر تطبیق دیتے ہیں۔[۲]

۴۔ علی حق اور قرآن کے ساتھ لازم وملزوم: احادیث نبوی میں ایک طرف حق اور قرآن اور دوسری طرف امام علی علیہ السلام کے درمیان جدانہ ہونے والا رابطہ اور ملازمہ بیان ہوا ہے۔

علیٌ معَ الحقِّ والحقُّ معَ علی ولَن یَفترِقَا حتّی یردَا علیَّ الحوض یومَ القیامۃِ [۳]

علی حق کے ساتھ ہے اور حق بھی علی کے ساتھ ہے۔ دونوں کبھی آپس میں جدا نہیں ہونگے یہاتک کہ ہر دور روز قیامت حوض کوثر میں میرے پاس آئینگے۔

عَلیٌ مَعَ الحَق والقرآنِ وَالحَق وَالقُرآن مَع ولَن یَفتَرِقَا حتّی یردَا علیَّ الحوض [۴]

۵۔ علیؑ وسیلہ ہدایت ونجات: احادیث نبوی میں علی علیہ السلام اور تمام اہلبیت کو "نوح کی کشتی" اور "ہدایت کے پرچم" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

انَّ مثلَ اھل بَیتی منکُم کَمَثلِ سَفینۃِ نُوح مَن رکِبَھا نَجاومَن تَخلَّفَ عَنھا فَغرق "[۵]انَّ اللہَ عَھدَ الیَّ فِی عَلیٍّ انَّ علیاً رایۃُ الھُدی ومنَّارُ الایمانِ وامامُ اولیائی "[۶]انّی قَدتَارک فیکُم الثَّقلین مَاانِ تَمَسّکتُم بھمَالَن تَضلُّوا بَعدی احدُھُمَا اعظمُ مِنَ الاخَر کتابُ اللہ حبل ممدود مِنَ السَّماءِ الی الاَرضِ وعِترَتی اھل بَیتی ولَن یَفترقَاحَتّی یَرِدَا عَلَیَّ الحَوض [۷]

۶۔ علیؑ حلال مشکلات: پیغمبر اکرم ﷺ نے امام علی علیہ السلام کو اپنی امت کے اختلافات حل کرنے کا مرجع بتایا:

---

[۱]: مائدہ: ۵۵

[۲]: موسوعہ الامام علی، ج ۲، ص ۱۹۷

[۳]: تاریخ مدینہ دمشق، ج ۳، ص ۱۱۸

[۴]: موسوعۃ الامام علی، ج ۲، ص ۲۳۵

[۵]: بحار، ج ۲۳، ص ۱۰۵، طبرانی، المعجم الاوسط، ج ۵، ص ۳۵۵، مقریزی، امتاع الاسماع، ج ۱۱، ص ۱۷۸

[۶]: موسوعۃ امام علی، ج ۲، ص ۱۸۶

[۷]: سابقہ ماخذ، ص ۵۶

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

أنتَ تُبيّن لأُمّتی مَااختَلَفُوا فيه مِن بَعدِی [1]

پیغمبر اکرم ﷺ دیگر احادیث میں زیادہ حضرت کی علمی اور دینی مرجعیت کو بیان کرتے ہیں اور اس موضوع میں حضرت کے مقام کو اپنے مقام سے تطبیق دیتے ہیں:

یاعَلیّ أنت الّذی تبیّن لِاُمّتی مَایَختلفُونَ بَعدی وتَقُوم فیهِم مَقَامی،قولُکَ قَولِی ،وَامرُکَ أمرِی [2]

علیّ بابُ علمِی ومبیّن لِأمتِی مَاارسلت به مِن عَبدی [3]

روایات پر استدلال کی کیفیت سے واضح ہے، کہ پیغمبر اکرم ﷺ امام علی علیہ السلام کو "ولی خدا"، "واجب الاطاعۃ"، "حق اور قرآن کے ساتھ لازم وملزوم"، "پرچم ہدایت"، "کشتی نوح"، "مرجع ومفسر دین"، "عالم غیب سے متصل" اور "حجت خدا" کے بہت سے عناوین میں توصیف کرتے ہیں، یہ سب حجیت قرار دینے میں ظاہر بلکہ نص ہے، ورنہ یہ سب روایات اور تاکیدیں فضول ہوگا۔

نتیجہ یہ کہ مندرجہ بالا روایات کہ شاید امام علی علیہ السلام اور ائمہ علیہم السلام کے بارے میں روایات کا ایک فی صد بھی نہیں ہیں، انہیں دیکھتے ہوئے کہیں گے کہ حضرت علی علیہ السلام کی رسمی شخصیت کا انکار اور انہیں معمولی انسان کی حد تک نیچے لانا اور دین کی تفسیر میں امام کی کلام اور حدیث کی حجیت کا انکار وغیرہ پر حسن ظن یہ ہے کہ انہوں نے مندرجہ بالا روایات کا مشاہدہ نہیں کیا ہے، لہٰذا امامت کے موضوع میں معترضین سے تہہ دل سے درخواست ہے کہ اس موضوع میں روایات پر ایک سرسری سی نظر ڈالیں تاکہ آفتاب حقیقت روشن ہو جائے۔

لیکن اگر مندرجہ بالا روایات کے باوجود کوئی معترض امام کے حجت ہونے کا انکار کرے، تو کہنا چاہیے کہ امام کی حجیت کا انکار باعث بنتا ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ کے رسمی مقام کی حجیت کا انکار ہو، چونکہ بہت سی اور متواتر روایات (کہ جن میں سے اکثر فریقین سے نقل ہوئی ہیں) کے مطابق امام کو خود اللہ اور رسول اکرم ﷺ نے حجت قرار دیا ہے اور جو پیغمبر اکرم ﷺ کی کلام وحدیث کو ذاتی کا نام دیتا ہے تو انکے لوازمات یعنی حضرت کی

---

[1]: تاریخ مدینہ دمشق، ج ۴۲، ص ۳۸۷، شواھد التنزیل ج ۱، ص ۳۸۲، موسوعۃ امام علی، ج ۲، ص ۲۴۵

[2]: موسوعۃ الامام علی، ج ۲، ص ۲۴۶

[3]: سابقہ ماخذ:، ص ۲۴۷

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

احادیث کو بھی قبول کرے، مگر یہ کہ کوئی مسلمان پیغمبر اکرم ﷺ کی رسمی آسمانی شخصیت کا منکر ہو تو اس صورت میں اس پر "مسلمان" کا نام صادق آنا مشکل بلکہ محال ہوگا۔

د۔ خدا اور رسولؐ کے بعد حضرت علی کا حجت ہونا: قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ شیعہ کی نظر میں امام کی اطاعت اور حجیت اللہ تعالیٰ اور پیغمبر کی حجیت کے طول (یعنی انکے بعد والے مرتبہ) میں ہے اور امام کے قول کی حجیت کی خدا اور نبی کی طرف بازگشت کا یقین رکھتے ہیں، لیکن چونکہ آخری آسمانی حجت پیغمبر اکرم ﷺ کی رحلت کے بعد نبوت کے عنوان سے حجت کی آمد ختم ہوچکی ہے، تو امامت وولایت کے عنوان سے آسمانی حجت انکی جگہ لے لیتی ہے اور احادیث نبوی کے مطابق امام نبوت کے تمام مقامات مثلاً مرجعیت، دین کی تفسیر اور انکی اطاعت کا وجوب۔۔۔ میں اپنی ذمہ داری ادا کرے گا اور اسکی کلام پیغمبر کی کلام کی طرح دوسروں کیلئے حجت اور حق کا معیار ہوگی اور یہ کہ امام کی حجیت پیغمبر اکرم ﷺ سے حاصل ہوئی ہے، تو یہ چیز امام کی کلام کی حجیت کے سلب یا غیر معتبر ہونے کا باعث نہیں بنتی، جیسا کہ معترض محترم گمان کرتے تھے۔

علامہ طباطبائی بہت سی احادیث نبوی جیسے غدیر، سفینہ، ثقلین، حق، منزلت اور انذار کی طرف اشارہ اور تمسک کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حضرت سے قطعی تواتر کے ساتھ یہ ملتا ہے کہ انکے اہل بیت علیہم السلام کا بیان خود انکے بیان کے مطابق ہے۔

اس حدیث اور دیگر قطعی احادیث نبوی کے مطابق اہل بیت علیہم السلام کے بیان کا مقام پیغمبر ﷺ کے بیان کے بعد ہے اور اہل بیت اسلام میں مرجعیت علمی کا مقام رکھتے ہیں، اسلام کے معارف اور احکام بیان کرنے میں کبھی بھی خطا نہیں کرتے اور انکا بیان انکے حضور میں یا نقل ہونے میں قابل اعتماد اور حجت ہے"[1]

ائمہ علیہم السلام کی حق تشریع کی بحث میں بیان ہوگا کہ ائمہ کی روایات انکے مقام عصمت اور اسی طرح انکے الہام اور علم لدنی کے ذریعے عالم غیب سے رابطہ کی بناء ذاتی حجیت رکھتی ہیں، کہ یہ چیز ان حضرات معصومین علیہم السلام کی روایات پر عمل میں ہمارے لیے کافی ہے۔

---

[1]: شیعہ در اسلام، ص ۷۷، ۷۸

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

برقعی اور اس شبھہ کے بیان میں نقلی دلائل سے تمسک

مصنف اس شبھہ یعنی ائمہ کے حجت الٰہی ہونے کے عقیدہ خاتمیت سے تعارض کو بیان کرنے والوں کی کتابوں کے مطالعہ کرنے کے دوران دو قرآنی اور حدیثی روایات کو دیکھتے ہیں کہ یہاں انکو نقل اور نقد کیا جائیگا۔

الف: قرآن اور حجت الٰہی

شبھہ بیان کرنے والوں میں سے ایک شخص نے بہت زیادہ کوشش کے بعد ایک آیت ڈھونڈی کہ جو اسکے گمان میں انبیاء کے بعد حجت کی نفی پر دلالت کرتی ہے وہ آیت یہ ہے:

رُسُلاً مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلاَّ يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ [1]

رسول جو خوشخبری دینے والے اور ڈر سنانے والے تھے (اس لئے بھیجے گئے) تاکہ (ان) پیغمبروں (کے آجانے) کے بعد لوگوں کے لئے اللہ پر کوئی عذر باقی نہ رہے۔

معترض آیت کا ترجمہ اور تشریح ایسے کرتے ہیں:

الٰہی انبیاء کے بعد اللہ نے کسی کو حجت قرار نہیں دیا۔۔۔آیت کے حکم کے مطابق دین اسلام میں انبیاء کے بعد کوئی حجت نہیں اور انبیاء کے علاوہ کسی کو وحی نہیں ہوتی، لیکن مذہب (تشیع) میں ہر امام حجت اور ہر مولانا حجۃ الاسلام اور ہر قطب اور رہبر کا قول حجت ہے۔[2]

تحقیق و تجزیہ:

گذشتہ وضاحت کے بعد مذکورہ دلیل کی کمزوری واضح ہو جاتی ہے، لیکن ضرورت کے عنوان سے چند نکات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے: ۱۔مندرجہ بالا آیت انبیاء کی بعثت کے فلسفہ کو بیان اور تشریح کرنے کے مقام پر ہے، اس طرح کہ بعض یہ گمان کرتے تھے کہ عقل کی موجودگی میں آسمانی نبوت کی ضرورت نہیں ہے یا یہ کہ ممکن تھا کہ بعض روز قیامت اللہ اور یوم آخرت پر اپنے ایمان نہ لانے کی دلیل اپنے حق میں حجت الٰہی کا تمام نہ ہونا بیان کریں، آیت انبیاء کی بعثت کی ضرورت اس طرح بیان کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طول تاریخ میں انبیاء کو دو صفات بشارت دینے والا اور ڈرانے والا کے ساتھ بھیجا تاکہ لوگوں کے لیے "للناس" (لام فائدہ کیلئے ہے) کوئی بہانہ

---

[1]: نساء: ۱۶۵

[2]: ابوالفضل برقعی، تضاد مفاتیح با قرآن، ص ۲۵، ۱۹۶، ۱۵

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

اور توجیہ اللہ پر "علی اللہ" نہ ہو، البتہ ملحدین کی توجیہ کا سلب ہونا "بعد الرسل" یعنی انبیاء کے بھیجے جانے کے بعد محقق ہوگا۔[1]

قارئین دیکھ رہے ہیں، کہ آیت سرے سے ہی انبیاء اور الٰہی حجتوں کی خاتمیت کی بحث میں نہیں ہے تاکہ اس سے حجت الٰہی کے اختتام کا معنی سمجھا جائے۔

۲۔ پچھلے نکتہ سے واضح ہوا کہ آیت شریفہ میں حجت سے مراد ملحدین کی دلیل اور وہ چیز ہے کہ جس سے تمسک کریں گے، لہٰذا اسکا بر گزیدہ انسانوں خواہ نبی یا امام سے کوئی ربط نہیں ہے۔

۳۔ زیادہ سے زیادہ آیت شریفہ "المرسل" کی خاتمیت اور انکے ظہور کے اختتام پر دلالت کرتی ہے کہ اس پر سب کا اتفاق ہے۔

ب۔ حجت الٰہی کی خاتمیت اور کلام امام علیؑ

شبھہ بیان کرنے والوں کی دوسری دلیل نہج البلاغہ کا ایک جملہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

تَمت بنَبِینَا مُحمَّد حُجتُه [2]

معترض حضرت کی کلام کی وضاحت میں کہتا ہے: اللہ کی حجت محمد ﷺ کے آنے سے ختم ہو گئی ہے اور کوئی انکے بعد حجت نہیں ہے۔[3]

تجزیہ و تحلیل

اس دلیل کے نقد میں چند نکات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

۱۔ یہ شبھہ بیان کرنے والے محدثین کے ذریعے بیان ہونے والی تمام روایات کا ہر جگہ انکار کرتے ہیں، مثلاً کہتے ہیں کہ ایسی روایات کو خود محدثین نے جعل کیا ہے یا یہ کہ امامت اور امام کی شان و منزلت کو خود امام کی روایت سے ثابت نہیں کرنا چاہیے، اس موضوع میں معترض اپنے گمان کے مطابق ظاہر روایت اور حضرت علی

---

[1]: تفسیر المیزان، ج۵، ص ۱۴۳
[2]: فیض الاسلام، نہج البلاغہ، خطبہ ۹۰، ش ۴۸، ص ۲۶۲
[3]: برقعی، تضاد و مفاتیح با قرآن، ص ۱۹۶، ۲۵، ۱۵

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

علیہ السلام کے خطبہ کو اپنے دعوی کے مطابق سمجھ رہا ہے، لہٰذا اپنے اساسی اعتراض کو نظر انداز کر چکا ہے۔ لیکن اخلاقی اور منطقی بحث کا تقاضا ہے کہ انسان ہر جگہ پر اپنے نظریات پر قائم رہے۔

۲۔ حضرت کا خطبہ ظاہری طور پر بھی امام کے حجت الٰہی ہونے کی خاتمیت کے ساتھ ناسازگاری کے دعوی شبہ پر بھی دلالت نہیں کر رہا، کیونکہ اس ناسازگاری کا دعوایدار خطبہ کا مکمل حصہ نہیں لایا اور حضرت کے خطبہ کے بعض حصہ کو لایا کہ اپنے مقصد کو ثابت کرے، حضرت کا خطبہ یوں ہے:

بَل تُعاهدُهُم بالحُجَج عَلى أَلسن الخيرةِ من أَنبيائِه ومحتملى ودائع رسَالَته قرناً فقرناً حَتّى تَمَّت نبينا محمد حجَّته وبَلَغَ المقطع عُذره ونُذره

بلکہ ہر صدی میں اپنے انبیاء اور حاملان رسالت میں سے برگزیدہ ہستیوں کی زبان پر ان سے پے در پے دلائل اور حجتوں کے ذریعے عہد و پیمان لیا، یہاں تک کہ ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کے وجود کے ساتھ حجت تمام کی اور پھر کسی کے عذر کی گنجائش نہ چھوڑی اور ڈراوا اور خبردار کرنا تھا، وہ سب کے لیے تھا۔

قاریٔ محترم جیسا کہ مشاہدہ کر رہا ہے کہ حضرت ہر دور میں الٰہی انبیاء کی بعثت کو بیان کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی راہنمائی کیلئے بہت سے انبیاء بھیجے، حضرت تاکید فرما رہے ہیں کہ یہ سلسلہ اور مبعوث کرنا آخری نقطہ کے بغیر نہیں ہے، بلکہ آخری نقطہ خاتمیت کے نام سے موجود ہے کہ جو انبیاء کے کامل ترین فرد کے ظہور یعنی حضرت محمد ﷺ کی بعثت سے یہ انبیاء کی بعثت کا سلسلہ اپنے کمال کی آخری حد تک پہنچا اور اسکے بعد ہم آسمانی پیغمبر کے ظہور کا مشاہدہ نہیں کریں گے۔ حضرت کا اس کلام "تمت۔۔۔ حجتہ" میں حجت سے مقصود آسمانی حجت یعنی آسمانی پیغمبر کا ظہور ہے کہ جو اس سے پہلے والے جملہ (کہ جو ہر زمانہ میں انبیاء کی بعثت کو بیان کر رہا ہے) اور آخری جملہ (خاتمیت اور لوگوں کا عذر نہ رکھنا) پر دلالت کر رہا ہے، تو یہاں حجت سے مقصود وہی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی کو بھیج کر اپنی حجت کو لوگوں پر تمام کر دیا ہے اور یہ حجت پیغمبر اسلام کے ظہور کی شکل میں جلوہ گر ہوئی۔ کیونکہ روایت کا آخری جملہ بتا رہا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کے ظہور سے لوگوں کا عذر اور بہانہ ختم ہو گیا ہے، نہج البلاغہ کے مشہور شارح یعنی ابن ابی الحدید معتزلی نہج البلاغہ کے اس جملہ کو اسی معنی (یعنی ختم نبوت نہ ختم حجت) پر تفسیر کرتے ہیں:

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

أی لَم یبلُغ بعدَہ رسول یَنتَظِر [۱]

پیغمبر اکرم ﷺ کے بعد کوئی پیغمبر نہیں آئیگا کہ جسکا انتظار کیا جائے۔

اب یہ کہنا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کے بعد کوئی الٰہی برگزیدہ رہبر مقام نبوت اور شریعت سے ہٹ کر مثلاً مقام امامت میں ظاہر نہ ہوگا، نہج البلاغہ کے اس جملہ سے واضح نہیں ہوتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ جملہ مجمل اور متشابہ ہے، تو اسکا حل یہ ہے کہ حضرت کی دیگر نصوص کی طرف رجوع کیا جائے۔

۳۔ اس بات پر دلالت کہ یہاں اتمام حجت سے مقصود اتمام نبوت ہے نہ کہ حجت الٰہی کا اتمام ہے، وہ منقول دلائل ہیں کہ جو پیغمبر اکرم ﷺ اور خود امام علی علیہ السلام سے حجت الٰہی کے استمرار پر وارد ہوتے ہیں۔ جیسا کہ پیغمبر اسلام ﷺ اپنے آپ اور حضرت علی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی حجت سے توصیف فرماتے ہیں:

یا أنس! أنَا وَھذا حُجة اللہ عَلی خَلقِہ [۲]

اسکی وضاحت پچھلے صفحات میں گزر چکی ہے۔

امام علی علیہ السلام بھی اپنے آپ کو حجت الٰہی سے توصیف کرتے ہیں:

اَلا وَانی عَلیکُم منَ اللہِ الحجةِ البَالغَةِ فلَا تَتولوا قوماً غَضِبَ اللہُ عَلَیھم [۳]

حضرت علی علیہ السلام ایک اور جگہ پر بصورت مطلق زمین کے حجت الٰہی سے خالی نہ ہونے پر تاکید فرماتے ہیں اور اسکی وضاحت کرتے ہیں۔ اسکے علاوہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ یہ حجت الٰہی ممکن ہے کہ گیارہ معصوم اماموں کی طرح ظاہر ہو یا حضرت حجت (عج) کی مانند غایب ہو:

اَللّھُم بلی لَا تخلُوالأرضَ مِن قَائمٍ بحُجةٍ امَّاظاھراً مشھوراً وامَّا خائفاً مغموراً لئلَّا تَبطلَ حججُ اللہ [۴]

حضرت نہج البلاغہ کے سب سے پہلے خطبہ میں بھی مخلوق کے پیغمبر اور حجت سے خالی نہ رہنے پر تاکید فرماتے ہیں:

۱: شرح نہج البلاغہ، ج ۷، ص ۶

۲: تاریخ مدینہ دمشق، ج ۴۲، ص ۲۷۲

۳: التوحید، ص ۹۳، تفسیر کنزالدقائق و بحرالغرائب، ج ۱۴، ص ۵۱۳

۴: نہج البلاغہ، حکمت، شمارہ ۱۳۹، ص ۱۱۵۸

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ولَم یخل اللهُ سبحانَه خَلقه من نَبی مُرسِل او کتَاب مُنزل اَو حُجة لَازمة او محجةٌ قائمة[1]

اس خطبہ میں حضرت نے حجت کو نبی مرسل کے عرض میں قرار دیا اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں مختلف ہیں۔

واضح سی بات ہے کہ اگر عقیدہ خاتمیت بصورت مطلق حجت الٰہی کی خاتمیت پر دلالت کرتا تو کبھی بھی پیغمبر اسلام ﷺ اور حضرت علی علیہ السلام اسکے استمرار پر تاکید نہ کرتے، کیونکہ وہ دونوں بزرگوار بذات خود دین کے حقیقی مفسر اور شارح اور قرآن کی اس آیت کے مقصود سے حقیقی عالم ہیں جو شبہ بیان کرنے والوں نے بطور دلیل بیان کی ہیں۔

ج: حجت کا پیغمبرؐ اور عقل میں انحصار

معترض امام صادق علیہ السلام کی ایک روایت سے تمسک کرتے ہیں کہ جس میں حجت کو دو حجتوں یعنی پیغمبر اور عقل میں منحصر کیا گیا ہے:[2]

حُجَّةُ الله علَی العبَاد النَّبی و الحَجَّة فیمَا بَینَ العبَادِ وبینَ الله عزَّوجلَّ العقل[3]

ظاہر روایت یہ ہے کہ حجت دو حجتوں یعنی پیغمبر اور عقل میں منحصر ہے اور اگر امام بھی حجت کا جزو ہوتے تو روایت میں ذکر ہوتا۔

تجزیہ و تحقیق

۱) مندرجہ بالا روایت اللہ تعالی کی انسانوں پر حجت کی تشریح کر رہی ہے کہ جو دو اقسام کی حجت بیرونی اور آسمانی (انبیاء) اور اندرونی (عقل) میں تقسیم ہوتی ہے، حدیث میں بطور کلی دو مستقل حجتوں (عقل اور نبی) کی طرف اشارہ ہوا ہے، اب یہ کہ نبوت کہ بعد حجت خدا کیا ہے؟ حدیث اسے نہیں بیان کر رہی ہے۔ بالفاظ دیگر امام کے حجت ہونے کا سرچشمہ نبی کی حجت ہے اور وہ رتبہ میں اس کے بعد ہے، حدیث میں نبی کے بعد والی حجت کے مصادیق کی طرف بالکل اشارہ نہیں ہوا ہے۔

---

[1]: سابقہ ماخذ، خطبہ اول، ص ۳۷

[2]. ابوالفضل برقعی، تضاد مفاتیح الجنان با قرآن، ص ۱۹۶

[3]. کافی، ج ۱، کتاب العقل والجہل، ح ۲۲، ص ۲۵

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

۲) پچھلے نکتہ سے قطع نظر یہ کہنا چاہیے کہ روایت میں یہ حقیقی انحصار نہیں ہے بلکہ ایک اعتباری اور نسبی انحصار ہے۔ یعنی امام (ع) اس روایت میں موضوع کی تمام اقسام بیان نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ اسکے اہم مصادیق کی طرف اشارہ فرمارہے تھے۔ کیونکہ دیگر روایات میں آپ نے حجت کے دیگر مصادیق کو بھی بیان فرمایا ہے۔ مثلاً قرآن کو حجت کے عنوان سے توصیف کرنا (کہ معترض نے بھی اسے بیان کیا ہے) یا ائمہ کو حجت کے عنوان سے توصیف کرنا کہ جسکی تفصیل گذشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔ اگر مندرجہ بالا روایت کا انحصار، حقیقی انحصار پر حمل ہوتا تو یہ لازم آتا ہے کہ دوسری روایات کے ساتھ تعارض پیدا کرے حالانکہ اگر اسے نسبی حصر و انحصار جانا جائے تو دوسری روایات کے ساتھ قابل جمع اور توجیہ ہو سکتا ہے۔

۳) آخری نکتہ یہ ہے کہ اگر معترض ائمہ اطہار علیہم السلام کی روایت سے تمسک کرتا ہے، تو صرف ایک خاص روایت نہ بلکہ اس موضوع میں تمام روایات کا ملاحظہ کرے اور باب حجت میں تمام روایات کا مطالعہ کرتے اور انہیں جمع کرتے ہوئے حجت کے حوالے سے ایک راہ حل اور ان سب سے لیا ہوا ایک نظریہ اپنائے، نہ یہ کہ صرف ایک روایت کہ جو اسکے دعوی کے مطابق ہو اسے اپنائے اور باقی کو چھوڑ دے۔[1]

پانچواں شبھہ: الھام اور باطنی ولایت کا خاتمیت کے ساتھ ناسازگار ہونا

شیعوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہرا (س) اور بارہ امام عالم غیب اور فرشتوں سے رابطہ میں تھے اور الٰہی فرشتے ان پر نازل ہوتے تھے۔ ائمہ اطہار علیہم السلام کی ایسی توصیف روایات کی زبان میں "محدث"، "مفھمون" اور "ملھمون" سے تعبیر ہوتی ہے کہ جو نبوت کی خاتمیت سے تعارض رکھتی ہے۔

اس سے پہلے شاہ ولی دھلوی کی عبارت بھی اس موضوع میں بیان ہوئی کہ کہتے تھے:

یہ (شیعہ)--- امام کے حق میں باطنی وحی کے قائل ہیں۔ پس در حقیقت یہ لوگ ختم نبوت کے منکر ہیں---اور یہ چیز نبوت کے ساتھ کوئی فرق نہیں رکھتی۔[2]

ایک اور مصنف حضرت زہرا علیہا السلام پر وقت نماز حضرت جبرئیل کے نزول کو نبوت و خاتمیت کے منافی کی توصیف کرتے ہیں:

---

۱. کافی، ج ۱، کتاب الحجۃ

۲. کافی، ج ۱، کتاب الحجۃ، باب ان الائمۃ محدثون، ص ۲۷۰، ۲۶۴، ۲۷۳، بحار الانوار، ج ۲۶، ص ۶۶، باب دوم، انھم محدثون۔

۳. التحفۃ الاثنا عشریۃ، ج ۲، ص ۲۹۴، ۳۰۱

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

آیا جبرئیل غیر نبی کے لئے وحی لاتا ہے؟[1]

ڈاکٹر سروش کہتے ہیں:

امامت کو کمال دین کی شرط شمار کرنا اور ائمہ کو باطنی وحی کا حامل، معصوم اور واجب الاطاعۃ سمجھنا (جیسا کہ شیعوں کا عقیدہ ہے) اب کیسے سمجھا جائے کہ یہ خاتمیت کے ساتھ ناسازگار نہ ہو؟[2]

تجزیہ و تحقیق

اس شبہ کے نقد میں مندرجہ زیل نکات قابل توجہ ہیں:

الف: غیر انبیاء میں الہام اور غیب سے رابطہ

سب سے پہلا قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ مندرجہ بالا شبہ کے قائلین حضرات نے نبوت کے اساسی رکن کی طرف توجہ نہیں کی، پچھلے صفحات میں ذکر کیا ہے کہ نبوت یہ ہے کہ غیب سے رابطے کے ساتھ نبوت کا دعوی کرے اور واضح انداز میں فرشتہ وحی سے ملاقات کرے اور یہ دعوی کرے کہ اس نے وحی اور شریعت حاصل کی ہے یا حداقل فرشتہ وحی سے ایسے الھی پیغام کی تبلیغ پر مبنی رابطے کا دعوی کرے کہ جس میں گذشتہ شریعت کی حمایت اور تبلیغ کا حکم دیا جائے کہ یہ تبلیغی انبیاء کیلئے واقع ہوتا تھا۔

لیکن صرف عالم غیب اور الھی فرشتوں بالخصوص حضرت جبرئیل سے رابط نہ اس لئے کہ وحی اور نئی شریعت حاصل کرنی ہے، بلکہ اس عنوان سے الھامی علم حاصل ہو یا گفتگو ہو اور الھی فضل و نعمت حاصل ہو، تو یہ نہ نبوت ہے اور نہ ہی خاتمیت کی نفی کر رہا ہے۔ اس دعوی کی دلیل وہ قرآنی آیات ہیں کہ جو غیر انبیاء کے لئے غیبی رابطہ کے واقع ہونے کی خبر دیتی ہیں، کہ ذیل میں اشارہ ہوتا ہے:

۱) حضرت موسیٰؑ کی والدہ کے لئے الھام: قرآن مجید حضرت موسیٰؑ کی والدہ کے بارے میں بتاتا ہے کہ وہ حضرت موسی علیہ السلام کی ولادت کے وقت چونکہ ظالم حکومت سے بچے کے قتل کا خوف رکھتی تھیں تو اللہ تعالی نے انہیں وحی کی (غور کریں کہ آیت میں کلمہ وحی ذکر ہوا ہے اور مفسرین نے اسے الھام تفسیر کیا ہے) کہ موسی کو دودھ پلا کر دریا میں ڈال دے:

---

[1] ابوالفضل برقعی، تضاد مفاتیح الجنان باقران، ص ۱۲

[2] بھن پور کو سروش کا پہلا جواب، اول شہریور، ۱۳۸۳، سایت بازتاب و سروش، اسی طرح سخنرانی سروش اور دانشگاہ سورین، فرانسہ، سایت فروش عنوان تحییج و چالش مردم سالاری، ۱۳۸۴، وہ اس تقریر میں ائمہ کے محدث و ملہم ہونے کو خاتمیت کے منافی بتاتے ہیں۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

وَأَوْحَيْنَا إِلَى أُمِّ مُوسَى أَنْ أَرْضِعِيهِ [1] إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَى أُمِّكَ مَا يُوحَى [2]

واضح ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام کی والدہ کے لئے ایک طرح کی وحی اور غیبی رابطہ انجام ہوا اور انہوں نے اسی بنا پر اپنے فرزند کو دریا میں ڈال دیا، پس ثابت ہوا کہ وحی اور الھام انبیاء سے خاص نہیں ہے۔

۲) حضرت لقمانؑ: دوسرے شخص کہ جو اللہ کی خاص عنایت کے حامل تھے، حضرت لقمان ہیں کہ قرآن مجید بتاتا ہے کہ اللہ تعالی نے انہیں حکمت عطا کی:

وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ [3]

۳) حضرت خضرؑ: حضرت خضرؑ اس قول کے مطابق کہ نبی نہ تھے (یہ مورد اختلاف ہے)۔[4] اللہ تعالی نے انہیں عظیم صفات مثلا عبد خدا، ہماری طرف سے رحمت حاصل ہونا اور علم لدنی سے توصیف فرمایا ہے:

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِنْ عِندِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا [5]

آیت مندرجہ بالا خصوصی عنایات بالخصوص علم لدنی عطا کرنے کی کیفیت کی تشریح نہیں کر رہی ہے، لیکن یہ کہ اللہ تعالی نے خضر کی تعلیم کو اپنی طرف نسبت دی، اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت خضر اور عالم غیب میں ایک غائبی رابطہ موجود تھا کہ جسے حضرت خضر کے لئے (علم لدنی) سے تعبیر کیا گیا۔

۴) حضرت مریم (س) پر فرشتوں کا نزول: ایک اور مقام کہ جہاں فرشتے آسمان سے نازل ہوئے، گفتگو کی اور بشارت دی حضرت مریم (س) ہیں کہ جو حضرت عیسی علیہ السلام کی والدہ گرامی ہیں کہ انہیں الہی معجزہ کے ساتھ بغیر شوہر کے حاملہ ہونے کی خبر دی:

وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفَاكِ عَلَى نِسَاءِ الْعَالَمِينَ ذَٰلِكَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ إِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ، قَالَتْ رَبِّ أَنَّى يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ قَالَ كَذَٰلِكِ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ [1]

---

[1]. قصص، ۷

[2]. طہ، ۳۸

[3]. لقمان، ۱۲

[4]. المیزان، ج ۱۶، ص ۲۲۶

[5]. کہف، ۶۵

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ان آیات شریفہ میں نہ صرف یہ کہ حضرت مریم (س) پر ملائکہ کے نزول کی خبر دی گئی بلکہ فرشتوں کی حضرت مریم (س) سے گفتگو اور حضرت مریم (س) کا فرشتوں کو جواب اور انکا اللہ تعالی کو خطاب (قالت یارب) کی بھی خبر دی گئی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر نبی شخص پر بھی فرشتے نازل ہوتے ہیں اور اس سے گفتگو کر سکتے ہیں اور اس میں کوئی تعجب نہیں ہے۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ فرشتوں نے حضرت مریم (س) سے اپنی گفتگو کو وحی اور اپنی خبروں کو غیبی خبروں سے تعبیر کیا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمانی غیبی خبریں غیر نبی پر ممکن ہیں۔

تیسرا نکتہ یہ ہے کہ مندرجہ بالا آیات نبی کے علاوہ پاکیزہ اور برگزیدہ شخصیت یعنی حضرت مریم (س) کے وجود کے امکان پر دلالت کرتی ہیں:

يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاكِ وَطَهَّرَكِ

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا پیغمبر اسلام ﷺ کی دختر گرامی حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کہ جن کے مربی حضرت محمد ﷺ اور حضرت علی علیہ السلام جیسی شخصیت ان کے شوہر ہوں آیا وہ حضرت مریم علیہ السلام سے بلند مقام کی حامل نہیں ہیں؟

یا حداقل دونوں کے مساوی ہونے کے قائل ہوں تو اس صورت میں فرشتے کے ان پر نازل ہونے اور انہیں خاص دعا کی تعلیم دینے کا شبہ بالکل ختم ہو جاتا ہے۔

۵) **حواریوں پر وحی:** ایک اور مقام کہ قرآن مجید نے غیر انبیاء پر وحی کی وہ حضرت عیسی علیہ السلام کے باوفا اور مخلص اصحاب (حواریون) تھے۔

وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ [۲]

شیعہ اور اہل سنت کی تفاسیر کے مطابق اس قسم کی وحی الھام اور دل میں ڈالنے کی قسم سے تھی۔ [۳]

---

۱. آل عمران، ۴۲، ۴۳، ۴۵، ۴۷

۲. مائدہ، ۱۱۱

۳. فخر رازی، تفسیر کبیر، ج ۶، ص ۱۳۶، المیزان، ج ۶، ص ۲۲۲، ذیل آیت

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

۶) اولیاء خدا پر فرشتوں کا نزول: اس سے پہلے والے موارد بطور خاص اور واضح قرآن کریم میں مورد تائید اور تاکید ہیں، جبکہ اس مورد میں قرآن مجید نے بصورت کلی اور صفات کے ذکر کے ساتھ خاص انسانوں پر وحی (الھام) اور فرشتوں کے نزول کے امکان کو بیان کیا ہے مثلا:

يُنَزِّلُ الْمَلآئِكَةَ بِالْرُّوحِ مِنْ أَمْرِهِ عَلَى مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ [1]

مندرجہ بالا آیت (البتہ خاص الٰہی بندوں میں سے) تمام انسانوں پر فرشتوں کے نزول کو بیان کر رہی ہے، یہاں فرشتوں کے نزول کا انبیاء کے ساتھ خاص ہونے کا ذکر نہیں ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ [2]

مندرجہ بالا آیت ایسے انسانوں پر فرشتوں کے نزول کی خبر دے رہی ہے کہ جو اللہ کی راہ میں استقامت رکھتے ہیں اور بعد والی آیت بتا رہی ہے کہ الٰہی فرشتے دنیا اور آخرت میں ثابت قدم انسانوں کے دوست اور اولیاء ہیں۔

فخر رازی دنیا میں فرشتوں کے انسانوں کے لئے اولیاء ہونے کی وضاحت الھام، کشف اور حقیقی مقامات سے تفسیر کرتے ہیں کہ یہ غیر نبی کے عالم غیب سے رابطہ کو قبول کرنا ہے۔ [3]

۷) بنی اسرائیل کے برگزیدہ افراد سے فرشتوں کا گفتگو کرنا: پچھلے موارد قرآن کی رو سے بیان ہوئے ہیں، قرآن مجید کے علاوہ احادیث نبوی میں بھی اس مسئلہ پر تاکید ہوئی ہے جیسا کہ آپ فرماتے ہیں:

لَقَد كَان فيمَن كَانَ قبلكُم مِن بَنى اسرائيل يكَلّمونَ من غَير اَن يَكُونَ اَنبيَاء [4]

اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ ملائکہ نے بنی اسرائیل کے بعض افراد سے گفتگو کی ہے اور وہ افراد نبی نہیں تھے۔

---

۱. نحل، ۲

۲. فصلت، ۳۰و۳۱

۳. معنی کونهم اولیاء للمومنین ان للملائکة تاثیرات فی الارواح البشریة بالالهامات والمکاشفات الیقینیة و المقامات الحقیقیة، تفسیر کبیر، ج ۱۴، ص ۱۲۴، ذیل آیت ۳۰، سورہ فصلت

۴. صحیح بخاری، ج ۳، ص ۳۴۹ ا، بعض روایات میں اسکا ایک مصداق عمر ذکر ہوا ہے۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

غیر انبیاء کے عالم غیب سے رابط کا موضوع اس قدر واضح ہے کہ ہم انہی مطالب پر اکتفا کرتے ہیں، اگرچہ بہت سی آیات و روایات ہیں کہ جو بعض غیر نبی افراد مثلا ذوالقرنین، حضرت سلیمان علیہ السلام کے مصاحب (آصف بن برخیا) اور حضرت داود علیہ السلام کے مصاحب کے عالم غیب سے رابط پر دلالت کرتی ہیں اور روایات میں ان کے غیب سے رابط کی تفصیل اور کیفیت، اسی طرح ائمہ علیہم السلام کے غیبی رابط کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے کہ قاری محترم کو ان ماخذ کا حوالہ دیتے ہیں۔[1]

۸) عالم برزخ کا مشاہدہ: کامل انسانوں کے لئے عالم غیب سے رابطہ، عالم برزخ، جنت اور جہنم کے حالات کا مشاہدہ اس دنیا میں نہ صرف ممکن ہے بلکہ واقع بھی ہوا ہے۔ تاریخ میں حارثہ بن مالک کا واقعہ مشہور ہے، کہ جب پیغمبر ﷺ نے نماز صبح کے بعد اسکی خوفزدہ سفید ہوئی صورت (خدا اور جہنم کے خوف سے) کا مشاہدہ فرمایا اور کس انداز میں رات گزرنے اور صبح ہونے کا پوچھا:

کیف اصبحت ۔اس نے یقین، جنت و جہنم کے مشاہدہ ہونے کے حالات کو بیان کیا۔[2]

مولانا بلخی نے اس واقع کو خوبصورت انداز میں اپنی مثنوی میں بیان کیا ہے۔[3]

امام علی علیہ السلام ایسے کامل انسانوں کے بارے میں خبر دیتے ہیں کہ دنیا میں مادی حجاب انکی نظروں سے ہٹ چکے ہیں اور وہ عالم غیب و برزخ کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

۹) امام علیؑ کا اپنے الھام کی وضاحت کرنا: حضرت مختلف مقامات پر اپنے علم غیب اور لدنی کو بیان فرماتے ہیں اور اپنے علم کو الھام کی قسم سے توصیف کرتے ہیں: ال همنی اللہ عزوجل علم ما فی۔[4] علم غیب کی زیادہ بحث اس سے مربوط بحث کے ذیل میں بیان ہو گی۔

ب: مقام امامت و ولایت کا نبوت سے بلند ہونا (عرفانی نظریہ)

گذشتہ صفحات میں بیان ہو چکا ہے کہ نبی اپنے قدسی نفس اور الہی عنایت کی بنا پر یہ صلاحیت رکھتا ہے کہ عالم غیب سے رابطہ رکھے اور وحی کے ذریعے آسمانی شریعت حاصل کرے اور اسکی تبلیغ کرے یا حداقل یہ آسمانی ذمہ

---

[1]. بحار الانوار، ج ۲۶، باب دوم، اور دیگر ابواب

[2]. السیرۃ الحلبیۃ، ج ۳، ص ۲۰۵، احیاء علوم الدین، ج ۴، ص ۸۴، باب بیان حد الشکر، حادی الارواح، ج ۱، ص ۱۸۰، باب ۵۹، بحار ج ۶۷، ص ۷۴

[3]. مثنوی معنوی، دفتر اول، فصل نبی (ص) کا پوچھنا، ج ۱، ص ۱۵۵، بیت: ۳۵۰۶

[4]. بحار، ج ۲۶، ص ۴

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

داری حاصل کرے کہ پچھلی شریعت کی تبلیغ کرے اور اسے انحرافات سے بچائے رکھے کہ اصطلاح میں پہلی قسم کے انبیاء کو تشریعی انبیاء اور دوسری قسم کے انبیاء کو تبلیغی انبیاء سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

لیکن بعض انبیاء ایسے بھی تھے کہ جو غیبی رابطہ اور شریعت کے حصول کے علاوہ ایک خاص رابطہ کے ساتھ الٰہی قدسی مقام پر فائز ہوئے کہ جو کشف اور الٰہی تجلیات کے مشاہدہ کے حوالے سے نہایت بلند اور مکمل مقام ہے۔ اس کا واضح مصداق حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبی ہونے کے کئی سالوں کے بعد مقام امامت کا عطا ہونا ہے۔[1] اس سے واضح ہوتا ہے کہ مقام امامت دراصل نبوت کے مقام سے بلند ہے۔

اسی لئے مسلمان عرفاء نے مقام نبوت پر مقام ولایت کی حقیقت اور جوہر ہونے کے نظریہ کو بیان کیا ہے، اسکی کیفیت یہ ہے کہ مقام ولایت اور امامت کے حامل افراد دینی تعبیر کے مطابق فرشتوں سے رابطہ اور فلسفی اور عرفانی تعبیر کے مطابق عقل مجرد ہونے کی بناء پر یہ صلاحیت رکھتے ہیں کہ اس راہ سے غیبی اسرار اور خبریں حاصل کریں کہ جس میں دینی معارف بھی ہوں۔ اس قسم کے قدسی امر سے تعلق کی بنا یہ ہے کہ ایسا شخص کمال پر پہنچا ہوا اور نفس زکیہ رکھتا ہے کہ جو اسے الٰہی عنایت سے حاصل ہوا ہے۔

قدسی امور سے ایسا تعلق کسی اصطلاحی وحی یا اور حصول شریعت کے راستہ سے نہیں ہے کہ اس پر نبوت بالخصوص نبوت تشریعی کا اطلاق ہو اور خاتمیت سے ناسازگار ہو۔

عالم اسلام کے مشہور عارف ابن عربی کہتے ہیں:

انَّ الولایةَ هیَ الفلکُ المحیطُ العالمُ ولهذا لَم تنقطع ولَهَا الأنباءُ العام وامَّا نبوةُ التشریعِ والرِّسَالَة فَمُنقطعَة وفِی محمدٍ(ص) قَد انقَطعَت فَلا نَبی بعدَه، یَعنی مُشرعًا او مشرعًا لَه ولَا رَسولَ وهو المُشرعُ الَّا اَن اللهَ لطیف بِعبَاده فاَبقی لَهُم النبوَّة العامة الَّتی لَا تشریعَ فیها [2]

ولایت سارے عالم پر چھایا ایک دائرہ ہے جو ختم نہیں ہوتا اور مسلسل خبر دے رہا ہے جبکہ نبوت تشریعی اور رسالت ختم ہو جاتی ہیں۔ حضرت محمد ﷺ میں یہ ختم ہو چکی ہے پس انکے بعد نبی نہیں ہے یعنی ایسی ذات کہ جو تشریع کرے یا اسکے لیے احکام تشریع کیے گئے ہوں اور نہ رسول ہے کہ یہ مشرع ہے مگر یہ کہ اللہ اپنے بندوں کے حق میں لطف کرے۔ پس انکے لیے نبوت عام باقی رہ گئی ہے کہ اس میں تشریع نہیں ہے۔

---

[1] بقرہ، ۱۲۴

[2] فصوص الحکم، فص عزیزی، ص ۱۲۴، ۱۳۵ باتعلیقات عفیفی

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ایک اور مقام پر کہتے ہے :

فَالخليفةُ عَن الرَّسولِ مَن يَأخُذُ الحكم بالنَّقلِ عَنه(ص) أو بالاجتهادِ الذى اصلُه ايضًا مَنقُول عنه(ص) وفِينَا مَن يَأخُذُ عَنِ اللهِ فَيكونُ خليفة عَن اللهِ بعينِ ذلِكَ فَتكُون المادةُ من حَيثُ كَانتِ المادةُ لرَسُوله [1]

پس خلیفہ رسول وہ ہے جو ان سے حکم نقل کرتا ہے یا اجتہاد کرتا ہے کہ اسکی اصل بھی پیغمبر ﷺ سے نقل ہونا ہے۔ ہمارا موضوع بحث وہ ہے جو اللہ سے اخذ کرتا ہے جس طرح رسول کرتے ہیں پس اسکا مادہ وہی ہے جو رسول کا مادہ ہے۔

آپ اشارہ کرتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ دونوں مقام میں یعنی مقام نبوت اور ولایت میں نقطہ کمال اور عروج پر پہنچے ہیں اور دیگر لوگ ان کے تابع ہیں۔

اسی بناء پر ممکن ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی خاتمیت کے بعد ایسے لوگ پیدا ہوں کہ جو معنوی کمال اور مقام ولایت پر فائز ہوں اور الٰہی توجہ اور عنایت کے حامل ہوں اور اس مقام کے زیر سایہ عالم غیب اور اسکے مختلف مراتب سے رابطہ رکھتے ہوں اور وہاں سے غیبی خبریں حاصل کرتے ہوں، کہ ایسے انسانوں کا وجود اور ان کو قبول کرنا عقیدہ خاتمیت سے کوئی منافات نہیں رکھتا، کیونکہ یہ لوگ مقام نبوت اور نئی شریعت کے حصول اور ابلاغ وحی کے دعویدار نہیں ہیں اور خاتمیت نے اس قسم کے دعوی پر مہر لگائی ہے۔

پس عالم غیب سے رابطہ کا دعوی اور فرشتوں کا نزول ممکن ہے اور قرآنی آیات کے مطابق غیر انبیاء پر بھی واقع ہوا ہے، جہاں تک اس بحث کا تعلق ہے کہ اس مقام کو اس کے مصادیق پر مطابقت دی جائے، اسے بعد والے نکتہ میں ذکر کیا جائیگا۔

ح: اہل سنت کا الہام اور مکاشفہ کا اعتراف

اکثر علماء اہل سنت کہ جن میں سے متکلم، محدث اور مفسر حضرات بھی ہیں، سب نے غیر انبیاء پر الہام اور مکاشفہ کا اعتراف کیا ہے، کیونکہ جب ایسا مسئلہ ہو کہ جس پر قرآنی آیات دلالت کریں تو اسکی مخالفت جائز نہیں ہوتی،

---

[1] سابقہ ماخذ، فص عزیزی، ص ۱۳۴، ۱۳۵ و الفتوحات، ج ۲، ص ۱۳۳، ۲۵۴، ج ۲، ص ۲۷۲، ۳۲۹

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

لھذا شیعہ مفسرین کی مانند اہل سنت کے مفسرین نے بھی غیر انبیاء پر وحی والھام کی آیات کی تفسیر میں غیر نبی پر وحی کو الھام، دل میں ڈالنا اور ایک قسم کے مکاشفہ سے تعبیر اور تفسیر کیا ہے۔

ابن تیمیہ اہل سنت کے سلفی اور ظاہری نظر کے نظریات رکھنے والے معروف علماء میں سے ہے، وہ الھام کو تمام مومنین کے لئے ممکن جانتے ہیں[۱]، لیکن اپنے سنی مذھب کی بناپر اس نکتہ کا اضافہ کرتے ہیں کہ الھام اور مکاشفہ میں کوئی بھی خلیفہ دوم عمر کے مکاشفہ اور الھام تک نہیں پہنچا۔[۲]

فخر رازی سورہ فصلت کی ۳۱ ویں آیت کے ذیل میں ملائکہ کے الھام، مکاشفہ اور معنوی مقامات کے ذریعے بشری ارواح پر اثر انداز ہونے کو بیان کرتے ہیں کہ جنکی عبارت گذشتہ صفحات کے حاشیہ میں گزر چکی ہے۔[۳]

عبدالوہاب شعرانی (متوفی ۹۷۳ق) وضاحت کرتے ہیں کہ ولی پر فرشتہ شریعت محمد ﷺ کی خبریں براہ راست بیان کرتا ہے کہ گویا ولی ان خبروں اور تعلیمات کو پیغبر اکرم ﷺ سے حاصل کر رہا ہو۔

القولُ فِی الولی غایتُه الالھام الموافقُ لِشَریعَةِ محمدٍ(ص) بعد الفَتح فَلَا یَعمل به مُستَقِلاً لانَّ نبوةَ التَّشریع قَد انقَطَعَت بمَوتِ رَسولِ اللهِ (ص) فَیَصیرُ مُلکُ الألھام یُنبئھُم ذلکَ الولی شَریعة مُحَمَّد(ص) ویَطلَعه اسرارَھا حَتّی کَانَّه اَخَذَھا عَن رَسولِ اللهِ (ص) بِلَا واسِطة[۴]

اسی طرح اہل سنت نے اپنے حدیثی ماخذ میں اپنی بعض شخصیات مثلا عمر کو محدث بیان کیا ہے[۵] کہ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ صاحب الھام تھے اور فرشتہ ان پر نازل ہوتا تھا۔ **غزالی** پیغمبر اکرم ﷺ سے حدیث نقل کرتے ہیں کہ امت اسلام میں کچھ محدث ہیں کہ جن میں سے ایک عمر ہے[۶]۔

اب سوال یہ ہے کہ عمر جیسے افراد کہ جن کی عمر کا ایک حصہ کفر میں گزرا، ان کے لئے الھام، فرشتوں کا نزول اور مقام محدث، آیا نبوت اور خاتمیت کے ساتھ منافات نہیں رکھتا؟ لیکن جب حضرت علی علیہ السلام جیسی

---

[۱]: "الالھام یکون لآحاد المومنین" فتاوی ابن تیمیہ، ج ۱۲، ص ۱۲۸

[۲]: "فکل من کان اھل الالھام والمکاشفة لم یکن افضل من عمر" فتاوی ابن تیمیہ، ۱۳، ص ۷۴

[۳]: تفسیر کبیر، ج ۱۴، ص ۱۲۴، ج ۶، صص ۱۳۶ و ۲۲۲

[۴]. الیواقیت والجواھر، ج ۲، ص ۳۴۲

[۵]. صحیح بخاری، ج ۲، ص ۱۷۱، صحیح مسلم، باب مناقب عمر بن خطاب

[۶]. المستصفی فی علم الاصول، ج ۱، ص ۲۷۰

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

شخصیت کہ جن کا وجود کفر سے پاک ہے اور انہوں نے دامن پیغمبر میں تربیت پائی ہے، اگر ان کے بارے میں ایسی بات ہو تو وہ عقیدہ خاتمیت کے ساتھ متعارض ہے، اس وقت سروش اور دھلوی جیسے افراد عقیدہ خاتمیت کے بارے پریشان ہو جاتے ہیں؟

د: احادیث نبوی میں ائمہؑ کی باطنی روح کا تذکرہ

پیغمبر اسلام ﷺ نے خود اور اپنی اہل بیت کو مختلف روایات میں "موضع الرسالة و مختلف الملائكة و معدن العلم" کے ساتھ توصیف کیا ہے کہ جو اللہ تعالی کی اہل بیت پر خاص عنایت پر دلالت کرتا ہے کہ وہ الٰہی رسالت کا مقام، فرشتوں کے نزول کی جگہ اور معدن ہیں۔

نَحنُ اهل بيت طَهَّرهُم اللهُ من شَجرةِ النُّبوةِ و مَوضعِ الرسَالَة ومُختلفِ المَلَائكَة و بيتِ الرَّحمَة و مَعدنِ العِلمِ [1]

اسکے علاوہ حضرت علی علیہ السلام بچپن سے پیغمبر کے ہمراہ رہے، غار حرا اور دیگر مقامات میں ان کے ساتھ تھے۔

نزول وحی کے وقت نور وحی کو دیکھا، خوشبو نبوت کو سونگھا اور جبرئیل کا مشاہدہ کیا اور اس کی آواز سنی۔ [2]

پیغمبر ﷺ اس مسئلہ کی تائید میں یہ نکتہ بیان کرتے ہیں کہ علی علیہ السلام پیغمبر کی ہی مانند ہیں اور ان دو میں فرق نبوت کی خاتمیت یا پیغمبر ﷺ کی رحلت ہے۔

اِنَّکَ تَسمَع مَا اَسمَع وتَرى مَا اَرى اِلَّا اَنَّکَ لَستَ بنبى [3]

ابن ابی الحدید بھی نہج البلاغہ کی شرح میں اسی حدیث نبوی کی مانند امام علی علیہ السلام سے حدیث نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

---

[1]. سیوطی، الدار المنثور، ج ۵، ص ۱۷۸، ذیل آیت احزاب ۳۳، فرائد السمطین، ج ۱، ص ۴۴، باب دوم، اسد الغابہ، ج ۳، ص ۱۹۳، ینابیع المودۃ، ج ۲، ص ۳۰۲، موسوعۃ الامامۃ فی نصوص اہل السنۃ، ج ۳، باب، ص ۴۵۰ سے منقول، ابن ابی حاتم، تفسیر القرآن العظیم، ج ۹، ص ۳۱۳۳

[2]. " ارى نورالوحى والرسالة واشم ريح النبوة ولقد سمعت رنه الشيطان حين نزل الوحى عليه (ص)-"-(نہج البلاغہ، خطبہ ۲۳۴)، نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، خطبہ ۲۳۸، ج ۱۳، ص ۱۹۷)

[3]. سابقہ ماخذ

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

نَحنُ اهل بیتِ النُّبوةِ و مَوضعُ الرِّسالَة وَ مُختَلفُ المَلائکَة وَعُنصُر الرَّحمَة وَ مَعدنُ العِلم والحِکمَة [1]

شیعہ اسناد میں بہت سی احادیث و روایات موجود ہیں کہ جو ائمہ علیہم السلام کی روح باطنی اور ملائکہ کے ذریعے ان پر الھام ہونے پر دلالت کرتی ہیں کہ شیخ کلینی نے کافی [2] اور علامہ مجلسی نے بحار [3] میں انہیں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

ھ۔ دہلوی اور سروش کو نقضی جواب

شاہ ولی اللہ دہلوی نے کوشش کی ہے کہ مختلف حیلوں سے ائمہ اطہار علیہم السلام کی باطنی وحی اور الھام پر اعتراض کرے، اس سے پہلے اسکی کلام گزر چکی ہے۔

وہ اپنی دلیل کی اساس اپنا خواب بیان کرتے ہیں کہ جس میں وہ پیغمبر اسلام ﷺ کی روح کا مشاہدہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں:

عالم رویا میں میں نے پیغمبر کی روح سے مذہب شیعہ کے بارے میں سوال کیا تو حضرت نے فرمایا کہ ان کا مذہب باطل ہے۔ [4]

سوال یہ ہے کہ آیا ان کا خواب ایک سچا خواب تھا کہ اس نے واقعاً پیغمبر کی روح سے ملاقات کا شرف حاصل کیا ہے اور ان سے جواب سنا؟ یا یہ جھوٹا خواب ہے اور دھلوی کو وہم ہوا ہے کہ اس نے روح پیغمبر ﷺ سے ملاقات کی ہے؟

اس سوال کا جواب دو فرض سے خالی نہیں ہے اگر جواب مثبت ہو تو معلوم ہو گا عالم ملکوت سے غیبی رابطہ، وہ بھی پیغمبر اسلام ﷺ کی روح سے ایک سچے خواب کے ذریعے رابطہ دھلوی جیسی شخصیت کیلئے ممکن ہے اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ بعض انبیاء کو سچے خوابوں کے ذریعے وحی ہوتی تھی۔

تو اس فرض میں یہ سوال سامنے آتا ہے کہ کیوں جناب دھلوی اپنے الھام اور مکاشفہ کے دعوی کے ذریعے ائمہ شیعہ علیہم السلام کے الھام کو قبول نہیں کرتے، حالانکہ اہل سنت کا بھی عقیدہ ہے کہ امام علی علیہ السلام اور دیگر

---

[1]. شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۲، ص ۲۸۳، خطبہ ۳ کا آخر

[2]. الکافی، ج ۱، ص ۲۷۰

[3]. بحار، ج ۲۶، ابواب علومھم، باب ۲، ۱، ص ۶۶ و ۸۵

[4]. دھلوی، التفہیمات الالٰھیہ، ج ۲، ص ۲۹۴، ۳۰۱

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ائمہ کا مقام دھلوی سے قطعاً بلند ہے ؟آیا وہ یہ فکر کرتے ہیں کہ اسے عرفان اور ولایت باطنی کا وہ مقام حاصل ہو اہے کہ امام علی علیہ السلام جیسی شخصیت نعوذ باللہ اس سے محروم ہے ؟

اسکے علاوہ اس فرض میں (اپنے مکاشفہ کا دعوی اور ائمہ کے الھام کا رد) اس کا دعوی اسکے اپنے خواب اور استدلال سے منافات رکھتا ہے، وہ کہتے ہیں:

جب میں نے اس حالت سے افاقہ پیدا کیا تو لفظ امام میں غور کیا کہ وہ لوگ (شیعہ) امام کے لئے باطنی وحی کے قائل ہیں، پس وہ درحقیقت ختم نبوت کے منکر ہیں۔[1]

اس استدلال میں دھلوی یہ کوشش کر رہے ہیں کہ ہر طرح کی باطنی وحی کو نبوت اور خاتمیت کے مخالف بتائیں جبکہ بذات خود باطنی وحی کا دعوی کیا ہے ؟

دھلوی کے خواب کا دوسرا فرض منفی جواب ہے، یعنی اس کے خواب ورویا کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور اس کا پیغمبر کی روح سے کوئی رابطہ برقرار نہیں ہوا۔ ہم بھی اس فرض کو قبول کرتے ہیں اس صورت میں اس کا خواب صرف ایک خواب ہے اور کسی قسم کی حجیت اور اہمیت کا حامل نہیں ہے اور نہ اس کے خواب کے جواب دینے کی ضرورت ہے۔

لیکن اب سروش کو جو مختلف مقامات پر تجربہ نبوی کی وسعت کے قائل ہیں اور شمس تبریزی وغیرہ کے لئے اسے تجویز کرتے ہیں۔

ان کی عبارت کا ملاحظہ کریں:

پیغمبر جیسا تجربہ ابھی بھی جاری ہے کیونکہ اللہ تعالی کے جلوے ختم ہونے والے نہیں ہیں، ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ تعالی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جلوہ گر ہوا اور اسکے بعد تجلی کا یہ دروازہ بند ہو گیا، یہ تجلی ہمیشہ رہے گی ہر فرد کے لئے اسکی ظرفیت اور صلاحیت کے مطابق جاری رہے گی۔[2]

وہ نہ صرف یہ کہ تجربہ نبوی کے پھیلاو کے قائل ہیں، بلکہ اس سے بڑھ کہ نبوت کے امکان کو بھی قبول کرتے ہیں اور کہتے ہیں:

---

[1]. سابقہ ماخذ

[2]. سروش، مقالہ "اسلام، وحی و نبوت"، مجلہ آفتاب، شمارہ ۱۵، اردیبہشت ۱۳۸۱، ص ۷۳

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

آیا ہر کوئی نبی ہو سکتا ہے، یہ مان لینا چاہیئے کہ کوئی ممکن ہے اپنے لیے نبی ہو اور خاص حالتیں پائے اور ایسے ذوق ووجد کا حامل ہو۔۔۔۔ میرا احساس یہ ہے کہ بعض بزرگان مثلاً شمس تبریزی تقریباً ایسے حالات رکھتے تھے۔[1]

واقعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیوں ایک طرف سروش صاحب شمس کے لئے نبوت کی شکل میں عالم غیب سے باطنی رابطہ کے قائل ہیں اور جب امام علی علیہ السلام جیسے معصوم ائمہ کی نوبت آتی ہے، تو اس طرح شدت سے بخیل ہو جاتے ہیں کہ ان کا الھام اور باطنی رابطہ قبول کرنا انہیں گوارا نہیں ہے؟ آیا یہ تناقض نہیں ہے؟ یا اللہ نہ کرے ایسے گروہوں سے ہو گئے ہیں کہ جن کے بارے میں روایتوں میں آیا ہے کہ وہ ائمہ علیہم السلام پر حسد کریں گے؟

بہرحال جناب سروش ایک طرف تو ائمہ علیہم السلام کی باطنی ولایت کے منکر ہیں اور دوسری طرف خاتمیت کے بعد بھی نبوت کے امکان کے قائل ہیں۔ اگر یہاں نبوت کے امکان سے مراد عرفاء کی اصطلاح ہو کہ پہلے بات ہو چکی ہے، تو معلوم ہو گا کہ نبوت کا جوہر وہی ولایت اور امامت ہے تو اس صورت میں ائمہ اطہار علیہم السلام کے لئے الھام اور باطنی ولایت کے لئے جواز میں حسد اور بخل سے کام نہیں لینا چاہیے۔ لیکن اگر نبوت کے امکان سے کوئی اور مطلب ہو تو یہ چیز خود عقیدہ خاتمیت سے ٹکراتی ہے۔

ایک اور نکتہ جو یہاں باقی رہ گیا ہے وہ یہ کہ ممکن ہے ڈاکٹر سروش ائمہ اطہار علیہم السلام کے الھام اور باطنی روح کا قائل ہو، اگرچہ انکی بظاہر کلام سے ایسا کچھ بھی معلوم نہیں ہوتا جیسا کہ شبھہ کے آغاز میں بتایا گیا ہے، لیکن ان کے الھام کو لازم مانتے ہوں نہ کہ متعدی، یعنی یہ الھام صرف صاحب تجربہ یعنی امام پر حجت ہے اور بس۔[2]

اس صورت میں کہیں گے سب سے پہلی بات یہ ہے کہ: جیسا کہ اشارہ ہوا ہے اس کی کلام کا ظاہر یہ ہے کہ امامت کا باطنی وحی رکھنا نظریہ خاتمیت سے منافات رکھتا ہے۔

دوسرا یہ کہ: یہ اعتراض ائمہ کے حجیت رکھنے کے شبھہ کی طرف لوٹتا ہے کہ ہم نے گذشتہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ اس کے دلائل کی طرف اشارہ کیا ہے، اگر وہ امام کی باطنی روح کو قبول کرتے ہیں تو امام کے قول کی حجیت ان دلائل سے ثابت ہوتی ہے کہ جو پہلے گزر چکے ہیں۔

---

[1]. سابقہ ماخذ

[2]. بسط تجربہ نبوی، ص ۱۳۲ و ۱۳۳

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

تیسرا یہ کہ: جناب سروش عرفاء کے دینی تجربات کو متعدی کے عنوان سے قبول کرتے ہیں اور انہیں پیغمبر کے دینی تجربہ کی تکمیل سمجھتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا آپ کا یہ دعوی نظریہ خاتمیت سے منافات نہیں رکھتا؟ اگر عرفاء کا دینی تجربہ پیغمبر کے دینی تجربہ کو تکمیل کرنے والا ہو؟ تو کیوں ائمہ کا دینی تجربہ اور ان کے الھامات پیغمبر کے دینی تجربہ کی تکمیل کرنے والے بالفاظ دیگر خود امامت کیوں نظریہ خاتمیت کی تکمیل کرنے والی نہیں ہے؟ آیا یہ تناقض گوئی نہیں ہے؟ اسکی مزید بحث چھٹے باب میں ولایت تکوینی کے انکار کے ذیل میں بیان ہو گی۔

چھٹا شبھہ: ولایت تشریعی اور خاتمیت سے ناسازگاری

خاتمیت کا ایک معنی اور لازمہ پیغمبر ﷺ کے ذریعے شریعت اور الھی قانون کا اتمام ہے کہ حضرت کی رحلت کے ساتھ اس کے دروازے بند ہو گئے اور اس کے بعد پھر شریعت میں کوئی حکم وضع یا نسخ نہیں ہو گا اور احادیث کی تعبیر کے مطابق:

حَلالُ مُحَمَّد حَلَال اِلی یَومِ القِیَامة وحرامُه حَرام الی یَومِ القِیَامَة [۲]

حلال محمد ﷺ قیامت تک حلال ہے اور حرام محمد ﷺ قیامت تک حرام ہے۔

دین خاتم کی جامعیت اور کمال کا مطلب اس کے تمام قوانین کا جامع ہونا ہے اور اگر پیغمبر ﷺ کی رحلت کے بعد شرعی احکام کے آنے اور قوانین بننے کے امکان کے قائل ہوں، تو یہ دین خاتم کے جامع اور کامل ہونے سے منافات رکھے گا اور اس کا مطلب یہ ہو گا کہ دین اسلام زمانہ نبی میں ایک جامع اور کامل دین نہ تھا اور بعد میں ائمہ علیہم السلام کے ذریعے کامل ہوا پس دین میں مزید شرعی احکام کا آنا عقیدہ خاتمیت سے ناسازگار ہے۔

ہو سکتا ہے کہ یہ شبھہ اہل سنت اور بعض روشن فکر شیعہ حضرات[۱] نے پیش کیا ہو، کیونکہ بعض شیعہ احادیث میں امور دین پیغمبر ﷺ اور ائمہ علیہم السلام کو تفویض کرنے کی بات آئی ہے جیسا کہ شیخ کلینی نے اپنی کتاب اصول کافی کہ جو کتاب اربعہ شیعہ میں سے ہے، اس میں ایک باب اس عنوان سے تحریر کیا ہے:

---

[۱]. چونکہ وحی دینی تجربہ ہے اور دینی تجربہ دیگر انسانوں کے بارے میں بھی پیش آتا ہے پس دوسروں کے دینی تجربات دین کے وسیع اور غنی ہونے کا سبب ہیں اور وقت گزرنے کے ساتھ دین وسعت پاتا ہے، اسی لیے عرفاء کے دینی تجربات نبی کے دینی تجربہ کی تکمیل کرنے والے ہیں۔ بسط تجربہ نبوی، ص ۲۸

[۲]. بحار، ج ۲، ص ۲۶۰

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

باب التفويض الى رسول الله ﷺ والى الآئمة فى امر الدين [۲]

البتہ شیخ کلینی سے پہلے شیخ القمیین الصفار (۲۹۰ق) نے اپنی کتاب بصائر الدرجات میں ایک باب اس عنوان سے تحریر کیا تھا:

انَّ ما فوّضَ الى رسول الله ﷺ قَد فوّض الَى الآئمة عَلَيهمُ السَّلَام [۳]

امام صادق علیہ السلام سے نقل ہوا ہے:

فَمَا فوّضَ اللهُ الى رَسُولِهٖ فَقَد فوّضَه الينا [۴]

جو کچھ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو تفویض کیا ہے وہی کچھ ہمیں بھی تفویض کیا ہے۔

ایک اور روایت میں آیا ہے:

اِنَّ الله فوّضَ الى نبيه ﷺ ، فقَال: مَا آتاكُمُ الرسول فَخُذوه ومَا نَهاكُم فَانتهُوا ، فَما فوّض الى رسُول الله ﷺ فَقَد فَوّضَه اَلينا [۵]

اللہ تعالی نے اپنے نبی ﷺ کو تفویض کیا پھر فرمایا: جو کچھ تمہیں رسول دے لے لیں اور جس سے روکے اس سے رک جائیں، پس جو رسول اللہ ﷺ کو تفویض ہوا وہی ہمیں تفویض ہوا ہے۔

تیسری روایت میں بھی اللہ تعالی کی طرف سے امر دین کی تفسیر اور حکمرانی کی تفویض کو نبی اور ائمہ میں منحصر ہونا بتایا گیا ہے:

وَالله مَا فوّض اللهُ الى احدٍ من خَلقه الّا الى رَسولِ الله ﷺ والَى الآئمَّة [۱]

---

[۱]. سروش کا بھمن پور کو دوسرا جواب، سایت سروش، چہارم مہر ۱۳۸۴، ڈاکٹر سروش عقیدہ خاتمیت اور حدیث لا نبی بعدی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: یہ سب تاکید ایک سوال کو واضح کرتی ہے اور وہ شیعہ ائمہ کا دینی احکام و معارف کی تبلیغ و تشریع میں نقش و منزلت ہے، اگر ہم ان کے تجربہ اور کلام کی حجیت اور معتبر ہونے کو ایسے مقام پر نہ لائیں کہ جو خاتمیت سے ٹکراتی ہو تو اس صورت میں ہم انہیں کیا رسمی مقام (ان کی حقیقی شخصیت اور ولایت باطنی سے قطع نظر) دیں؟ ایک مجتہد معصوم کا مقام؟ ایک دانشور، ایک عارف، ایک سرپرست، ایک وارث علم نبی، ؟ (بسط تجربہ نبوی، ص ۱۴۲)

[۲]. الکافی، ج ۱، ص ۲۶۵، کتاب الحجۃ

[۳]. بصائر الدرجات، باب ۵، من الجزء الثامن، باب التفویض

[۴]. سابقہ ماخذ، پہلی حدیث، ص ۳۸۳، اور چھٹی حدیث، والاصول من الکافی، ج ۱، ص ۲۶۸

[۵]. الکافی، ج ۱، ص ۲۶۶

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ڈاکٹر سروش اس بارے میں کہتے ہیں:

کیسے ہو سکتا ہے کہ نبی کے بعد ایسے لوگ آئیں کہ جو وحی اور مکاشفہ سے ایسی بات کریں کہ جس کی دلیل قرآن وسنت نبوی میں نہ پائی جائے اور ساتھ ساتھ ان کی تعلیم، تشریع، واجب و حرام کرنا وحی کی مانند ہو اور پیغمبر کی مانند عصمت اور حجیت کلام رکھتے ہوں اور پھر خاتمیت کو بھی کوئی فرق نہ پڑے؟۔۔۔ایک شخص کے دینی تجربہ کا دوسروں پر لازم ہونا کہ وہی ولایت تشریعی ہے یہ پیغمبر اکرم ﷺ کی رحلت کے ساتھ ہی ختم ہو گئی ہے[۲]

ایک اور مقام پر کہتے ہیں:

شیعہ مکتب میں مفہوم خاتمیت نہایت کمزور ہے، کیونکہ ائمہ حق تشریع رکھتے ہیں، حالانکہ یہ حق پیغمبر ﷺ کی ذات میں منحصر ہے[۳]

تجزیہ و تحقیق

خاتم الانبیاء پیغمبر اکرم ﷺ کی رحلت کے بعد ائمہ علیہم السلام کے مقام کی تشریح اور تجزیہ اور غیر الٰہی ولایت تشریعی کی وضاحت کے لئے چند نکات قابل توجہ ہیں:

الف: قانون تشریع اور تخطئہ کی وضاحت

پہلا نکتہ قانون تشریع کے معنی اور مفہوم کے بارے میں توجہ کرنا ہے، کہ قانون اور شریعت بنانا صرف اللہ تعالی کے ساتھ خاص ہے، اس کا معنی کیا ہے؟ قانون اور شریعت الٰہی بنانے کی حدود کیا ہیں؟ آیا یہ عقائدی، عبادی، دنیاوی یعنی اقتصاد، سیاست اور معاشرے سے متعلق احکام کو بھی شامل ہے؟

اسلامی فقہ بالخصوص شیعہ فقہ میں طے شدہ اصول اور قواعد کے مطابق تمام قسم کے احکام یعنی وجوب، استحباب، حرمت و کراہت مصالح اور مفاسد کے تابع ہیں، یعنی وجوب کے حکم بنانے کی حکمت اس کے بجالانے میں ایک ضروری مصلحت کا ہونا ہے، اسی طرح حرمت کی دلیل اس فعل میں انسان کے لیے ایک مفسدہ کا ہونا ہے۔ یہی صورت استحباب اور کراہت کے مسئلہ میں بھی جاری ہے، صرف یہ کہ وہاں مصلحت اور مفسدہ اس حد تک نہیں پہنچے کہ فعل واجب اور حرام ہو جائے۔ اس مصلحت اور مفسدہ میں قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ یہ دنیاوی اور اخروی دونوں قسم کی مصلحت اور مفسدہ کو شامل ہے۔

---

۱. سابقہ ماخذ، ص ۲۶۸، بحار، ج ۲۵، ص ۳۳۳ اور اس کے بعد

۲. سایت سروش، بہمن پور کو دوسرا جواب، سوم مہر ۱۳۸۴

۳. ڈاکٹر سروش کی پیرس کی سوربن یونیورسٹی میں تقریر، سوم خرداد، ۱۳۸۳، سایت سروش

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

اس بنیاد پر ہر فعل حقیقت و واقع میں اور کلامی تعبیر کے مطابق علم ازلی اور لوح محفوظ میں ایک خاص حکم رکھتا ہے کہ اللہ تعالی نے افعال کے احکام کو کلی یا جزئی شکل میں پیغمبر اسلام ﷺ پر وحی کے ذریعے لوگوں تک پہنچایا ہے۔ اسلام کی کاملیت اور جامعیت کی احادیث اور یہ کہ لوگوں کو جس چیز کی بھی ضرورت ہے وہ قرآن اور سنت میں موجود ہے، اسی معنی کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

اب یہ کہ ہر فعل واقع میں ایک حکم الھی رکھتا ہے، یہ قاعدہ فقہ امامیہ کا ایک مسلم قانون ہے کہ اسے تصویب اور تخطئہ یا مخطئہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، کیونکہ جب فقیہ حکم کے استنباط میں خطا کرے تو اس کا حکم بھی خطا پر مشتمل ہو گا۔ لیکن اہل سنت کی فقہ میں اختلاف ہے، ایک نظریہ تو امامیہ کی رائے کے موافق ہے، جبکہ ایک نظریہ کے مطابق ہر فعل کے لئے الٰہی حکم ہونے کا انکار کیا جاتا ہے اور فعل کا حکم وہی ہے جو مجتہد اور فقیہ تشخیص دیتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کبھی بھی حکم اور واقع میں خطا نہیں ہوتی حتی کہ دو حکم آپس میں متعارض ہی کیوں نہ ہوں کہ فقہ میں اسے مصوّبہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔[۲]

ب: تشریع پیغمبر اکرمؐ اور واقعیت کا انکشاف

فقہ امامیہ کی رو سے قرآن و سنت میں موجود تمام احکام لوح محفوظ میں واقعی و حقیقی احکام سے حکایت کرتے ہیں اور واقع میں شارع واحد صرف اللہ تعالی کی ذات ہے اور روایات کی رو سے وہ احکام جو پیغمبر اسلام ﷺ نے خود وضع فرمائے ہیں، مثلاً نماز میں دو رکعت کا اضافہ، ہر مہینے میں تین روزوں کا استحباب، خمر کے ساتھ ساتھ دیگر نشہ آور چیزوں کا حرام ہونا۔۔۔[۳] یہ سب الٰہی حکم کو کشف کرنے والے ہیں، کیونکہ حقیقت میں سب افعال حکم

---

[۱]. علامہ حلی کہتے ہیں: الحق ان المصیب واحد و ان للہ تعالی فی کل واقعة حکما معینا و ان علیه دلیلا ظاهراً لا قطعیا (مبادی علم الاصول، ص ۲۴۴، معالم دین، ص ۲۳۶، بحث الاجتہاد والتقلید، کفایۃ الاصول، ج ۲، ص ۴۳۰)

[۲]. قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ امام غزالی کے بیان کے مطابق اہل سنت قطعی اور جزئی احکام میں حکم واقعی کے قائل ہیں، ان کے اختلافات کا باعث ظنی احکام ہیں کہ جس میں دو نظریے موجود ہیں۔

غزالی فروع میں بشر المریسی کے نظریہ کو عقائد کی مانند ذکر کرتا ہے کہ واقع میں ایک معین حکم موجود ہے۔ (المستصفی من علم الاصول، ج ۲، ص ۳۵۹، ۳۶۱) بیضاوی کے بیان کے مطابق امام شافعی بھی (نظریہ تخطئہ) کے قائل ہیں۔ (ناصر الدین البیضاوی، منہاج الوصول فی معرفۃ الاصول، ص ۷۳)

لیکن اکثر اہل سنت قاعدہ تصویب کے قائل ہیں۔ جیسا کہ غزالی اس حوالے سے کہتے ہیں: کل مجتہد مصیب هذا هو المذهب الجماهیر۔ سابقہ ماخذ، ص ۳۵۸۔ نیز رجوع کریں: آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، ج ۴، ص ۹، ۳۱۳، شہرستانی، الملل والنحل، ج ۱، ص ۱۸۴، محمد خضری بک، اصول الفقہ، ص ۳۷۶، احمد عبید الکبیسی، اصول الاحکام، ص ۳۷۸۔

[۳]. ثم ان الله عزوجل فرض الصلوة رکعتین، رکعتین عشر رکعات فاضاف رسول الله الی الرکعتین رکعتین والی المغرب رکعة فصارت عدیل الفریضة۔۔۔ وفرض الله فی السنة صوم شهر رمضان وسنّ رسول الله ﷺ صوم شهر شعبان وثلاثة ایام

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

رکھتے ہیں، ایسا نہیں ہے کہ واقع میں ان کے لئے کوئی حکم نہ تھا اور پیغمبر اسلام ﷺ نے ان کے لئے حکم وضع فرمایا ہو۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اللہ تعالی نے ایک دفعہ اپنے احکام کو قرآن میں بیان فرمادیا ہے اور دوسری دفعہ ان کے بیان کرنے کی ذمہ داری پیغمبر اکرم ﷺ کو سونپ دی ہے کہ اس بات پر قرآن مجید میں تاکید ہوئی ہے:

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ [1]

مندرجہ بالا آیت قرآن مجید کی مکمل تفسیر اور بیان کو پیغمبر اکرم ﷺ کے سپرد کرتی ہے۔ واضح سی بات ہے بیان و تفسیر کا قرائت و تلاوت سے فرق ہے، بیان میں تفسیر آیات، ابہام کا دور کرنا اور تمام جزئیات کا بیان شامل ہیں، اسی فرق پر ایک اور آیت میں بھی اشارہ ہوا ہے:

يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ [2]

اس آیت میں آیات کی تلاوت اور کتاب و حکمت کی تعلیم کو جدا جدا صورت میں پیغمبر کی صفات کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

بالفاظ دیگر پیغمبر اسلام ﷺ کی طرف سے احکام کی وضع ایک مستقل اور جداوضع نہیں ہے بلکہ پروردگار کی وضع کے طول میں یعنی اللہ تعالی کی اجازت سے انجام پانا ہے اور یہی چیز ان روایات میں بھی بیان ہوئی ہے کہ جو پیغمبر اکرم ﷺ کے ذریعے احکام کی وضع پر دلالت کرتی ہے۔ [3]

نبوت اور نبی کے ذریعے احکام کے جعل اور وضع کے بارے میں اس نظریہ کی رو سے اللہ تعالی اور پیغمبر اسلام ﷺ کے شارع ہونے کی نسبت میں کوئی تعارض واقع نہیں ہوتا، لھذا بعض فقہاء امامیہ میں پیغمبر کی شارعیت کو بعض احکام میں قبول کیا گیا ہے۔ [4]

فی کل شهر متلی الفریضة فاجاز الله عزوجل له ذلک وحرم الله عزوجل الخمر بعینها وحرم رسول الله ﷺ المسکر من کل شراب فاجاز الله ذلک کله۔ (الاصول من الکافی، ج ۱، ص ۲۶۶، کتاب الحجة باب التفویض، بحار الانوار، ج ۲۵، ص ۳۳۲)

[1] نحل، ۴۴

[2] آل عمران، ۱۶۴

[3] گذشتہ حاشیہ کی روایت

[4] محقق اصفہانی، حاشیۃ المکاسب، ج ۲، ص ۳۷۸، صافی گلپایگانی، امامت و مھدویت، ج ۱، ص ۱۱۰، مکارم شیرازی، انوار الفقاھۃ، کتاب البیع، ج ۱، ص ۵۷۱، محمد صفار، بصائر الدرجات، ص ۳۹۸، علامہ مجلسی، بحار الانوار، ج ۲۷، ص ۷، ح ۲۵، ص ۳۴۳، ۳۴۸، ۳، سید محمد باقر الصدر، بحوث فی علم الاصول، ج ۷، ص ۳۰، شیخ صدوق، من لایحضرہ الفقیہ، ج ۱، ص ۲۲۵، امام خمینی، کتاب البیع، ج ۳، ص ۳۱۲ نیز جایگاہ کلامی در اجتہاد، ص ۴۹۴

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ج: تشریع ائمہؑ

دینی احکام اور ان کے شرعی صدور کی طرف اس نظریہ سے ائمہ معصومین علیہم السلام کی تشریع کو بھی بیان کیا جاسکتا ہے۔ اس سے پہلے بیان ہونے والی روایات کے مطابق اور دین اور دینی احکام کی تشریع ان کے اس طرح سپرد کی گئی ہے، جیسا کہ پیغمبر اسلام ﷺ کے تشریعی احکام ہیں، البتہ نہ بعنوان مستقل بلکہ یہ تشریع واقع میں الٰہی احکام کو کشف اور بیان کرنے والی ہے کہ جو اس سے پہلے ان کے صدور کا وقت نہ آنے، مصلحت، لوگوں کو ان کی ضرورت نہ ہونے کی وجوہات کی بنا پر اللہ تعالی یا پیغمبر اسلام ﷺ کی طرف سے بیان نہ ہوئے تھے اور آیات وروایات کے مطابق یہ حق خود شارع کی طرف سے ائمہ کو سونپ دیا گیا تھا۔

خود ائمہ اطہار علیہم السلام بھی جب دینی احکام بیان کرتے تھے تو اس بات پر تاکید فرماتے تھے کہ اگر انکی طرف سے شرعی احکام کا بیان مستقل اور اپنی طرف سے ہو تو یہ ضلالت ہے، ان کی احادیث اللہ اور رسول ﷺ کی طرف سے ہیں، جیسا کہ امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

لَو حدَّثنَا برأينا ضَلَلنا كما ضلَّ مَن كَانَ قَبلنا ولكنّا حدَّثنَا ببينة من ربّنا بيّنها لرسُوله فبيّنها لنا [1]

اگر ہم اپنی رائے سے بیان کریں تو اسی طرح گمراہ ہونگے جس طرح ہم سے پہلے والے گمراہ ہوئے تھے، لیکن ہم اپنے رب کی بات بیان کرتے ہیں کہ اس نے اپنے رسول کے لیے بیان کیا تھا پھر انہوں (رسول) ہمارے لیے بیان کیا۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے:

مَهمَا اجبتكَ فيه بِشَيء فَهوَ عَن رسولِ الله لَسنا نَقول برأينا [2]

جب ہم کسی چیز کا جواب دیتے ہیں وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہے ہم اپنی رائے سے کچھ نہیں کہتے۔

لھذا مخالفین کی اس بات پر دلیل کہ تشریع اور قانون بنانے کا حق اللہ تعالی یا اس کے رسول کی ذات میں منحصر ہے، تفویض کے اس معنی سے منافات نہیں رکھتا، اسی لئے بعض شیعہ علماء ائمہ علیہم السلام کے کچھ احکام

---

[1]. جامع احادیث شیعہ، ج ۱، باب ۴، ابواب المقدمات، حدیث ۹

[2]. بصائر الدرجات، ص ۳۲۰، بحار، ج ۲، ص ۱۷۳، جامع احادیث الشیعہ، ج ۱، ص ۱۲۹

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

میں حق تشریع پر عقیدہ رکھتے ہیں کہ قدیم علماء میں سے صاحب البصائر اور کلینی اور عصر حاضر کے بعض علماء اور عرفاء اس گروہ میں سے ہیں کہ بیان ہوگا۔

د۔ تشریع ائمہ و تشریع الٰہی

گذشتہ نظریہ کے ظاہری معنی کے مطابق ائمہ معصومین علیہم السلام کی روایات سنت نبوی سے منسوب ہونے کی بناء پر حجت ہیں، کہ اس مطلب پر ائمہ اطہار علیہم السلام کی بعض روایات کا ظاہر بھی دلالت کرتا ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے، تو اس صورت میں ائمہ اطہار علیہم السلام کی روایات ثقہ اور سنت نبوی کے کشف کے عنوان سے حجت ہیں۔

لیکن ائمہ علیہم السلام کے مقام اور عالم غیب اور احکام واقع سے ان کے رابطہ کو دیکھتے ہوئے کہ جو کلامی اور روائی اصطلاح میں نہ وحی ہے بلکہ الھام اور محدث ہونے سے تعبیر ہوا ہے، یہ کہا جاسکتا ہے کہ انکی طرف سے احکام احکام کا بیان کبھی تو علم نبوی کے ذریعے سے ہے جیسا کہ بعض روایات کا ظاہر بھی اس پر دلالت کرتا ہے، اور کبھی احکام کا بیان کہ جس میں جدید احکام، احکام کی تخصیص اور شرائط وغیرہ شامل ہیں، ان کا سرچشمہ ان کا علم لدنی، الھام اور عالم غیب سے رابطہ ہے، تو اس صورت میں ان کے احکام کی حجیت بعنوان روایت اور سنت نبی کا کشف نہیں ہوگی، بلکہ ان کے عالم غیب سے براہ راست رابطہ کی بناء پر ہوگی کہ اسے بھی مصدر شریعت کے عنوان سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

اس نظریہ کی اساس وہ روایات ہیں کہ جو ائمہ علیہم السلام کے الھامی اور لدنی علم، محدث ہونے اور انکی روح کی روح کے ذریعے تائید ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ روایات میں علم ائمہ علیہم السلام کو قذف کے ذریعے پیدا ہونے سے تعبیر کیا گیا ہے کہ جو الھامی علم ہے۔

وَاَما الحَادثُ فَقَذف فِي القُلُوب ونقر فِي الأسمَاع وَهُوَا فضلُ علمِنا ولَا نَبی بعدَ نَبِينا [۲]

ایک اور مقام پر محدث کی تعبیر آئی ہے:

الآئمة علماء صادقون مفَهَّمون مُحَدَّثون [۱]

---

۱. الکافی، ج۱، کتاب الحجۃ، باب ان آئمۃ محدثون، ص ۲۷۰

۲. اصول الفقہ، ص ۳۱۸، مباحث الحجۃ، باب السنۃ

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

بعض دیگر روایات میں انبیاء کی مانند ائمہ علیہم السلام کی روح یا روح مسدد کے ذریعے تائید کا تذکرہ ہوا ہے:

هُو مَع الآئمة يُسدّدهم [۲]

وہ روایات کہ جو ائمہ علیہم السلام کے علم اور ان کے عالم غیب سے متصل ہونے کے باب میں وارد ہوئی ہیں، وہ بہت زیادہ اور حداقل تواتر معنوی رکھتی ہیں کہ بعض روایات میں ان کے علم کے دائرہ میں دنیاوی امور کے شامل ہونے کی بات بھی ہوئی ہے۔ لیکن ایک یقینی اور حتمی حد یہ ہے کہ انکا احکام واقعی کے بارے میں علم "علم غیب" کے ذریعے سے ہے کہ جس کا نتیجہ جدید شرعی مسائل کے احکام کا بیان ہے کہ جو قرآن اور سنت نبوی میں ذکر نہیں ہوئے۔

اب یہ کہ اس کا نام تشریع اور ولایت تشریعی رکھیں یا شریعت کا بیان اور اس کی تفسیر، اس مسئلہ کی حقیقت میں کوئی فرق نہیں پڑتا اور دونوں صورتوں میں ائمہ کی روایات مستقل عنوان سے حجت اور واجب الاتباع ہیں۔

صاحب حدائق ان اعتراضات کے جواب میں کہ جو خمس اور زکوۃ کے خاص احکام کو بیان کرنے والی روایات کے بارے میں وارد ہوئے ہیں، تحریر کرتے ہیں:

بَل يَكن الجوابُ من الاَخبَار مِن أنَّهُم عليهم السلام قَد فوَّضَ اليهِم كَمَا فوّضَ الى رسولِ الله ﷺ [۳]

محقق اصفہانی اس بارے میں کہتے ہیں:

وَالنَّبى وَالآئمَّة لَهم الولَايةُ المَعنويةُ والتشريعةُ السلطنةُ البَاطنيةُ عَلى جَميع الأُمورِ التكوينية وَالتشريعَة فَكَما أنَّهُم مَجارى الفيوضَاتِ التكوينيَّة كَذالكَ مجارى الفُيوضَات التشريعَة فَهم وَسايطِ التكوين وَالتشريع [۴]

---

۱. کافی، ج۱، ص ۲۶۴

۲. سابقہ ماخذ، ص ۲۷۳

۳. الحدائق الناضرۃ، ج ۱۲، ص ۳۵۷

۴. حاشیۃ المکاسب، ج ۲، ص ۳۷۸

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

نبی اور آئمہ علیہم السلام کے لیے معنوی اور تشریعی ولایت ہے وہ تمام تکوینی اور تشریعی امور پر باطنی سلطنت رکھتے ہیں، جس طرح وہ تکوینی فیوض کے واسطے ہیں اسی طرح تشریعی امور کے بھی واسطے ہیں پس وہ تکوین و تشریع کے واسطے ہیں۔

امام خمینی (رہ): امور عبادی اس مکمل روحانیت کو تفویض ہوئے ہیں کہ جنکی مشیت و مرضی مشیت حق میں فانی اور جن کا ارادہ، ارادہ حق میں گم ہو چکا ہے، وہ وہی ارادہ کرتے ہیں کہ جو حق ارادہ کرے اور وہی حرکت کرتے ہیں کہ جو اصلح نظام کے مطابق ہو خواہ یہ ارادہ و حرکت خلق و ایجاد کرنے میں خواہ تشریع و تربیت کرنے میں، کوئی مانع نہیں ہے، بلکہ حق ہے۔[1]

علامہ محمد رضا مظفر ائمہ اطہار علیہم السلام کی روایات کی استقلالی حجیت کے باب میں لکھتے ہیں:

انَّ الآئمةَ من آلِ البيت لَيسُواهُم من قَبيل الرُّواةِ عَن النبی وَالمُحَدثين ليَكونَ قولهم حجةً من جهةِ أنَّهم ثقاة فی الروايةِ بَل لانَّهم هُمُ المَنصُوبُونَ منَ الله تعالی تَدلُّ عَلی لسانِ النبی ﷺ لتبليغ الأحكَام الواقعيَّة فلَا يَحكون الا عَن الأحكام الواقعيةِ عندَ الله كَمَا هی، وذلكَ من طريق الألهَام كَالنبی من طريقِ الوَحی او من طَريق التلَقّی منَ المَعصُوم قبلَه - وَعَليه فَلَيسَ بيانُهم للاحكَام من نوعِ روَاية السنةِ و حكايتها وَلَا من نَوع الاجتهاد فی الرَّأی والاستنبَاط من مَصَادر التَّشريع بَل هُم انفسهم مَصدرٌ للتشريع فقولُهم سنة لَا حكَاية السنَّة [2]

علامہ محمد رضا مظفر کی بات کا خلاصہ یہ ہے کہ آئمہ علیہم السلام کی حثیت راوی یا محدث جیسی نہیں ہے بلکہ وہ فرمان نبی ﷺ کے مطابق اللہ کی طرف سے واقعی احکام کو پہنچانے کے لیے منصوب ہیں کہ یہ احکام الہی وہ الہام یا گذشتہ معصوم کے بیان سے حاصل کرتے ہیں۔ پس انکا بیان کسی راوی کی حکایت یا کسی مجتہد کی نظر نہیں ہے بلکہ وہ خود مصدر تشریع ہیں انکا قول سنت ہے نہ حکایت سنت۔

وہ روایات کہ جو ائمہ معصومین علیہم السلام کی روایات کی حجیت کی وجہ ان کا پیغمبر ﷺ سے نقل کرنا بتاتی ہیں، ان کی تشریح میں علامہ مرحوم کا یہ عقیدہ ہے کہ وہاں یا تو واقعا وہ احادیث مراد ہیں کہ جو آئمہ نے پیغمبر

---

[1]. چہل حدیث، ص ۵۵

[2]. اصول الفقہ، مباحث الحجۃ، باب السنۃ، ج ۲، ص ۴۱۸

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

اسلام ﷺ سے نقل کی ہیں، یا آئمہ کی یہ تعبیرات مخاطبین کو قانع کرنے اور دوسروں پر حجت قائم کرنے کے لئے تھیں چونکہ اس دور میں امامت کا مسئلہ اور اسکا مقام لوگوں کے لئے اس طرح واضح نہیں تھا اور ائمہ مجبور تھے کہ اپنی روایات کی اس طرح توجیہ کریں۔[1]

علامہ شعرانی بھی ائمہ علیہم السلام کے پروردگار اور عالی سرچشموں سے رابطہ رکھتے ہوئے شریعت کی تکمیل پر عقیدہ رکھتے ہیں کہ بعد میں بیان ہوگا۔

شہید مطہری نبی اور امام کی بعض احکام میں تشریعی ولایت کے قائل ہیں اور اس کے دین کے کامل اور خاتمیت کے ساتھ سازگار ہونے کو بیان کرتے ہوئے یہ نکتہ بیان کرتے ہیں:

اللہ تعالی نے پیغمبر کو پہنچا دیا، لیکن ابھی اس کا وقت نہ آنے کی وجہ سے پیغمبر نے اسے امام کو تعلیم دی۔۔۔ وہ چیز جو قرآن میں نہ تھی اس کے بارے میں پیغمبر سے سوال کرتے تھے۔ مسئلہ یہ ہے کہ آیا اسلام جو کچھ بھی احکام و معارف کے حوالے سے بیان کرنا چاہتا تھا، وہی کچھ ہے کہ جو قرآن میں آیا ہے اور نبی اکرم ﷺ نے بھی عام لوگوں کو بتایا ہے؟ یا نہ بلکہ زمانہ کا تقاضا نہیں تھا کہ پیغمبر اسلام ﷺ سب دستورات لوگوں کو بیان فرمائیں[2]

اسلام کو صرف پیغمبر اسلام ﷺ نے انسانوں تک پہنچایا اور اللہ تعالی نے جو کچھ بھی اسلام کے بارے میں بتانا تھا پیغمبر اسلام ﷺ کو بتا دیا۔ ایسا نہیں ہے کہ اسلام کے بعض احکام پیغمبر ﷺ کو بیان نہ کئے گئے ہوں۔ لیکن آیا اسلام کے کچھ ایسے احکام ہیں کہ لوگوں کو بیان نہ کئے گئے ہوں یا نہیں؟۔۔۔ شیعہ کہتے ہیں کہ نہ اللہ تعالی نے احکامات اسلام کو پیغمبر تک پہنچانے میں کوئی کمی کی اور نہ پیغمبر نے انہیں لوگوں تک پہنچانے میں کوئی کمی کی ہے، پیغمبر نے مکمل طور پر بیان کئے ہیں۔ لیکن جو کچھ مکمل طور پر پیغمبر نے بیان کیا ہے یہ وہ نہیں جو عام لوگوں کو بتائے گئے ہیں، بہت سے احکامات اسلام تھے کہ جن کا موضوع اس زمانہ میں موجود نہ تھا بعد میں لوگوں کو پیش آیا اور انہوں نے سوال کیا، بلکہ پیغمبر اسلام ﷺ نے اللہ تعالی کی طرف سے تمام احکامات اپنے خاص شاگرد کے لئے بیان کئے اور انہیں فرمایا کہ تم لوگوں کے لئے بیان کرو۔[3]

---

[1]. واما ما یجی علی لسانهم احیانا من روایات و احادیث عن نفس النبی ﷺ فهی اما لاجل نقل النص عنه کما یتفق فی نقلهم لجوامع کلمه واما لاجل اقامة الحجة علی الغیر واما لغیر ذلک من الدواعی (سابقہ ماخذ، ص ۴۱۸، نیز علی ربانی گلپایگانی، مبانی حجیت روایات اہل البیت، مجلہ کلام اسلامی، بہار ۱۳۸۳، ص ۵۶)

[2]. امامت و رہبری، ص ۵۱

[3]. سابقہ ماخذ، ص ۵۴

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

پیغمبر ﷺ کے واسطہ کے بغیر ائمہ علیہم السلام کی اللہ تعالی اور عالم غیب سے نسبت کے ساتھ تشریع میں ایک قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ یہاں علم اور پیغمبر کے واسطے کا نہ ہونے کا مقصود دنیا میں ہے، لیکن عرفانی رو سے حضرت محمد ﷺ پہلی مخلوق میں اور ائمہ علیہم السلام کی ارواح حضرت کے وجود کے زیر سایہ ہیں، لھذا ائمہ کے غیبی علوم اور اس کے ضمن میں تشریعی احکام اس سایہ میں علم نبوی اور حقیقت محمدیہ کا ایک جزو ہے۔

ھ: تشریع ائمہؑ اور جزئیات دین

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ قرآن مجید اور سنت نبوی انسانوں کے عقاید، اخلاق اور احکام کے حوالے سے ہدایت اور راہنمائی کے لئے ضروری کلی قواعد اور جہات پر مشتمل ہیں، لیکن ان تمام کلی امور کی وضاحت اور اسی طرح تمام جزئی امور کا بیان، کثرت یا بیان کرنے کا وقت نہ پہنچنے اور مسلمانوں کے مورد ابتلاء نہ ہونے کی وجہ سے قرآن اور سنت نبوی میں ممکن نہ تھا، قرآن مجید میں دین کے اصول و قوانین اور بعض فقہی احکام، اسی طرح بعض دیگر فقہی احکام سنت پیغمبر ﷺ میں ذکر ہوئے ہیں، احکام کی جزئیات کی تشریح خود بہت سے چھوٹے اصول و فروع پر مشتمل ہے، یہ تشریح امامت کی آیات و روایات مطابق جیسا کہ پچھلے صفحات میں گذر چکا ہے ائمہ معصومین علیہم السلام کے سپرد کی گئی ہے، بالفاظ دیگر عقیدہ امامت کے ساتھ دین اسلام کامل اور ابدی ہو گیا۔

پیغمبر اسلام ﷺ سے منقول ایک روایت سب احکام کی جزئیات اور فروع بیان نہ ہونے پر دلالت کرتی ہے:

اَلا وانَّ الحَلالَ والحَرامَ اکثر من اَن اَحصیهُمَا وَاعرِّفهُما فاَمر بِالحَلالِ وَالحَرامِ فِی مَقامٍ وَاحدٍ[1]

پیغمبر ﷺ اس روایت میں تمام احکام بیان نہ کرنے کی وضاحت فرما رہے ہیں، اب یہ کہ یہ فرمان دین کی جامعیت و کمال اور خاتمیت سے منافات رکھتا ہے؟ خود پیغمبر ﷺ اس حدیث کی ابتدا میں اس نکتہ پر توجہ رکھتے ہیں کیونکہ امام علی علیہ السلام کا بعنوان مرجع اور کتاب الٰہی کے مفسر کی حیثیت سے تعارف اس نقص کا جبران کر رہا ہے۔

عَلیٌّ (ع) تفسیرُ کتَابِ اللہ وَالدَّاعی اِلَیہ[1]

---

[1]. وسائل الشیعہ، ج ۱۸، باب ۳، ابواب صفات القاضی، حد ۴۳

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

حمصی رازی ضرورت امامت کی وضاحت میں دین کی جزئیات کے بیان کرنے کے مسئلہ کو پیش کرتے ہیں اور لکھتے ہیں:

امّا الکتابُ فَمعلوم ان جمیعَ تفاصیلِ الشرع لَیسَ مبیَّنة فیه وَاَمّا السُّنَّة المقطوع بها والاِجماع فَمِنَ المَعلومِ الظّاهرِ ایضًا انَّ جمعَ الشرع لَیس مبیّنا فیهما [۲]

علامہ شعرانی امام کی توصیف میں خواجہ طوسی کی عبارت (حافظا للشرع) کی تشریح میں لکھتے ہیں:

یہ عبارت امام کے دین الٰہی کے بارے میں علم اور اللہ تعالی سے باطنی اعتبار سے رابطہ اور ان کی عصمت پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ شرعی احکام کی تفصیلات اللہ تعالی سے رابطہ کے علاوہ کسی اور راستہ سے بشر کے لئے یقینی طور پر حاصل نہیں ہو سکتیں، اگر کہیں قرآن، تو کہیں گے احکام کی تفصیلات بیان کرنے کے لئے نہیں آیا۔۔۔۔ پس امام عصمت کے علاوہ شریعت کا بھی عالم ہو اللہ تعالی سے اور عالی ترین سرچشموں سے رابطہ کی بنا پر نقص کو ختم کرے اور مجمل چیزوں کی تفسیر کرے۔ [۳]

علامہ طباطبائی بھی جزئیات احکام کی تفصیلات اور قوانین شریعت کی تشریح کو سنت نبوی اور اہل بیت علیہم السلام کے ذمہ بیان کرتے ہیں: شریعت کے احکام و قوانین کی تفصیلات کا واضح ہونا مثلا نماز، روزہ، خرید و فروش کے احکام اور دیگر تمام عبادات و معاملات سنت (حدیث اہل بیت) کی طرف رجوع پر موقوف ہے [۴]

معاصرین میں سے استاد مصباح یزدی کتاب اور سنت نبوی میں تمام جزئیات کے بیان کے ممکن نہ ہونے کی وضاحت کرتے ہیں کہ جو بحث جامعیت کے دوسرے حصہ میں آئیگا۔ [۵]

و: موافقین اور مخالفین کے نظریے کا جمع

میرے خیال کے مطابق اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہو گا کہ پیغمبر ﷺ اور ائمہ معصومین علیہم السلام کے حق تشریع کے مخالفین اور موافقین میں لفظی اختلاف ہے کہ جو حل ہو سکتا ہے، اس صورت میں کہ مخالفین کا

---

۱. سابقہ ماخذ
۲. المنقذ من التقلید، ج ۲، ص ۲۶۱
۳. ترجمہ و شرح فارسی، کشف المراد، ص ۵۱۱
۴. شیعہ در اسلام، ص ۸۰، ظہور شیعہ، ص ۳۱، معنویت تشیع، ص ۴۲
۵. آموزش عقاید، ج ۱، ۲، ص ۳۵۲، ۳۵۳

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

مقصود، تشریع کا حقیقی معنی (استقلالی) ہے جب کہ موافقین کا مقصود، طولی اور کشفی تشریع ہے، یعنی قرآن مجید میں تمام احکام کے سب دلائل اور اسباب تفصیلی اور جزئی صورت میں بیان نہیں ہوئے، ان امور کا بیان پیغمبر ﷺ اور ائمہ اطہار علیہم السلام کے علم لدنی کی بنا پر ان کے سپرد کیا گیا ہے، اس صورت میں بھی ان کے ذریعے احکام کا بیان الٰہی تائید اور اجازت کے ساتھ انجام پاتا ہے نیز معصومین علیہم السلام حقیقی اور واقعی احکام کو کشف کرتے ہیں کہ وہ حقیقت میں نہ تو واضع اور شارع ہیں بلکہ کاشف اور بیان کرنے والے ہیں۔

اب یہ کہ اس ظاہری تشریع اور اجازت کی حدود کہاں تک ہیں؟ اس کی تشخیص مستقل بحث کی محتاج ہے، وہ جو اس بحث میں بتانا مقصود ہے وہ یہ کہ ائمہ اطہار علیہم السلام کی ظاہری تشریعات چونکہ الٰہی اور نبوی اجازت کے ساتھ انجام پاتی ہیں لھذا قانون خاتمیت کے ساتھ ناسازگار نہیں ہے، بلکہ ان کے ذریعے کسی قسم کے قانون بیان کرنے کی نفی اور قرآن وسنت نبی میں موجود احکام پر اکتفاء کرنے پر اصرار جیسا کہ بعض دین کے جامع اور کامل ہونے کے بہانہ کے ساتھ اس نکتہ کو اٹھاتے ہیں، یہ چیز کامل اور خاتم دین کی روح سے ٹکراتی ہے کہ جس کا دعوی ہے کہ وہ جاودانہ ہے اور ہر زمانے میں دینی مسائل کا جواب رکھتا ہے اور بسا اوقات یہ جمود کا موجب ہے۔ نبی اور ائمہ اطہار علیہم السلام کے حق تشریع کے مخالفین بھی اس نکتہ کی طرف متوجہ تھے اور صرف احتیاط کے پیش نظر پیغمبر اور ائمہ علیہم السلام کی نسبت حق تشریع کا انکار کرتے تھے، یا اس قسم کے عناوین مثلا پیغمبر ﷺ سے احکام دین اور جزئی ولائی احکام کا بیان اور ثانوی قسم کے عناوین کی اپنے افراد و مصادیق پر تطبیق کی صورت میں تشریح و تفسیر کرتے تھے۔[1]

جی ہاں ائمہ علیہم السلام کی تشریع سے یہ مراد ہونا کہ وہ دین کے ثابت احکام میں کوئی تبدیلی لائیں گے خواہ وہ تبدیلی، نسخ، تقیید اور تخصیص کی شکل میں ہو یہ سب باطل ہیں اور ائمہ کے بارے میں اس قسم کا معنی بالکل قابل تصور نہیں ہے۔

ساتواں شبہ: امام کا علم لدنی خاتمیت کے ساتھ ناسازگار ہے

شیعوں کا عقیدہ ہے کہ ائمہ علیہم السلام عصمت اور الھام جیسی صفات کے علاوہ علم غیب اور لدنی کے حامل بھی ہیں، یعنی ان کا علم و معرفت انسانوں کی طرح معمول کے مطابق پڑھنے وغیرہ سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ

---

[1]. ابوالقاسم الخوئی، مصباح الاصول، ج ۳، ص ۲۸۵، علامہ طباطبائی، حاشیۃ الکفایہ، ج ۲، ص ۲۹۶، مکارم شیرازی، انوار الفقاھۃ، کتاب البیع، ج ۱، ص ۵۵۷، ۵۷۲، صافی گلپایگانی، امامت و مھدویت، ج ۱، ص ۱۱۲، جوادی آملی، ولایت در قرآن، ص ۲۷۱

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

پیغمبروں کے علم کی طرح خارق العادہ انداز سے مثلاً الھام، فرشتوں کے ذریعے اور عرفانی تعبیر کے مطابق مجرد عقول کا سامنا کرنے سے حاصل ہوتا ہے کہ جنہیں روایات کی زبان میں (محدثون) اور (مفھمون) سے تعبیر کیا جاتا ہے اس بارے میں روایات پچھلے صفحے میں گذر چکی ہیں۔

اہل سنت اور بعض روشن فکر حضرات امام کے علم لدنی کو عقیدہ خاتمیت کے ساتھ ناسازگار بتاتے ہیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ علم لدنی کی صفت انبیاء سے خاص صفات میں سے ہے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد یہ صفت بھی قابل حصول نہیں ہے۔

وہ اس نظریے کے ساتھ ائمہ اطہار علیہم السلام کے مقام و منزل کو نیچے لاتے ہیں اور انہیں علماء ابرار کی حد تک توصیف کرتے ہیں۔[1]

امامت کے بارے میں اس نظریے کا نتیجہ یہ ہے کہ ائمہ علیہم السلام کے علم کا سرچشمہ معمول کے مطابق ذرائع مثلاً ظن و اجتہاد ہوں کہ جس کے نتیجے میں ان کے ہاں بھی خطاء جائز ہو اور ائمہ علیہم السلام کے اقوال کی حجیت ختم ہو جائے نیز وہ ایک بشری دینی معرفت کی مانند ہوں۔

ڈاکٹر سروش اس بارے میں کہتے ہیں:

خاتمیت کا پیغام یہ ہے کہ دین کی کسی فہم کو فہم خاتم نہ سمجھیں، خاتم النبیین تو آئے ہیں، لیکن خاتم الشارحین نہیں آئے اور کسی کی کلام بھی شرح و تفسیر میں وحی کے مقام پر نہیں فائز ہو سکتی۔۔۔ اگر قانع کنندہ دلائل ہوں، تو دعوی کو قبول کرلیں گے اور اگر دلائل نہ ہوں تو پھر کچھ اہم نہیں ہے خواہ استدلال کرنے والے علی علیہ السلام ہو یا کوئی اور اسکے بعد کلام کی اساس دلیل ہے نہ صاحب کرامت متکلم۔[2]

تحقیق اور جائزہ

اس شبھہ کی تحقیق میں چند مندرجہ ذیل نکات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

---

[1]. ائمہ علم کسبی یا علم غیب سے فاقد ہیں بالفاظ دیگر ائمہ اپنے معارف کو کسبی روش کے ساتھ پچھلے امام سے حاصل کرتے ہیں اور اجتہاد و استنباط کے ساتھ حکم شرعی حاصل کرتے ہیں (محسن کدیور، مجلہ مدرسہ، ش ۳، اردیبھشت، ۱۳۸۵، ص ۹۵، و نیز: سابقہ مولف بازخوانی امامت در پرتو نصنت حسینی، روزنامہ شرق، مورخہ ۱۴، ۱۵، اسفند ۱۳۸۴،)

[2]. بسط تجربہ نبوی، ص ۱۵۹، ۱۴۸، ۱۳۵

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

الف: علم لدنی کا انبیاء کے ساتھ خاص نہ ہونا

جیسا کہ الھام اور عصمت کی صفت کے تجزیہ میں کہا جا چکا ہے کہ یہ دونوں نبوت کی شرط ہیں لیکن اسکے ساتھ خاص نہیں ہیں، بلکہ قرآن مجید بعض ایسے غیر نبی انسانوں کا نام لیتا ہے کہ جو صفت عصمت اور الھام کے حامل تھے۔ موضوع بحث بھی ایسے ہی ہے ، علم لدنی انبیاء کی لازمی صفات میں سے ہے لیکن ان کے ساتھ خاص نہیں ہے کہ اب یہاں کچھ موارد کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے :

۱) **حضرت خضر:** قرآن مجید اللہ تعالی کی طرف سے حضرت خضر کو رحمت خاص اور علم لدنی (من عندنا) کے عطا ہونے کی خبر دیتا ہے۔

آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِنْ عِندِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا [1]

۲) **اصحاب حضرت سلیمان (ع) :** حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب اپنے اصحاب سے چاہا کہ سینکڑوں کلومیٹر دور سے تخت بلقیس کو فوری طور پر ان کے پاس حاضر کیا جائے، تو سب نے ایک مدت مانگی، لیکن ایک شخص (آصف بن برخیا) نے کہا کہ میں پلک جھپکنے میں (قبل اس کے کہ دوبارہ پلک جھپکی جائے تخت کو حاضر کرتا ہوں۔

قَالَ الَّذِي عِندَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَن يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ [2]

قرآن مجید نے ان کے علم کی تشریح نہیں کی، لیکن ان کی قدرت کے راز اور خصوصیت کو بیان کیا اور اسے (کتاب کے علم) کے عنوان سے توصیف کیا کہ جو یقینا معمولی علم نہ تھا بلکہ ایک خاص علم اور الھی عنایت پر مشتمل تھا۔ اسکی دلیل جنات کے طائفہ عفریت کا یہ کہنا تھا کہ میں اس سے پہلے کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھیں، اسے لے آوں گا [3]

واضح سی بات ہے کہ جس کے پاس کتاب کا علم اور طاقت عفریت جن سے بھی زیادہ ہو، وہ علم یقینی طور پر غیر معمولی اور الھی ہے ورنہ معمول کے مطابق علوم سے ایسی چیز ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ اس واقعہ سے چند ہزار سال گزرنے کے بعد، کوئی بھی معمول کے مطابق علوم سے ایسا کام نہ کر سکا اور نہ کسی نے دعوی کیا۔

---

۱. کھف، ۶۵

۲. نمل، ۴۰

۳. قَالَ عِفْرِيتٌ مِّنَ الْجِنِّ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَن تَقُومَ مِن مَّقَامِكَ. (نمل، ۳۹)

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

دوسری دلیل آیت کا یہ بیان کرنا کہ (علم من الکتب) کہ جو کتاب مقدس کے علوم اور دینی معارف کو بیان کرتا ہے کہ جنکی بناپر وہ شخص اللہ تعالی کی توجہ و عنایت کا مرکز تھا۔

۳) حضرت مریمؑ اور علم غیب: اللہ تعالی نے حضرت عیسی کی والدہ گرامی حضرت مریم علیہ السلام پر فرشتے نازل کر کے انہیں غیبی خبریں دیں، مثلا حضرت عیسی کی والد کے بغیر پیدا ہونے اور انکی نبوت کی خبر دی

ذٰلِکَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْکَ [1]

۴) حضرت لقمانؑ: حضرت لقمان کا قرآن مجید میں الھی علم و حکمت کی حامل شخصیت کے عنوان سے تعارف کروایا گیا ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ [2]

ب: ائمہؑ کے علم لدنی کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کا بیان

پیغمبر اکرم ﷺ نے مختلف مقامات پر اہل بیت علیہم السلام کے علم غیب اور علم لدنی کی وضاحت فرمائی اور اگر ایسا علم عقیدہ خاتمیت کے ساتھ تعارض رکھتا ہوتا تو خود پیغمبر اکرم ﷺ کبھی بھی اسے بیان نہ فرماتے۔ ذیل میں پیغمبر اکرم ﷺ کی بعض نصوص کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

انَّ آلَ محمَّد شجرةُ النبوةِ وآلِ بيتِ الرَّحمَةِ وموضعَ الرسالةِ ومُختلفَ المَلَائكَةِ ومَعدنَ العلمِ [3]

پیغمبر ﷺ سے مندرجہ بالا روایت کے مشابہ بہت سی روایات ذکر ہوئی ہیں، موضوع رسالۃ اور فرشتوں کے نزول کے مقام کی توصیف کے ساتھ ساتھ (معدن العلم) کا ذکر واضح کرتا ہے کہ اہل بیت کے معدن علم ہونے کا مطلب صرف بہت زیادہ علم رکھنا نہیں ہے، بلکہ یہ علم الھی میں ظاہر ہو رہا ہے، بالفاظ دیگر اہل بیت کی موضع الرسالۃ و مختلف الملائکۃ جیسی صفات کا نتیجہ ان کا معدن علم ہونا ہے۔

---

[1]. آل عمران، آیت ۴۴

[2]. لقمان، ۱۲

[3]. الکامل، ج ۲، ص ۵۴، اسد الغابہ، ج ۳، ص ۱۹۳، شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۲، ص ۲۸۳، موسوعۃ الامامۃ فی نصوص اہل السنۃ، ج ۳، ص ۴۴۰

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ج: امام علی علیہ السلام کا اپنے علم غیب کے بارے میں بیان کرنا

امام علی علیہ السلام نے کئی بار اپنے علم غیب کا تذکرہ فرمایا، جیسا کہ فرماتے ہیں:

اَلا وَاَنا اهل البيتِ من علمِ اللهِ علمُنا وَبِحُكمِ اللهِ حكمُنا وَمِن قولِ صَادِقٍ سَمِعنَا [۱]

اس روایت میں حضرت علی علیہ السلام اہل بیت علیہم السلام کے علم کو واضح انداز سے پروردگار کی جانب سے توصیف فرمارہے ہیں اور تاکید کر رہے ہیں کہ ہمارے علم اور سننے کا ماخذ وہ قول صادق ہے کہ جس میں کوئی احتمال خلاف اور خطا نہیں ہے۔

اَلهمَنی الله (عزوجل) علم مَا فيه [۲]

اللہ تعالی نے مجھے علم مافیہ الہام کیا ہے۔

حضرت ایک خطبہ میں تاکید کرتے ہیں کہ وہ ایسے امور کے بارے میں علم و آگاہی رکھتے ہیں کہ جو لوگوں کی نظروں سے مخفی ہیں:

وَلَو تَعلمُونَ مَا اعلمُ ممَّا طَوى عَنكُم غيبه [۳]

اس خطبہ میں حضرت غیب کی خبریں دے رہے ہیں، مثلاً حجاج بن یوسف کے ظہور کی خبر۔

حضرت اپنے علم غیب کی بنا پر لوگوں سے چاہتے ہیں کہ اس سے پہلے کہ میں اس دنیا سے جاؤں مجھ سے ہر مسئلہ اور ہر نکتہ کے بارے میں سوال کریں:

فَاسئَلُونی قَبلَ اَن تَفقَدُونی فَوَالذی نَفسی بيَده لا تسألونَنی عَن شَیء فيمَا بَينَكم وَ بَينَ السَّاعَة — اَلا انبانكم [۴]

حضرت اپنی اس کلام میں فرماتے ہیں: قیامت تک ہر نکتے اور راز کے بارے میں سوال کریں میں اس کا جواب دوں گا۔

---

۱. شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج۱، ص ۲۷۶، ذیل خطبہ ۱۶، ابن عبد اللہ، العقد الفرید، ج ۳، ص ۱۵۷، البیان والتبیین، ج ۲، ص ۵۰ و ۵۲

۲. بحار، ج ۲۶، ص ۴

۳. نہج البلاغہ فیض الاسلام، خطبہ ۱۱۵، ص ۳۶۴

۴. نہج البلاغہ، خطبہ ۹۳، ص ۲۷۳

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

حضرت ایک اور خطبہ میں ہر چیز کے بارے میں سوال کرنے کی خواہش کے بعد فرماتے ہیں کہ آپ آسمان کے راستوں سے زمین کے راستوں کی نسبت زیادہ آگاہ ہیں۔[۱]

امام علی علیہ السلام نے بہت سے مقامات پر آیندہ پیش آنے والے حوادث کے بارے میں گفتگو کی ہے کہ جنہیں اصطلاح میں ملاحم سے تعبیر کیا جاتا ہے اور کوئی بھی ان کے بارے میں نہیں بتا سکتا۔ یہاں ان کے بارے میں اشارہ کیا جاتا ہے:

۱) کوفہ کی تباہی کی خبر دینا[۲]

۲) بصرہ پر حملہ اور اسکی ویرانی کی خبر دینا[۳]

۳) بنی امیہ کی حکومت اور انکی نسل ختم ہونے کی پیشین گوئی[۴]

۴) حجاج بن یوسف کے ظہور کی غلام ثقیف کے عنوان سے پیشین گوئی[۵]

۵) جنگ نہروان شروع ہونے سے پہلے ہر دو طرف مقتولوں کی تعداد معین کرنا[۶]

۶) منگولوں کے حملہ اور انکی جنایات کی خبر دینا[۷]

شاید یہاں یہ شبھہ پیش ہو کہ حضرت علی علیہ السلام کا یہ سب علم غیب ان آیات کے ساتھ منافات رکھتا ہے کہ جو علم غیب کو صرف اللہ کی ذات میں منحصر جانتی ہیں۔ ہم اس شبھہ کا جواب آئندہ ابواب میں ائمہ علیہم السلام کے علم غیب کے متعلق شبہات کے ذیل میں دیں گے۔

د۔ اہل سنت اور امام کے علم غیب کا اعتراف

اہل سنت کے بعض منصف مزاج علماء مثلا ابن ابی الحدید اگرچہ حضرت علی علیہ السلام اور دیگر ائمہ علیہم السلام کی امامت قبول نہیں کرتے، لیکن حضرت کے روحی فضل و کمال کا اعتراف کرتے ہوئے حضرت سے منقول

---

۱. نہج البلاغہ، خطبہ ۲۳۱، ص ۷۶۱
۲. نہج البلاغہ، خطبہ ۴۷، ص ۱۳۴
۳. نہج البلاغہ، خطبہ ۱۰۱، ص ۳۰۱، خطبہ ۱۲۸، ص ۳۹۵
۴. نہج البلاغہ، خطبہ ۸۶، ص ۲۱۸، خطبہ ۹۲، ص ۲۷۵
۵. نہج البلاغہ، خطبہ ۱۱۵، ص ۳۶۴
۶. ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ج ۵، ص ۴، خطبہ ۵۸
۷. سابقہ ماخذ، خ ۱۲۸، ص ۳۹۷

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

غیبی خبریں جیسے جنگ نہروان میں اپنے اصحاب میں سے دس افراد کے قتل ہونے اور مخالفین کے صرف دس افراد کے باقی بچنے کی خبر کو حضرات کے معجزات سے توصیف کرتے ہیں۔ وہ جنگ نہروان سے متعلق حضرت کی پیشین گوئی پر مشتمل خطبہ کی شرح میں تحریر کرتے ہیں:

هذَ الخبرُ مِنَ الأخبارِ الّتی تَکُونُ مُتَواتِرَةً لاشتهارِه ونقلِ الناسِ کَافة وَهُوَ من مُعجزَاتِه واَخبارِه المُفصلةِ عَن الغُیوب [1]

وہ تاکید کرتے ہیں کہ یہ الٰہی امر ہے کہ اللہ تعالی نے اسے اپنے رسول کے ذریعے حضرت کو عطا کیا ہے کہ بشر اسے درک کرنے سے عاجز اور ناتواں ہے۔

ذلِکَ امر الهی عَرَفه مِن جهةِ رَسولِ اللهﷺ وعرفه رسولُ اللهﷺ من جهةِ اللهِ سُبحانَه والقوة البشریة تَقصرُ عَن ادراکِ مِثلِ هذَا [2]

وہ غیب کی خبروں کو نوع بشر کے لئے ممکن جانتے ہیں اور اسے اللہ تعالی کی طرف نسبت دیتے ہیں۔ [3]

ابن عربی حضرت علی علیہ السلام، ابن عباس اور سلمان جیسے افراد کے لئے علم لدنی اور سر الٰہی کے اسرار ممکن سمجھتے ہیں۔ [4]

۵۔ علم غیب، ولایت باطنی کا ثمرہ

گذشتہ صفحات میں ائمہ علیہم السلام کی ولایت باطنی کی بحث تفصیل سے بیان ہو چکی ہے کہ وہ ہستیاں الٰہی عنایت کی بنا پر ولایت باطنی و معنوی کے مقام کی حامل ہیں کہ جس کی بناء پر وہ عالم غیب سے رابطہ برقرار کرتے تھے اور اس ذریعے سے ماضی اور مستقبل کا علم حاصل کرتے تھے، چونکہ اس مقام پر تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے، قاری محترم کو اسی جگہ کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ یہاں ہم ان چند روایات پر اکتفا کرتے ہیں کہ جو بتاتی ہیں کہ دین کی تفسیر میں ائمہ علیہم السلام کے علم کے حوالے سے خود ان کے زمانہ میں ہی سوال یا شبہہ بھی موجود تھا:

---

[1]. شرح نہج البلاغہ، ج۵، ص۴

[2]. سابقہ ماخذ

[3]. اعلم انا لانتکر ان یکون فی نوع البشر اشخاص یخبرون عن الغیوب ولکن کل ذالک مستند الی اللہ سبحانہ (سابقہ ماخذ، ص۱۲)

[4]. الفتوحات، ج۱، ص۱۵۱، باب ۱۴

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

امام کاظم علیہ السلام اپنے علم کے ماخذ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

مبلغُ علمِنا ثَلاثة وُجُوه: ما ض وغابر و حادث فامّا المَاضی فَمفسّر وَ اَما الغابرُ فمَزبوروامّاالحادثُ فقذفَ فی القُلُوب ونقر فِی الأِسماع وهوَا فضلُ علمِنَا وَلَا نبی بعدَ نبینا

ہمارے علم کی وسعت تین جہات پر مشتمل ہے: ماضی، آیندہ اور حال، ماضی کا تعلق تفسر و تشریح کی نوعیت سے ہے (کہ پیغمبر ﷺ کے ذریعے ہمارے لئے تفسیر ہو چکا ہے)، آیندہ کا علم تحریر و کتابت کی نوعیت سے ہے (کہ جو کتاب جامعہ، جفر اور مصحف فاطمہ (س) میں درج ہے) اور موجودہ کا علم دل میں ڈالنے یا کانوں میں بیان کرنے سے ہے اور یہ قسم ہمارے علم کی افضل قسم ہے، ہمارے پیغمبر کے بعد کوئی پیغمبر ظہور نہیں کریگا۔[1]

اس حدیث میں حضرت گذشتہ اور آیندہ کے علم کو مفسّر اور مکتوب سے توصیف کرتے ہیں کہ جو پیغمبر ﷺ سے حاصل کیا ہوا ہے۔

لیکن حال کے علم کو الھام کی نوعیت اور اپنے بہترین علم سے توصیف کرتے ہیں۔ یہاں چونکہ ممکن تھا کہ حدیث کا مخاطب ائمہ علیہم السلام کے لئے الہام کی نوعیت کے علم کو قبول کرنے کی بناء پر اس شبھہ میں پڑ جاتا کہ ممکن ہے ائمہ بھی انبیاء الھی کی مانند ہوں، امام فوراً اس شبھہ کا جواب دیتے ہیں کہ اگرچہ ہمارا علم الھام کی نوع سے ہے، لیکن اس کا مطلب نبوت نہیں ہے، پیغمبر ﷺ کی رحلت کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔

ایک اور روایت میں کوئی شخص امام صادق علیہ السلام سے فتوی دینے میں ان کے علم کے ماخذ کے بارے میں سوال کرتا ہے۔

حضرت نے فرمایا: کتاب و سنت کی اساس پر۔ سائل اصرار کرتا ہے کہ حضرت کسی اور ماخذ کی طرف اشارہ کریں، دوبارہ سوال کرتا ہے کہ اگر کتاب و سنت میں نہ ہو؟ حضرت بظاہر اپنے علم کے ماخذ و منبع کو بیان کرنے سے احتراز کرتے ہیں اور فرماتے ہیں: کوئی ایسی خبر نہیں ہے کہ جو کتاب و سنت میں نہ ہو۔ سائل دوبارہ اپنے سوال کی تکرار کرتا ہے یہاں تک کہ حضرت مجبور ہوئے اور اپنے اصلی ماخذ علم کی تشریح فرماتے ہیں اور اسے الہی تائید اور توفیق سے تعبیر کرتے ہیں کہ جو الھام، روح القدس اور فرشتے کے ذریعے انجام پاتی ہے:

---

[1]. کافی، ج ۱، ص ۲۶۴، باب جہات علوم ائمہ، ج ۸، ص ۱۲۵، حدیث کی وضاحت کے لئے رجوع کریں: مرآۃ العقول، ج ۳، ص ۱۳۶، ملا صالح مازندانی، شرح اصول کافی، ج ۶، ص ۴۹، مجمع البحرین، ج ۲، ص ۲۶۴، ذیل کلمہ زبر

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

یسدّد و یوفّق فاما مَا تَظن فَلَا [1]

یسدّد و یوفّق سے مراد الھام اور فرشتہ روح القدس کے ذریعے تائید ہے کہ یہ عبارت اور عنوان دیگر روایات میں ذکر ہوئی ہیں۔

حضرت نے اپنی روایت کے آخر میں ایک نکتہ فرمایا: کہ جو کچھ تم گمان کرتے ہو وہ نہیں ہے، ممکن ہے کہ سائل کا گمان ہو کہ امام کا علم اجتہاد اور معمول کے ذرائع کے ذریعے حاصل ہوتا ہو [2] یا امامت و امام کا نبوت و نبی کے ساتھ قیاس کا شبہ ہو کہ حضرت نے اسے باطل قرار دیا۔

امام صادق علیہ السلام ایک روایت میں اپنے حکم کی حقیقت کے بارے میں فرماتے ہیں:

بِحُکمِ اللهِ وحکمِ دَاود - فَاِذَا وَرَدَ عَلَینَا شیء لَیسَ عِندَتلقّانا بِهِ الروح القُدُس [3]

حکم خدا کی بناء پر حکم کرتے ہیں جس طرح داود حکم کیا کرتے تھے جب کوئی ایسی چیز پیش آئے کہ ہم اسے نہ جانتے ہوں تو روح قدس ہمیں بتاتا ہے۔

ایک اور روایت میں (الھمنا الله الهاما) کی تعبیر کا پچھلی روایت کے مضمون کے ساتھ اضافہ بھی ہوا ہے۔ [4]

نتیجہ بحث:

۱) علم لدنی اور علم غیب کا دعوی نبوت اور خاتمیت سے کوئی ربط نہیں رکھتا کیونکہ علم لدنی اور غیب، غیر انبیاء کو بھی حاصل ہو سکتا ہے اور تاریخ میں اسکے بہت سے موارد موجود ہیں کہ قرآن مجید میں بھی اسکے کچھ موارد کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

بنابر ایں ائمہ معصومین علیھم السلام کے لئے بذات خود علم غیب اور اس کا اثبات نبوت و خاتمیت سے کوئی ٹکراؤ بھی نہیں رکھتا۔

---

[1]. بحار، ج ۲، ص ۱۷۵

[2]. سابقہ ماخذ

[3]. سابقہ ماخذ، ج ۲۵، ص ۵۶

[4]. سابقہ ماخذ

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

۲) علم غیب ولدنی کا دعویدار اگر اس کے دعوے کے ساتھ ساتھ شریعت اسلام سے ہٹ کر کسی جدید آسمانی پیغام کا دعوی کرے، ایسا علم اصل خاتمیت کے ساتھ تعارض پیدا کرے گا، لیکن کسی شیعہ نے ایسا دعوی نہیں کیا کہ ائمہ علیہم السلام اس طرح کا دعوی کرتے تھے، بلکہ خود ائمہ اپنے علم کی الہی اور الھام کے ساتھ توصیف کرنے کے بعد اس قسم کے شبھہ کو ختم کرتے تھے اور واضح کرتے تھے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ (اس سے پہلے روایت گزر چکی ہے)

۳) اگر علم لدنی کے خاتمیت کے ساتھ تعارض کے دعویدار کا مقصود یہ ہو کہ ائمہ علیہم السلام اپنے علم غیب کے ضمن میں اپنی عصمت، گفتار اور بعض احکام اسلام کی تشریع کی حجیت کے دعویدار ہیں، تو اس بارے میں یہ کہنا چاہئے کہ پہلی بات یہ ہے: خود علم غیب کا دعوی خاتمیت کے ساتھ منافات نہیں رکھتا اور وہ چیز جو معترض کی نظر میں منافات رکھتی ہے انکی حجیت و تشریع کا دعوی ہے کہ اس شبھہ کی تحقیق و جواب پچھلے صفحات میں گزر چکا ہے۔ وہاں ذکر ہوا ہے کہ ان کی حجیت و تشریع الہی اذن کے ساتھ ہے کہ جو اسلام کا شارع حقیقی ہے اور یہ مقام پیغمبر ﷺ کی طرف سے عطا ہوا ہے کہ یہ چیز نہ صرف یہ کہ خاتمیت کے منافی نہیں ہے بلکہ اسے مکمل اور تمام کرنے والی ہے۔

آٹھواں شبھہ:

پچھلے صفحات میں گذر چکا ہے کہ ائمہ علیہم السلام خاص کمالی صفات کے مالک ہیں مثلا عصمت، علم غیب، الھام، حجت الھی اور اللہ و رسول کے ذریعے مقام امامت پر فائز ہونا۔ بعض معترضین نے پیغمبر اسلام ﷺ کے ذریعے ائمہ علیہم السلام کو ایسی صفات کی تفویض کو خاتمیت کے منافی توصیف کیا اور اس عنوان سے مندرجہ بالا صفات کا انکار کیا۔ ڈاکٹر سروش چند مقامات پر کہتے ہیں:

یہ بالکل تناقض ہے کہ رسول خاتم کسی کو ایسے حقوق عطا کریں جو خاتمیت کے منافی ہوں۔[1]

تحقیق و جائزہ

اس شبھہ میں بنیادی مشکل خاتمیت کے معنی و مفہوم کی خاص تعریف کرنا ہے کہ معترض اس شبھہ میں خاتمیت کو عام اور سخت انداز میں تعریف کرتا ہے نبی میں موجود کوئی صفت یا اس کے مشابہ کوئی صفت کسی غیر نبی میں پائے جانے کو خاتمیت سے منافی تعبیر کرتا ہے۔

---

[1]. بسط تجربہ نبوی، ص ۱۳۵

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

حالانکہ (جیسا کہ پچھلے صفحات میں گزر چکا ہے) خاتمیت سے مراد عصمت، الھام، علم غیب اور حجیت کا پیغمبر میں منحصر ہونا اور امام کو شامل نہ ہونا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد نئے پیغمبر اور نئی شریعت کے ظہور کا ختم ہونا ہے، امامت کا عقیدہ رکھنے والے کبھی بھی جدید شریعت اور نبی کے ظہور کا عقیدہ نہیں رکھتے، وہ زیادہ سے زیادہ اپنے ائمہ کو آخری پیغمبر کی طرف سے اس عہدے پر فائز قرار دیتے ہیں کہ جنہیں اللہ اور رسول کی طرف سے کلام و رفتار کی حجیت، عصمت اور دین و دنیا کے مختلف امور کی تفسیر میں جانشینی عطا ہوئی ہے۔

امامت کا یہی معنی اور اسکا نبوت و خاتمیت سے منافات نہ رکھنا حدیث نبوی میں ذکر ہوا ہے، جب امام علی علیہ السلام نے وحی کے فرشتہ کو دیکھنے اور اس کی آواز سننے نیز شیطان کی چیخ سننے کے حوالے سے مطالب پیغمبر ﷺ کی خدمت میں بیان کئے، تو حضرت نے امام علی علیہ السلام سے فرمایا:

انک تسمع ما اسمع وتری ما اری الا انک لست بنبی[1]

تم وہی سنتے ہو جو میں سنتا ہوں اور وہی دیکھتے ہو جو میں دیکھتا ہوں

اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ حضرت علی علیہ السلام کی صفت الہام، اور انکے فرشتہ وحی کو دیکھنے اور اس کا پیغام سننے کی نفی نہیں کرتے، بلکہ ان باتوں کو قبول کرتے ہوئے صرف امام سے صفت نبوت کی نفی کرتے ہیں۔ دیگر روایات میں پیغمبر اکرم ﷺ مختلف کمالی صفات مثلا عصمت، حجیت اور واجب الاطاعۃ ہونا حضرت علی علیہ السلام کو تفویض کرتے ہیں کہ ان کے عطا ہونے کی گفتگو پچھلے شبہات کے جواب میں گذر چکی ہے۔ بالفاظ دیگر خاتمیت کے معنی و مفہوم پر یقینا پیغمبر اکرم ﷺ تمام لوگوں بالخصوص ڈاکٹر سروش کی نسبت زیادہ عالم ہیں، اگر مذکورہ صفات کی حضرت علی علیہ السلام کو تفویض خاتمیت سے منافات رکھتی ہوتی تو آپ ہرگز ایسا نہ کرتے۔ مگر یہ کہ کوئی نعوذ باللہ حضرت ﷺ کو درس خاتمیت دینا چاہتا ہو یا اس مسئلہ میں ان کی عصمت نہ ہونے پر عقیدہ رکھتا ہو کہ ایسا شخص سب سے پہلے اپنا دعوی واضح انداز میں بیان کرے تاکہ اسے ضروری جواب دیا جاسکے۔

---

[1]. نہج البلاغہ، خطبہ ۱۹۲

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

امامت کے منصوب ہونے کے بارے میں شبہات اور ان کا تجزیہ

پہلا شبہہ: قرآن مجید میں نص کا نہ ہونا

گذشتہ باب میں عقیدہ امامت کے بارے میں کلی عنوان سے پیش کردہ شبہات کا جائزہ لیا گیا ہے جبکہ اس باب میں ایسے شبہات کو بیان اور نقد کیا جائیگا جن میں مختلف مفاہیم اور روشوں سے امامت کے اساسی رکن یعنی حضرت علی علیہ السلام اور دیگر گیارہ ائمہ کی امامت پر قرآنی نصوص کا انکار کیا گیا ہے۔

سب سے پہلا شبہہ وہ ہے جو اہل سنت کے ہاں انتہائی پرانا اور معروف ہے کہ جس میں قرآن کریم میں حضرت علی علیہ السلام کی امامت پر نص کے نہ ہونے کا دعوی کیا گیا ہے ان کا کہنا ہے کہ اگر حضرت کی امامت الٰہی فرمان کی بناپر ہوتی تو ضروری تھا کہ آیات قرآنی میں اس کا تاکید سے تذکرہ ہوتا۔[1] بعض مجموعی طور پر دعوی کرتے ہیں کہ امامت کی نص اور منصوب ہونے کا عقیدہ دوسری اور تیسری صدی کے متکلمین کا پیدا کردہ ہے[2] کہ اس دعوی کا لازمہ قرآن واحادیث میں نص کا موجود نہ ہونا ہے۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

تجزیہ و تحقیق

اس شبہہ کی تحقیق میں مندرجہ ذیل نکات قابل توجہ ہیں:

۱) امام کے منصوب ہونے پر آیات کا ظاہری طور پر دلالت کرنا

قرآن کریم کی بہت سی آیات حضرت علی علیہ السلام کی امامت کے منصوب ہونے پر دلالت کرتی ہیں جن میں سے بعض کی طرف یہاں پر اشارہ کیا جارہا ہے:

۱) آیت تطہیر:

اہل بیت علیہم السلام کے بارے میں ایک مشہور آیت "آیت تطہیر" ہے کہ جس میں اللہ تعالی نے اہل بیت نبوت کو ہر قسم کی نجاست وآلودگی سے پاک ومنزہ قرار دیا ہے:

---

[1] ۔ شاکر، اوا اتحاد، ص ۲۵۴

[2] ۔ احمد کاتب، تطور الفکر السیاسی الشیعی، ص ۱۶

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيراً [۱]

آیت کریمہ اہل بیت نبی ﷺ (علی، فاطمہ، حسن، حسین علیہم السلام) کی عصمت کو ثابت کرتی ہے۔ اس عنوان سے آیت کے نزول کو بہت سے صحابہ نے نقل کیا اور متواتر صورت میں شیعہ و سنی ماخذ میں درج اور موجود ہے۔ مثلا ترمذی اپنی صحیح میں بیان کرتے ہیں کہ آیت تطہیر ام سلمہ کے گھر میں نازل ہوئی اور پیغمبر اکرم ﷺ، علی، فاطمہ، حسن اور حسین علیہم السلام کو بلاتے ہیں پھر ایک عبا کو ان پر ڈالتے ہیں اور فرماتے ہیں اے میرے پروردگار یہ میرے اہل بیت ہیں [۲]۔

امام علی علیہ السلام نے کئی بار اپنے مخالفین مثلا اہل سقیفہ کے لئے اپنے عظیم مقام کو ثابت کرنے کے لئے اس آیت شریفہ سے استدلال کیا ہے۔ [۳]

اہل سنت کے ماخذ میں بہت سے مقامات پر نقل ہوا ہے کہ امام حسن علیہ السلام نے امام علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد ایک خطبہ میں آیت تطہیر کو اپنے پر (نحن اہل بیت) تطبیق و تفسیر فرمایا۔ [۴]

اہل بیت کی ہر طرح کے رجس اور آلودگی سے طہارت اور پاکیزگی کا لازمہ، انکا ہر قسم کی خطاء و گناہ سے معصوم ہونا ہے اور یہ چیز ان کی حجت اور مطلق اطاعت کے لازمی ہونے کو ثابت کرتی ہے، کیونکہ آیت کے مطابق ان کے گفتار و کردار میں خطا و معصیت کی نفی کی گئی ہے۔ اسی بنا پر آیت ائمہ کی علمی و دینی مرجعیت کو ثابت کرتی ہے۔

۲) آیت انذار:

دو صفتیں منذر (ڈرانے والا) اور ھادی (ھدایت کرنے والا) انبیاء کے اوصاف میں سے شمار ہوتی ہیں کہ قرآن مجید میں اس مطلب کی صراحت کی گئی ہے:

أَنَّمَا أَنتَ مُنذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ [۵]

---

۱. احزاب، ۳۳

۲. صحیح ترمذی، ج۵، ص ۳۲۷، تفسیر الدر المنثور، ذیل آیت، امام شناسی، ج۳، ص ۱۶۲ تا ۱۷۲

۳. خوارزمی، المناقب، ص ۱۲۹

۴. شواھد التنزیل، ج۲، ص ۳۱، تاریخ مدینہ دمشق، ج ۱۳، ص ۲۶۹، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۱۶، ص ۲۲، مزید وضاحت کے لئے رجوع کریں: علامہ حسینی تھرانی، امام شناسی، ج۳، ص ۱۴۱ اور اس کے بعد

۵. سورہ رعد، ۷

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

فریقین کی بہت سی احادیث میں پیغمبر ﷺ سے نقل ہوا ہے کہ آپ نے خود کو (منذر) اور حضرت علی علیہ السلام کو اپنے بعد امت کا (ھادی) توصیف فرمایا ہے:

اَنتَ الهَادِی یَا علیّ بکَ یَهتدِی مِن بَعدی [1]

قرآن مجید کی آیات اور بالخصوص مندرجہ بالا آیت شریفہ میں انبیاء کے بلند مقام کی توصیف کے لئے لفظ ھادی آیا ہے۔ چونکہ اسلام آخری دین ہے اور حضرت علی علیہ السلام اگرچہ پیغمبر اور وحی کے حامل نہیں ہیں، لیکن آیت کی صراحت اور پیغمبر اسلام ﷺ کی تفسیر و تطبیق کے مطابق حضرت علی علیہ السلام پیغمبر اسلام ﷺ کے بعد مقام "ھادی" کے حامل ہیں۔

۳) آیت ولایت:

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ [2]

بے شک تمہارا سرپرست تو اللہ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہی ہے اور (ساتھ) وہ ایمان والے ہیں جو نماز قائم رکھتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں اور وہ (اللہ کے حضور عاجزی سے) جھکنے والے ہیں

اس آیت پر استدلال میں مندرجہ ذیل نکات قابل توجہ ہیں:

الف: اگرچہ ولی کے مختلف معانی مثلاً دوست، قریبی فرد وغیرہ ہیں، لیکن اس چیز کی طرف توجہ رکھتے ہوئے کہ آیت میں حروف حصر (انما) کو لایا گیا ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ آیت مومنین کے ولی کو انحصار اور محدودیت کے ساتھ اللہ، نبی اور رکوع میں زکوۃ دینے کی صورت میں بیان کر رہی ہے، تو اس کا لازمہ یہ ہے کہ ولی سے سرپرست اور حاکم کا معنی لیا جائے، کیونکہ دیگر معانی میں ولی کو منحصر کرنے سے کوئی معنی نہیں بنتا مثلاً یہ کہ تم اللہ، رسول اور رکوع میں زکوۃ دینے والے کو دوست رکھو یا ان سے رابطہ پیدا کرو یا صرف ان کی مدد کرو۔

پس اس انحصار کے ساتھ حاکم اور سرپرستی کا معنی مکمل طور پر مطابقت رکھتا ہے، کیونکہ آیت مسلمانوں کا سرپرست بیان کرنا چاہتی ہے کہ سب سے پہلے وہ پروردگار ہے اور اس کا پیغمبر اور پھر رکوع کی حالت میں زکوۃ دینے والا ہے۔ واضح کریں گے کہ وہ ہستی صرف امیر المومنین علیہ السلام ہیں۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر، ج ۲، ص ۵۰۳، تفسیر طبری، ج ۱۳، ص ۱۰۸، تفسیر روح المعانی، ج ۱۳، ص ۱۰۸، تفسیر ثعلبی، ج ۵، ص ۲۷۲، تاریخ مدینہ دمشق، ج ۴۲، ص ۳۵۹۔

[2] مائدہ، ۵۵۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ب: دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اللہ اور اسکے رسول کے ولی اللہ ہونے کا معنی سرپرستی، صاحب امر واختیار ہونا ہے، چونکہ اس آیت میں ولایت علی علیہ السلام، اللہ اور اس کے رسول کی ولایت پر عطف ہوتی ہے، آیت کا ادبی سیاق تقاضا کرتا ہے کہ تینوں مقامات پر ولایت ایک ہی ہو۔

ج: اگر آیت میں ولی کا معنی امامت وحکومت سے ہٹ کر ہو، تو آیت کے فراز (وھم راکعون) کا ترجمہ و تفسیر مشکل ہو گا، مثلا کہا جائے کہ مراد یہ ہے کہ تمہارا دوست و ناصر اللہ اور اسکا رسول اور وہ مومنین ہیں کہ جو رکوع کی حالت میں زکوۃ دیتے ہیں، تو یہ سوال پیدا ہو گا کہ رکوع کے علاوہ آیا مومنین مسلمانوں کے دوست اور یاور نہیں ہیں؟ تو پھر آیت میں (ولی) کو رکوع کی خاص حالت میں کیوں مقید کرتے ہوئے خبردار کیا گیا ہے۔[1]

فریقین کی بہت سی روایات میں آیا ہے کہ مندرجہ بالا آیت حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے، کہ جب ایک سائل مسجد میں داخل ہوا حاضرین نے اس کی حاجت کا جواب نہیں دیا۔

حضرت علی علیہ السلام جو کہ رکوع کی حالت میں تھے اپنی انگلی کی طرف اشارہ کیا اور اسے سائل کو بخش دیا، اس واقعہ کے بعد آیت نازل ہوئی۔[2]

د: شاید بعض لوگ گذشتہ نکات کے بارے میں شک وتردید کا شکار ہوں، دلیل کو مکمل کرنے کے لئے مورد بحث میں موجود حدیث نبوی کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے کہ اس آیت کی حکومت وامامت کے بارے میں دلالت پر ہر طرح کی تردید ختم ہو جائے۔

اہل سنت کے ماخذ میں آیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے رکوع کی حالت میں انگوٹھی عطا کرنے کے بعد پیغمبر ﷺ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر حضرت موسی علیہ السلام کی مانند درخواست کی کہ جس طرح انہوں نے ہارون کو اپنا وزیر اور حامی بنانے کی درخواست کی تھی، آپ نے حضرت علی علیہ السلام کو وزیر معین کرنے کی درخواست کی:

اَللّٰھُمَّ—واجعَل لِی وَزِیراً مِن اھلی عَلِیًّا واشدُد بہ اُزری اَو قَال ظَھری [1]

---

[1]. فیروزآبادی، فضائل الخمسہ، ج۲، ص۱۸

[2]. تاریخ دمشق، ج۴۲، ص۸۹۵۰، ج۴۵، ص۹۸۸۵، البدایۃ والنھایۃ، ج۷، ص۳۵۸، الدر المنثور، ج۳، ص۱۰۵، شواھد التنزیل، ج۱، ص۲۲۶، تفسیر ابن کثیر، ج۳، ص۱۳۹، تعجب کی بات ہے کہ اہل سنت کے ان بہت سے ماخذ کے باوجود بعض یہ دعوی کرتے ہیں کہ مندرجہ بالا شان نزول اہل سنت کے آثار میں موجود نہیں ہے (تئوری امامت در ترازوی نقد، ص۵۳)

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ابوذر کہ جو حدیث کے راوی ہیں، بتاتے ہیں کہ فورا یہ آیت نازل ہوئی۔

شیعہ ماخذ میں اس روایات کے مشابہ بہت سی روایات ذکر ہوئی ہیں کہ یہاں ان کے ذکر کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔[۲]

۴)آیت تبلیغ:

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ [۳]

اے (برگزیدہ) رسول! جو کچھ آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے (وہ سارا لوگوں کو) پہنچا دیجئے، اور اگر آپ نے (ایسا) نہ کیا تو آپ نے اس (رب) کا پیغام پہنچایا ہی نہیں، اور اللہ (مخالف) لوگوں سے آپ (کی جان) کی (خود) حفاظت فرمائے گا

یہ آیت شریفہ غدیر خم کے روز یا اس سے چند روز قبل پیغمبر پر نازل ہوئی کہ اس میں پیغمبر ﷺ کی زندگی کے آخری ایام کی ایک اہم اور اساسی ذمہ داری کی خبر دی جاتی ہے۔ یہ اہم موضوع حضرت علی علیہ السلام کی امامت کا ابلاغ ہے کہ مندرجہ ذیل نکات سے واضح کرتے ہیں:

الف: جو کچھ تاریخ نے پیغمبر اسلام ﷺ کی زندگی کے آخری ایام کی تعلیمات میں سے محفوظ کیا ہے، ان میں واقعہ غدیر خم سے اہم اور بنیادی چیز نہیں ملتی۔ بنابر این یا تو نعوذ باللہ آپ نے اہم وظیفہ چھوڑ دیا یا یہ وہی پیغام غدیر ہے۔

پہلی صورت آپ (ص) کے عظیم مقام اور عصمت کے پیش نظر بے معنی ہے، اس کے علاوہ آیت اکمال دین کہ جس کی وضاحت بعد میں ذکر ہو گی پیغمبر ﷺ کے ذریعے اہم آسمانی پیغام پہنچنے کی خبر دیتی ہے۔

پس صرف دوسری صورت یعنی روز غدیر اللہ تعالی کا پیغمبر ﷺ کو حضرت علی علیہ السلام کی امامت کے بارے میں حکم کا فرض باقی رہ جاتا ہے۔

---

۱. تذکرۃ الخواص، ص ۱۵، شواھد التنزیل، ج ۱، ص ۲۳۰، فرائد السمطین، ج ۱، ص ۱۹۲

۲. موسوعۃ الامام علی (ع)، ج ۲، ص ۲۰۲، اسی طرح سورہ مائدہ آیہ ۵ کے ذیل میں مختلف تفاسیر۔

۳. مائدہ آیت ۶۷۔ اس آیت اور بعد والی آیت کی وضاحت کے لئے رجوع کریں مطہری، مجموعہ آثار، ج ۴، ص ۸۸ تا ۹۰۷

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ب: یہ اہم اور اساسی چیز صرف حضرت علی علیہ السلام سے محبت کی نصیحت یا انہیں پیغمبر ﷺ کے ناصر اور مددگار کی حیثیت سے بتانے کی صورت میں نہیں ہو سکتی، کیونکہ ان دو باتوں کی آیت کے مضمون کے ساتھ کہ جس میں اس چیز کو نہ پہنچانا گویا امر رسالت کو ترک کرنے کے مترادف ہے، ان میں کوئی تناسب و مطابقت نہیں رکھتی۔

ج: مذکورہ آیت کا ظاہر واضح طور پر بتا رہا ہے کہ پیغمبر ﷺ آیت کا پیغام پہنچانے میں خوفزدہ اور پریشان تھے اور گویا اس پیغام پہنچانے میں کچھ تاخیر بھی رکھتے تھے، کیونکہ آیت کا پیغام ایک گروہ کے لئے اس قدر اہم اور مسئلہ آفرین تھا کہ حضرت محسوس کرتے تھے کہ اس سے دین یا اسلامی معاشرے کے لئے ایک طرح کا خطرہ اور نا امنی پیدا ہو جائیگی۔ یہاں واضح ہوتا ہے کہ ایسا پیغام صرف حضرت علی علیہ السلام کو بعنوان دوست اور مددگار بتانے سے تعلق نہیں رکھتا اور نہ ہی ایسا کرنے سے حضرت خوف رکھتے تھے، لیکن اگر آیت کے پیغام کی حضرت علی علیہ السلام کی امامت سے تفسیر کی جائے تو مندرجہ بالا صورتیں پیدا ہو سکتی تھیں۔

یہ معنی نہیں رکھتا کہ ایک گرم دن آپ تقریباً ایک لاکھ حاجیوں کو تپتے ہوئے صحرا میں ٹھہرائیں اور انہیں صرف یہ نصیحت کریں کہ وہ حضرت علی علیہ السلام سے محبت کریں یا حضرت علی علیہ السلام کو اپنی تیئیس سالہ رسالت میں مددگار بتائیں، جیسا کہ اہل سنت غدیر خم کی ایسی ہی وضاحت پیش کرتے ہیں۔

د: پیغام غدیر کہ پیغمبر اکرم ﷺ سے نقل ہوا، اس کے مضمون سے حضرت علی علیہ السلام کی امامت پر استدلال کیا جا سکتا ہے کیونکہ وہ ان کی امامت سے ہی متعلق تھا، یہاں سب سے پہلے پیغمبر اکرم ﷺ نے لوگوں پر اپنی اولویت اور لوگوں کے نفوس پر اپنے تقدم کی بات کی (الست اولی) کہ اس کی وضاحت بعد والے صفحات میں پیش کی جائے گی۔

ھ: اکثر علماء اہل سنت مندرجہ بالا آیت کے واقعہ غدیر خم کے حوالے سے نزول کو قبول کرتے ہیں، ان کے ماخذ اور دیگر قرائن کی رو سے حدیث غدیر کی حضرت علی علیہ السلام کی امامت پر دلالت کو بیان کرتے ہیں کہ یہ بعد والے صفحات میں حدیث غدیر کے ضمن میں واضح کئے جائیں گے۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

۵) آیت اکمال:

يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا [1]

آج کافر لوگ تمہارے دین (کے غالب آجانے کے باعث اپنے ناپاک ارادوں) سے مایوس ہو گئے، سو (اے مسلمانو!) تم ان سے مت ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرا کرو۔ آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو (بطور) دین (یعنی مکمل نظامِ حیات کی حیثیت سے) پسند کر لیا۔

یہ آیت بھی پچھلی آیت کی تکمیل میں واقعہ غدیر خم کے حوالے سے حضرت علی علیہ السلام کی امامت سے متعلق ہے اور اس کا ظاہر بھی اس مسئلہ کی تائید کرتا ہے۔ اس کے باوجود اس استدلال کو بیان کرنے کے لئے چند نکات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

الف: بہت سے علماء اہل سنت مندرجہ بالا آیت کو واقعہ غدیر خم سے متعلق جانتے ہیں۔ [2]

ب: آیت کے پیغام پہنچانے سے کفار کی مایوسی، دین کے کامل ہونے اور نعمات کے تمام ہونے سے توصیف، پیغام غدیر کے حضرت علی علیہ السلام سے محبت اور انہیں مددگار بنانے کی صورت سے کوئی مطابقت نہیں رکھتی، بلکہ یہ سب اوصاف ایک اہم اور اساسی چیز کے محقق ہونے سے پیدا ہوتے ہیں کہ وہ صرف پیغمبر ﷺ کے آخری ایام میں حضرت علی علیہ السلام کے مسئلہ امامت کو بیان کرنے سے ہے۔

اس شیعہ نظریہ کی تائید میں اور بھی بہت سے قرائن اور شواہد موجود ہیں کہ جن کی تفصیل آئندہ صفحات میں حدیث غدیر خم کی وضاحت میں بیان ہو گی۔

---

[1] مائدہ، ۳، مطہری، مجموعہ آثار، ج ۴، ص ۸۸۷

[2] تفسیر الدر المنثور، ج ۱، ص ۲۰۰، فرائد السمطین، ج ۱، ب ۲۲، ج ۳۹، ب ۸۲، ج ۴۰، البدایۃ والنہایۃ، ج ۵، ص ۲۱۳، بعض اہل سنت اس آیت کا روز عرفہ میں شان نزول بتاتے ہیں اور اس حوالے سے کچھ روایات نقل کرتے ہیں کہ ایسی روایات شیعہ ماخذ میں بھی پائی جاتی ہیں (کافی، ج ۱، ص ۲۹۱، تفسیر عیاشی، ج ۱، ص ۳۳۳) اس حوالے سے کہا جا سکتا ہے کہ آیت کے حوالے سے دو فرض ہونے والے مختلف اوقات میں جمع ممکن ہے، اس طرح کہ جیسا کہ ظاہر آیت بتاتی ہے کہ غدیر کا اصل پیغام پہلے پیغمبر (ص) پر نازل ہو چکا تھا لیکن حضرت اس کے پہنچانے میں کچھ خوف رکھتے تھے، لھذا وہ روایات کہ جو مندرجہ بالا آیت کے نزول کو نویں ذی الحجہ یعنی روز عرفہ بتاتی ہیں، یعنی غدیر سے آٹھ روز پہلے، وہ پیغام الٰہی کے نزول کو بتاتی ہیں، جبکہ وہ روایات کہ جو آیت کے نزول کو روز غدیر بتاتی ہیں وہ اس پیغام کے ابلاغ کو بیان کر رہی ہیں (تفسیر المیزان، ج ۵، ص ۱۹۶، امام شناسی، ج ۸، ص ۵۳)

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ج) آیت اولی الامر:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ [1]

یہ آیت مبارکہ مومنین سے اللہ، رسول اور صاحبان امر یعنی حاکموں کی اطاعت طلب کر رہی ہے، عقیدہ شیعہ یہ ہے کہ "اولی الامر" حضرت علی علیہ السلام کی عصمت وامامت پر دلالت کر رہی ہے کہ اسے مندرجہ ذیل نکات سے نتیجہ لیا جاسکتا ہے:

الف: یہ کہ "اولی الامر" کا "الرسول" پر عطف ہوا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اولی الامر کی اطاعت رسول خدا کی اطاعت کی مانند ہے۔ اس نکتہ سے واضح ہوتا ہے کہ اولی الامر پیغمبر ﷺ کی مانند معصوم ہونا چاہئے کیونکہ اللہ تعالی نے آیت میں مطلق صورت میں اس کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ فخر رازی نے بھی اپنی تفسیر میں اس نکتہ کا اظہار کیا ہے لیکن معصوم کو خاص افراد سے نہیں بلکہ امت سے تفسیر کیا ہے، اس حوالے سے کہیں گے کہ اس سے پہلے عصمت کی روایت گزر چکی ہے کہ جن کے مطابق ایسا شخص زمانہ پیغمبر ﷺ میں سوائے حضرت علی علیہ السلام کے کوئی اور نہ تھا۔

ب: چونکہ اہل سنت کسی فرد کے منصوب ہونے کے قائل نہیں ہیں تو یا قبول کرلیں کہ (اولی الامر) کا مصداق امام علی علیہ السلام اور ان کی نسل کے گیارہ امام ہیں یا پھر اولی الامر کے مصداق نہ ہونے کے قائل ہوں اور اس صورت میں نعوذ باللہ آیت اولی الامر کی اطاعت کے حکم کا لغو ہونا ثابت ہوگا۔

ج: جہاں تک عصمت کے امت پر تطبیق ہونے کی بات ہے کہ فخر رازی کا دعوی تھا، تو کہیں گے پہلی بات یہ ہے کہ: آیت کی رو سے اولی الامر امت نہیں بلکہ امت کی جزء (منکم) ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ:

اولی الامر کا معنی "صاحبان امر وحکومت" امت کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتا تاکہ وہ اس پر تطبیق ہو۔

تیسری بات یہ ہے کہ: آیت اولی الامر مطلق اطاعت کا حکم دے رہی ہے، تو اس صورت میں امت مطیع اور اولی الامر مطاع ہو، لیکن رازی کی توجیہ میں مطیع اور مطاع کی جگہ تبدیل ہو جائیگی۔

---

[1] نساء، ۵۹

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

د: آیت کے مفہومی تجزیہ کے علاوہ احادیث نبوی بھی علی علیہ السلام اور ان کے نسل سے گیارہ اماموں کا اولی الامر کے مصداق کے عنوان سے تعارف کرواتی ہیں، مثلا پیغمبر اکرم ﷺ اپنے شریک ان لوگوں کو قرار دیتے ہیں کہ جن کا مندرجہ بالاآیت میں اللہ اور رسول کے ساتھ تذکرہ ہوا ہے:

شُرَکَایَ الَّذینَ قَرنهم اللهُ بنَفسه وَبی وَاَنزَل فیهم فیهم: یاَیهَا الَّذینَ آمنوا اَطیعُواالله ....

حضرت علی علیہ السلام نے ان شرکاء کے بارے میں سوال کیا، تو پیغمبر اکرم ﷺ فرماتے ہیں: انت اول هم [۱]

حضرت علی علیہ السلام نے خلافت عثمان کے دور میں سب کی موجودگی میں ان سے پوچھا: حقیقت میں واضح کریں کہ آیت اولی الامر، آیت ولایت اور آیت تبلیغ کس کے بارے میں نازل ہوئی ہے، آیا علی علیہ السلام کے علاوہ کسی اور کے بارے میں نازل ہوئی ہے؟ آیا یہ ابو بکر اور عمر نہ تھے کہ جو مندرجہ بالاآیات کے نزول کے کچھ دیر بعد پیغمبر اکرم ﷺ سے پوچھتے ہیں کہ آیا یہ آیات صرف علی علیہ السلام سے مختص ہیں؟

فَقَام اَبوبکر وَ عُمر فَقَالا:یا رَسُولَ الله هولاء الآیات خَاصة فِی عَلیّ ؟ [۲]

تو پیغمبر اکرم ﷺ نے جواب میں فرمایا:

بَلی فیه وَ فِی اَوصیَائِی اِلی یَوم القیَامة [۳]

ہاں اس سے اور قیامت تک میرے اوصیاء سے مختص ہیں۔

حسکانی امام باقر علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ ان سے مندرجہ بالاآیت کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے فرمایا: یہ علی ابن ابی طالب کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ [۴] اس کے مشابہ روایت امام صادق علیہ السلام سے بھی نقل ہوئی ہے [۵]

---

۱. شواهد التنزیل، ج۱، ص ۱۸۹
۲. تفسیر کبیر، ج۱۰، ص ۱۴۴، ذیل آیت
۳. فرائد السمطین، ج۱، ص ۳۱۲، الغدیر، ج۱، ص ۱۶۵
۴. تفسیر عیاشی، ج۱، ص ۳۱۲، شواهد التنزیل، ج۱، ص ۱۹۰، موسوعة الامامة فی نصوص اهل السنة، ج۳، ص ۲۱ سے منقول۔
۵. ینابیع المودة، ج۱، ص ۳۴۱

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

دوسرا شبہ: قرآن مجید میں حضرت علی علیہ السلام کا نام ذکر نہ ہونا

پچھلے صفحات میں گزر چکا ہے کہ اگرچہ حضرت علی علیہ السلام کا نام قرآن مجید کی آیات میں ذکر نہیں ہوا، لیکن بہت سی آیات حضرت کے بارے میں نازل ہوئی ہیں کہ صدر اسلام کے مسلمان ان آیات کی طرف توجہ رکھتے تھے، حضرت کی امامت کے بارے میں چند آیات شفاف انداز سے دلالت کرتی ہیں، کہ اس سے پہلے ذکر ہو چکی ہیں اور فریقین انہیں تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن ان کا آیات کی تفسیر بالفاظ دیگر آیات کے مفہوم اور حضرت کی امامت پر دلالت میں اختلاف ہے کہ جس کی وضاحت گزر چکی ہے۔

گذشتہ آیات کے باوجود بعض اہل سنت اعتراض کرتے ہیں کہ کیوں قرآن میں حضرت کا نام ذکر نہیں ہوا، تا کہ اصل بات اور حضرت کی امامت کا مسئلہ مورد اختلاف اور نزاع قرار نہ پاتا؟ یہ اعتراض و شبہ ائمہ اطہار مثلاً امام باقر علیہ السلام کے زمانہ میں بھی موجود تھا۔[1] اور بعض عصر حاضر کے لوگ بھی یہ شبہ بیان کرتے ہیں۔[2]

تجزیہ و تحقیق

مندرجہ بالا شبہ کے جواب میں مندرجہ ذیل نکات قابل توجہ ہیں:

الف: نام کا ذکر ہونا ضروری نہیں: گذشتہ بیان ہوئی آیات سے واضح ہوا ہے کہ اللہ تعالی مذکورہ آیات کے نزول سے چاہتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کا پیغمبر ﷺ کے بعد امام اور خلیفہ کے عنوان سے تعارف کروائے۔ آیات کی اس تعداد کے پیش نظر خاص نام کے ذکر کی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ بعض آیات سوائے حضرت علی علیہ السلام کے کوئی اور مصداق نہیں رکھتی ہیں جیسا کہ آیت ولایت اور رکوع کی حالت میں زکوۃ دینا اسکی مثالیں ہیں اور بعض دیگر آیات حضرت کی شخصیت اور ان کا امام، ولی، مولی، ھادی اور اہل بیت سے ہونا واضح طور پر بتاتی ہیں کہ جو سب یا اکثر صحابہ کی مورد اتفاق تھیں کہ پہلے وہ آیات گزر چکی ہیں۔

پس آیات ولایت، اہل بیت، اولی الامر، ھادی اور مولی کی حضرت علی علیہ السلام پر تطبیق میں کوئی مشکل نہیں ہے کہ وہاں حضرت علی علیہ السلام کے خاص نام کے ذکر کی ضرورت محسوس ہو۔ مثلاً اگر کوئی باپ مرتے وقت وصیت کرے کہ میرے خاندان یا بچوں میں میرا وصی وہ ہے کہ جس نے سارا قرآن حفظ کیا ہو اور فرض یہ

---

[1]. شواھد التنزیل، ج۱، ص۱۹۱

[2]. شاھراہ اتحاد، ص۱۰۵، ۱۶۶

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ہو کہ اس کا ایک بچہ حافظ قرآن ہو، تو اس صورت میں اس بیٹے کے نام کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی اور قانونی طور پر باپ پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ کیوں آپ نے وصی یا حافظ قرآن کو واضح نہیں بتایا۔ کیونکہ کہا جا چکا ہے کہ اس کے بچوں میں سے حافظ قرآن صرف ایک بیٹا ہے۔ مزید بر آنکہ اگر باپ اپنی وفات سے پہلے خود اپنے بچے کے حافظ ہونے یا وصی ہونے پر تاکید اور اہتمام کرتا ہو۔ حضرت علی علیہ السلام کے خلیفہ اور امام ہونے کا واقعہ اسی مثال کی طرح ہے بلکہ اس سے کہیں زیادہ تکرار ہو چکا تھا۔

ب: ایک شبہ سے دوسرے شبہ میں جانا: جی ہاں ممکن ہے کوئی شخص یا کچھ لوگ گذشتہ آیات اور صفات کی حضرت علی علیہ السلام پر تطبیق میں نہ بلکہ انکے مفاہیم اور معانی کی تفسیر میں شک و تردید کا اظہار کریں، مثلا کہیں کہ درست ہے کہ قرآن مجید میں حضرت علی علیہ السلام کو ولی مومنین یا اہل بیت یا ھادی کے عنوان سے تفسیر و تطبیق کیا گیا ہے، لیکن بحث (ولی) کے معنی میں ہے کہ آیا اس سے مراد رہبر، خلیفہ اور امام ہے یا دوست کے معنی میں ہے؟ تو اس صورت میں کہیں گے کہ اصل میں شبہ قرآن مجید میں حضرت علی علیہ السلام کے نام کا ذکر ہونا نہیں ہے، کیونکہ اگر قرآن مجید واضح انداز سے فرماتا کہ علی بن ابی طالب علیہ السلام مومنین کے ولی ہیں تو اس صورت میں بھی شبہ پیش آتا کہ آیت میں ولی سے مقصود کیا ہے؟ پس اصل میں شبہ حضرت کے اوصاف کے معنی و مقصود میں ہے۔ بالفاظ دیگر یہ شبہ اپنے مقام (قرآن مجید میں علی علیہ السلام کے نام کا ذکر نہ ہونا) سے دوسرے شبہ (حضرت علی علیہ السلام کے اوصاف میں اجمال اور ابہام) میں تبدیل ہوتا ہے، یہ بالذات خود ایک اور شبہ ہے۔

اس شبہ کو حل کرنے کے لئے بھی ہم آیات میں مختلف قرائن اور شواہد کی روشنی میں اور احادیث نبوی سے تمسک کرتے ہوئے واضح کریں گے کہ حضرت علی علیہ السلام کے ان اوصاف کی حکومت و امامت کے مسئلہ پر دلالت واضح اور شفاف ہے۔

ج: حضرت کے نام کا احادیث نبوی میں تذکرہ: اگر یہاں حضرت کے خاص نام کے ذکر سے مقصود حضرت کی اسلام میں اور پروردگار کی طرف سے امامت کا علم اور شناخت ہے، تو یہ ھدف ایک عقلی اور دینی ھدف ہے، لیکن اس ھدف کا حصول صرف قرآن میں حضرت علی علیہ السلام کے نام کے تذکرہ میں منحصر نہیں ہے، بلکہ اس ھدف کے حصول کے لئے اور بھی راستے ہیں ان میں سے ایک شفاف راستہ حضرت کے اسم خاص کا پیغمبر اسلام ﷺ کی

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

احادیث میں ذکر ہونا بھی ہے کہ جو حامل وحی اور قرآن مجید کے مفسر ہیں۔آئندہ صفحات میں ہم بہت سی اور متواتر احادیث نبوی کی طرف اشارہ کریں گے کہ حضرت نے سعی فرمائی کہ مختلف انداز سے حضرت علی علیہ السلام کو اپنے بعد جانشین اور خلیفہ بتائیں اور منصوب کریں۔ تو اس صورت میں مقصد یعنی پیغمبر اسلام ﷺ کے خلیفہ اور جانشین کی شناخت احادیث نبوی کی طرف رجوع کرنے سے قابل حصول ہے اور اس فرض میں قرآن میں حضرت علی علیہ السلام کے نام کے ذکر کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

ہاں اگر کوئی کہے کہ میں (نعوذ باللہ) پیغمبر اکرم ﷺ کو نہیں مانتا اور ضروری ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے نام کا ذکر قرآن مجید میں ہو، تو کہیں گے پہلی بات یہ ہے کہ جو قرآن کے لانے والے یعنی پیغمبر ﷺ کو نہیں قبول کرتا تو وہ کیسے اس کتاب کے آسمانی ہونے پر علم رکھتا ہے۔دوسری بات یہ کہ ایسا شخص مسلمان نہیں ہو سکتا اور خوش قسمتی سے ہم بھی کسی ایسے شخص کو نہیں جانتے۔

د۔ **پیغمبر اکرم ﷺ کو دینی امور تفویض ہونا:** قرآن مجید بذات خود دینی امور اور ضروری تعلیمات کی تفسیر و بیان پیغمبر ﷺ کو تفویض اور سپرد کرتا ہے:

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ [1]

يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ [2]

ان آیات میں پروردگار ذکر یعنی قرآن مجید کی تشریح اور تعلیم خود پیغمبر اسلام ﷺ کے ذمہ قرار دیتا ہے، لھذا حضرت کے وہ احکام شرعی کہ جو قرآن مجید میں نہیں ہیں مثلا نماز کی رکعات کی تعداد، حج کے طواف کی تعداد وغیرہ اہل سنت اور مکتب تشیع میں حجت الٰہی شمار ہوتے ہیں۔اسی بنا پر گذشتہ آیات اور آنے والی احادیث نبوی کے پیش نظر پیغمبر اسلام ﷺ حضرت علی علیہ السلام کی امامت کی تعیین کو امر الٰہی کی طرف نسبت دیتے ہیں اور حضرت کی امامت کو آسمانی اور الٰہی بیان کرتے ہیں تو یہ بھی تمام مسلمانوں کے لئے حجت شرعی قرار پائے گی۔

یہ جواب امام باقر علیہ السلام سے منقول روایت میں بھی آیا ہے کہ حضرت اس سوال کے جواب میں کہ کیوں قرآن مجید میں حضرت علی علیہ السلام کے نام کا ذکر نہیں ہوا، فرماتے ہیں:

---

۱. نحل، ۴۴

۲. آل عمران، ۱۶۴

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

قُولُوا لَهم : انَّ الله اَنزلَ عَلى رسولِه الصلوةِ ولَم يسمّ ثلاثاً او اربعاً حَتى كَانَ رَسُولُ اللهِ هُوَ الذى يفسّرُ ذلكَ وَانزلَ الحَج فَلَم ينزل طُوفُو ا سَبعًا حَتى فسّرَ ذلكَ لَهم رسُول الله--- [1]

انہیں کہو اللہ نے اپنے رسول پر نماز نازل کی لیکن تین یا چار رکعتی نماز کا نام نہیں لیا یہاں تک رسول اللہ ﷺ نے اسکی تفسیر کی اور حج کا حکم نازل کیا لیکن یہ نازل نہیں کیا کہ سات دفعہ طواف کرو یہاں تک کہ رسول خدا ﷺ نے اسکی تفسیر کی۔

بالفاظ دیگر قرآن مجید ایک محدود سی کتاب ہے اور جزئی امور تو غیر متناھی ہوتے ہیں، واضح سی بات ہے کہ ایک محدود کتاب کلی امور کو بیان کرے، لھذا قرآن مجید نے جزئی امور کی وضاحت مثلا امامت کو اپنے پیغمبر ﷺ کے ذمہ قرار دیا۔ [2] ایک اور تعبیر کے مطابق امور جزئی نامحدود ہیں اور اس میں اہم دینی مسائل بھی شامل ہیں مثلا وجود خدا جسم ہے یا نہ؟ صفات پروردگار آیا ذات کے ساتھ متحد ہیں یا نہ؟ یہ مسائل کہ جو اساس اور رکن کی حیثیت رکھتے ہیں، قرآن بھی ان مسائل میں وارد نہیں ہوا ہے اور یہ مسائل متکلمین اور مفسرین میں مورد اختلاف قرار پائے اگر یہ قرار ہو کہ قرآن جزئیات کو بھی بیان کرے تو ان امور کو بھی بیان کرتا، اس صورت میں دسیوں بلکہ سینکڑوں آسمانی کتابوں کی بنام قرآن ضرورت تھی۔

۵۔ قرآن کو تحریف سے بچانا: ایک نکتہ جو قرآن میں حضرت علی علیہ السلام کا نام ذکر نہ کرنے کی توجیہ میں بیان ہوتا ہے یہ ہے کہ: [3] حضرت کے سخت مخالفین بھی موجود تھے کہ جو حکومت وخلافت کے امور سنبھالنے کی فکر میں تھے اور اس حد تک پہنچنے کے لئے ہر وسیلہ سے تمسک کرتے تھے، پہلے اشارہ ہو چکا ہے کہ خلیفہ دوم نے پیغمبر اسلام ﷺ کو اپنے آخری پر برکت ایام میں اپنے خلیفہ کے حوالے وصیت لکھنے سے روکنے کے لئے نعوذ باللہ ان پر نامربوط کلام کہنے کی تہمت لگائی (نہ لکھی گئی وصیت کے عنوان کے ذیل میں حدیث قلم ودوات کی طرف رجوع کریں)۔

---

[1]. شواھد التنزیل، ج ۱، ص ۱۹۱

[2]. مطہری، مجموعہ آثار، ج ۴، ص ۹۰۴، کتاب امامت در صہبری، امام شیعی، کشف الاسرار، ص ۱۳۰، ۱۳۱

[3]. امام شیعی، کشف الاسرار، ص ۱۱۲، ۱۱۴، علامہ حسینی طہرانی، امام شناسی، میں یہ نکتہ علامہ طباطبائی کی طرف نسبت دیتے ہیں کہ جسے علامہ نے مندرجہ بالا سوال کے جواب میں سنا تھا۔ (امام شناسی، ج ۱۳، ص ۱۵۹) استاد شہید مطہری کی مندرجہ ذیل عبارت سے بھی یہ نکتہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ قرآن مجید میں حضرت علی کے نام نہ ذکر ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: پیغمبر اکرم یا اللہ تعالی کی منشاء نہیں تھی کہ اس مسئلہ میں آخر کار ھواو ھوس دخل دیں، مطلب اس انداز سے پیش ہو، آثار، ج ۴، ص ۹۵

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

صدر اسلام کی اس فضا اور ماحول میں، اگر حضرت علی کا نام قرآن مجید میں ذکر ہوتا تو احتمال تھا کہ حضرت کے مخالفین پیغمبر اسلام ﷺ پر انکی عمر مبارک کے آخری ایام والی تہمت کی طرح کوئی تہمت لگائیں یا اس آیت کو حذف کرنے کی کوشش کرتے کہ قرآن مجید تحریف ہوتا۔ اللہ تعالی نے آخری آسمانی کتاب کو محفوظ رکھنے کے لئے بجائے اس کے کہ قرآن مجید میں حضرت علی علیہ السلام کا نام ذکر کرے، صرف انکی ذات میں منحصر صفات کا قرآن مجید میں ذکر اور احادیث نبوی پر اکتفا کیا تاکہ اصلی ھدف یعنی حضرت علی علیہ السلام کی بعنوان خلیفہ شناخت اور منصوب ہونا معلوم ہو جائے اور قرآن مجید کو بھی تحریف سے بچایا جائے۔

و۔ اختلاف سے بچانا: مصنف کی نظر میں ایک نکتہ یہ بھی سامنے آتا ہے کہ اللہ تعالی نے حضرت علی علیہ السلام کے نام کو قرآن مجید میں بعنوان امام، حاکم اور جانشین عمداً ذکر نہیں کیا ہے، نہ کہ یہاں یہ بات ہو کہ اللہ تعالی یہاں حقیقی مومن اور بالفاظ دیگر حق کو باطل سے واضح اور جدا کرنا چاہتا تھا، بلکہ وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالی اپنے ازلی علم کی بدولت جانتا تھا کہ حکومت و سیاست کی بحث، نزاع، رقابت اور بسا اوقات خونی اور سیاسی جنگوں کا میدان ہے۔ اگر قرآن مجید میں بطور خاص اور ایک اصل رکن کے طور پر حضرت علی علیہ السلام کو بعد والا خلیفہ یا امام ذکر کیا جاتا تو حضرت علی علیہ السلام کے طرف دار اور مخالفین میں ایک عقیدہ قرآنی کے دفاع اور دوسرا مختلف بہانوں مثلا مقام امامت و خلافت کی توجیہ یا حکومت و اقتدار پر قبضہ کرنے کے لئے آپس میں مقابلہ و جنگ کرتے کہ جس سے اسلام کا یہ نو پا درخت آفتوں کا شکار ہوتا بلکہ اسکی زندگی بھی خطرے میں پڑ جاتی۔ ہم نے سب سے پہلے باب میں تکفیر کے شبھہ کی بحث میں کچھ موارد ذکر کئے ہیں کہ اہل سنت و شیعہ کے متعصب لوگوں نے ایک دوسرے کی تکفیر کی اور اسلام سے خارج قرار دیا اور اپنے مخالف کے قتل کا بھی ارتکاب کیا، تاریخ میں ایسے سینکڑوں بلکہ ہزاروں افراد درج ہیں۔ حالانکہ اسلام اور قرآن نے حضرت علی علیہ السلام کے مخالف کے حوالے سے واضح طور پر کوئی بیان اور اختلاف ذکر نہیں کیا۔ اب اگر قرآن میں کوئی ایسی نص ہوتی تو لڑائیوں، جنگوں، قتل و غارت اور تکفیر کا سلسلہ بہت تیزی سے بڑھتا اور یہ چیز بذات خود اسلام اور مسلمانوں کے لئے بہت بڑا خطرہ بن جاتی، حالانکہ امامت کا ھدف اسلام اور قیادت کا استحکام ہے اور یہ چیز ھدف کے خلاف شمار ہوتی۔[1]

---

[1] مصنف نے اس جواب کو تحریر کرنے کے بعد اسے امام خمینی کے جواب میں بھی پایا۔ (کشف الاسرار، ص ۱۱۳، ۱۱۴)

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

لھذا اللہ تعالی نے اسلام اور مسلمانوں کو کمزور ہونے سے اور خطرات سے بچانے کے لئے حضرت علی علیہ السلام کی امامت کو مطلق طور پر ترک نہیں کیا بلکہ اسے قرآن میں صفات کے ذکر کے ساتھ یا پیغمبر اسلام ﷺ کی احادیث کے ذریعے ذکر فرمایا تاکہ اصل بات بھی بیان ہو اور نزاع و مختلف قسم کے خطرات سے بھی بچاؤ ہو۔

ز۔ **مسلمانوں کی مصلحت کو مد نظر رکھنا:** ایک اور نکتہ جو سمجھ آتا ہے یہ کہ اگر حضرت علی علیہ السلام کا قرآن مجید میں نام ایک دینی عقیدہ یا معرفت کے طور پر نبوت اور معاد کے ساتھ یا فقہی احکام مثلا نماز، روزہ کے ہمراہ ذکر ہوتا، تو اس کا انکار یا اس میں تردید اللہ و پیغمبر ﷺ کے انکار کی مانند اور کفر، الحاد اور ارتداد کے مساوی قرار پاتا کہ جس کا نتیجہ اسلام اور صراط مستقیم سے خارج ہونا ہوتا۔ لھذا اگر حضرت علی علیہ السلام کا نام قرآن مجید میں ذکر ہوتا تو حضرت کے مخالفین مختلف حیلوں اور بہانوں سے اس اصل دین کا انکار اور جھٹلانے کی کوشش کرتے اور بہت سے لوگوں کو اپنے مقاصد کی طرف کھینچتے کہ جس سے مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد اسلام اور مسلمانی سے خارج ہو جاتی اور یہ چیز اللہ تعالی کی حکمت اور رحمت کے خلاف ہے۔

وہ شیعہ علماء کہ جو امامت کو اصول دین کا رکن نہیں بلکہ فروع مذہب میں شمار کرتے ہیں، مسئلہ امامت کو اسی نظر سے دیکھتے ہیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ اہل سنت برادران حضرت علی علیہ السلام کی امامت کے انکار سے دین سے نہیں بلکہ مذہب تشیع سے خارج ہوتے ہیں۔[1]

لیکن اگر حضرت علی علیہ السلام کا نام بعنوان امام اور خلیفہ بلا فصل قرآن میں ذکر ہوتا تو امامت پر مزید بحث کی گنجائش نہ ہوتی کیونکہ حضرت علی علیہ السلام کی امامت کا منکر نبوت یا نماز کے منکر کی مانند قرار پاتا اور مرتد کا حکم قرار پاتا۔

پس اللہ تعالی نے لطف اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے باب سے ان مندرجہ بالا مسائل کی بناء پر قرآن مجید میں حضرت علی علیہ السلام کے نام کو ذکر نہیں فرمایا۔

تیسرا شبہہ۔ احادیث نبوی میں حضرت علیؑ کا منصوب نہ ہونا

مخالفین امامت کا ایک اور اہم اور مشہور شبہہ احادیث نبوی میں حضرت علی علیہ السلام کی امامت پر نص نہ ہونا ہے۔ ان کا دعوی ہے کہ اگر احادیث نبوی میں کوئی نص ہوتی، تو نقل ہوتی۔

---

[1] مزید وضاحت کے لئے رجوع کریں، کلام فلسفی، فصل امامت از اصول مذہب

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

تجزیہ و تحقیق

شیعہ علماء نے ائمہ علیہم السلام کے زمانے سے امام علی علیہ السلام اور دیگر تمام ائمہ کی امامت کے منصوب ہونے کے اثبات پر تفصیلی کتابیں تحریر کیں کہ معتبر ماخذ میں یہ سب درج اور موجود ہے۔ یہاں مثال کے طور پر ائمہ علیہم السلام کے اصحاب میں چند مولفین کا نام لیا جاتا ہے، مثلا عیسی بن روضہ (م ۱۳۸ق)، ابن رباب (م ۱۴۸ق)، خلیل بن احمد (م ۱۷۰ق)، مومن الطاق (م ۱۶۰ق)، اور ہشام بن حکم (م ۱۸۹ یا ۱۹۹ق)[۱] چونکہ ایسے ماخذ بہت زیادہ ہیں کہ جو شیعہ کا نظریہ نصب کو منقول دلائل سے پیش کرتے ہیں، ہم یہاں مختصر وضاحت پر اکتفا کرتے ہیں:

۱) احادیث خلافت

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی رسالت کے آغاز میں تین سال تک اپنی دعوت کو عام نہیں کیا، بلکہ صرف اپنے خاندان اور رشتہ داروں کو دعوت دیتے تھے۔ وہ روایت کہ جو اہل سنت اور شیعہ نے حضرت علی علیہ السلام سے نقل کی ہے، اس میں آیا ہے:

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیت شریفہ وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ[۲] کے نازل ہونے کے بعد اپنے رشتہ داروں میں چالیس افراد کو ضیافت پر دعوت دی اور غذا تناول کرنے کے بعد اپنی دعوت کو واضح کیا اور فرمایا: جو بھی اس دین میں میری مدد کرے گا وہ میرا بھائی، وصی اور خلیفہ ہوگا۔

فَأَيكُم يُوازرنى عَلى هذَاالأمر عَلى اَن يكونَ اَخى وَوَصى وَ خَلِيفَتى فيكُم؟ قَال:فأحجَم القَوم عَنها جَميعاً وَقُلت: أنا يا نَبى الله اَكُون وَزيرُكَ عَلَيه فَأخذَ برقبَتى ثُمَّ قَال: انَّ هذَا اَخِى وَ وصى وَخليفَتى منكُم فَاسمَعُوا لَه وَاَطيعُوه[۳]

---

۱. المغنی فی ابواب التوحید والعدل، ج ۲۰، ص ۹۹، شرح مواقف، ج ۳، ص ۲۶۵ تئوری امامت در ترازوی نقد، ص ۵۰، احمد الکاتب، تطور الفکر السیاسی الشیعی، ص ۱۱۶ اور اسکے بعد

۲. مراجعہ کریں، ابن ندیم، الفہرست، ص ۱۷، ۳۶، ۵۷، ۱۲۳، ۳۰۶، ۳۰۷، عبدالجبار الرفاعی، معجم ماکتب عن الرسول واہل البیت، ج ۵، ص ۱۳۳، ش ۱۱۹۷۴، وج ۹ ش ۲۳۳۶۲

۳. شعراء، ۲۱۴

۴. تاریخ کامل، ج ۲، ص ۶۳، موسوعۃ الامام علی، ج ۲، ص ۲۳

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

تم سب میں سے کون ہے کہ جو اس امر میں میری مدد کرے؟ تاکہ وہ تم میں سے میرا بھائی، وصی اور جانشین بنے؟ سب لوگوں نے امتناع کیا۔ لیکن میں نے کہا: میں اے نبی خدا حاضر ہوں تاکہ آپ کا وزیر بنوں۔ پیغمبر ﷺ نے مجھے سر اور گردن سے پکڑا اور فرمایا: بلاشبہ یہ تم میں میرا بھائی، وصی اور خلیفہ ہے پس اس کی بات سنو اور اسکی اطاعت کرو۔

حدیث کی سند میں بحث میں گنجائش نہیں ہے، تمام راوی اہل سنت کے مکتب کی اساس سے ثقہ ہیں، صرف ابو مریم عبدالغفار کو بعض اہل سنت نے ضعیف شمار کیا اور وہ بھی اس کے شیعہ ہونے کی وجہ سے ہے، لیکن بعض دیگر اسکی مدح بھی کرتے ہیں۔[1]

لیکن حدیث کے متن کی دلالت اور مضمون نہایت واضح اور شفاف ہے کہ چند نکات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

الف:

پیغمبر اکرم ﷺ حدیث میں مطلق طور پر نبوت کی جانشینی اور خلافت کا تذکرہ کرتے ہیں کہ اس سے مراد ہر لحاظ سے خلافت ہے خواہ سیاسی میدان میں، خواہ علمی اور دینی میدان میں۔

ب:

اس کی شفاف دلالت پر دوسری دلیل، بعض اہل سنت کے مورخین کا حدیث کے مضمون میں تحریف اور حذف کرنا ہے، مثلاً طبری اپنی تاریخ میں واقعہ کو مکمل طور پر نقل کرنے کے باوجود، اپنی تفسیر میں اس حدیث کی تقطیع کرتے ہیں اور "اخی" کے بعد عبارت "وصی و خلیفتی" کو حذف کرتے ہیں اور اسکی جگہ "کذا و کذا" کو لاتے ہیں۔[2]

ابن کثیر (م ۷۷۴) اپنی معروف تاریخی کتاب (البدایۃ والنھایۃ) کو اگرچہ تاریخ طبری کی طرح تحریر کرتے ہیں، حدیث دعوت کی حکایت تفسیر طبری سے کرتے ہیں لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ امام علی علیہ السلام کی امامت والی کلام حذف کرتے ہیں۔

---

[1] لسان المیزان، ج ۴، ص ۴۳

[2] تفسیر طبری، ج ۱۹، ص ۷۵

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

محمد حسین ھیکل اپنی کتاب "حیات محمد" میں پیغمبر اکرم ﷺ کے سارے سوال کو لائے ہیں لیکن حضرت علی علیہ السلام کے تعارف میں نبی کی عبارت کو حذف کرتے ہیں اس کتاب کا پبلشر بعد والی اشاعت میں جو کچھ بھی حضرت علی علیہ السلام سے ربط رکھتا تھا اسے مکمل طور پر حذف کرتا ہے۔

ج: دوسرا قرینہ مخاطبین اور حاضرین کی فہم تھی کہ انہوں نے اس حدیث نبی ﷺ سے خلافت، امیر اور سرپرست سمجھا، جیسا کہ نبی ﷺ کی گفتگو تمام ہونے کے بعد اسے قبول نہ کرنے کے لئے مذاق اڑاتے ہوئے حضرت علی علیہ السلام کے والد گرامی یعنی حضرت ابو طالب کو کہتے ہیں اس کے بعد ضروری ہے کہ تم اپنے بیٹے کی اطاعت کرو۔

حضرت علیؑ کی خلافت پر صراحت

پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنی مکمل حیات مبارک میں کئی بار حضرت علی علیہ السلام کی خلافت پر صراحت کی کہ چند موارد کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

عبداللہ بن مسعود نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سے انکے جانشین کی تعیین کے لئے، پہلے ابو بکر پھر عمر کے بارے میں پوچھا کہ ہر دفعہ حضرت نے جواب دینے سے گریز کیا اور جب حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کے بارے میں پوچھا تو فرمایا:

ذَاکَ وَالذی لَااِلٰهَ غیرُہ لَو بَایعتُمُوہ واَطَعتمُوہ أدخَلتُکُم الجَنَة اکتعین [1]

پیغمبر اسلام ﷺ فرماتے ہیں: معراج کے واقعہ میں اللہ تعالی نے مجھے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: آیا آپ نے اپنے لئے کسی خلیفہ کا انتخاب کیا ہے کہ جو تمہارے امور کو سنبھالے اور میرے بندوں کو میری کتاب سے جو کچھ وہ نہیں جانتے انہیں تعلیم دے؟ میں نے کہا: اے خدا تو خود میرے لئے انتخاب کر، بلا شبہ تیرا انتخاب میرا بھی انتخاب ہے۔ آواز آئی کہ: علی کو تیرے لئے انتخاب کرتا ہوں اسے خلیفہ اور وصی قرار دے۔

فَهَل اتخذتَ لنفسکَ خَلیفةً یُودی عنکَ، یُعلّم عبادِی مِن کتَابی مَالَا یَعلَمون؟ قَال: قلت: یَا رب اِختَر لی فانَّ خیرتَکَ خَیرتِی- قَال: اخترت لَکَ علیًا فاتخذہ خَلیفَةً وَوَصیًا [2]

---

[1] المعجم الکبیر، ج۱۰، ص ۶۷، ش ۹۹۶۹، ۹۹۷۰، موسوعۃ امام علی، ج ۲، ص ۱۳۸، تاریخ مدینہ دمشق، ج ۴۲، ص ۴۲۱، فرائد السمطین، ج ۱، ص ۲۷۳، البدایۃ والنھایۃ، ج ۷، ص ۳۶۱

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ابن عباس پیغمبر اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت نے علی علیہ السلام کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا:

هُوَ فَاروقُ هذهِ الأُمَّة يفرّقُ بَينَ الحَق والبَاطل— هُو خَليفَتِي مِن بَعدي [۲]

وہ اس امت کے فاروق ہیں حق و باطل میں جدائی میں ڈالنے والے ہیں.... وہ میرے بعد میرے خلیفہ ہیں۔

مندرجہ ذیل حدیث میں حضرت علی علیہ السلام کی امامت وخلافت کے مسئلہ کی صراحت کرتے ہیں:

يَا عليّ اَنتَ الامَام وَالخَليفةُ بَعدي وَاَنت اَولى بِالمُومِنِينَ مِن اَنفُسهم [۳]

اے علی آپ میرے بعد امام اور خلیفہ ہیں اور آپ مومنین کے نفوس سے اولی ہیں۔

حدیث خاصف النعل

دیگر احادیث کہ جن میں حضرت علی علیہ السلام کی خلافت بمعنی حکومت کے بارے میں صراحت ہوئی ہے، حدیث ام سلمہ ہے۔ وہ نقل کرتی ہیں کہ ایک سفر میں پیغمبر اکرم ﷺ کے ساتھ تھیں اور عائشہ بھی موجود تھی کہ ابو بکر اور عمر پیغمبر ﷺ کے حضور داخل ہوئے اور ہم پس پردہ چلی گئیں، علیؑ بھی پیغمبر اکرم ﷺ کا جوتا سینے میں مشغول تھے، ان دونوں نے حضرت سے بعد والے خلیفہ کے بارے میں پوچھا کہ: اے رسول خدا ہم نہیں جانتے آپ کب تک ہمارے ساتھ ہونگے [۴] پس اگر ہمارے لئے معین کریں کہ آپ کا خلیفہ کون ہے تو ہمارے لئے آپ کے بعد راستہ روشن اور سعادت کا باعث ہوگا:

يَارَسولَ الله انا لَا ندري قَدرَ مَاتصحَبنا فَلَو اَعلَمتنا مَن يَستخلِف عَلَينا لِيَكونَ لَنا بَعدكَ مفزعًا

پیغمبر اکرم ﷺ نے جواب میں فرمایا: بلاشبہ میں اس کی جگہ دیکھ رہا ہوں، اگر میں اسے انجام دوں تو اس سے دور اور پراگندہ ہو جاؤ گے، جیسا کہ بنی اسرائیل ہارون بن عمران سے دور ہو گئے تھے۔ ابو بکر اور عمر خاموش ہو

---

۱. مناقب خوارزمی، ص ۳۰۳، ش ۲۹۹، فرائد السمطین، ج ۱، ص ۲۶۸، ش ۲۱۰

۲. تاریخ مدینہ دمشق، ج ۴۲، ص ۴۲، ش ۸۳۷۱، ۸۳۷۳

۳. شمس الدین ذہبی، تاریخ الاسلام، ج ۳، ص ۶۴۳، بیہقی، دلایل النبوۃ، ج ۶، ص ۴۳۶، اسد الغابۃ، ج ۳، ص ۳۲۵، بحار، ج ۲۶، ص ۳۴۹

۴. انی قداری مکانه ولو فعلت لتفرقتم عنه— من کنت یا رسول الله مستخلفا عنهم ؟فقال :خاصف النعل . فنظرنا فلم نراحداًالا علیا ،فقلت: یا رسول الله ما ارى الا علیا ،فقال: هوذاک (شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۶، ص ۲۱۸، الکافی، العیار والموازنہ، ص ۲۹، اعلام النساء، ج ۱، ۲، ص ۷۸۹)

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

کر باہر نکل گئے۔ پھر عائشہ نے رسول خدا ﷺ سے پوچھا وہ کون شخص ہے کہ جسے ان دونوں پر آپ نے خلیفہ قرار دیا؟ حضرت نے اس کے جواب میں فرمایا: جوتیوں کو سینے والا۔ ہم نے سوائے علی کے کسی اور کو نہ دیکھا۔ عائشہ نے کہا: اے رسول خدا ہم سوائے علی کے کسی اور کو نہیں دیکھ رہیں۔ فرمایا: وہ یہی ہیں۔

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کے حقیقی خلیفہ حضرت علی علیہ السلام کے سوا اور کوئی نہیں تھا، لیکن نبی اکرم ﷺ کچھ مصلحتوں کی بنا پر ابو بکر کو ان کا نام نہیں بتایا، لیکن اپنی ازواج کو ان سے آگاہ فرمایا۔ لیکن بعد کے ادوار میں مختلف احادیث مثلا (حدیث غدیر) وغیرہ میں حضرت نے امام علی علیہ السلام کی خلافت کی صراحت فرمائی۔

۲) امامت، امیر المومنینؑ اور احادیث وزارت

نبی اکرم ﷺ نے آغاز ہی سے سعی فرمائی کہ حضرت علی علیہ السلام کا لوگوں کے لئے حاکم اور امیر المومنین کے عنوان سے تعارف کروائیں اور اس طرح ان کی آئندہ کی امامت کا راستہ ہموار کریں، لھذا اصحاب کو نصیحت فرمائی کہ جب علی علیہ السلام کو سلام کریں تو ایک سادہ اور عام سلام نہ کریں بلکہ اپنے سلام میں امیر المومنین کا بھی اضافہ کریں۔

تاریخ دمشق کے مصنف، بریدہ اسلمی سے نقل کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے ہمیں (کہ ہم سات افراد تھے) حکم دیا کہ علی کو امیر المومنین کے عنوان سے سلام کریں:

أمرنَا رسولُ الله (ص) أن نسلّم على عليّ بأميرِ المُومنينَ [1]

حضرت ایک اور مقام پر حضرت علی علیہ السلام کو امام کے عنوان سے بتاتے ہیں اور اس چیز کو جبرئیل اور اللہ تعالی کی طرف نسبت دیتے ہیں:

ألا ادلّكُم على مَا ان تساءلتُم عَليه لَم تهلكُوا؟ انّ وليكُم الله وانّ اما مُكم عليّ بنِ ابى طَالب فَناصحُوه وَصدقُوه فانّ جبريلَ اَخبرنِى بذلک [2]

شیعہ ماخذ میں بھی اس قسم کی بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔[1]

---

[1]. تاریخ مدینہ دمشق، ج ۴۲، ص ۳۰۳

[2]. شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۳، ص ۹۸

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

حضرت بعض مقامات پر امام علی علیہ السلام کو اپنے وزیر اور اپنے بعد مسلمانوں کے امام کے عنوان سے ذکر فرماتے ہیں اور اسے اللہ تعالی کی طرف نسبت دیتے ہیں:

یایها النَّاس انّ الله أمرنی اَن اَنصب لَکُم اماماً یَکونُ وصی فِیکُم وَخلیفَتی فِی اهل بیتِی وَ فِی امَّتی مِن بَعدی—یا ایُّهَا النَّاس: انّی قَد اعلمتکُم مفز عکُم بَعدی وامامُکُم وَولیکُم وَهادیکُم بَعدی وَهوَ علیّ بنُ ابی طَالب [۲]

اس حدیث میں جانشین کی توصیف کے لئے خلیفہ، امام، ولی اور ھادی کے عناوین ذکر ہوئے ہیں کہ جو امام کی علمی، سیاسی اور معنوی مرجعیت پر دلالت کرتے ہیں۔ حضرت ایک اور حدیث میں مندرجہ بالا صفات کے علاوہ اور صفات مثلا علی علیہ السلام کا امر و نہی پیغمبر کے امر و نہی کی طرح، لوگوں پر الٰہی حجت اور اللہ کے اسرار پر اس کا امین ہونا، صراحت سے فرماتے ہیں:

اَمرکَ اَمری وَ نَهیکَ نهیی اُقسمُ بِالذی بَعثَنی بِالنُّبوةِ وَجَعَلَنی خیرالبَریة، انَّک لحُجة الله علی خَلفه وَامینِه عَلی سرّه وَخلیفَته عَلی عِبَادِه [۳]

ایک اور حدیث میں نبی اکرم ﷺ "امیر المومنین" کی صفت کا اضافہ کرتے ہیں کہ جو حکومت کے مسئلہ کو زیادہ واضح کرتی ہے:

اِمَامُ المُسلمینَ وَاَمیرِالمُومنینَ وَمولاهُم بَعدی عَلیّ بن ابی طَالب [۴]

میرے بعد امام مسلمین، امیر المومنین اور انکا مولا علی بن ابی طالب ہیں۔

۳) حدیث غدیر

اس موضوع میں سب سے مشہور حدیث حدیث غیر خم ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنے آخری حج (حجۃ الوداع) سے واپسی کے موقع پر الٰہی حکم کی بناء پر حضرت علی علیہ السلام کا مولی اور اولی کے عنوان سے تمام لوگوں کو تعارف کروایا:

---

۱. فضائل ابن شاذان، ص ۱۱۳
۲. نعمانی، الغیبۃ، ص ۷۱، کمال الدین، ۲۷۷
۳. عیون اخبار الرضا، ج ۱، ص ۲۹۷، ش ۵۷، امالی صدوق، ص ۱۵۵، ش ۱۳۹
۴. امالی صدوق، ص ۳۷۴

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

اَیها النَّاس مَن أولی الناسِ بِالمومنینَ مِن اَنفُسهِم؟ قَالوا الله ورسوله اَعلم اِقَالَ: انَّ اللهَ مولای و أنا مَولی المُومنین وَاَنا اولی بِهِم من أنفسهِم فَمَن کُنتُ مَولَاه فَعلی مَولَاه

سند کے اعتبار سے اس حدیث شریف کو اہل سنت و شیعہ نے متفقہ طور پر قبول کیا اس طرح کہ تقریباً ۱۱۰ صحابہ اور ۸۴ تابعین نے اسے روایت کیا۔[1] اگرچہ بعض نے کوشش کی ہے کہ مذکورہ حدیث کو ناقص طور پر نقل کریں اور حدیث کا شروع کا جملہ " من اولی النا س بالمومنین " حذف کرتے ہوئے اس حدیث کی امامت و حکومت پر دلالت کو مشکوک قرار دیں، لیکن حدیث کا یہ شروع کا جملہ اہل سنت کے دیگر ماخذ میں بھی آیا ہے۔[2]

لیکن حدیث کی دلالت اور مفہوم میں بحث ہے کہ اکثر علماء اہل سنت "مولی "کو دوست رکھنے کے معنی میں تفسیر کرتے ہیں کہ جو حضرت علی علیہ السلام کی امامت پر دلالت نہیں کرتا۔

لفظ مولی کے اولی پر دلالت کے دلائل اور شواہد

لفظ مولی کی تشریح میں کہیں گے کہ اگرچہ اس کلمہ کے مختلف معانی ہیں، لیکن مندرجہ ذیل قرائن کے پیش نظر لفظ مولی سے حکومت وامامت کا معنی ظاہر ہوتا ہے:

الف: لفظ "اولی" : پیغمبر اسلام ﷺ بذات خود حضرت علی علیہ السلام کو مولی بیان کرنے سے پہلے مولی کے معنی کو(اولی الناس بالمومنین بانفسهم) سے تعبیر فرماتے ہیں۔[3] یہ اولویت مدد کرنا یا دوست رکھنا نہیں ہے بلکہ مولی کا مولی علیہ پر مقدم ہونا اور اس پر حاکمیت ہے اس طرح کہ مولی "مولی علیہ" کی ذات اور اسکے امور پر اولویت و تقدم رکھتا ہے، پس حضرت علی علیہ السلام کا مولی ہونا سے مراد یہ ہے کہ حضرت لوگوں کے تمام امور حتی ان کی جانوں سے بھی زیادہ ان پر اولویت اور تقدم رکھتے ہیں۔

ب: پیغمبر اسلام ﷺ کا پیغام پہنچانے سے خوف: فریقین کی روایت کے مطابق پیغمبر اسلام ﷺ کو وحی الٰہی کے مطابق ایک ایسے امر کی تبلیغ اور پہنچانے کا حکم دیا گیا تھا کہ جس کے بیان کرنے سے آپ خوف رکھتے تھے۔

---

[1]. المستدرک للحاکم، ج ۳، ص ۱۰۹، سنن ترمذی، ج ۵، ص ۲۹۷، شرح صحیح ترمذی، ج ۱۳، ص ۱۶۵، ابن کثیر، البدایۃ والنھایۃ، ج ۷، ص ۴ الی ۷۱ ۳، الغدیر، ج ۱، ص ۱۴ اور اس کے بعد

[2]. تاریخ ابن خلدون، ج ۲، ص ۴۸۱، ابن کثیر، البدایۃ والنھایۃ، ج ۷، ص ۴ تا ۷۱ ۳، المعجم الکبیر، ج ۵، ص ۱۹۴

[3]. الغدیر، ج ۱، ص ۶۵۱، تاریخ ابن خلدون، ج ۲، ص ۴۸۱، ابن کثیر، البدایۃ والنھایۃ، ج ۷، ص ۴ تا ۷۱ ۳

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ [1]

اے (برگزیدہ) رسول! جو کچھ آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے (وہ سارا لوگوں کو) پہنچا دیجئے، اور اگر آپ نے (ایسا) نہ کیا تو آپ نے اس (رب) کا پیغام پہنچایا ہی نہیں، اور اللہ (مخالف) لوگوں سے آپ (کی جان) کی (خود) حفاظت فرمائے گا۔ بیشک اللہ کافروں کو راہِ ہدایت نہیں دکھاتا

لیکن وحی الٰہی کی تاکید اور حضرت کو مخالفین کے گزند سے محفوظ رکھنے کے وعدہ نیز آیت کے خبردار کرنا کہ اس پیغام کو نہ پہنچانے کی صورت میں الٰہی رسالت انجام نہیں دی، پیغمبر اسلام ﷺ آسمانی پیغام کو لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔ فریقین کے علماء نقل کرتے ہیں کہ مذکورہ آیت شریفہ غدیر خم کے مسئلہ میں نازل ہوئی ہے۔ [2]

واضح سی بات ہے کہ اگر آیت کا اس آسمانی پیغام سے مقصود وہی حضرت علی علیہ السلام سے محبت اور دوستی رکھنا ہوتا، تو اس قسم کے پیغام پہنچانے سے پیغمبر ﷺ کو خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہ تھی، اس پیغام کا نہ پہنچانا کبھی بھی پیغمبر کی مکمل رسالت کا ابلاغ نہ ہونا قرار نہ پاتا، پس یہاں مقصد حضرت علی علیہ السلام کی محبت سے بڑھ کر چیز تھی اور وہ حضرت علی علیہ السلام کی امامت تھی کہ اس کے پہنچانے سے یہ خوف پایا جاتا تھا کہ بعض مختلف بہانوں مثلاً قبیلہ کا تعصب، حضرت کے جوان ہونے اور صدر اسلام میں حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں بعض مسلمانوں کے رشتہ داروں کا جنگوں میں قتل ہونا وغیرہ کی بنیاد پر حضرت کی امامت قبول نہ کرتے اور یوں مسلمانوں کی وحدت خطرے میں پڑ جاتی۔

ج: کفار کی مایوسی اور دین کا مکمل ہونا: لفظ مولی کی امامت سے تفسیر پر تیسرا قرینہ اس آسمانی پیغام کے پہنچانے کے بعد نازل ہونے والی آیت ہے:

الْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا [1]

---

[1] مائدہ، ۶۷

[2] تاریخ مدینہ دمشق، ج ۴۲، ص ۲۳۷، ۲۱۳، اسباب نزول القرآن، ص ۲۰۳، شواھد التنزیل، ج ۱، ص ۲۴۸، ۲۵۴، کنز العمال، ج ۱۳، ص ۱۴۰، ش ۳۶۴۴۱

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

آج کافر لوگ تمہارے دین (کے غالب آجانے کے باعث اپنے ناپاک ارادوں) سے مایوس ہو گئے، سو (اے مسلمانو!) تم ان سے مت ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرا کرو۔ آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو (بطور) دین (یعنی مکمل نظامِ حیات کی حیثیت سے) پسند کر لیا۔

اہل سنت[۲] اور شیعہ مفسرین کے مطابق یہ آیت واقعہ غدیر اور حضرت علی علیہ السلام کے مقام ولایت پر منصوب ہونے کے بعد نازل ہوئی کہ اللہ تعالی نے ایسے دن کو کفار کی دین اسلام سے مایوسی اور ناامیدی کا دن قرار دیا اور اس دن کو اکمال دین، اتمام دین، اور اتمام نعمت کا دن قرار دیا اور اللہ تعالی کی طرف سے مسلمانوں کے دین اسلام کو اختیار کرنے پر رضایت کا اعلان کیا۔

واضح سی بات ہے کہ یہ آیت لوگوں کو صرف حضرت علی علیہ السلام کی محبت اور دوستی کا حکم نہیں دے رہی، چونکہ پہلی بات یہ ہے کہ: ایسا حکم پہلے بھی موجود تھا۔ دوسری یہ کہ: حضرت کی محبت کا حکم دینے اور نعمتوں کے تمام ہونے، دین کے کامل ہونے، کفار کی مایوسی کے درمیان کوئی لازمہ نہیں ہے، بلکہ پیغام غدیر کے ابلاغ کے نتائج اور ثمرات (دین کا کامل ہونا، نعمت کا تمام ہونا اور اسلام سے رضایت) سے واضح ہوتا ہے کہ غدیر میں موجود مسئلہ نہایت اہم اور حیات اسلام میں کلیدی کردار رکھتا ہے اور وہ صرف حضرت علی علیہ السلام کی دوستی و محبت نہیں بلکہ ان کی امامت، علمی و دینی مرجعیت اور حاکمیت کو قبول کرنا تھا۔

د۔ **شخصیتوں کا مبارک باد دینا:** ایک اور قرینہ یہ ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابلاغ کے بعد صحابہ کی سیاسی اور اجتماعی شخصیتوں نے مبارک باد دی۔ خلیفہ دوم عمر نے حدیث غدیر کے مکمل ہونے کے بعد حضرت کو خطاب کرتے ہوئے کہا

هَنِيئًا يَابنَ ابی طَالب !اَصبحتَ وَامسيتَ مولی كلّ مومِنٍ وَ مُومِنَةٍ [۳]

مبارک ہو اے علی بن ابی طالب آپ آج سے شب و روز ہر مومن اور مومنہ کے مولی ہیں۔

---

۱. مائدہ، ۳

۲. تفسیر الدر المنثور، ج ۳، ص ۱۹، تاریخ مدینہ دمشق، ج ۴۲، ص ۲۳۷، ۲۳۴، تاریخ بغداد، ج ۸، ص ۲۹۰، شواھد التنزیل، ج ۱، ص ۲۰۰، مناقب خوارزمی، ص ۱۵۶

۳. مسند احمد بن حنبل، ج ۶، ص ۴۰۱ فضائل الصحابہ، ابن حنبل، ج ۲، ص ۵۹۶، البدایۃ والنھایۃ، ج ۷، ص ۳۷۱، تاریخ مدینہ دمشق، ج ۴۲، ص ۲۲۰، الغدیر، ج ۱، ص ۵۰۸

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

بعض روایات[1] میں عمر کی کلام کے شروع میں "بخ بخ" کی عبارت کا اضافہ ہوا ہے کہ جو مبارک باد دینے اور فخر کا اظہار کرنے میں مبالغہ کے لئے آتا ہے۔ آیا اگر صرف دوستی کا حکم تھا تو اس قسم کے پیغاموں کے لئے مبارکباد کی ضرورت کیا تھی؟ اسکے علاوہ آیا خلیفہ دوم کی تعبیر میں مولی کا آنا کہ وہ کہتے ہیں: اے علی آپ کو مبارک ہو کہ آپ ہر مومن مرد وزن کے مولی ہو چکے ہیں، یہاں صرف دوست رکھنے کی بات تھی یا عمر کا مقصود حضرت کے مقام امامت وخلافت کی طرف اشارہ تھا کہ غدیر کے مسئلہ میں رسمی طور پر پیغمبر ﷺ کے ذریعے اعلان ہوا؟

۵۔ **شعراء اور حاضرین کی فہم:** دوسرا قرینہ ادبی قرینہ ہے، غدیر میں حاضر لوگ صحیح طور پر نبی اکرم ﷺ کا مقصود سمجھتے ہیں ان میں ایک حاضر عرب کا مشہور شاعر یعنی حسان بن ثابت تھا کہ حدیث غدیر کے تمام ہونے کے بعد نبی اکرم ﷺ سے اجازت مانگتا ہے کہ اس موضوع میں شعر کہے اور اس نے یہ نظم بیان کی:

الهک مولانا وانت نبینا ولم تلق منافی الولایة عاصیا

فقال له: قم یا علیّ فانّنی رضیتک من بعدی اماما وهادیا[2]

آپ کا خدا ہمارا مولا اور آپ ہمارے ولی ہیں اور اس امر میں لوگوں میں کسی کو نافرمان نہیں پاؤ گے۔

نبی ﷺ نے علی (ع) سے کہا کہ اٹھیں کہ بلاشبہ میں نے دل کی رضا سے تمہیں اپنے بعد امام اور ھادی قرار دیا ہے۔

حسان نے اس شعر میں مولی کو دوست رکھنے کے معنی میں نہیں بلکہ امام اور ھادی کے معنی میں تفسیر کیا ہے اور اپنے شعر کو نبی اور وصی کے لئے پڑھا اور انہوں نے بھی کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا۔[3]

دیگر قرائن میں سے ایک معتبر اور محکم قرینہ خود حضرت علی علیہ السلام کی فہم اور تفسیر ہے۔ حضرت علی علیہ السلام حدیث غدیر کو اپنی امامت اور حکومت کے متعلق جانتے تھے اور نبی اکرم ﷺ کی رحلت کے بعد حکومت اور خلافت کے مسئلہ میں اس حدیث سے اپنے حق میں استدلال کرتے تھے کہ رقیب اور مخالف بھی اس

---

[1]. النہایہ، ج۱، ص۱۰۱

[2]. الغدیر، ج۲، ص۴۳، علامہ امینی اس ماخذ میں بارہ سنی راویوں سے نقل کرتے ہیں کہ مندرجہ بالا شعر ان کی روایت میں تھا۔

[3]. عربی زبان میں لفظ مولی بہت زیادہ اولی بہ پر استعمال ہوا ہے کہ علامہ طہرانی اسلام کے ہم عصر ادبی ماخذ مثلاً معلقات سبعہ سے اس پر دلائل لائے ہیں۔ (امام شناسی، ج۷، ص۳۴۲ تا ۳۹۳)

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

استدلال کا انکار نہ کر سکا۔ احادیث کی تفصیل اور حضرت کا اپنے منصوب ہونے پر احتجاج کو ہم بعد والے صفحات میں (حضرت علی علیہ السلام کا اپنے منصوب ہونے کو بیان نہ کرنے کے شبھہ) میں بیان کریں گے۔

و۔ اہل سنت کے بعض علماء مثلا ابن جوزی، حافظ ابوالفرج یحی ثقفی بھی مولی کے معنی "اولویت" پر اعتراف کرتے ہیں۔[1]

ز۔ لفظ بعدی: اہل سنت کی بعض روایات میں حدیث غدیر لفظ "بعدی" کے ساتھ ہے: (من کنت مولاہ فان علیا بعدی مولاہ) [2] حسان کے آخری شعر میں بھی "من بعدی امام" اس چیز کو بیان کر رہا ہے۔

واضح سی بات ہے کہ حضرت علی علیہ السلام سے محبت رکھنا ور انکی نصرت کرنا ایک مطلق اور ہر دور میں عمل کرنے والی بات ہے اور یہ لازم نہ تھا کہ پیغمبر اسلام ﷺ اس حکم کو اپنے بعد والے زمانے کے ساتھ خاص کریں، اب جب کہ ایسا ہوا ہے، تو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں خلافت اور حکومت مقصود ہے کہ جو لفظ "بعدی" کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے۔

محققین مثلا علامہ امینی نے شبھہ کے دعوی کی بنا پر حدیث غدیر کی دلالت کے لئے بہت سے قرائن اور شواہد ذکر کئے ہیں کہ ہم محقق قاری کو ان کی عظیم تالیف "الغدیر" کا حوالہ دیتے ہیں۔[3]

۴۔ حدیث منزلت

جنگ تبوک کے واقعہ میں پیغمبر اسلام ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام کو مدینہ میں اپنے جانشین اور حاکم کے طور پر معین فرمایا اور خود جنگی علاقہ کی طرف روانہ ہوئے، منافقین نے اس مسئلہ کو حضرت علی علیہ السلام کی شخصیت کو ضرر پہنچانے کے لئے اٹھایا کہ پیغمبر ﷺ نے انہیں اپنے لشکر میں قرار نہیں دیا۔ حضرت علی علیہ السلام نے اس تہمت اور عیب کو سنتے ہی فوراً خود کو نبی کے لشکر تک پہنچایا اور حضرت سے جنگ میں حاضر ہونے کی درخواست کی، لیکن نبی اکرم ﷺ نے منافقین کے دعوی کی تکذیب کے ساتھ ساتھ فرمایا:

أفلَا تَرضى يا عليّ أن تكونَ منى بمنزلةِ هَارونَ من موسى الّا انّه لَا نبيَّ بَعدِى [1]

---

[1]. ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ص ۳۷، سید محمد صادق بحر العلوم کے مقدمہ کے ساتھ

[2]. ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج ۷، ص ۳۴۹، خلاصہ عبقات الانوار، ج ۹، ص ۹۳

[3]. الغدیر، ج ۱، ص ۶۵۰، انہوں نے بیس شاھد ذکر کئے ہیں۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

اے علی آیا آپ راضی نہیں ہیں کہ آپ میرے لئے اسی طرح ہوں کہ جیسے ہارون موسی کے لئے تھے، لیکن میرے بعد نبی نہیں ہے۔

اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام کو ہر اعتبار سے موسی کے لئے ہارون کی طرح توصیف فرمایا اور صرف مسئلہ نبوت کو استثناء کیا۔

اب یہ کہ ہارون کی موسی کے لئے کیا منزلت تھی، مندرجہ ذیل آیت بیان کرتی ہے:

وَاجْعَل لِّی وَزِیرًا مِّنْ أَهْلِی هَارُونَ أَخِی اشْدُدْ بِهِ أَزْرِی وَأَشْرِكْهُ فِی أَمْرِی [۲]

اور میری زبان کی گرہ کھول دے۔) وہ) میرا بھائی ہارون (علیہ السلام) ہو۔اس سے میری کمر ہمت مضبوط فرمادے۔اور اسے میرے کار (رسالت) میں شریک فرمادے۔

اس آیت میں حضرت ہارون، حضرت موسی علیہ السلام کے لئے بعنوان وزیر، پشت پناہ، شریک اور مددگار توصیف ہوئے ہیں کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے اس مندرجہ بالا حدیث میں سوائے نبوت کے تمام اوصاف حضرت علی علیہ السلام کو تفویض کئے۔

پس یہ حدیث مفہومی جہت کے اعتبار سے حضرت علی علیہ السلام کی امامت و خلافت پر دلالت کر رہی ہے، لیکن سند کے لحاظ سے یہ کہیں گے کہ اکثر علماء اہل سنت نے اسے نقل اور اسکی تائید کی ہے اور صرف آمدی نے اس میں شک کیا ہے، کہ اکثریت کے مد مقابل اس کا شک مضر نہیں ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے ایک اور حدیث میں حضرت علی علیہ السلام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

یا علیّ! أنتَ الذی—تقومُ فیهم مقامی— [۳]

اے علی تم وہی ہو...جو میرے جانشین ہو۔

اس حدیث میں پیغمبر نے اختلافی مسائل کو حل کرنے کے لئے اور لوگوں پر حضرت علی علیہ السلام کی اطاعت کے وجوب میں اپنے اور حضرت کے درمیان کسی فرق کے قائل نہیں ہوئے، بلکہ واضح کرتے ہیں کہ

---

۱. صحیح بخاری، ج ۲، ص ۱۳۵۹، ج ۴، ص ۱۶۰۲، صحیح مسلم، ج ۴، ص ۱۸۷۱، مسند احمد، ج ۱، ص ۱۷۰، اسکے بعد قاری محترم "المکتبة الاسلامیة الکبری الشاملة" سی ڈی میں "بمنزلة هارون" لفظ کی جستجو کرے تو ۶۰۰ کے قریب موارد اہل سنت کے معتبر ماخذ میں پائے گا۔

۲. طٰہٰ آیت ۲۹ ـ ۳۲۔

۳. الالٰہیات، ج ۴، ص ۷۹

۴. من لایحضرہ الفقیہ، ج ۴، ص ۱۷۹

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

حضرت علی علیہ السلام کا رسمی مقام اور شخصیت پیغمبر ﷺ کے رسمی مقام اور شخصیت کی مانند ہے کہ یہ حدیث ان لوگوں کا مکمل جواب ہے کہ جو نبی اکرم ﷺ کی خاتمیت کو نبوت کے تمام اوصاف کی خاتمیت سے تفسیر کرتے ہیں۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حدیث منزلت کے مفہوم کو کئی بار اور مختلف مقامات پر مثلاً دعوت کے شروع، روز اخوت، مسجد مدینہ کے دروازوں کو بند کرنے کے وقت، فتح خیبر اور جنگ تبوک کے مقام پر بیان فرمایا۔[1]

۵۔ حدیث قلم و دوات

ایک اور دلیل کہ جسے حضرت علی علیہ السلام کی امامت کے منصوب ہونے پر دلیل کے طور پر ذکر کیا جا سکتا ہے، مشہور حدیث " حدیث قلم و دوات " ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنی بیماری کے آخری دنوں میں چاہا کہ حضرت علی علیہ السلام کی امامت کو آخری دفعہ رسمی اور اعلانیہ مکتوب کریں اور دستخط کریں۔ اس لئے انہوں نے قلم اور کاغذ مانگا:

اِئتُونی بکتَابٍ اَکتُبُ لکُم کتابًا لَن تَضلوا بَعده اَبدًا[2]

میرے لئے کاغذ لاؤ تاکہ تمہارے لئے ایسا نوشتہ لکھ دوں کہ اس کے بعد کبھی بھی گمراہ نہ ہوگے۔

لیکن لوگوں کے شور و غوغا کرنے، مخاطبین کے جھگڑنے اور پیغمبر پر (نعوذ باللہ) سھو وھذیان کی ناروا نسبت دینے پر حضرت مسلمانوں کی وحدت پر گھبرا گئے اور حاضرین کو باہر نکلنے کا حکم دیا۔

تجزیہ و تحقیق

قرائن بتاتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا ہدف اپنے رسمی وصیت نامہ میں حضرت علی علیہ السلام کی امامت کو درج کرنا تھا۔

الف: حدیث کے ذیل "لن تضلوا بعده" سے واضح ہوتا تھا کہ حضرت کا مقصود اپنے بعد جانشین اور امام کی تعیین ہے، چونکہ اس کے مشابہ جملات حضرت نے کئی بار اپنی اہل بیت اور عترت کے بارے میں مثلاً حدیث

---

[1]. موسوعۃ الامام علیؑ، ج ۲، ص ۱۵۲، اور اسکے بعد

[2]. تاریخ کامل، ج ۲، ص ۳۲۰، تاریخ طبری، ج ۲، ص ۵۰۵، الطبقات الکبری، ج ۲، ص ۱۸۸، امتاع الاسماع، ج ۱۴، ص ۴۴۹، البدایہ والتاریخ، ج ۵، ص ۵۹

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ثقلین وغیرہ میں بیان فرمائے اور ان کے مخاطب لوگ چونکہ سیاسی ذہن رکھتے تھے، حضرت کے ہدف کو فوراً سمجھ گئے، لہٰذا انہوں نے کوشش کرنا شروع کردی کہ حضرت کا ہدف پورا نہ ہو، اسی لیے انہوں نے حضرت کے حضور میں کہ آپ بستر بیماری پر ہیں اپنے نزاع اور جھگڑے شروع کردیے، اس سے بڑھ کر نعوذ باللہ پیغمبر ﷺ پر ہذیان کی تہمت لگائی کہ شیعہ اور اہل سنت کے ماخذ میں ایسی جسارت کا مرتکب عمر بتائے گئے ہیں کہ انہوں نے کہا:

فَقالَ عمرُ: انَّ النبی قَد غَلَبَ علیه الوجعُ و عندکم القرآن، حَسبنَا کتاب اللهُ[1]

عمر نے کہا کہ بلاشبہ بیماری (نعوذ باللہ) ان پر غلبہ کر گئی ہے، تمہارے پاس قرآن ہے اور خدا کی کتاب ہمارے لیے کفایت کرتی ہے۔

اس جسارت آمیز کلام سے خلیفہ دوم نہ صرف یہ کہ نعوذ باللہ ہذیان کی نسبت پیغمبر ﷺ کی طرف دے رہے ہیں کہ جن کے بارے میں قرآن فرماتا ہے: وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ[2]

اور وہ (اپنی) خواہش سے کلام نہیں کرتے۔ اُن کا ارشاد سَر اسَر وحی ہوتا ہے جو انہیں کی جاتی ہے۔

بلکہ اپنے مقام کو پیغمبر ﷺ کے مقام سے بلند توصیف کرتے ہیں کہ یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر کی وصیت کی ضرورت نہیں ہے اور ہمارے لیے قرآن کافی ہے۔ یہ کہ مسلمانوں پر کیا چیز لازم ہے؟ آیا عمر جیسے لوگ اس کی تشخیص کریں گے یا خود رسول خدا؟ اس کا جواب ہم آزاد انسانوں کے ضمیر سے مانگتے ہیں!

ب: خود خلیفہ دوم نے پیغمبر خدا ﷺ کی نیت اور مقصد کا بعد میں اعتراف کیا، جیسا کہ ابن عباس کے ساتھ گفتگو میں کہتے ہیں: وہ علی کی امامت پر صراحت کرنا چاہتے تھے کہ میں نے روک دیا[3]۔

---

[1] صحیح بخاری، ج۵، ص۲۱۴۶، نیز: صحیح مسلم، ج۳، ص۱۲۵۹، مسند احمد، ج۱، ص۳۳۶، الطبقات الکبریٰ، ج۲، ص۲۴۳، تاریخ طبری، ج۲، ص۵۰۵، تاریخ کامل، ج۲، ص۳۲۰۔ قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ ان بعض ماخذ سے دوسرے خلیفہ کا نام (یقیناً احترام کے لیے) حذف ہوا ہے کہ جو تاریخ کی تحریف کا مصداق ہے۔

[2] نجم: ۳، ۴

[3] "ان رسول الله ارادان یذکره للامره فی مرضه قصددته عنه خوفاً من الفتنه" (شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج۱۲، ص۷۹) اسی طرح ابن ابی الحدید عمر سے نقل کرتے ہیں کہ رسول خدا نے تو علی (ع) کی امامت کا ارادہ کیا تھا لیکن خدا کا ارادہ کچھ اور تھا۔ یابن عباس و اراد رسول الله (ص) الامر له فکان ماذا اذا لم یرد الله تعالی ذلک! ان رسول الله (ص) اراد امراً و اراده الله غیره۔ (سابقہ ماخذ، ص۷۸) خلیفہ دوم کی یہ گفتگو رسول خدا پر ایک نئی تہمت ہے کہ گویا آنحضرت ﷺ نعوذ باللہ الٰہی ارادہ کے خلاف کچھ کرنا چاہتے تھے۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ خلیفہ دوم نے پیغمبر ﷺ کی وصیت لکھنے کے لیے کاغذ و قلم کے مہیا کرنے سے مخالفت کی، وجہ فتنہ کا خوف بتائی، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

البتہ عمر پھر دوبارہ اپنے مقصد اور مانع ہونے کی وجہ بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں: میں فتنہ کے خوف کی وجہ سے مانع ہوا۔ اس وضاحت میں خلیفہ دوم اپنے آپ کو پیغمبر ﷺ سے برتر دیکھ رہے ہیں، گویا نعوذ باللہ حضرت مصلحت اسلام و مسلمین کی تشخیص سے عاجز و ناتواں تھے اور خلیفہ دوم کی راہنمائی اور ارشاد کے محتاج تھے!

آیا واقعاً کائنات کا اشرف، پیغمبروں کا سردار اور وحی سے متصل شخصیت، خلیفہ دوم کی حد تک دین اور مسلمانوں کی تشخیص دینے کی قدرت نہ رکھتی تھی؟ ہم اس سوال کے جواب کیلئے دوبارہ آزاد اور تعصب سے دور انسانوں کے ضمیر کا حوالہ دیں گے۔

ج: یہاں ایک اور نکتہ کا اضافہ کریں گے کہ جب خلیفہ اول بیماری اور بیہوشی کے بستر پر تھے اور عثمان کے ذریعے عمر کی خلافت کا عہد نامہ تحریر کروا رہے تھے، تو اس وقت عمر اور دوسروں نے کسی قسم کی مخالفت نہ کی اور خلیفہ اول پر بیمار، درد کے غلبہ اور ہذیان کی نسبت نہیں دی؟ حالانکہ اہل سنت کے اپنے نقل کے مطابق ابو بکر، عمر کی خلافت کے عہد نامہ اور منشور کی تدوین کے دوران بیہوش اور غشی کی حالت میں چلے گئے تھے۔[1] اس کے باوجود نہ خلیفہ اول، نہ خلیفہ دوم اور نہ خلیفہ اول کے منشی عثمان کسی نے بھی خلیفہ پر بیماری کے غلبہ کی بات نہ کی۔

جو کچھ بھی ہو یہ بات یقینی ہے کہ خلیفہ دوم جیسے لوگ پیغمبر ﷺ کے وصیت نامہ کا اجراء اپنے مفادات کے مطابق نہیں پاتے تھے اور اس کی دلیل ان کا رسول خدا ﷺ کے وصیت نامہ کی مخالفت کرنا تھی، وہ بھی رسول خدا ﷺ پر نعوذ باللہ سہو و ہذیان کی تہمت لگاتے ہوئے۔ پس یہ وصیت نامہ دراصل عمر کے رقیب یعنی حضرت علی علیہ السلام کے حق میں تھا کہ جو آخر کار بے تحریر باقی رہ گیا!

د: دوسرا قرینہ یہ ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ شروع سے جانتے تھے کہ حضرت علی علیہ السلام کی امامت و حکومت بعض لوگوں کو گوارہ نہیں ہے، لہٰذا اپنی بیماری کے بستر پر حکم دیا کہ ایک لشکر ۱۸ سالہ جوان اسامہ بن زید کی

ہے کہ خلیفہ اول اور دوم نے حکومت و خلافت کے قائم ہونے اور اندرونی اور بیرونی مخالفین کو ختم کرنے کے بعد حضرت علی (ع) کے نصب پر پیغمبر خدا ﷺ کی حضرت علی علیہ السلام کو خلیفہ بنانے کی وصیت کو پورا کیوں نہیں کیا؟ اور کیوں ابو بکر نے بعد والا خلیفہ پیغمبر خدا ﷺ کا مطلوب شخص نہ بلکہ ایک اور شخص کو بنایا؟ وہ شخص کہ جس نے سقیفہ کے مسئلہ میں ابو بکر کی خلافت کے لیے کلیدی کردار ادا کیا تھا، اور خلیفہ دوم نے اپنے بعد علی علیہ السلام کو کہ جن کی پیغمبر کی جانشینی کا خود اعتراف بھی کرتے ہیں، کیوں اپنا خلیفہ قرار نہیں دیا؟ بلکہ انہیں شوریٰ میں قرار دیا کہ جس کا نتیجہ عثمان کی خلافت تھا اور شوریٰ کے حوالے سے بعد میں بحث کریں گے۔

[1]۔ هذا ما عهد عبد الله بن عثمان الى المسلمين ثم اما بعد، ثم اغمى عليه و كتب عثمان —(شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۱، ص ۱۶۵، نہایۃ الارب، ج ۳، ص ۱۲۹)۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

سالاری میں جنگ کے لیے جائے، حالانکہ اس وقت کسی بیرونی جارحیت یا خطرہ کی رپورٹ نہیں ملی تھی۔ حضرت کا اصرار تھا کہ سیاسی واجتماعی مسائل میں اثر رکھنے والے عناصر مثلاً ابو بکر، عمر، ابو عبیدہ اور سعد بن وقاص (کہ جو سقیفہ کے مسئلہ میں اہم کردار رکھتے تھے) لشکر کے ہمراہ مدینہ سے نکل جائیں۔ لیکن انہی اشخاص نے مختلف بہانوں سے حکم نبی ﷺ کی نافرمانی کی، حالانکہ رسول خدا نے لشکر اسامہ میں نہ جانے والوں پر لعنت کی تھی۔[1] واضح سی بات ہے کہ پیغمبر کے پروگرام کے عمل ہونے کی صورت میں حضرت علی علیہ السلام کے لیے بغیر کسی پریشانی کے اقتدار منتقل ہو جاتا۔ لیکن مندرجہ بالا افراد اپنی سیاسی مہم کے مطابق سمجھ چکے تھے کہ پیغمبر خدا کی رحلت کی صورت میں وہ حکومت سے محروم ہو جائیں گے۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اس لشکر کو بھیجنے کی صورت میں اگرچہ پیغمبر نے ایک ۱۸ سالہ جوان کو لشکر کا سپہ سالار معین کیا اور بہت سے مشہور کمانڈر اور شخصیات اس میں شرکت کر رہی تھیں، آنحضرت عملی طور پر یہ دینی حکم اور عقلی نکتہ القاء کر رہے تھے کہ سپہ سالار اور رہبری کا معیار ذاتی صلاحیت ولیاقت ہے اور اس کا کم سنی سے کوئی تعلق نہیں ہے تاکہ یہ نکتہ اور جواب ان لوگوں کے لیے قرار پائے کہ جنہوں نے حضرت علی علیہ السلام کی رہبری اور خلافت کو ان کی کم سنی یعنی ۳۷ سالہ ہونے کی بناء پر قبول نہیں کیا۔[2]

۶۔ احادیث حجت

بعض احادیث نبوی میں حضرت علی علیہ السلام کو حجت خدا کے عنوان سے ذکر کیا گیا ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ جبرائیل سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو خطاب کیا:

مَلائکتِی انظُروا الی حُجَّتی فی اَرضی عَلی عبَادِی بَعدَ نبی فَقَد عفّر خدّہ فی التُّرابِ تواضعاً لعظمَتِی اُشھِد کم اَنہ امَام خَلقِی وَ مَولی بریّتی[3]

میرے فرشتو نبی کے بعد میرے بندوں پر میری حجت کی طرف دیکھو کہ کس طرح اپنی صورت کو میری عظمت کے مد مقابل تواضع کرنے کے لیے خاک پر رکھا ہے۔ تم سب کو شاہد قرار دیتا ہوں کہ وہ لوگوں اور میری مخلوق پر امام اور مولی ہے۔

---

[1] المراجعات، ص ۹۲۔
[2] تاریخ مدینہ دمشق، ج ۸، ص ۵۱، ۶۳؛ کنز العمال، ج ۱۰، ص ۵۷۱؛ الطبقات الکبری، ج ۴، ص ۶۶۔
[3] مناقب خوارزمی، ص ۳۱۹، ش ۳۲۲۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

نبی اکرم ﷺ ایک اور حدیث میں فرماتے ہیں:

یَا علیّ انتَ امامُ المُسلمینَ وامیرُ المُومنینَ و قَائد الغرّ المُحجّلین وَ حجّۃ اللہ بَعدی علی الخَلق اجمعینَ[1]

حضرت ایک اور جگہ میں فرماتے ہیں:

اِنّکَ لحجۃُ اللہ عَلی خَلقِہ واَمینہ عَلی سرّہ وَ خلیفتہ علی عبادہ[2]

بے شک تم اللہ کی مخلوق پر اسکی حجت ہو، اسکے اسرار پر اسکے امین ہو اور اسکے بندوں پر اسکے خلیفہ ہو۔

مندرجہ بالا احادیث ان لوگوں کے لیے روشن اور شفاف جواب ہیں کہ جو خاتمیت کا بہانہ بناتے ہوئے حجت الٰہی کو پیغمبر اسلام ﷺ میں منحصر کرتے ہیں اور آئمہ علیہم السلام کے حجت ہونے کا انکار کرتے ہیں۔

۷۔ احادیث عصمت

پہلے اشارہ ہو چکا ہے کہ امامت تین قسم کی شان و عظمت (حکومت، علمی و دینی مرجعیت اور معنوی و باطنی ولایت) رکھتی ہے کہ مختلف روایات مخاطب اور محفل کے اقتضاء حال کے مطابق ایک خاص شان کو ثابت کرتی ہیں۔ یہاں پیغمبر ﷺ سے بہت سی احادیث نقل ہوئی ہیں کہ جو ائمہ علیہم السلام اور حضرت علی علیہ السلام کی عصمت کو ثابت کرتی ہیں کہ جن کا لازمہ ان کی علمی و دینی مرجعیت اور ان کی فکری و عملی سیرت کا ذاتی حجت رکھنا ہے۔ خوش قسمی سے اس لازمہ یعنی آئمہ کی عصمت کی بناء پر ان کی مطلق اطاعت کی طرف توجہ ہوئی ہے، اس موضوع پر احادیث و روایات تیسرے باب (امامت و خاتمیت) کے دوسرے شبہ (عصمت کا خاتمیت کے ساتھ سازگار نہ ہونا) کے ذیل میں نقل ہوئی ہیں۔

۸۔ علمی و دینی مرجعیت

پیغمبر اسلام ﷺ بہت سی احادیث میں حضرت علی علیہ السلام کو ایک رسمی علمی، دینی مقام اور مرجع کے عنوان سے ذکر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور ان کی طرف سے ان کی رحلت کے بعد اس مقام پر منصوب ہوئے ہیں۔

انس بن مالک پیغمبر اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت نے ابوذر اسلمی سے خطاب فرمایا:

---

[1] ۔ امالی صدوق، ص ۳۷۵؛ بشارۃ المصطفیٰ، ص ۳۵؛ بحار الانوار، ج ۳۸، ص ۱۰۰۔

[2] ۔ عیون اخبار الرضا، ج ۱، ص ۲۹۷؛ امالی صدوق، ص ۱۵۵، ش ۱۳۹۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

انَّ ربَّ العَالَمینَ عَهدَ الیَّ عهدًا فی علیّ ابنِ ابی طَالب فقَال: انَّه رایةُ الهدی ومنارِ الأیمَان و امامِ اولیَائی و نُور جمیعِ من اطاعَنی۔ (۱)

پروردگار عالمین نے مجھ سے علی بن ابی طالب کے بارے میں عہد کیا ہے اور فرمایا: وہ ہدایت کا پرچم، ایمان کا مینار، میرے محبین کا امام اور ان سب کا نور ہے جو میری اطاعت کرتے ہیں۔۔۔

پیغمبر اسلام ﷺ ایک اور حدیث میں فرماتے ہیں:

یا علیّ ۔۔ انَّکَ لسبیلَ الجَنة وَ رایة الهُدی وَ عَلَم الحَق و اِمَام مَن آمَنَ بِی وَ ولیّ مَن تولانی (۲)

اے علی۔۔۔ بے شک آپ جنت کی راہ، ہدایت کا پرچم، حق کا علم، مجھ پر ایمان لانے والوں کے امام اور میری پیروی کرنے والوں کے ولی ہیں۔

حضرت ایک حدیث میں صراحت سے فرماتے ہیں کہ اختلافی مسائل میں، اختلاف کو حل کرنے کا آخری مرجع حضرت علی علیہ السلام ہیں، جیسا کہ عبدالرحمٰن بن سمرہ سے فرمایا:

یَابنَ سَمرة اذَا اختَلَفتِ الأهواء وَ تَفرقَت الآرَاء فَعلیکَ بعَلی بنِ اَبی طَالب فانَّه امامُ امَّتی وَ خَلیفَتِی عَلیهِم مِن بَعدی (۳)

اے ابن سمرہ جب ہوائے نفس کے اختلاف اور آراء وافکار کے پراگندہ ہونے کا زمانہ آئے تو تمہیں علی بن ابی طالب کی طرف رجوع کا حکم دیتا ہوں کیونکہ وہ میری امت کے امام اور میرے بعد ان پر میرے خلیفہ ہیں۔

ایک اور حدیث میں:

ألا ادلّکُم عَلی مَا اِن تَساء لتُم عَلیه لَم تُهلکُوا؟ انَّ ولیکُم اللهُ و انَّ امامَکُم عَلی بنِ ابی طَالب فَنَاصحُوه وَ صدّقُوه فانّ جبرئیل اَخبرَنی بذلکَ (۱)

۱۔ حلیۃ الاولیاء، ج ۱، ص ۶۶؛ تاریخ مدینہ دمشق، ج ۴۲، ص ۳۳۰، ۲۹۱، ۲۷۰؛ تاریخ بغداد، ج ۱۴، ص ۹۹، ش ۷۴۴۱؛ مناقب خوارزمی، ص ۳۱۱۔
۲۔ شرح الاخبار، ج ۲، ص ۲۶۴۔
۳۔ کمال الدین، ص ۲۵۷؛ امالی صدوق، ص ۷۸، بحار، ج ۳۶، ص ۲۶۶۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

آیا تم کو ایسی راہ پر راہنمائی کروں کہ اگر وہاں سے سوال کرو، تو ہلاک نہ ہو گے؟ بلا شبہ ولی خدا اور تمہارے امام علی بن ابی طالب ہیں کہ ان کے خیر خواہ رہو اور تصدیق کرو، بے شک جبرائیل نے اس مسئلہ پر مجھے خبر دی ہے۔

ایھا النّاس: قَد بیّنت لَکم مفزعکمُ بَعدی وَ امامکُم وَ دلیلکُم وَ ھادیکُم وَ ھوَ اَخی علیّ بن ابی طَالب وَھوَ فیکُم بِمَنزِلَتی فیکُم فقلّدُوہ دینکُم وَ اطیعُوہ فِی جمیعِ امُورکُم فانّ عندہٗ جمیعُ مَا علّمَنی اللہُ [۲]

آیت شریفہ إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ [۳] کے نزول کے بعد پیغمبر اسلام ﷺ نے خود کو منذر اور علی علیہ السلام کے ہادی ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

انت الھادی یا علیّ بک یھتدی المھتدون بعدی [۴]

پیغمبر ﷺ اپنی معراج کا واقعہ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب میں نے مندرجہ بالا آیت سنی اور اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ ہادی کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ذلکَ علِی بنِ ابِی طَالب غایَۃُ المُھتَدینَ و اِمَامُ المُتقینَ و قائدُ الغرِّ المُحجّلِینَ [۵]

نبی ﷺ نے مختلف اور بہت سی احادیث میں حضرت علی علیہ السلام کو دین کا مبیّن اور امت اسلام کے اختلافات کا آخری حل بیان فرمایا:

اَنتَ تبیّنُ لأُمتی مَا اختلَفُوا فیہ مِن بَعدِی [۶]

یَا علیّ اَنتَ الّذِی تبیّنُ لأمتِی مَا یختلفُونَ فیہ بَعدی وَ تقُوم فیھِم مَقامی، قولُکَ قَولی وَاَمرُکَ اَمری وَ طَاعتُکَ طَاعتی و طاعَتی طَاعۃ اللہ وَ معصیتکَ معصیتِی وَ مَعصیتِی مَعصیۃ اللہِ عزّوجلّ [۱]

۱۔ شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۳، ص ۹۸؛ امالی صدوق، ص ۵۶۴؛ بحار، ج ۳۸، ص ۱۰۴۔
۲۔ کتاب سلیم بن قیس، ص ۲۰۰۔
۳۔ رعد، آیت ۷۔
۴۔ تفسیر طبری، ج ۱۸، جزء ۱۳، ص ۱۰۸؛ تفسیر کبیر، ج ۱۹، ص ۱۵؛ الدر المنثور، ج ۴، ص ۶۰۸۔
۵۔ تفسیر فرات و شواہد التنزیل، سورہ رعد کی ساتویں آیت کی ذیل میں۔
۶۔ من لایحضرہ الفقیہ، ج ۴، ص ۱۷۹۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

حضرت علی علیہ السلام کے علم کے بارے میں فریقین سے نقل ہونے والی بہت سی روایات میں نقل ہوا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

آنا مدینۃُ العلمِ و علیٌ بَابُها (۲)

حضرت کے علم کے بارے میں اس نکتہ پر اکتفاء کرتے ہیں؛ حضرت علی علیہ السلام کا علم معمولی علم نہ تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید شدہ اور الہام کی نوع سے تھا۔ اس قسم کے علم کا ثمرہ مسائل میں خطاء نہ کھانا اور عاجز نہ ہونا تھا۔ چونکہ امام علی علیہ السلام کے علم اور الہام کے بارے میں گزشتہ باب کے ساتویں شبھہ کے ذیل میں بحث ہو چکی ہے قاری محترم کو اسی کا حوالہ دیتا ہوں، یہاں اس نکتہ کی طرف اشارہ کرتا ہوں کہ حضرت کی تینوں خلفاء پر علمی و دینی مرجعیت مکمل کارساز تھی، اس طرح کہ دوسرے خلیفہ نے کئی بار اعتراف کیا:

لو لا علی ل ھلک عمر (۳)

اگر علی نہ ہوتے تو قطعاً عمر ہلاک ہو جاتا۔

عمر نے ایک مقام پر حضرت علی علیہ السلام کو علمی اور عدالتی اختلافات کے حل کیلئے آخری مرجع کے عنوان سے ذکر کیا:

أمرنا اذَا اختلَفنَا فی شی اَن نُحکّم عَلیّاً (۴)

اہل سنت کے معتبر ماخذ میں پیغمبر اسلام ﷺ سے نقل ہوا ہے کہ:

علیٌ اقضَاکُم علیٌ اَفقھکُم وَ اعلمُ امتِی بِکتَابِ اللہ وَعلیٌ مَع الحَق وَ الحَق معَ علیٌ حَیثمَا دَار وَ انَا مدینۃُ العلمِ وَ عَلی بَابُها (۵)

۱۔ کنز العمال، ج ۱۱، ص ۶۱۵؛ تاریخ مدینہ دمشق، ج ۴۲، ص ۳۸۷۔

۲۔ صحیح ترمذی، ج ۵، ص ۶۳۷؛ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۱۲۷، ۱۳۶؛ احیاء العلوم، ج ۲، ص ۱۹۰؛ ابو سعید سمعانی؛ الانساب، ج ۱۳، ص ۴۰۴؛ ابن جوزی، المنتظم، ج ۱۱، ص ۳۴۳؛ زرکلی، الاعلام، ج ۵، ص ۱۷۔

۳۔ سنن ابو داود، ج ۴، ص ۱۱۴؛ کنز العمال، ج ۳، ص ۹۵، مزید وضاحت کیلئے رجوع کریں: علامہ طہرانی، امام شناسی، ج ۱۱۔

۴۔ مناقب خوارزمی، ج ۱، ص ۲۵۸۔

۵۔ فرائد السمطین، ج ۱، ص ۹۷، ب ۱۸؛ مناقب خوارزمی، ص ۴۰۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

علی تم میں سے سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے، میری امت میں سب سے زیادہ کتاب خدا کا عالم ہے، علی حق کے ساتھ اور حق علی کے ساتھ رہتا ہے جہاں علی جائے اور میں علم کا شہر اور علی اسکا دروازہ ہے۔

تاریخ نے تین خلفاء کے ایسے بہت سے قضاوت کے واقعات ثبت کیے ہیں کہ جہاں وہ غلطی کرتے تھے اور حضرت علی علیہ السلام اصلاح فرماتے تھے کہ ان سب کو اکٹھا کرنے کیلئے ایک مستقل اور جدا کتاب چاہیے[1]۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو مختلف احادیث میں حضرت علی علیہ السلام کی توصیف میں فرمایا:

اَنتَ یعسوبُ الدّین - اَنتَ یَعسُوبُ المُومنینَ [2]

لغت میں "یعسوب" شہد کی مکھیوں کی ملکہ اور سردار کو کہتے ہیں، ابن ابی الحدید مندرجہ بالا حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

کَانّه جَعلَ رئیسَ المُومنین وَسیدھُم اَو جَعل الدینَ یَتبعُه وَ یَقفو اثرَہ حَیثُ سَلکَ کَمَا یتبعُ النحلَ الیَعسُوب [3]

گویا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی علیہ السلام کو مومنین کے سردار اور آقا یا دین کو حضرت کا تابع بیان فرما رہے ہیں کہ وہ لوگ ہر راہ اور قدم میں ان کی پیروی کرتے ہیں جیسا کہ شہد کی مکھیاں اپنی ملکہ کی تابع ہوتی ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام کی روایات: شیعوں کیلئے حضرت علی علیہ السلام الٰہی حجت اور امام ہیں کہ جن کی کلام معتبر اور قابل استدلال ہے، اہل سنت بھی ان کے لیے عظیم مقام کے قائل ہیں اور ان کی کلام اور احادیث کو اصحاب کبار میں سے ایک صحابی کے عنوان سے قبول کرتے ہیں۔ اس نکتہ کی طرف توجہ رکھتے ہوئے اگر حضرت سے کوئی روایت یا روایات سامنے آئیں کہ جو ان کے منصوب ہونے پر دلالت کریں، تو ان کی روایت حجت ہے اور اسے قبول کرنا چاہیے۔ خوش قسمتی سے ہم اس حوالے سے حضرت سے صریح اور واضح روایات رکھتے ہیں کہ ان کی تفصیل، آئندہ صفحات میں حضرت کے اصل نصب سے تمسک نہ کرنے کے شبھہ کے جواب بیان ہوگی۔ یہاں دو روایتوں کی طرف اشارہ ہوگا کہ ان میں حضرت صدر اسلام کے مسلمان کا شکوہ کرتے ہیں کہ انہوں نے ان کے

---

[1] ۔علامہ حسینی طہرانی، امام شناسی، ج۱۱، ص ۱۷۰، ۱۷۸، ۲۲۹۔

[2] ۔شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۱۹، ص ۲۲۵؛ تاریخ الاسلام، ج۴۶، ص ۳۹۱۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

مقام اور مرتبہ کو نہیں پہچانا اور وضاحت کرتے ہیں کہ ان کا مقام امامت ایک ایسا فریضہ تھا کہ جس پر قرآن و سنت نبوی میں تاکید ہوئی تھی، لیکن سوائے کچھ انسانوں کے کوئی حضرت کے فضل کو نہ پہچان سکا۔

قَلیل مِن شیعَتی الّذینَ عَرفُوا فضلِی وَ فرض امَامَتی مِن کتابِ اللهِ وَ سنةِ رسولِ الله [1]

میرے شیعوں میں سے کم لوگ ہیں جو میرے فضل کو جانیں گے اور میری امامت کتاب خدا اور سنت رسول سے فرض ہوئی ہے۔

حضرت عثمان کے بعنوان خلیفہ سوم انتخاب اور اپنے انتخاب نہ ہونے کے مسئلہ میں خطبہ دیتے ہیں اور واضح انداز میں حاکمیت کا حق اپنے ساتھ خاص کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فَنحنُ بیتِ النبوةِ وَ معدةُ الحِکمَة وَ امانُ اهل الأرضِ — لَنَا حقّ انّ نعطَه ناخذَه و ان نُمنَعَه نَرکب اِعجَاز الابِل ولَو طالَ السری [2]

سید اشباب اہل الجنۃ کی روایات: اہل سنت آنحضرت ﷺ سے امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کی توصیف میں بہت سی روایات کے مطابق ان دو اماموں کو نہایت احترام اور عظمت کی نظر سے دیکھتے ہیں، بسا اوقات ان دو بزرگوار اماموں کے مقام کو حضرت علی علیہ السلام کے مقام سے بڑا جانتے ہیں، مثلاً جب وہ یہ چاہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کی عظمت بیان کریں تو یہ کہتے ہیں: ابو سید شباب اهل الجنة

اسی بناء پر ضروری ہے کہ اہل سنت امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کی تمام روایات کو ثقہ راوی اور ذریت پیغمبر ﷺ کے عنوان سے قبول کریں۔

کیونکہ بعض روایات کو قبول کرنا اور بعض کو چھوڑ دینا ایسے ہوگا کہ جیسے کوئی بعض پر ایمان لایا اور بعض کا کافر ہوا۔

اس تمہید کے پیش نظر جب ان دو اماموں کی سیرت کو دیکھیں تو یہ واضح پاتے ہیں کہ وہ بھی مسئلہ امامت کو حضرت علی علیہ السلام کے منصوب کے عنوان سے جانتے تھے، یہاں ان کی بعض روایات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

---

[1] کافی، ج ۸، ص ۵۹۔
[2] تاریخ کامل، ج ۳، ص ۷۴۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

امام حسن علیہ السلام ایک خطبہ میں ہر نبی کیلئے جانشین اور امام کے معین کرنے والی الٰہی سنت کی طرف اشارہ فرماتے ہیں اور پیغمبر اسلام ﷺ میں اس کے مصداق "اہل بیت" کو بیان فرماتے ہیں:

انّ اللهَ لم يَبعَث نبياً الا اختَار له نقيباً و رهطاً و بيتاً- فوَ الذى بَعثَ محمداً بالحقّ نبياً لَا ينقصُ مِن حقّنا اهل البيتِ احد الا نقصه اللهُ مِن عملِه وَلَا تكونُ عَلينَا دولة الا وَ تكُون العَاقبَة (۱)

امام حسن علیہ السلام حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد منبر پر جاتے ہیں اور ان کی امامت کو پیغمبر اسلام ﷺ کی تعیین کے عنوان سے فرماتے ہیں: — قد نَصبَه رسولُ الله (۲)

آپ پیغمبر ﷺ کی دو گرانقدر امانتوں "ثقلین" کی طرف اشارہ کرتے ہوئے واضح کرتے ہیں کہ یہ قرآن اور اہل بیت ہیں کہ جن کی اطاعت قرآن اور سنت پیغمبر ﷺ میں واجب شمار ہوتی ہے:

نَحنُ احدُ الثقلَين اللذَين خلّفَها رسولُ الله ﷺ— فَاطيعُونا فاِن طَاعتَنا مَفرُوضَة اذ كَانَت بطاعةِ الله وَ الرسولِ وَ أولِى الأمر مقرونة (۳)

حضرت مسجد کوفہ میں ایک خطبہ میں فرماتے ہیں:

يَا اهل الكُوفَة اتَقُو الله فينَا فانا أمرائكُم و نَحنُ اهل البيتِ الذى — (۴)

اے اہل کوفہ ہمارے بارے میں اللہ سے ڈرو ہم تمہارے امیر ہیں اور ہم اہل بیت وہ ہیں۔۔۔

حضرت جب اپنے لشکر میں نفاق کی بناء پر معاویہ سے صلح میں مجبور ہوئے تو فرماتے ہیں:

أنا أولى بِالناسِ فِى كتَاب اللهِ وَ مع لسانِ نبى الله (۵)

میں کتاب خدا اور فرمان نبی ﷺ کے مطابق لوگوں پر اولی ہوں۔

۱۔ مروج الذہب، ج ۳، ص ۱۱۔
۲۔ روضۃ سن، عقیدہ الشیعہ، ص ۸۴۔
۳۔ مروج الذہب، ج ۳، ص ۱۱۔
۴۔ سیر اعلام النبلاء، ج ۴، ص ۳۹۴؛ شواہد التنزیل، ج ۲، ص ۳۱۔
۵۔ کتاب سلیم بن قیس، ص ۲۵۹۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

امام حسین علیہ السلام منی میں اپنی قوم کے بزرگان کو جمع کر کے ان سے گواہی مانگتے ہیں کہ کیا ایسا نہیں تھا کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام کو غدیر خم کے دن مقام ولایت پر مقرر فرمایا:

أنشدكم الله أتعلَمون انّ رَسول اَلله نَصبَه يومَ غَديرِ خم فَنادى لَه بِالولَاية [1]

حضرت کربلا میں فرماتے ہیں:

نَحنُ اهل بيتِ محمدٍ أولى بوَلايةِ هذا الأمرِ عَليكُم مِن هؤلاءِ المدعين مَا لَيسَ لَهم وَ السَائرِينَ فيكُم بالجَور وَالعُدوان و ان أبيتم الّا كَراهيّة لَنا وَ الجَهل بِحَقّنَا [2]

چوتھا شبہہ) تعیین، امت میں تفرقہ کا باعث:

اہل سنت، امامت کی تعین کے انکار میں ایک اور دلیل یا شبہہ ان کے اپنے زعم کے مطابق اس کا نقصان دہ ہونا ہے، یعنی جب پیغمبر ﷺ کی طرف سے امامت اور حکومت کیلئے ایک خاص نص ہوتی، تو ایک گروہ موافق اور ایک گروہ ان کا مخالف ہوتا اور امت میں افتراق پیدا ہوتا اور یہ ہر چیز اسلام اور مسلمانوں کی مصلحتوں کے خلاف ہے۔

سیف الدین آمدی (متوفی ۶۳۱ق) تفرقہ اور تعین کے ضرر کی اس طرح تشریح کرتے ہیں:

الف: بعض لوگوں کا معین ہونے والے امام اور خلیفہ کی اطاعت نہ کرنے سے امت میں فتنہ اور اختلاف پیدا ہوتا ہے اور یہ دوسروں کو ضرور پہنچاتا ہے۔

ب: معین ہونے والا امام لوگوں میں سے ہے تو لوگوں پر اس شخص کی حکومت کہ جو ان کی مانند ہے، ایک قسم کی آمریت، جبر اور دوسروں کو ضرر پہنچانا ہے۔

ج: معین ہونے والا امام یا معصوم ہے یا غیر معصوم، پہلی صورت اہل سنت کے عقائد کے مطابق غیر ممکن ہے، جبکہ غیر معصوم امام میں کفر اور فسق کا احتمال پایا جاتا ہے اس صورت میں اگر اسے معزول نہ کیا جائے تو اس کے کفر یا فسق کا ضرر امت کو پہنچے گا اور اگر اسے معزول کیا جائے تو بھی فتنہ اور اختلاف لازم آئے گا[3]۔

---

[1] سابقہ ماخذ۔
[2] تاریخ کامل، ج ۴، ص ۷۴؛ تاریخ طبری، ج ۵، ص ۴۰۲؛ وقعۃ الطف، ص ۱۷۰۔
[3] آمدی، ابکار الافکار، ج ۳، ص ۴۲۰، ۴۲۱۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

بعض علماء اہل سنت تعین اور نصب کو تعین و نصب نہ کرنے سے مقایسہ کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ تعیین و منصوب کا ضرر اس کے نہ ہونے سے زیادہ ہے لہٰذا وہ اپنی نظر و عقیدہ کی تائید اور تاکید کرتے ہیں[1]۔

تجزیہ و تحقیق

اگرچہ ہم نے پہلے باب میں عقیدہ نصب اور تعیین کو دلائل اور شواہد سے ثابت کیا کہ یہ چیزیں بذات خود مندرجہ بالا شبہ کو کمزور کرتی ہیں۔ ہم یہاں مزید چند نکات کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

الف: حکم شرعی کی اتباع کا لازم ہونا

اس سے پہلے کہ مندرجہ بالا دعویٰ کے تجزیہ اور نقد کو شروع کیا جائے، اس نکتہ کی یاد آوری ضروری سمجھتے ہیں کہ ایک حقیقی مسلمان شخص کیلئے اپنے دینی اور شرعی احکام کو انجام دینے کی نسبت ضروری ہے کہ وہ مطیع اور تسلیم ہو اور انہیں اپنے مفادات کی نسبت سے پیمائش نہ کرے۔

بنابرایں اگر دینی اور شرعی تعلیمات کے مطالعہ سے اس نتیجہ تک پہنچیں کہ اللہ اور رسول ﷺ کی طرف سے کسی شخص مثلاً حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کے بارے میں تعیین اور نصب قرار پایا، تو واجب ہے اسے قبول کریں۔ پس اہل سنت کا یہ دعویٰ کہ تعیین اور نصب دوسروں کو ضرر دینے کا باعث ہے یہ بذات خود حقیقت بھی نہیں ہے، خود انہیں بھی حقیقی اہل سنت سے باہر کرتا ہے کہ چونکہ حقیقی سنی وہ ہے کہ جو کچھ نبی اکرم ﷺ فرمائیں اس کی اطاعت کرے۔

ب: تعیین اور نصب بہترین انتخاب

یہ جو دعویٰ ہوا ہے کہ رہبر اور خلیفہ کی تعیین اور نصب سے امت میں اختلاف پیدا ہوگا، یہ صرف دعویٰ ہے اور قانون نصب سے اس کا کوئی ملازمہ نہیں ہے، بالفاظ دیگر تعین کرنے والے اور معین ہونے والے دونوں کی طرف توجہ کرنی چاہیے، اگر منصوب کرنے والا اپنے نصب اور تعیین میں مقام امامت اور خلافت کیلئے تمام ضروری شرائط اور معیاروں کا لحاظ کرے اور منصوب کرنے والا بذات خود عالم، آگاہ اور امت کا خیر خواہ ہو اور امت بھی اس چیز پر ایمان رکھتی ہو، تو ایسے شخص کے نصب کا سب استقبال کریں گے، کیونکہ فرض یہ ہے کہ وہ مقام امامت و

---

[1]۔ شرح المواقف، ج۸، ص ۳۸۴۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

رہبری کی تمام جہات اور معاشرے کی ضرورتوں سے آگاہ ہے اور صرف امت اور دین کی مصلحتوں کا لحاظ رکھتا ہے، تو ایسی تعیین اور نصب امت اور مملکت کیلئے بھی مفید اور ایک ضروری امر قرار پائے گا۔

پس نہ صرف یہ کہ تعیین اور نصب سے امت کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا، بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ مندرجہ بالا فرض میں امت کی مصلحت بھی نصب اور تعین کو قبول کرنے میں ہے۔

ہاں اگر نصب اور تعیین کرنے والا امت کی مصلحتوں کا ملاحظہ کرنے کی بجائے اپنی مصلحت، اپنے خاندان، قوم اور قبیلہ کی مصلحت کا لحاظ کرے تو معین اور منصوب ہونے والا شخص بھی بہتر انتخاب نہ ہوگا۔ اس صورت میں آراء و نظریات کا اختلاف، تفرقہ اور جھگڑے کا امکان موجود رہے گا اور اگر کسی دلیل کی بناء پر (خواہ جبر و اکراہ یا لوگوں کا حقائق سے مطلع نہ ہونے کی بناء پر) لوگ اس شخص کو قبول نہ کریں، تو یہ نہ صرف لوگوں کے حقوق میں ضرر و نقصان کا باعث ہوگا بلکہ دین کو نقصان پہنچانے کا باعث ہوگا۔

اس تمہید کے ساتھ اہم اہل سنت سے سوال کرتے ہیں اگر پیغمبر اسلام ﷺ کسی خاص شخص کو امامت و خلافت کے مقام پر انتخاب کریں (جیسا کہ انہوں نے انتخاب کیا ہے)، آیا آپ لائق، شایستہ اور بہت صفات کے مالک شخص کو معین اور نصب کریں گے؟ یا نعوذ باللہ امت و دین کی مصلحتوں کی بجائے اپنی ذاتی اور قبیلہ کی مصلحتوں کا لحاظ کرتے ہوئے معین کریں گے؟

ہر مسلمان پہلے فرض کو بعنوان جواب پیش کرے گا، اس فرض میں منتخب شخص، تنہا وہ شخص ہے کہ معاشرے کی رہبری کی صلاحیتوں سے مالا مال ہے، ایسے شخص کو قبول کرنا آیا نقصان و ضرر کے ساتھ ہے یا لوگ کہ پیغمبر اکرم ﷺ کے علم اور خیر خواہی پر علم و ایمان رکھتے ہوئے اس کے انتخاب کو بہترین انتخاب قرار دیں گے اور جان و دل کے ساتھ اس کی حمایت کریں گے۔

جی ہاں ممکن ہے بعض ایسے بھی ہوں کہ جو اس معین شخص کے مخالف ہوں، اس کی شخصیت کو خراب کرنے کی کوشش کریں اور نامعقول بہانوں سے اس کی صلاحیت کو مورد سوال قرار دیں، جیسا کہ حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں ایسا ہوا تھا اور یہ کہا گیا تھا کہ علی جوان ہیں اور رہبری کی صلاحیت نہیں رکھتے، یا شوخ طبع ہیں یا قریش انہیں قبول نہیں کریں گے (وہ تمام بہانے کہ جن کا گذشتہ صفحات میں ذکر ہوا ہے) تو اس صورت میں کہ معین شخص کو چھوڑ دیا گیا ہے، ممکن ہے کہ صلاحیت و شایستگی سے محروم افراد حکومت پر پہنچیں یا امت میں اختلاف

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

اور جھگڑا پیدا ہو۔ لیکن یہ خطرہ اور ضرر نصب اور تعیین سے نہیں بلکہ مفاد پرست افراد کی سازشوں سے پیدا ہوگا اور نصب اور تعیین سے اس کا کوئی ربط نہیں ہے۔

ہمارے اس جواب یعنی تعیین اور نصب بہترین انتخاب ہے اور تعیین و نصب نہ کرنے سے اختلاف اور تفرقہ پیدا ہوتا ہے، بو علی سینا کی مانند فلاسفہ نے بھی صراحت کی ہے، وہ ان دو صورتوں یعنی نصب اور تعین یا انتخاب کی طرف اشارہ کرنے کے بعد تحریر کرتے ہیں:

الأِستِخلافُ بِالنص اَصوَب فانّ ذلکَ لَا یؤدی اِلَی التّشَعبِ وَ التشاغُبِ وَ الاِختِلَافِ[1]

ج۔ انتخاب میں خطا کا امکان

پچھلے صفحات سے واضح ہوا ہے کہ اگر منصوب اور معین کرنے والا شخص جامع شخصیت، تمام امور کا عالم، امت کا خیر خواہ اور اجتماعی تاثیر کا حامل ہو، تو لوگ اس کی تعیین سے فائدہ اٹھائیں گے۔ لیکن لوگوں یا کسی گروہ یا شوریٰ کے ذریعے منتخب ہونے والے رہبر کے بارے میں یہ احتمال موجود ہے کہ انہوں نے اپنی تعیین اور انتخاب میں مختلف وجوہات کی بناء پر خواہ وہ عمدی ہوں یا سہوی، خطا کی ہو، تو اس صورت میں ایک ناشایستہ اور ضروری شرائط سے خالی شخص کو لوگوں پر مسلط کرنا ہے کہ جو امت کو سیاسی، معاشرتی، اقتصادی اور سب سے اہم دینی مسائل اور مشکلات میں ڈال دے گا (لوگوں کی طرف سے انتخاب "ڈیموکریسی" کی بحث پر مفصل اعتراضات کی بحث دوسرے باب میں امامت اور ڈیموکرسی کی تعریفوں میں گذر چکی ہے)۔

بالفاظ دیگر اگر ہم دو صورتوں یعنی عمومی انتخاب اور کسی خاص شرائط کے ساتھ شخصیت کا انتخاب (کہ منصوب اور نصب کرنے والے ہر دو جامع ہوں) کو آپس میں مقایسہ کریں اور ان کے ضرر و خطرہ کو جاننا چاہیں، تو ہم پر واضح ہوگا کہ سیاسی اور معاشرتی اختلافات اور جنگ و جدال کا امکان اس وقت کہیں زیادہ ہوگا کہ جب رہبر کا انتخاب نصب سے ہٹ کر لوگوں یا کسی خاص گروہ کے ذریعے ہو، کیونکہ ہر قوم و قبیلہ اور علاقہ والے اپنے درمیان سے رہبر کا انتخاب کرنا پسند کریں گے، اس کے علاوہ رہبری کیلئے مناسب فرد اور شرائط کی تشخیص بذات خود اختلافات کا موجب ہے، جبکہ اس قسم کے اختلافات نصب کی صورت میں پائے نہیں جاتے، کیونکہ فرض یہ ہے کہ سب کے سب نصب کرنے والی کی شخصیت پر عقیدہ اور ایمان رکھتے ہیں اور اس کے نصب کو بھی قول کرلیں گے۔

---

[1]. الٰہیات شفا، ص ۴۵۱

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

د۔ حضرت علیؑ کا تحمل لوگوں میں اتحاد کو باقی رکھنے کا سبب

کہا جاچکا ہے کہ نصب کی صورت میں انتخاب کی نسبت اختلافات کہیں کم ہیں، شاید یہاں یہ سوال ذہن میں پیدا ہو کہ پیغمبر اعظم ﷺ کی رحلت کے بعد خلیفہ اول کا انتخاب نصب کے ذریعے انجام نہیں پایا بلکہ سقیفہ کی شورای کے ذریعے انہیں منتخب کیا گیا، اس کے باوجود اسلامی معاشرے میں کسی قسم کا اختلاف اور تنازع کھڑا نہ ہوا۔

اس شبہ کے جواب میں کہیں گے کہ سقیفہ کی شوریٰ کی تشکیل کے آغاز سے ہی اختلافات بھی پیدا ہوگئے تھے، انصار نے اپنے درمیان سے ایک خلیفہ کو انتخاب کیا اور مہاجرین (ابو بکر و عمر) کے اصرار کے مد مقابل ان میں سے بعض نے اعلان کیا کہ ہر شہر والے اپنے درمیان میں سے امیر اور رہبر کا انتخاب کریں، ابو بکر کی گفتگو کے بعد انصار کا ایک گروہ ان سے بیعت کرتا ہے کہ جبکہ ایک دوسرا گروہ حضرت علی علیہ السلام کے پیروکاروں میں شامل ہوتا ہے اور ان کی خلافت کی حمایت کرتا ہے۔ انصار کے علاوہ کچھ اور صحابہ مثلاً ابن عباس، مقداد اور سلمان حضرت علی علیہ السلام کی حمایت میں باقی رہتے ہیں۔

تو یہاں اختلاف بلکہ اسلامی معاشرے میں ایک خونی جنگ کا احتمال موجود تھا کہ جس کے ایک طرف ابو بکر اور ان کے حامی لوگ اور دوسری طرف آنحضرت کے منصوب شخص کے عنوان سے حضرت علی علیہ السلام اور ان کے شیعہ تھے، لیکن جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بھی اشارہ ہوا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام امت اسلامی کے اتحاد اور دشمنوں اور منافقوں کے ہاتھوں سے سنہری موقعہ چھینتے ہوئے حکومت کا مقابلہ کرنے سے چشم پوشی کرتے ہیں اور اپنے مسلم حق پر اسلام و مسلمین کے مفادات کو ترجیح دیتے ہیں۔

پس یہ کہ پہلے تین خلفاء کے پچیس سالہ دور حکومت میں مسلمانوں کے درمیان اندرونی جنگ کی حالت پیدا نہ ہوئی، تو اس کی ایک اہم وجہ حضرت علی علیہ السلام کا کردار اور ان کا اپنے حق سے چشم پوشی کرنا ہے۔ اس کے علاوہ نہ صرف یہ کہ حضرت نے اپنے حق سے چشم پوشی کی بلکہ ضروری مقامات پر اسلام اور امت اسلامی کے استحکام کے لیے ان خلفاء سے تعاون بھی کیا ہے۔

ھ۔ نقضی جواب (پہلے اور دوسرے خلیفہ کا نصب اور تعیین)

اہل اسنت اس بہانے سے کہ پیغمبر ﷺ کے ذریعے خلیفہ منصوب ہونے سے مشکلات اور مسائل پیدا ہوتے ہیں، یہ کوشش کرتے ہیں کہ خلیفہ اول کی خلافت بغیر کسی نصب اور تعیین کے اور شرعاً جائز ظاہر

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

کریں، لیکن پہلے دو خلیفوں کے انتخاب سے ان کی اساس ٹوٹ چکی ہے، ابو بکر اپنے بعد عمر کو خلافت پر معین کرتے ہیں اور عمر بھی چھ افراد پر مشتمل ایک شوریٰ کا انتخاب کرتے ہیں جو خود بھی ایک طرح سے نصب ہے کہ جس کا نتیجہ عثمان کی حکومت کیلئے تعیین اور انتخاب تھا۔ (اس چیز کی مکمل وضاحت اور دلائل حضرت علی علیہ السلام کی چھ افراد پر مشتمل شورای میں شرکت کے سبب کی بحث میں گذر چکی ہے)۔

اہل سنت اس عنوان سے کہ نصب سے مشکلات پیدا ہوتی ہیں، پیغمبر ﷺ کے نصب کو رد اور انکار کرتے ہیں، یہاں ضروری ہے کہ اس سوال کا جواب دیں، کیوں مندرجہ بالا دو خلیفوں نے نبی اکرم ﷺ کی سیرت اور روش کو آگے نہیں بڑھایا؟ ان کے اپنے دعوی کے مطابق نصب سے اس قدر مسائل اور مشکلات پیدا ہوتی ہیں تو کیوں شیخین نے نصب اور تعیین والا کام کیا؟

ان سوالوں کا جواب اہل سنت کیلئے آسان نہیں ہے مگر یہ کہیں کہ (نعوذ باللہ) پہلے دو خلیفہ ایسے لائق اور باصلاحیت فرد کی تشخیص پر قادر تھے کہ جسے منصوب کرنے سے مسائل اور مشکلات پیدا نہیں ہوتی تھیں۔

میرا خیال نہیں ہے کہ اہل سنت اس قسم کا جواب دیں اور اپنے خلفاء کی شخصیت کو نبی اکرم ﷺ کی شخصیت سے بلند توصیف کریں، اس کے علاوہ اس سے یہ نکتہ بھی ملتا ہے کہ بذات خود نصب اور تعیین سے ضرر اور تفرقہ پیدا نہیں ہوتا، حالانکہ یہ لوگ سب سے پہلے نصب اور تعیین کو مطلق صورت میں ضرر اور نقصان کے مساوی قرار دیتے ہیں۔

و۔ آمدی کا جواب

گذشتہ مطالب سے "سیف الدین آمدی" کے تین فرضیوں کا ضعف اور بطلان واضح ہوتا ہے۔ پہلا فرض یہ کہ بعض لوگوں کے معین اور منصوب امام کے انکار سے امت میں فتنہ پیدا ہوتا ہے، اس کا جواب تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔

دوسرا فرض یہ کہ معین اور منصوب امام کی امامت و خلافت اپنی نوع کے لوگوں پر زبردستی اور آمریت ہے، اس کے جواب میں کہیں گے کہ نبی اکرم ﷺ کے ذریعے امام کا نصب اور معین ہونا دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے منصوب اور معین ہونا ہے کہ جو لوگوں کا خالق ہے اور وہ اپنی مخلوق پر قانون اور حاکم معین کر سکتا ہے اور یہ حاکمیت میں توحید کی بحث سے مربوط ہے کہ جس میں کسی قسم کا کوئی خدشہ نہیں ہے۔ جہاں تک تعلق ہے مخالف کا

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

فرضیہ یعنی بیعت کے ذریعے حاکم کا انتخاب، تو یہ کہیں گے کہ سب سے پہلے بات یہ ہے کہ: اکثریت کا حاکمیت میں شخص واحد پر اتفاق یا ڈیموکریسی اکثر ممالک میں وجود ہی نہیں پاتی، کیونکہ انتخابات میں وہ نصف عوام کہ ووٹ دینے کی شرائط رکھتی ہیں، شرکت کرتی ہے اور ان کے ووٹ بھی تقسیم ہوتے ہیں اور نتیجہ میں کامیاب ہونے والے حاکم کے ووٹ آدھے سے بھی کم ہوتے ہیں، تو یہ حاکم کسی طرح اکثریت پر یا تمام لوگوں پر حکومت کر سکتا ہے آیا یہ آمریت اور زبردستی نہیں ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ اگر ہم یہ قبول بھی کرلیں کہ منتخب حاکم کو اکثریت کی آراء اور ووٹ حاصل ہوئے ہیں، تو کس دلیل اور اساس کی بناء پر اس کا حکم اور رائے اقلیت پر حاکم اور نافذ ہے؟ ہم ڈیموکریسی کی کمزوریاں اور نقائص کا اس سے پہلے امامت اور ڈیموکریسی کی بحث میں تذکرہ کر چکے ہیں۔

آمدی کے تیسرے فرض کے بارے میں یہ کہیں گے کہ شیعہ امام کی عصمت کے قائل ہیں اور اسے ان دلائل سے ثابت کرتے ہیں کہ جو بیان ہونگے. لیکن غیر معصوم امام کے فرض کے پیش نظر یہ کہیں گے کہ آمدی کا یہ اعتراض خود ان کے نظریہ پر بھی وارد ہے کہ وہ امام اور خلیفہ میں عصمت کو شرط نہیں جانتے، اگر خلفاء کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ ان کے عصمت نہ رکھنے کی بناء پر دین میں کس قسم کے انحرافات اور بدعات پیدا ہوئی ہیں، کہ ان میں بعض پر حضرت علی علیہ السلام نے اشارہ فرمایا ہے کہ پچھلے صفحات میں ہم ان کا اجمالی تذکرہ کر چکے ہیں۔

پانچواں شبہہ: نصب کا مشہور نہ ہونا

اہل سنت کا ایک قدیمی اور مشہور شبہہ یہ ہے کہ اگر پیغمبر ﷺ کی طرف سے حضرت علی علیہ السلام کی امامت پر کوئی حدیث اور نص ہوتی، تو وہ صدر اسلام کے مسلمانوں کے نزدیک مشہور و معروف ہوتی اور بعد والی نسلیں بھی اسے بیان کرتیں، اب چونکہ اس قسم کی شہرت یا قدیم علماء کی تعبیر کے مطابق "نص جلی" موجود نہیں ہے، تو اس سے ایسا نہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔

اس شبہہ کو بیان کرنے والے اس قسم کی جلی نص کے نہ ہونے کی تائید میں اضافہ بھی کرتے ہیں کہ اگر فرض کریں ایسی نص موجود ہوتی تو اس صورت میں اس کا منکر کافر اور اس کے نتیجہ میں اصحاب نبیؐ کا کافر ہونا لازم آتا ہے[1]۔

---

[1]۔ شرح الاصول الخمسہ، ص ۷۶۲، عبد القاہر بغدادی، کتاب اصول الدین، ص ۱۴۸؛ آمدی، غایت المرام فی علم الکلام، ص ۳۱۹؛ جوینی، کتاب الارشاد، ص ۳۵۴، شرح المقاصد، ج ۳، ص ۴۹۱؛ شرح المواقف، ج ۸، ص ۳۸۶۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

تجزیہ اور تحقیق

اس شبہ کی تحقیق میں مندرجہ ذیل نکات قابل توجہ ہیں:

الف: بعض صحابہ کی طرف سے نص کی توجیہ ہونا

اگر ہم قبول کریں کہ یہ دعویٰ صحیح ہو کہ اگر پیغمبر ﷺ کی طرف سے حضرت علی علیہ السلام کی امامت کیلئے کوئی نص ہوتی اور وہ بھی بار بار بیان ہوتی تو سب کو معلوم ہوتی، تو کہیں گے شیعہ کا دعویٰ ہے کہ اصحاب اس نص سے آگاہ تھے اور وہ امامت کی نصوص کو دیکھنے کے بعد اس کی توجیہ اور تاویل میں پڑ گئے کہ پچھلے صفحات میں ان کی تاویلات کو تفصیل کے ساتھ ہم نے مورد تحقیق و تجزیہ قرار دیا۔

پس نص موجود تھی اور سب کو معلوم اور مشہور تھی لیکن اہل سنت اس کی تاویل اور توجیہ میں پڑ گئے ہیں۔

ب: مخفی رکھنے کا امکان

احتمال ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی طرف سے حضرت علی علیہ السلام کی امامت پر نص ہونے کے باوجود یہ چیز صدر اسلام کے اکثر لوگوں کیلئے مخفی ہو اور یہ مخفی ہونا کوئی محال چیز نہیں ہے، کیونکہ اس کی مثالیں بھی ہیں مثلاً نبی اکرم ﷺ کا کیسے وضو کرنا اور دیگر بعض فقہی احکام کہ شیعہ اور سنی ہر دو ان میں خاص رائے کا دعویٰ رکھتے ہیں یا خود اہل سنت کے فقہی مکاتب بھی نبی اکرم ﷺ سے منسوب بعض فقہی احکام میں مختلف نظر کے حامل ہیں۔

مندرجہ بالا دعویٰ کی خلیفہ اول اور دوم کی طرف سے حدیث نبوی کی کتابت سے منع کرنے والی رائے کے ذریعے تائید ہوتی ہے، خلیفہ اول مختلف بہانوں کے ساتھ احادیث نبوی کو نقل کرنے سے مانع ہوتے تھے، ان کی اہم ترین دلیل مشہور نعرہ "حسبنا کتاب اللہ" تھا، حالانکہ اسی کتاب نے ہی دین کی تفسیر و تشریح کو نبی اکرم ﷺ کے سپرد کیا تھا ...لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ ...[1]

خلیفہ دوم نے احادیث نبوی کو جمع کرنے اور انہیں آگ لگانے کا حکم دیا اور اس مسئلہ میں اس حد تک سختی سے کام لیا کہ بعض محدثین مثلاً ابن مسعود، ابودرداء اور ابو مسعود انصاری کو قید خانہ میں ڈال دیا[2]۔

---

[1] نحل آیت ۴۴۔

[2] رجوع کریں: شمس الدین ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۲ تا ۷؛ متقی ہندی، منتخب الکنز (حاشیہ مسند احمد، ج ۳، ص ۶۴ میں درج)۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

یہی روش بعد کے دور میں بھی شدت سے جاری رہی، معاویہ نے گورنروں کے نام ایک خط میں حکم صادر کیا کہ جو بھی حضرت علی علیہ السلام اور اہل بیت علیہم السلام کی فضیلت میں کوئی حدیث نقل کرتا ہے اس کا خون مباح ہے[1]۔

ان حالات میں آیا یہ توقع رکھی جاسکتی تھی کہ اہل سنت کے ماخذ میں امامت و خلافت کی احادیث شہرت و کثرت کے ساتھ نقل ہوں؟

پس اکثریت پر ایک چیز کا مخفی ہونا اس کے منطقی اعتبار سے نفی اور نہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔

تاریخ کی طرف رجوع سے یہ احتمال مضبوط ہوتا ہے، جیسا کہ سقیفہ کے واقعہ کے بعد حضرت علی علیہ السلام، بعض انصار مثلاً بشیر بن سعد کو اپنی امامت کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کی نصوص یاد دلاتے ہیں اور ان سے اپنی بیعت کا تقاضا کرتے ہیں، تو جواب میں یہ سنتے ہیں کہ اگر یہ نصوص پہلے ہمیں یاد لاتے تو ہم آپ کی بیعت کرتے[2]۔

ج۔ مسئلہ امامت میں سیاسی مقاصد کا وجود

پچھلے نکتہ میں اشارہ ہوا ہے کہ عبادت و تعبد کے مسائل مثلاً نبی اکرم ﷺ کے وضو کی کیفیت میں مختلف آراء موجود ہیں، حالانکہ حضرت لوگوں کی نظروں کے سامنے وضو انجام دیتے تھے۔ مخفی رکھنے کے احتمال کے ساتھ ساتھ اس چیز کا اضافہ بھی ہونا چاہیے کہ اگر مورد اختلاف مسئلہ یا نص ایک سیاسی اور دنیاوی مسئلہ بھی ہو، تو وہ بہت سے افراد بلکہ قبائل یا مناطق کے اہم اساسی سیاسی اور معاشرتی مفادات سے بھی وابستہ ہے تو اس صورت میں مخفی رکھنے کا احتمال اور اس کا دفاع بھی بڑھ جائے گا۔

واضح سی بات ہے کہ خلافت اور حکومت کے مسئلہ میں یہ کہ کونسے شہر یا قبیلہ سے یا کون سا شخص ہو، تو یہ چیز خاص گروہ کیلئے بے شمار امتیازات اور فوائد کی حامل ہوگی، لہٰذا اس طرح کے مسئلہ میں نص کا انکار اور اسے اپنے حق میں تاویل کرنا بہت زیادہ احتمال رکھتا ہے۔

اس کے علاوہ جب ایسی حکومت قائم ہو جائے کہ جو امامت کے مسئلہ میں نص اور تعیین نہ ہونے کا دعویٰ رکھتی ہو، تو اکثر راوی اور محدثین وقت کی حکومت کے خوف سے حقائق کو نقل کرنے کی جرات نہیں رکھیں گے، لہٰذا نص والی بات کے مخفی رکھنے میں بہت سے مقاصد اور مفادات وابستہ تھے۔

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۳، ص ۱۵، ۱۶۔
[2] سابقہ ماخذ، ج ۶، ص ۱۲، ۱۱۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

د۔ حضرت علیؑ اور بعض اصحاب کا نص کے بارے میں اعتراف

آخری نکتہ یہ کہ اہل سنت جو صحابہ کی عدالت کا حکم دیتے ہیں، وہ حضرت علی علیہ السلام اور بعض دیگر اصحاب مثلاً ابوذر، سلمان، ابن عباس، ابو ایوب انصاری، عمار یاسر، خزیمہ، ابی بن کعب اور عثمان بن حنیف وغیرہ کے بارے میں کیا حکم دیں گے کہ جو بار بار امامت کے منصوب اور معین ہونے پر تاکید کرتے تھے، پچھلے صفحات میں حضرت علی علیہ السلام کہ جنہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حق و عدالت کا معیار قرار دیا ہے ان سے امامت کی نص کے بارے میں احادیث و روایات بیان ہوئی ہیں، جبکہ نصب کے حوالے سے اصحاب کی نصوص کو بعد والے صفحات میں بیان کریں گے۔

ضروری ہے کہ اہل سنت اپنا نظریہ واضح کریں کہ آیا حضرت علی علیہ السلام اور دیگر اصحاب کے نص کے بارے میں دعوے درست اور حقیقی ہیں یا نہیں؟

اگر یہ بات حقیقی اور سچی ہے تو شیعہ کا دعویٰ ثابت ہوتا ہے اگر نعوذ باللہ یہ بات حقیقی نہ ہو تو آیا معاذ اللہ وہ سچ نہیں کہتے تھے؟ تو یہ بات اہل سنت کی صحابہ کی عدالت کے بارے میں عقیدہ سے کیسے سازگار ہو گی؟

جی ہاں اہل سنت ان سوالوں کے جواب میں آخر کار توجیہ و تاویل کریں گے اور ہم ان توجیہات کا تجزیہ کرتے ہوئے کہہ چکے ہیں کہ یہ صرف توجیہ ہیں نہ کہ مسئلہ اور مشکل کا حل، یہ سب کچھ نص کے مد مقابل اجتہاد ہے اور اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ ان چار خلفاء میں ایک وحدت پیدا کریں جو کہ ان کے لیے بذات خود مفید ہو گی لیکن یہ علمی اساس سے بے بہرہ ہے۔

و۔ امامت و خلافت میں تفکیک و جدائی

ایک ظریف نکتہ جس پر خصوصی توجہ کی ضرورت ہے وہ امامت کی جہات کے بارے میں بحث ہے۔ ہم نے امامت کی تعریف میں اس کی مختلف جہات مثلاً علمی و دینی مرجعیت اور معنوی و سیاسی اور اجتماعی ولایت کی طرف اشارہ کیا ہے، اگر فرض محال امامت کی نص اور نصب کے مخفی ہونے کے دعوی کو بھی قبول کر لیں تو یہ امامت کی سیاسی و اجتماعی جہات یعنی حکومت و خلافت میں منحصر ہو گا۔ لیکن امامت کی دیگر اہم ترین جہت یعنی ان کی علمی و دینی مرجعیت (کہ جو آج بھی پیش پیش ہے اور سب مسلمان اس طرف توجہ رکھتے ہیں) کے بارے بہت سی

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

متواتر نصوص مثلاً فریقین کے ماخذ میں حدیث ثقلین وارد ہوئی ہے کہ جس کا انکار یا توجیہ نہیں کی جاسکتی (پچھلے صفحات میں دینی و علمی مرجعیت کی روایات اور ان کی حجیت کی بحث گزر چکی ہے)۔

لہٰذا اہل سنت اور نص کے منکر لوگ زیادہ سے زیادہ امامت کا خلافت و حکومت کے معنی میں نصب نہ ہونے کا دعوی تو کر سکتے ہیں، لیکن انہیں امامت کو علمی و دینی مرجعیت اور ولایت معنوی کے معنی میں انکار نہیں کرنا چاہیے اور آج حضرت علی علیہ السلام کی علمی اور عملی سیرت کو حق کا معیار اور ایسی حجت جانیں اور اس سے تمسک کریں، کیونکہ ان کے ماخذ اس قسم کی نصوص سے بھرے ہوئے ہیں۔ اس افق سے جب ہم امامت کی طرف دیکھتے ہیں تو شیعہ و سنی میں حضرت علی علیہ السلام کی سیرت سے تمسک اور اس کی حجیت میں اتفاق رائے ہونی چاہیے اور ان کا اختلاف صرف حضرت علی علیہ السلام اور دیگر خلفاء کی حکومت کے مسئلہ میں ہے کہ جس کا آج عملی ثمرہ نہیں ہے، اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ بعض شیعہ مراجع مثلاً آیت اللہ بروجردی (ان کے بعض شاگردوں کے بقول) غدیر کی نسبت حدیث ثقلین کی طرف (علمی و دینی مرجعیت کی اساس پر) زیادہ توجہ رکھتے تھے[1]۔

و۔ عدم شہرت اور عدم وجود کا لازم و ملزوم نہ ہونا

اگر ہم قبول کرلیں کہ حضرت علی علیہ السلام کی امامت پر نص اور نصب مشہور نہیں تھا تو بھی اس سے حضرت کی عدم امامت ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ اگر ہم آیات اور احادیث نبوی کو حجت اور معتبر جانیں، تو محض ان روایات کے صدور خواہ وہ ایک ہی کیوں نہ ہو اور مشہور نہ ہو اسے معتبر اور حجت شرعی و الٰہی قرار دیں گے، یہ جو اہل سنت کہتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کا منصوب ہونا مشہور نہیں تھا، صرف ایک بہانہ ہے، وہ دیگر امور میں تو تمام احادیث نبویؐ خواہ وہ ضعیف کیوں نہ ہوں عمل کرتے ہیں مثلاً مستحبات میں، لیکن جب امامت کی نوبت آتی ہے تو اس وقت انہیں روایات میں فرق نہیں رکھنا چاہیے۔

ز۔ ترک نص کفر کے ساتھ ملازم نہیں

اس کے منصوص اور مشہور نہ ہونے پر اہل سنت کی ایک اہم دلیل اپنے آپ کو صحابہ کی تکفیر سے بچانا ہے۔ اس حوالے سے پہلی ضروری بات یہ ہے کہ اگر واقعی طور پر نصب موجود تھا تو پھر حقیقت سے فرار نہیں کرنا

---

[1] محمد واعظ زادہ خراسانی، مجلہ کتاب نقد، تابستان، ۱۳۸۰، ش ۱۱۹، ص ۲۷، مجلہ نہج البلاغہ، ش ۴و۵، ص ۱۹۴؛ ندای وحدت، ص ۲۵۱ اور اس کے بعد۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

چاہیے اس کے ضروری متعلقات کا بھی لحاظ کرنا چاہیے۔ اب یہ کہ ایک خاص گروہ نے نص پر عمل نہیں کیا تو یہ نص نہ رکھنے یا مشہور نہ ہونے پر دلیل نہیں ہو سکتا۔

دوسری بات یہ کہ: ہر دو چیز یعنی نص اور شہرت کا قائل ہونے کے ساتھ ساتھ صحابہ کو کافر نہ قرار دینے میں باہمی جمع ہو سکتی ہے، اس طرح کہ صحابہ نے نص کے وارد ہونے کا علم رکھنے کے ساتھ ساتھ اس کا انکار نہیں کیا بلکہ اس کی توجیہ کی، جیسا پچھلے بعض صفحات میں گزر چکا ہے، ان توجیہات کی تفصیل پانچویں باب "نصب کی توجیہات" میں ذکر ہو گی۔

تیسرا یہ کہ: شیعہ نص کے وارد ہونے میں بہت سی آیات اور متواتر روایات کو مختلف اسناد کے ساتھ فریقین کے طریق سے نقل کرتے ہیں کہ جو نص کے مشہور نہ ہونے کے دعویٰ کو باطل قرار دیتی ہیں کہ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

چھٹا شبہہ: سقیفہ میں بیعت کرنا

اہل سنت کا اپنے نظریہ (یعنی نبی کے ذریعے نصب نہ ہونا) پر ایک دلیل اور شاہد مسلمانوں اور انصار کا واقعہ سقیفہ اور ابو بکر کی خلافت کی حمایت میں اجماع کرنے کا دعویٰ ہے، اگر نبی اکرم ﷺ کی طرف سے حضرت علی علیہ السلام کیلئے کوئی نص یا نصب ہوتا تو سب کے سب مسلمان اس سے آگاہ ہوتے، تو پھر کیوں انہوں نے اس شرعی حکم بالفاظ دیگر نبی اور ان کے حکم کی حمایت نہیں کی بلکہ اس کے برعکس سقیفہ کے امیدوار یعنی ابو بکر کی حمایت کی ہے اور اس کی بیعت کی ہے؟

اہل سنت مزید کہتے ہیں کہ یہ بات نص نہ ہونے کے نظریہ کو مستحکم کرتی ہے[1]۔

لیکن یہ کہ ہم قبول کریں کہ ایسا اجماع واقع ہوا تھا تو آیا یہ اجماع اور اتفاق حجت اور معتبر ہے؟ اہل سنت اس اجماع کو معتبر ثابت کرنے کیلئے حدیث نبوی لَا تَجتمع امَّتی عَلی الخَطاء سے تمسک کرتے ہیں۔

تحقیق و تجزیہ

یہ شبہہ بھی نص کے مشہور نہ ہونے کے شبہہ کی مانند ہے کہ ان دونوں میں گویا دعویٰ یہ ہے کہ نص مشہور نہ تھی، لیکن ہم نے نص کے مشہور نہ ہونے والے شبہہ پر نقد میں چند نکات کی طرف اشارہ کیا ہے:

---

[1]۔ ابو الحسن اشعری، الابانۃ، ص ۱۲۵، ۱۲۶؛ ابن حزم، الفصل، ج ۳، ص ۱۵؛ شرح المواقف، ج ۸، ص ۳۸۶، ۳۸۵؛ شرح المقاصد، ج ۳، ص ۴۹۱؛ ابکار الافکار فی اصول الدین، ج ۳، ص ۴۲۸؛ شیخ الازہر سلیم بشری۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

(۱) نص کا علم اور اس کی توجیہ (۲) مخفی رکھنے کا امکان (۳) مخفی رکھنے میں یا انکار کرنے میں سیاسی مقاصد (۴) حضرت علی علیہ السلام اور بعض صحابہ کا نص کے بارے میں اعتراف اور احتجاج۔

پس یہ دعویٰ کرنا کہ خود لوگوں کی ایک خاص خلیفہ کی حمایت نص کے نہ ہونے پر دلالت کرتی ہے، یہ منطقی جہت اور بیرونی حقائق کے اعتبار سے آپس میں مطابقت نہیں رکھتے، کیونکہ ممکن ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے لیے ایک نص موجود ہو، لیکن لوگ یا ایک دوسرا گروہ خاص وجوہات کی بناء پر ایک اور شخص کے انتخاب کے لیے حمایت کریں۔ یہاں بعض وجوہات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

الف: سقیفہ کی تشکیل میں عجلت اور اس کا جائز نہ ہونا

وہ بیعت یا اجماع قابل قبول اور مورد توجہ ہے کہ جس کی اساس ملت کے دانشور اور برجستہ طبقہ سے معاشرتی موضوع کی مختلف جہات میں مشورہ اور انکا غور و خوض شامل ہو، لیکن وہ اجماع اور بیعت کہ جو عجلت اور ایک دم واقع ہو، عقل اور عقلاء کی نظر میں مورد سوال و اعتراض قرار پائے گا۔

خلیفہ اول کے حوالے سے جس اجماع اور بیعت کا اہل سنت دعویٰ کرتے ہیں، وہ مورخین کے نقل و حکایت کے مطابق یہ ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے ساتھ ہی انصار "سقیفہ" نامی جگہ پر جمع ہوتے ہیں اور اپنے لیے ایک خلیفہ کا انتخاب کرتے ہیں کہ یہ خبر عمر تک پہنچتی ہے، وہ فوراً ابو بکر کو مطلع کرتے ہیں اور فوراً دونوں انصار کے اس فیصلہ کا مقابلہ کرنے کے لیے سقیفہ تک پہنچتے ہیں، مورخین کے مطابق مہاجرین میں سے یہ دونوں اور ابو عبیدہ بن جراح فقط وہاں موجود تھے۔ ایسے وقت، جگہ اور فضا میں انہوں نے فیصلہ کیا کہ ابو بکر مسند خلافت پر قرار پائے۔

یہاں سوال یہ ہے کہ آیا ایسا فیصلہ اور کام امت کی برجستہ اور ممتاز شخصیات مثلاً علی، سلمان، ابوذر، مقداد، ابن عباس اور زبیر کے مشورہ کے بغیر معقول تھا؟ اسے اجماع اور سب کی بیعت کے عنوان سے تعبیر کر سکتے ہیں؟

اب یہ کہ بعد میں لوگوں نے خلیفہ اول کی بیعت کی، ایک اور بحث ہے، لیکن سوال سقیفہ کے پروگرام اور فیصلہ کے منطقی اور جائز ہونے کے بارے میں ہے کہ جو امت کی بلند پایہ شخصیات مثلاً حضرت علی علیہ السلام کہ جو دوسری طرف مسئلہ کے فریق اور محور تھے ان کی غیر موجودگی میں انجام پایا۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

حضرت علیؑ کا سقیفہ پر اعتراض

حضرت کا خصوصی مقام بالخصوص ان کی عدالت اہل سنت کے نزدیک اور عصمت شیعوں کے نزدیک ثابت ہے۔ آپ کئی مقامات پر سقیفہ کے جواز پر اعتراض کرتے ہیں، ایک جگہ پر ابو بکر کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں: تم کس طرح شوریٰ کے ذریعہ خلیفہ منتخب ہوئے حالانکہ اصلی مشورہ دینے والے اس میں غائب تھے:

وَ ان کُنتَ بالشوری مَلکتَ امورَهم فَکیفَ بهذَا وَالمشیرُون غُیّب (۱)

حضرت ایک اور مقام پر ابو بکر کی اس دلیل کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ جس میں اس نے اپنی حکومت کے اسباب فراہم کرنے کے لیے خلیفہ کے انتخاب کو قریش اور نبی اکرم ﷺ کی قوم سے ہونا لازمی قرار دیا تھا، تو حضرت فرماتے ہیں:

احتجوا بالشجرة و اضاعو ا الثمرة (۲)

انہوں نے درخت کے ساتھ حجت قائم کی اور پھل کو ضائع کر دیا۔

ایک اور جگہ حضرت علی علیہ السلام یہ نکتہ یاد دلاتے ہیں کہ ان کی بیعت عجلت میں اور ناگہانی نہیں ہوئی، تو یہاں خلیفہ اول کی عجلت والی بیعت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ لم تکن بیعتکم ایایّ فلتة (۳)

جب حضرت کو زبردستی ابو بکر کے پاس بیعت کے لیے لے گئے، تو حضرت نے اس کی بیعت کا انکار کرتے ہوئے یہ دلیل فرمائی:

اَنا احقّ بهذا الأمر مِنکُم لَا ابایعُکُم وَانتُم اَولی بِالبَیعَة لی، اَخذتم هذا الأمر مِنَ الاَنصَار وَ احتجتُم عَلیهم بِالقَرابَة مِن رَسولِ الله فَاعطوکُم المقادة و سَلَّمُوا الیکُم الأمارة وَانَا احتجّ الیکُم بِمثلِ مَا احتَجَجتُم به عَلی الأنصَار فَانصفُونا ان کُنتُم تَخافُون اللهَ من اَنفسکُم واعرفوا لَنامنَ الأمر مثلَ ما عرفت الأنصَار لکُم والافبوُوا بالظُّلمِ وَ انتُم تَعلمُون (۴)

۱۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱، ص ۱۳۲، السقیفہ و فدک، ص ۷۰۔
۲۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۶۸، نامہ ۲۸؛ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۲، ص ۲۵، ج ۱۷، ص ۱۲۴۔
۳۔ نہج البلاغہ، نامہ ۱۳۶۔
۴۔ السقیفہ و فدک، ص ۶۰، شرح نہج البلاغہ، ج ۶، ص ۱۱؛ الامامۃ والسیاسۃ، ج ۱، ص ۲۸۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

میں حکومت کے حوالے سے تم سب سے زیادہ شایستہ اور حق رکھتا ہوں، میں تمہاری بیعت نہیں کروں گا اور یہ تم لوگ ہو کہ میری بیعت کرو۔ تم لوگوں (ابو بکر اور عمر نے سقیفہ میں) انصار کے موقف کے مد مقابل یہ دلیل دی کہ چونکہ تم قومی اعتبار سے نبی کے نزدیک ہو اور حکومت پر قبضہ کر لیا، انہوں نے بھی حکومت تمہارے حوالے کر دی۔ تو میں بھی یہاں تمہاری انصار پر منطق کی طرح احتجاج کرتا ہوں، اگر اللہ سے خوف رکھتے ہو تو ہمارے حق میں انصاف کی رعایت کرو اور اعتراف کرو کہ حکومت ہمارا حق ہے، جیسا کہ انصار نے اعتراف کیا ورنہ ظلم و ستم کی طرف لوٹ جاؤ گے حالانکہ اس بات سے خوب آگاہ ہو۔

عمر اس وقت حضرت کو دھمکی دیتا ہے کہ تم سے بائیکاٹ کیا جائے گا یہاں تک کہ بیعت کر لو[۱]۔

حضرت نے اسے جواب دیا:

احلب یَا عمر حلباً لَکَ شطره، اُشدُد لَه الیوم امره لِیَردَ علیکَ غَداً [۲]

خلافت کے پستان سے دودھ دوہو کہ اس میں آدھا تمہارا ہے، آج اسے مضبوطی سے پکڑ لو کہ کل تمہیں واپس مل جائے گا۔

پھر حضرت مہاجرین کو نصیحت کرتے ہیں کہ خبردار حکومت کو اس کے اہل سے نہ نکالو[۳]۔ یہاں حضرت تاکید کرتے ہیں کہ ایسا کرنا اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے اور حق سے دوری کرنے کے مترادف ہے۔ فَلا تَتبعُوا الهوی فَتزدَادُوا مِن الحَق بُعدا [۴]

حضرت کی یہ منطق کہ وقت کے حاکموں کو ظلم کی طرف لوٹنے اور صراط حق سے دور ہونے سے توصیف کرتے ہیں، یہ چیز اپنے مسلم حق کے غصب ہونے اور خلاف شرع کے مرتکب ہونے پر دلیل ہے ورنہ حضرت کا یہ استدلال بے معنی ہو جائے گا، اگر حضرت صرف اولویت اور نہ کہ نصب پر بات کریں، تو دوسرے بھی شایستہ ہیں البتہ نہ بہت زیادہ شایستہ، تو ان کے حق سے دور ہونے اور ظلم میں گرفتار ہونے کا کیا معنی ہو گا؟

---

[۱] فقال عمر: انک لست متروکا حتی تبایع (السقیفہ وفدک، ص ۶۰)۔

[۲] سابقہ ماخذ، ص ۶۱، الامامۃ السیاسۃ، ج ۱، ص ۲۹۔

[۳] یا معشر المهاجرین الله الله لاتخرجوا سلطان محمد عن داره و بیته الی بیوتکم و دورکم ولا تدفعوا اهله عن مقامه فی الناس و حقه . فو الله یا معشر المهاجرین لنحن احق بهذا الامر منکم (السقیفہ وفدک، ص ۴۱)۔

[۴] سابقہ ماخذ۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

سقیفہ کے مسئلہ میں عجلت کا اعتراف

یہ کہ سقیفہ اور اس میں ہونے والا فیصلہ اور انتخاب ملت کے برجستہ افراد سے مشورہ کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ ایک عجلت زدہ عمل تھا، اس کا منتخب ہونے والے خلیفہ نے بھی اعتراف کیا کہ:

انّ بیعتی کانت فلتةً وقی اللهُ شرّها وَ خشیت الفتنة [1]

بے شک میری بیعت ناگہاں اور عجلت کی صورت میں انجام پائی، اللہ تعالیٰ نے اس کے شر سے محفوظ رکھا اور میں فتنہ سے خوف زدہ ہوا تھا۔

عمر نے کئی بار ابو بکر کی بیعت کے ناگہانی اور عجلت میں ہونے پر اعتراف کیا: کانت بیعة ابی بکر فلتة وقانا الله شرها [2]

ب: سقیفہ کی بیعت میں دنیاوی مفادات

سقیفہ میں لوگ دو طبقوں مہاجرین (ابو بکر، عمر، ابو عبیدہ بن جراح) اور انصار (دو قبیلہ اوس و خزرج) سے تعلق رکھتے تھے، انصار سعد بن عبادہ کہ جو قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے ان کی خلافت پر اتفاق کیے ہوئے تھے، لیکن مہاجرین کے وارد ہونے اور ابو بکر و عمر کی یہ دلیل کہ عرب انصار کی حکومت کو قبول نہیں کریں گے اور ضروری ہے کہ خلیفہ رسول خدا کے قریبی رشتہ داروں میں سے ہو نیز انصار کو وزارت کا وعدہ دیا گیا تو وہ مہاجرین کو حکومت سپرد کرنے پر قانع ہوگئے [3]۔ اس کے علاوہ انصار کے دو قبیلوں اوس و خزرج کی اندرونی رقابت کا بہت اہم کردار تھا (اسلام سے پہلے سالہا سال ان میں جنگ رہی) کیونکہ ان کے ایک قبیلہ سے خلیفہ کا انتخاب اس قبیلہ کی کامیابی اور دوسرے قبیلہ کی شکست شمار ہوتی تھی، لہٰذا دونوں قبیلوں نے شکست والی گیم کو چن لیا اور راضی ہوگئے کہ خلیفہ مہاجرین میں سے منتخب ہو۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ ممکن تھا مہاجرین کے خلیفہ سے بیعت کرنے میں خزرج اور اوس نے ایک دوسرے سے مقابلہ اور رقابت کا مظاہرہ کیا ہو، کیونکہ جو قبیلہ بھی سب سے پہلے خلیفہ مہاجرین (ابو بکر) کی بیعت کرتا تو اسے

۱۔ شرح نہج البلاغہ ابن الحدید، ج ۱، ص ۱۳۲؛ السقیفہ و فدک، ص ۷۰۔
۲۔ سیرہ ابن ہشام، ج ۴، ص ۳۰۸؛ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۲، ص ۲۵، ج ۱۷، ص ۱۶۴۔
۳۔ تاریخ طبری، ج ۲، ص ۵۱۵، تاریخ کامل، ج ۲، ص ۳۲۵

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

خلیفہ سے بیشتر فوائد حاصل ہوتے۔ جیسا کہ قبیلہ اوس کے بعض بزرگان نے اپنے قبیلہ کو خطاب کرتے ہوئے کہا: خدا کی قسم اگر خزرج تم پر حکومت کریں تو یہ فضیلت ان کے لیے ہمیشہ باقی رہے گی اور اس میں تمہارے لیے کوئی حصہ نہ ہوگا پس ابو بکر کی بیعت کیلئے جلدی کرو[1]۔

واضح اور گویا تعبیر کے ساتھ یہ ہے کہ سقیفہ کے مسئلہ میں انصار بجائے اس کے کہ خلیفہ کی تعیین میں اس کی لیاقت و صلاحیت کو مد نظر رکھتے، انہوں نے سب سے پہلے علاقائی مفادات پھر قبائلی مفادات کی بات اور آخر کار حسد کی بناء پر بیعت کی اور یہ مسئلہ اہل سنت کی تاریخی کتابوں میں نقل ہوا ہے۔

جیسا کہ ابو بکر جوہری (متوفی ۳۲۳ق) نقل کرتے ہیں کہ بشیر بن سعد خزرجی جو انصار کے امیدوار سعد بن عبادہ کی نسبت حسد اور کینہ رکھتا تھا، اس کی حمایت کرنے کی بجائے مہاجرین اور قریش کا دفاع کرنے لگا، جوہری مزید لکھتے ہیں کہ جب قبیلہ اوس نے دیکھا کہ رقیب قبیلہ (خزرج) کے بزرگان میں سے ایک نے ابو بکر سے بیعت کرلی ہے تو اوس کے بزرگ (اسید بن حضیر) نے حسد کی بناء پر ابو بکر کی بیعت کی[2]۔

یہاں سے واضح ہوتا ہے کہ انصار کا سقیفہ برپا کرنے کا سب سے پہلا مقصد مہاجرین سے خلافت و حکومت کو اپنے قبضہ میں لینا تھا اور دونوں قبیلوں کا سعد بن عبادہ پر اتفاق اور راضی ہو جانا بھی یہی بتاتا ہے، اب یہ کہ وہ اس راستے میں ناکام ہوگئے اور سقیفہ میں مہاجرین کی طرف سے افراد یعنی ابو بکر اور عمر کامیاب ہوگئے، یہ دوسری بات ہے، لیکن اس کام کا یہ نتیجہ کبھی بھی تاریخ کے صفحات سے انصار کے مادی اور دنیاوی اہداف کو پاک نہیں کر سکتا۔

بالفاظ دیگر تاریخ بتاتی ہے کہ انصار اسلام اور نبیؐ کی خاطر اتنی قربانیاں دینے اور عظمت پانے کے باوجود معصوم انسان نہ تھے، وہ حکومت کو اپنے اختیار میں لینے کے لیے اپنے دنیاوی اور علاقائی مفادات سے چشم پوشی نہیں کر سکتے تھے کہ حضرت علی علیہ السلام کی مانند اس دور میں واقع ہونے والے حادثات اور سیاسی مسائل کی طرف توجہ کیے بغیر کائنات کی برترین ہستی کے غسل و کفن اور دفن میں مشغول رہیں، وہ اس دینی وظیفہ کو ترک کرتے

---

[1] سو الله لئن ولیتها الخزرج علیکم مرة لازالت لهم علیکم بذلک الفضیلة ولا جعلوا لکم معهم فیها نصیباً ابداً، فقوموا فبایعوا ابابکر۔ سابقہ ماخذ۔

[2] فلما رای بشیر بن سعد الخزرجی ما اجتمعت علیه الانصار من تأمیر سعد بن عبادة و کان حاسداً له و کان من سادة الخزرج قام فقال — ولما رأت الاوس ان رئیساً من روساء الخزرج قد بایع قام اسید بن حضیر و هو رئیس الاوس فبایع حسد السعید ایضاً (السقیفہ وفدک، ص۵۹)۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ہوئے حکومت کی فکر میں پڑ گئے کہ اس لحاظ سے تاریخ، مومنین اور نبی اکرم ﷺ کے عاشقوں نے ان کے عمل کی مذمت کی یا حداقل اس عمل کی تعریف نہیں کی۔

ایک اور نکتہ یہاں جیسا کہ ذکر بھی ہوا ہے کہ اہل سنت کے مورخین واضح طور پر انصار کی طرف سے خلیفہ کے انتخاب کو حسد (گناہ کبیرہ) کی طرف نسبت دیتے ہیں یہاں پھر عدالت صحابہ پر کوئی اعتراض پیش نہیں آرہا، لیکن جب شیعہ حضرت علی علیہ السلام کے حوالے سے نبی ﷺ کی نص کو چھوڑنے کی بات کرتے ہیں تو صحابہ کی مظلومیت اور عدالت کا اعتراض پیش ہوتا ہے۔ آیا یہ چیز نہیں بتا رہی کہ اہل سنت ایک منطق سے فیصلہ نہیں کر رہے؟

ج۔ زبردستی اور جبری بیعت

یہ دعویٰ کہ خلیفہ اول کی بیعت اتفاق اور اجماع سے انجام پائی ہے درست نہیں ہے، کیونکہ خلیفہ اول کے مخالفین زیادہ تھے کہ ان میں سے بعض نے تو بالکل بیعت نہیں کی، ان میں سے ایک سعد بن عبادہ تھے جو سقیفہ میں امیدوار خلافت تھے جس کی طرف بعد میں اشارہ ہوگا۔ اور بعض سے زبردستی اور جبری بالفاظ دیگر دباؤ اور دھمکی سے بیعت لی گئی۔ اس کی واضح مثال حضرت علی علیہ السلام کے بعض اصحاب کا حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے گھر دھرنا دینا تھا کہ گھر کو جلانے کی دھمکی دیتے ہوئے اور دھرنا دینے والوں کو گرفتار کرتے ہوئے مثلاً حضرت زبیر کو بیعت کرنے پر مجبور کیا گیا[1]۔

خود اہل سنت کے مورخین کی حکایت کے مطابق جنہوں نے ابو بکر کی بیعت سے انکار کیا، انہیں ضرب و شتم کے ساتھ ابو بکر کے ہاتھ پر ہاتھ رکھنے پر مجبور کیا گیا۔ "شاء ذلک او أبی"[2]

سلمان فارسی واضح کرتے ہیں کہ ان کی بیعت گرفتاری اور تشدد کے بعد انجام پائی[3]۔ ابوذر، مقداد اور زبیر کی بیعت بھی ایسے انجام پائی[4]۔

۱۔ شرح نہج البلاغہ، ج ۲، ص ۵۶؛ السقیفہ و فدک، ص ۳۸؛ ۷۰۔ ۷۲؛ تاریخ یعقوبی، ج ۳، ص ۱۲۶؛ الامامۃ السیاسۃ، ص ۱۲۔
۲۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱، ص ۳۱۹؛ السقیفہ و فدک، ص ۴۶۔
۳۔ کتاب سلیم بن قیس، ص ۱۵۸۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

د۔ سقیفہ کے امید واروں کے مخالفین

اہل تاریخ و تحقیق پیغمبر ﷺ کی رحلت کے بعد صحابہ کے دینی و سیاسی موقف و نظریہ کو پانچ گروہوں اور آج کی اصطلاح میں پانچ پارٹیوں میں تقسیم کرتے ہیں:

الف: انصار میں خزرج کے سربراہ سعد بن عبادہ کی پارٹی

ب: ابو بکر، عمر اور صحابہ کے ایک گروہ کی پارٹی

ج: حضرت علی علیہ السلام، بنی ہاشم، بہت سے انصار اور کچھ مہاجرین کی پارٹی کہ جو صرف حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کرنا چاہتے تھے۔

د: بنی امیہ میں سے عثمان بن عفان کی پارٹی

ھ: بنی نصرہ میں سے سعد بن وقاص اور عبد الرحمٰن کی پارٹی

سعد بن عبادہ کہ جو انصار کا سربراہ اور سقیفہ میں انصار کی طرف سے خلافت کے لیے امیدوار تھا، وہ ابو بکر، اسی طرح عمر کی بیعت سے پرہیز کرتا رہا اور حکومتی محافل اور پروگراموں میں بھی شرکت نہیں کرتا تھا اور ان کی خلافت کی پرواہ نہیں کرتا تھا، آخر کار حکومت نے اسے سرزمین شام میں منطقہ حوران میں قتل کیا اور یہ بات پھیلا دی کہ اسے جن نے قتل کیا۔

زبیر بن بکار کہتا ہے: مہاجرین کی اکثریت اور بعض انصار اس میں شک و تردد نہیں رکھتے تھے کہ علی علیہ السلام نبی ﷺ کے بعد صاحب حکومت ہیں:

وکانَ عامۃُ المُھاجرینِ و جلّ الأنصَار لَایشکّون انّ علیًا ھوَ صاحبُ الأمر بَعد رسُولِ اللہ(ص) (۱)

اور یعقوبی بھی اپنی تاریخ میں یہی نسبت انصار اور مہاجرین کی طرف دیتا ہے:

وکانَ المُھاجرُونَ وَ الأنصَار لَا یشکّون فِی علیّ (۲)

۱۔ الاخبار الموفقیات، ص ۵۸۰؛ شرح نہج البلاغہ، ج ۶، ص ۲۱۔
۲۔ تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۱۲۴، باب فی سقیفہ۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

مورخین بتاتے ہیں کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی شہادت سے قبل بنی ہاشم میں سے کسی ایک نے بھی ابو بکر کی بیعت نہ کی تھی[۱]۔

حضرت علی علیہ السلام کے بعض محبان جو ابو بکر کی بیعت کے مخالف تھے جیسے زبیر کہ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے گھر میں میں دھرنا دیئے ہوئے تھے اور اس طرح سے ابو بکر کے انتخاب سے رسمی طور پر مخالفت کا اعلان کر رہے تھے کہ عمر نے انہیں جبر کے ساتھ بطور مثال گھر کو آگ لگانے کی دھمکی دیتے ہوئے گھر سے نکالا[۲]۔

وہ بعض مشہور اصحاب کہ جو ابو بکر کی خلافت کے مخالف اور حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کے موافق تھے کہ یہاں ان کے ناموں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے: (۱) عباس (آنحضرتؐ کے چچا) (۲) زبیر (۳) ابو ایوب انصاری (۴) سلمان فارسی (۵) ابوذر غفاری (۶) مقداد (۷) عمار یاسر (۸) بریدہ اسلمی (۹) ابو حیثم بن تیہان (۱۰ اور ۱۱) سہل و عثمان (حنیف کے بیٹے) (۱۲) خزیمہ بن ثابت (ذوالشہادتین کا لقب رکھنے والے، (۱۳) ابیّ بن کعب (۱۴) فروۃ ابن عمر (۱۵) سعد بن ابی وقاص[۳]۔

بعض صحابہ کا حضرت علیؑ کی امامت کا اعتراف

نبی اکرم ﷺ کے بعض اصحاب آنحضرتؐ کی احادیث کی پیروی میں شروع سے ہی حضرت علی علیہ السلام سے خاص لگاؤ اور محبت رکھتے تھے اور کہا جاسکتا ہے کہ یہ لوگ آنحضرتؐ کے زمانہ سے ہی حضرت علی علیہ السلام کے شیعہ اور محبین میں سے تھے۔ یہ لوگ حضرت کو پیغمبرؐ کا وصی، خلیفہ اور سب سے افضل اور برتر سمجھتے تھے۔

بعض منصف مزاج اہل سنت مثلاً الدوری اعتراف کرتے ہیں کہ سقیفہ کے مسئلہ سے پہلے حضرت علی علیہ السلام کے حامی بالفاظ دیگر شیعہ لوگ موجود تھے[۴]۔

ابو حاتم رازی کہتے ہیں: زمانہ پیغمبر ﷺ میں شیعہ ان کا لقب تھا کہ جو حضرت علی علیہ السلام سے محبت رکھتے تھے، جیسے سلمان، ابوذر، مقداد، عمار یاسر[۵]۔

۱۔ اسد الغابۃ، ج ۱۳، ص ۳۲۹؛ تاریخ کامل، ج ۲، ص ۳۲۱؛ مروج الذہب، ج ۲، ص ۳۱۶۔

۲۔ شرح نہج البلاغہ، ج ۲، ص ۴۹، ۵۰۔

۳۔ موسوعۃ الامام علی علیہ السلام، ج ۳، ص ۳۴، عبد اللہ مامقانی، تنقیح المقال، ج ۱، ص ۱۹۸، ابن عبد ربہ؛ العقد الفریہ، ج ۴، ص ۲۷۳؛ تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۱۲۴۔

۴۔ مقدمہ فی تاریخ الاسلام، ص ۴۸۔

۵۔ ابو حاتم رازی، کتاب الزینۃ، ص ۲۵۹۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

(۱) سلمان فارسیؓ: وہ نبی اکرم ﷺ کے عظیم اصحاب میں سے تھے کہ حضرت نے انہیں اپنے اہل بیت میں قرار دیا تھا۔ سلمان حضرت علی علیہ السلام کو فصل الخطاب، علم وصایا کے مالک اور موسیٰ کیلئے ہارون کی مانند توصیف کرتے ہیں اور حضرت کی امامت کے عنوان سے اپنی بیعت کا تذکرہ کرتے ہیں:

بَایَعنا رسولَ الله عَلی النصحِ للمُسلمینَ وَ الأتمَام بعَلی بنِ اَبی طَالب وَ المُوالاةِ لَه [۱]

ہم نے رسول اللہ کی مسلمانوں کو نصیحت کرنے، علی بن ابی طالب کی امامت قبول کرنے اور ان سے محبت کرنے میں بیعت کی۔

(۲) ابن عباسؓ: آپ پیغمبر اسلام ﷺ کے چچازاد بھائی تھے اور اس زمانہ کی عظیم شخصیت اور قرآن کے مفسر کے عنوان سے مشہور تھے، وہ جب خلیفہ دوم کی یہ توجیہ سنتے ہیں کہ قریش اس لیے حضرت علی علیہ السلام کے انتخاب کو پسند نہیں کرتے تھے کہ اس سے نبوت و خلافت ایک خاندان میں جمع ہو رہی ہے تو ابن عباس ان کا یہ جواب دیتے ہیں: یہ لوگ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اسے پسند نہیں کرتے تھے [۲]۔

ان کی خلیفہ دوم کے ساتھ گفتگو بلکہ مناظرہ ہوا تھا کہ جس میں خلیفہ دوم حضرت علی علیہ السلام پر اپنے آپ کو بعنوان خلیفہ پیش کرنے کا الزام لگاتا ہے، تو ابن عباس عمر کے جواب میں یہ دلیل دیتے ہیں کہ علی نے اپنے آپ کو نہیں پیش کیا تھا، بلکہ نبی اکرم ﷺ نے انہیں خلافت پر فائز کیا لیکن یہ ان سے چھین لیا گئی۔ قَد رَشحه لَها رَسولُ الله (ص) فَصرفَت عنه [۳]

(۳) خزیمہ بن ثابتؓ: آپ انصار سے ہیں اور "ذو الشہادتین" سے ملقب ہیں، حضرت علی علیہ السلام سے بیعت کرنے کے بعد کہتے ہیں: اے لوگوں ہم نے فیصلہ کر لیا ہے اور اپنے دین و دنیا کے لیے ایسے مرد کا انتخاب کیا ہے کہ رسول خدا ﷺ نے انہیں ہمارے لئے انتخاب فرمایا تھا [۴]۔

۱۔ کتاب سلیم، ص ۱۵۶، ۱۵۹، ابن جوزی، صفوۃ الصفوۃ، ج ۱، ص ۳۱۵؛ معالم التنزیل، حاشیہ خازان، ج ۵، ص ۱۸۷؛ الشیعہ فی المیزان، ج ۱، ص ۶۰، ۱۹۲۔

۲۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۱۲، ص ۵۳۔

۳۔ سابقہ ماخذ، ص ۸۰۔

۴۔ المعیار والموازنہ، ص ۵۴۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

(۴) حجر بن عدیؓ: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ولایت حضرت علی علیہ السلام میں چلی گئی اور رسول خداؐ اپنے بعد ان کے وصی ہونے پر راضی تھے[۱]۔

(۵) نعمان بن عجلان انصاریؓ:

كَيفَ التفرق وَ الوصی امَامنَا لَا كَيفَ الاحيرة وتخاذلًا[۲]

کس طرح افتراق ممکن ہے جبکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصی ہمارا امام ہے ورنہ سر گرداں اور ذلیل ہونگے۔

(۶) مغیرہ بن حارث بن عبد المطلبؓ:

فِيكُم وصیّ رسولِ الله قَائدكُم وَ صهرُه وَ كتابُ الله قَد نَشرَا [۳]

تمھارے درمیان رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا جانشین تمھارا قائد و فرمانروا ہے، جو رسول کا داماد بھی ہے اور کتاب خدا کی تفسیر کرنے والا بھی۔

۷۔ ابو ذر غفاریؓ: وہ پہلے تین خلفاء کی خلافت کے دوران صرف حضرت علی علیہ السلام کو امیر المومنین کہتے تھے کہ اس میں ایک اہم اور لطیف پیغام مخفی تھا۔ وہ حج کے زمانہ میں حجاج کے سامنے تقریر کرتے ہیں اور کہتے ہیں:

فِينا أيتهَا الأمةَ المُتحَيّرة بَعدَ نَبيهَا لو قد مّتم مَن قدّمه الله وَ رسُوله و أخّرتم مَن اخّره الله وَ رسولُه و لمَا عَال ولیّ الله ولَا طَاشَ سَهم فِی سبيلِ الله ولَا اختَلفَت الأُمة بعدَ نبيهَا [۴]

اے حیران و سر گردان امت اگر نبی کے بعد اس شخص کو تم مقدم کرتے کہ جنہیں اللہ اور رسول نے مقدم کیا تھا، اگر اسے پیچھے کرتے کہ جسے اللہ اور رسول نے پیچھے کیا، تو ولی خدا (علی علیہ السلام) تنہا اور بے سہارا نہ رہتے، فرائض الٰہی ہم میں سے نہ اٹھ جاتے اور امت نبی کے بعد اختلاف کی راہ اختیار نہ کرتی۔

۱۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱، ص ۹۔ ۱۴۳۔

۲۔ سابقہ ماخذ، ص ۱۴۹۔

۳۔ سابقہ ماخذ، ص ۱۵۰۔

۴۔ تاریخ یعقوبی، ج ۱، ص ۱۲۰، ترجمہ فارسی کے ساتھ ج ۲، ص ۶۶؛ شرح الاخبار، ج ۲، ص ۵۰۰؛ نثر الدرر، ج ۲، ص ۱۷۷؛ کتاب سلیم، ص ۱۵۶؛ بحار الانوار، ج ۲۷، ص ۳۱۹، ۳۲۰۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

پھر وہ اپنے دعوی کے اثبات کے لیے احادیث نبوی مثلاً حدیث اخوت اور وزارت علی علیہ السلام کو پیش کرتے ہیں۔ یہی شخصیت ابو بکر کی بیعت کے وقت قریش کو خطاب کرتے ہوئے کہتی ہے:

یَا معشرَ القُریش! تَرکتُم قرابة رَسولِ اللهِ واللهِ لیَرتد جماعة منَ العَرب وَ لتشکن فِی هذا الدّینِ ولو جَعلتُم الأمرَ فِی اهل بیت نبیّکمُ مَا اختلَفَ عَلیکُم سیفان وَ الله لَقد صَارَت لمَن غَلبَ وَ لتطمحنّ اَلیها عین مَن لَیس بِاهلهَا انّ علیّاً هُو الصّدیقُ الأکبَر وَ هو الفَاروقُ بَعدَ رسولِ الله یفرق بَینَ الحَق وَ البَاطلِ وَ هوَ یَعسُوب الدینِ (۱)

۸۔ **مقداد**: مقداد سقیفہ کے دن حضرت علی علیہ السلام سے کہتے ہیں:

اِن أمرتنی لأضربنّ بِسَیفی وَ ان أمرتنی کَفَفتُ ،فَقاله لَه: اکفف (۲)

اگر مجھے حکم دیں تو میں اپنی تلوار سے حملہ کرتا ہوں اور اگر حکم دیں تو میں رک جاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: رک جاو

وہ عثمان کی خلافت کے بارے میں کہتے ہیں: اگر میرے پاس انصار ہوتے تو علی علیہ السلام کی خلافت کیلئے قریش سے جنگ کرتا، جس طرح کہ زمانہ پیغمبرؐ میں ان سے جنگ کی تھی (۳)۔

عبد الرحمٰن بن عوف کہ جس نے عثمان کی خلافت میں اساسی کردار ادا کیا تھا، اس کے ساتھ مناظرہ میں تعجب کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کی حکومت ان کے اہل بیت سے جدا کر دی گئی ہے اور اہل بیت کی تعریف و تمجید کے بعد اسے یاد دلاتا ہے کہ تم نے ایسی شخصیت کو چھوڑ دیا ہے جو حق کے ساتھ حکم دیتی ہے اور اس کے ساتھ عدالت مجسم ہوتی ہے۔

اگر میرے پاس مددگار ہوتے تو میں قریش سے جنگ کرتا جیسا کہ پیغمبر ﷺ کی قیادت میں ان کے ساتھ جنگ بدر میں جنگ کی۔

۱۔ اسد الغابہ، ج ۵، ص ۲۸۷؛ تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۱۲۰؛ کنز العمال، ج ۷، ص ۳۰۵؛ شرح نہج البلاغہ، ج ۹، ص ۱۶۹۔

۲۔ کتاب سلیم بن قیس، ص ۱۵۶۔

۳۔ "لواجد علی قریش انصاراً لقاتلتهم کقتالی ایاهم مع النبی (ص) یوم بدر۔ مروج الذهب، ج ۱، ص ۳۱۰، باب الثورۃ علی عثمان۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

اَما وَاللہ لَقَد تَرکت رَجلًا مِنَ الذِین یَأمُرونَ بالحقّ وَ بہ یَعدلُون، امّا و أیم اللہ یا عَبدَ الرحمن لَواجد عَلی قُریشٍ انصاراً لَقاتلتھُم کَقتالِی ایّاھم مَع رَسولِ اللہ یَومَ بدرٍ

عبدالرحمٰن مناظرہ و بحث کے دوران اسے (اپنے گمان کے مطابق) فتنہ واختلاف سے روکتا ہے، لیکن مقداد جواب دیتے ہیں کہ ولی حق کی طرف دعوت فتنہ نہیں ہے[1]۔

۹۔ عمار یاسرؓ: وہ پیغمبر ﷺ کے خالص اور سبقت کرنے والوں صحابہ میں سے تھا کہ حضرت نے ان کی بہت زیادہ تعریف و مدح فرمائی مثلاً ان کے قاتل کو "باغی گروہ" کہ جہنم واصل ہوں گے، قرار دیا۔ عمار جنگ صفین میں حضرت علی علیہ السلام کے لشکر میں معاویہ کے ذریعے شہید ہوئے۔ وہ عمر کی بنائی ہوئی شوریٰ کے ذریعے تیسرے خلیفہ کے تعیین کے موقع پر کہتے ہیں:

یَامعشرَ قریش اما اِذ صَرفتُم ھذا الأمر عَن اھل بیتِ نَبیّکُم ھھنا مَرۃ وَ ھھُنا مَرۃ اخری فَمَا أنا بآمن من أن یترعہ اللہُ مِنکُم فَیضعہ فِی غیرِکُم کَمَا نَزعتُمُوہ مِن اھلہ وَ وَضَعتمُوہ فِی غیَرِ اھلہ [2]

اپنے پیغمبر ﷺ کے اہل بیت سے حکومت کس طرف لے جارہے ہو؟ اسے اس کے اہل سے جدا کرکے نا اہل کے سپرد کررہے ہو۔

۱۰۔ ابو سعید خدریؓ: ابو ہارون عبدی کہتا ہے کہ میں خوارج کے مذہب پر تھا، یہاں تک کہ میں نے ابو سعید خدری سے سنا کہ کہہ رہے تھے:

لوگوں کو پانچ چیزیں انجام دینے کا حکم دیا گیا تھا، انہوں نے چار چیزیں انجام دیں اور ایک کو چھوڑ دیا، ایک شخص نے پوچھا کہ وہ چار کیا تھے؟ کہا: نماز، زکوۃ، روزہ، حج، میں نے پوچھا وہ ایک کون سی ہے کہ جسے لوگوں نے چھوڑ دیا؟ کہا: ولایت علی بن ابی طالب علیہ السلام، میں نے پوچھا: آیا ان چار واجبوں کے ساتھ یہ بھی واجب فریضہ تھی؟ کہا: نعم ھی مفروضۃ معھن [3]

۱۔ شرح نہج البلاغہ، ج ۲، ص ۱۵۷؛ مروج الذہب، ج ۲، ص ۳۶۱؛ تاریخ کامل، ج ۳، ص ۷۱؛ الشیعۃ فی المیزان، ج ۱، ص ۶۲۔
۲۔ مروج الذہب، ج ۱، ص ۳۱۰، باب الشورۃ علی عثمان۔
۳۔ شواہد التنزیل، ج ۱، ص ۲۵۷؛ الشیعۃ فی المیزان، ج ۱، ص ۶۳۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

۱۱۔ عمرو بن حمق خزاعی: وہ صحابہ نبیؐ میں سے تھے، مکہ کی فتح سے پہلے اسلام لائے تھے اور حضرت علی علیہ السلام کے مخلص دوستوں میں سے تھے۔ وہ معاویہ کے زمانہ میں کوفہ کے حاکم زیاد کے ہاتھوں گرفتار اور شہید ہوئے[1]۔

سید حیدر آملی نے اپنی کتاب "الکشکول فیما جری علی آل الرسول" میں سو سے زائد ایسے اصحاب کے نام لیے کہ جو مختلف شہروں میں حضرت علی علیہ السلام کی امامت و ولایت کی تبلیغ و ترویج کرتے تھے۔ علامہ شرف الدین نے اپنی کتاب "الفصول المهمة" میں دو سو شیعیان علی علیہ السلام کا نام ذکر کیا جبکہ محمد حسین کاشف الغطاء نے تین سو اصحاب شیعہ کے نام ذکر کیے۔

ھ۔ حدیث "لا تجتمع امتی علی الخطاء" میں غور

بتایا جاچکا ہے کہ اہل سنت اپنے دعوی اجماع کو شرعی جواز بخشنے کے لیے مذکورہ حدیث کو ذکر کرتے ہیں کہ اس کے تجزیہ میں چند نکات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

الف: **خبر واحد:** اس حدیث کے بارے میں سب سے پہلا نکتہ یہ ہے کہ یہ حدیث اہل سنت کی کتابوں میں خبر واحد کے طور پر ہے، جبکہ کلامی اور عقائدی مسائل بالخصوص اہم ترین مسئلہ جیسے حکومت و خلافت میں قطعی دلیل اور ماخذ سے تمسک کرنی چاہیے۔

یہی اہل سنت ہیں کہ اپنے ماخذ میں حضرت علی علیہ السلام کی امامت پر بہت سی احادیث کو نقل کرتے ہیں، لیکن صرف اس لیے کہ وہ خبر واحد ہیں اور صحاح ستہ میں ذکر نہیں ہوئی ہیں، اسے قبول نہیں کرتے۔ تو پھر اپنے نظریہ خلافت میں پہلے خلیفہ کی خلافت کو شرعی جواز دینے کے لیے کیوں ایک خبر واحد سے تمسک کرتے ہیں؟ پھر ان کی توقع یہ بھی ہے کہ شیعہ بھی اسے قبول کرلیں؟

ب: **موضوع حدیث کا محقق نہ ہونا:** دوسرا نکتہ یہ کہ مذکورہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ جب امت اسلام کسی چیز پر اجماع کرے تو اس میں خطاء نہیں ہوگی کہ ظاہر حدیث بلکہ نص حدیث یہ ہے کہ ساری امت اپنے اختیار اور غور و فکر کے ساتھ کسی مسئلہ میں اجماع کرے کہ ایسی چیز واقع ہونا بہت مشکل ہے۔ بالخصوص موضوع بحث یعنی

---

[1] شرح نہج البلاغہ، ج ۳، ص ۱۸۱؛ المعیار والموازنہ، ص ۱۳۰؛ وقعۃ صفین، ص ۱۰۳۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

خلیفہ اول کی بیعت کے بارے میں کہ جس کی مکمل وضاحت گزر چکی ہے کہ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ: اس میں کوئی اجماع سرے سے ہی نہیں تھا بلکہ اس کام کا ارادہ دو یا تین افراد نے کیا تھا۔

دوسری بات یہ ہے کہ:

یہ کام بغیر کسی مشورہ کے انجام پایا بلکہ اس خلافت کے بانی حضرات کے بقول یہ کام عجلت اور "فلتہ" کی صورت میں واقع ہوا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ: مشورہ دینے والے حضرات مثلاً حضرت علی علیہ السلام ، ابن عباس، سلمان فارسی اور ابوذر جیسی شخصیات اس میں غائب ہیں۔ چوتھی بات یہ ہے کہ: اگر ایسا کوئی اجماع وقع بھی ہوا ہے تو اس میں بعض سے جبر و اکراہ سے بیعت لی گئی ہے اور بعض سعدہ بن عبادہ (سقیفہ کا پہلا امیدوار) آخر عمر تک بیعت سے انکاری رہے۔

بنابریں مذکورہ حدیث، خلافت کے حوالے سے ان مندرجہ بالا پانچ دلائل کی بناء پر جاری نہیں ہو سکتی کہ اس سے تمسک کر کے کوئی خلیفہ اول کی خلافت و بیعت کو شرعی جواز کے عنوان سے ثابت کرے[1]۔

و۔ نصوص کی توجیہ

حضرت علی علیہ السلام کے مخالفین مختلف بہانوں کے ساتھ پیغمبر اسلام ﷺ کی نص کی توجیہ کرتے ہیں کہ جس کی تفصیل بعد والے ابواب میں ذکر ہو گی کہ یہاں اس کے عناوین پر اکتفاء کیا جاتا ہے: (۱) افضلیت کا بیان (۲) امیدوار ہونے پر حمل کرنا (۳) ہدایت کے ساتھ خاص کرنا (۴) قانون ترتب (۵) ضرورت (۶) حضرت کے اقدام پر موقوف (۷) بیعت پر موقوف۔

ز۔ نص کا مخفی رکھنا اور اسے فراموش کرنا

ایک دوسری وجہ کہ جو لوگوں کے خلیفہ اول کی طرف رخ کرنے اور حضرت علی علیہ السلام کی طرف توجہ نہ کرنے کا باعث بنی، وہ حضرت کے نصب سے جہالت یا اسے بھول جانا تھا کہ اس نکتہ کی بعض صحابہ مثلاً بشیر بن سعد کے جواب سے تائید ہوتی ہے۔

---

[1] امام شناسی، رضوانی، ج ۲، ص ۳۹۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

جب حضرت اولویت اور نص کی یاد دہانی کرواتے ہوئے اپنی بیعت کا تقاضا کرتے ہیں، تو وہ جواب دیتے ہیں اگر یہ مسئلہ جلد اور ابو بکر کی بیعت سے پہلے یاد دلاتے تو دو شخص بھی ایسے نہ ملتے کہ جو آپ کے بارے میں اختلاف کرتے۔[1] یہ جواب بھی پچھلے صفحات میں تفصیل گزر چکا ہے۔

ح۔ نظریہ "نص" کو مشہور ہونے سے روکنا

پیغمبر اسلام ﷺ نے مختلف واقعات اور مسائل مثلاً غدیر خم میں حضرت علی علیہ السلام کی امامت اور خلافت پر نص اور تاکید فرمائی تھی، لیکن حضرت کی حکومت کے مخالفین اور وہ لوگ جو خود حکومت لینا چاہتے تھے، وہ اسی زمانہ سے حضرت علی علیہ السلام کی امامت و حکومت پر نص اور نصب کے مسئلہ کے مشہور اور رسمی ہونے سے مانع تھے۔ اس کی واضح مثال پیغمبر اعظم ﷺ کو حکومت کے بارے میں وصیت لکھنے سے روکنا تھا کہ جس کی تفصیل پیچھے حدیث قلم و دوات میں گزر چکی ہے۔

جب کسی طرح حکومت اور قدرت کی لگام حضرت کے مخالفین کہ جو نص اور نصب کے مخالف تھے، ان کے ہاتھوں میں قرار پاگئی، تو واضح سی بات ہے کہ وہ ہر ممکنہ طریقے سے اس نظریہ کو ضعیف کرنے یا اس کی توجیہ کرنے لگے تاکہ اس طرح سے اپنی حکومت کے شرعی ہونے کے بحران کا مقابلہ کر سکیں۔ ان میں سے ایک طریقہ لوگوں اور اصحاب کو جبر و اکراہ کے ذریعے سقیفہ کے خلیفہ سے بیعت کرنے پر مجبور کرنا تھا کہ جس کی تفصیل تاریخ میں درج ہے۔

ایسی فضا میں کہ جب اصل نصب کے حامی یا اس سے آگاہ اسے بیان کرنے کی جرات نہیں رکھتے تھے، کہاں یہ کہ اس کی تبلیغ کریں۔ اس مسئلہ کی تائید پر ایک اور شاہد یہ ہے کہ پہلے تین خلفاء کی خلافت میں روز غدیر اور واقعہ غدیر کو بھلانا اور اس پر توجہ نہ کرنا تھا کہ اس مسئلہ کو زندہ کرنا، اس زمانہ کی حکومتوں کی مصلحتوں کے مطابق نہ تھا، لیکن حضرت علی علیہ السلام کی امامت کے بعد آپ نے اس مسئلہ پر کافی اہتمام فرمایا۔

ط۔ نص کی سیکولر فہم

ایک اور وجہ کہ جس کی بناء پر لوگ پیغمبر ﷺ کے قانون نصب سے دور ہوئے اور خلافت ابو بکر کو قبول کیا، دنیاوی مسائل میں احادیث نبوی کی طرف دنیاوی توجہ بالفاظ دیگر ایک سیکولر فہم رکھنا ہے۔ ایک عمیق تعبیر

---

[1] السقیفہ و فدک، ص ۶۱۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

کے مطابق بعض اصحاب دینی جہات میں احادیث نبوی کو آسمانی وحی کے عنوان سے قبول کرتے تھے، لیکن دنیاوی مسائل میں یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ وہ خود ان احادیث پر عمل کرنے میں آزاد اور مختار ہیں، اسی لیے حضرت علی علیہ السلام کی امامت وخلافت پر نصوص کا علم رکھنے کے باوجود اس سے اجتناب کیا اور ایک دوسرا راستہ اختیار کیا[1]۔

ی۔ حضرت علیؑ کو مختلف بہانوں سے ہٹانا

حضرت علی علیہ السلام اگرچہ پیغمبر اسلام ﷺ کی رحلت کے بعد جوانی (۳۳ سالہ) کی عمر میں تھے، لیکن بہت سی نصوص کی بناء پر خود کو تنہا لائق اور حق دارِ حکومت جانتے تھے، یہی بات ان کی حکومت کے مخالفین کو بھی معلوم تھی۔ تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیوں لوگ بلکہ عمیق تعبیر کے مطابق کرتے دھرتے لوگ حضرت کے انتخاب سے منہ موڑتے ہیں اور ابو بکر کو خلافت پر تعیین کرتے ہیں؟

تاریخ کی طرف اجمالی سی نظر بھی ڈالیں تو واضح ہوتا ہے کہ حضرت کے مخالفین یہاں مختلف بہانے سامنے لاتے ہیں کہ جس میں سے سب سے اہم مندرجہ ذیل ہیں: (الف) جوانی (ب) شوخ مزاج ہونا (ج) عربوں کا حضرت کی حمایت نہ کرنا (د) اپنے قبیلہ کی محبت۔

ان دلائل کی وضاحت اور نقد و تحقیق پانچویں باب میں توجیہات کے عنوان میں بیان ہوگی۔

خلیفہ دوم کے دلائل میں غور و فکر کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی دلیل بھی حضرت علی علیہ السلام کے ہٹانے میں ان کے عمل کو صحیح قرار نہیں دے سکتی حالانکہ وہ خود بھی حضرت کی بے نظیر شخصیت کا اعتراف کرتے تھے، بلکہ صدر اسلام کے تمام مسلمانوں خواہ مہاجر خواہ انصار سب پر لازم تھا کہ حکومت کی زمام حضرت کی استثنائی شخصیت اور احادیث نبوی کی بناء پر انکے حوالے کرتے اور ان کی رکاب میں اسلام کی پائیداری کی طرف قدم بڑھاتے۔ خلاصہ یہ کہ اگرچہ کسی حکومت یا حاکم کی طرف لوگوں کا رجحان یا اس سے منہ موڑنا اس حکومت کے اسباب فراہم کرنے یا اسکے سقوط کا باعث بنتا ہے، لیکن اس کی سچائی، قانونی ہونے، حق ہونے اور اللہ کے نزدیک شرعی ہونے یا نہ ہونے پر دلیل نہیں ہو سکتا اور یہ قدیم لوگوں کی بات کہ:

الناس علی دین ملوکھم

لوگ اپنے حاکموں کے دین پر ہوتے ہیں۔

---

[1]۔ المراجعات، نامہ ۱۷۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

اگرچہ بطور کلی درست نہیں ہے، لیکن غالب طور پر ایسا ہی رہا ہے۔

ساتواں شبہہ) حضرتؑ کا قانون نصب کی بنا پر احتجاج نہ کرنا:

اہل سنت کے قدیمی شبہات میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت نے اپنی امامت اور حکومت کے اثبات میں حدیث نبوی کو ذکر نہیں کیا۔ ان کا دعوی یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے اپنی امامت کو ثابت کرنے کے لیے مخالفین سے گفتگو اور احتجاج کے دوران صرف اپنی ذاتی صلاحیت اور کمالات کا ذکر کیا ہے اور اگر پیغمبر اسلام ﷺ کی طرف سے ان کی امامت کے بارے میں کوئی نص موجود ہوتی تو یقیناً حضرت ان کا ذکر فرماتے یا اس کے ذریعے احتجاج کرتے[1]۔

بعض ہم عصر علماء کا یہ نظریہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے مخالفین سے احتجاج کے وقت حدیث غدیر کا بھی ذکر نہیں کیا[2]۔ اس بات کو بعض نصب کے حامی افراد نے بھی قبول کیا ہے۔[3]

ہم اختصار سے اس نظریہ کو باطل کرنے کے لیے حضرت علی علیہ السلام کی چند روایات کی طرف اشارہ کریں گے کہ حضرت نے کس طرح مخالفین کے سامنے اپنی امامت کے اثبات کے لیے بار بار احادیث نبوی سے احتجاج کیا ہے۔

تجزیہ و تحقیق

حضرت علی علیہ السلام نے دو انداز سے اپنی امامت و خلافت کے شرعی اثبات کو پیش کیا، پہلا انداز یا جہت ان کی ذاتی اور حقیقی شخصیت نیز باکمال صفات سے تعلق رکھتی ہے کہ جو دوسروں کی نسبت ان کے مسند امارت اور حکومت پر فائز ہونے میں ان کی افضلیت اور سب سے زیادہ حق رکھنے کو بیان کرتی ہے۔ دوسری جہت ان کے مقام کے اعتبار سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں امام اور نبی اسلام ﷺ کے خلیفہ بلا فصل کے عنوان سے منتخب کیا گیا۔ حضرت علی علیہ السلام کی افضلیت میں نزاع اور مناقشہ بہت کم اور زیادہ سنجیدہ نہیں ہے، لہٰذا یہاں یہ بھی دعوی کیا جاسکتا ہے کہ اکثر مخالفین بھی اسے قبول کرتے تھے، لیکن اصل میں جھگڑا اور مناقشہ ان کے نبی اکرم

---

[1] ابن حزم، الفصل، ج ۳، ص ۱۵؛ قاضی ایجی و سید شریف جرجانی، شرح المواقف، ج ۸، ص ۳۹۱؛ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۶، ص ۱۱، ج ۱، ص ۱۳۰، ج ۹، ص ۳۰۶۔

[2] احمد قباخچی، خلافت الامام علی (ع) بالنص او بالنصب، ص ۲۱ و ۵۵؛ شاہراہ اتحاد، ص ۲۵۴؛ احمد کاتب، تطور الفکر السیاسی الشیعی، ص ۲۲، ۲۳۔

[3] محمد رضا المظفر، السقیفہ، ص ۷۰، ص ۷۹۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ﷺ کی طرف سے امامت اور حکومت پر منصوب ہونے کے بارے میں ہے کہ رحلت نبی ﷺ سے لیکر موجودہ دور تک پوری تاریخ اسلام میں سب سے زیادہ بڑا جنجال ار نزاع اسی موضوع پر ہے۔ یہاں ہم چند احادیث و روایات کی حکایت اور بیان پر اکتفاء کرتے ہیں اور اس کی تفصیل خود قاری محترم پر چھوڑتے ہیں:

اول: وہ احادیث جس میں نصب، عہد، اختصاص، اصطفا، اختیار اور اخذ کے الفاظ آئے

امام علی علیہ السلام نے مختلف مقامات پر اپنی امامت کے اثبات کے لیے نبی اکرم ﷺ کی مختلف نصوص کا بار بار ذکر فرمایا، اور بعض مقامات پر حضرت نے مطلق انداز میں نبی اور وحی الٰہی کے ذریعے اپنی امامت اور نصب کو بیان فرمایا کہ یہاں اشارہ ہوتا ہے:

۱۔ حضرت نے آیت شریفہ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ [1]

کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے آپ کو صراط اور الٰہی سبیل کے طور پر ذکر فرمایا:

اَنَا صراطُ اللهِ الذِی مَن لَم یَسلُکه بِطاعَة الله فیه هَوی به اِلی النّار وَ أنا سَبیلُه الّذی نَصبی لِلاتّباع بَعدَ نبیّه [2]

میں وہی الٰہی راستہ ہوں جو اللہ کی اطاعت کے ساتھ اس پر نہ چلے وہ جہنم کی آگ میں گر جائے گا۔ میں اللہ کی راہ ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی کے بعد لوگوں کو اطاعت کرنے کے لیے اس مقام پر منصوب فرمایا۔

یہاں حضرت سب سے پہلے قانون نصب کی طرف اشارہ فرماتے ہیں اور دوسرا یہ کہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت دیتے ہیں۔

۲۔ عمر کی موت کے بعد حضرت اس کی معین کردہ چھ افراد پر مشتمل شوریٰ میں اپنے تفصیلی بیانات اور اپنے دعوی پر دلائل دیتے ہوئے نبی کے ذریعے اپنے نصب کا ذکر فرماتے ہیں:

نَشدنکُم بِالله هَل فیکُم اَحد نَصبَ رسول اللهِ یَومَ غَدیر خُم بأمرِ الله فَقَالَ: مَن کُنتُ مَولَاه فَعلی مَولَاه — غَیری؟ قَالُو: لَا [3]

۱۔ صف، آیت ۴۔

۲۔ الغدیر، ج ۱، ص ۱۵۹، مناقب خوارزمی، ص ۲۱۷ سے منقول، فرائد السمطین، باب ۵۲۔

۳۔ بحار، ج ۳۱، ص ۲۳۶۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ آیا تم میں سے کوئی میرے علاوہ ہے کہ رسول خدا نے اسے غدیر خم کے دن حکم خدا سے منصوب کیا ہو اور یہ کہا ہو: جس کا میں مولا ہوں علی بھی اس کے مولا ہیں۔ سب نے کہا: نہیں۔

واضح سی بات ہے کہ اگر نصب نہ ہوتا تو پہلی بات یہ ہے کہ حضرت بھی اس کا ذکر نہ کرتے اور دوسری بات یہ کہ حضرت کے مخاطبین اور چھ افراد پر مشتمل شوریٰ اس کی تکذیب کرتی۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اس حدیث اور دیگر احادیث کہ جنہیں حضرت ذکر فرماتے تھے ان سب کا مضمون عمومی امامت وخلافت کو بیان کرتا ہے کہ جو حضرت کی علمی و دینی مرجعیت کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے حکومت اور خلافت کے مسئلہ کو بھی بیان کرتا ہے۔ کیونکہ جہاں بھی حضرت ان احادیث کو بیان فرماتے ہیں وہاں ابو بکر، عمر اور عثمان وغیرہ سے بحث اور مجادلہ کا موقع تھا کہ اس وقت موضوع بحث مسئلہ حکومت تھا، اگر ان احادیث میں حکومت و خلافت کے مسئلہ کی طرف اشارہ نہ ہوتا تو نہ حضرت ان کا ذکر نہ فرماتے اور مخاطبین اور حاضرین بھی ان احادیث کے مسئلہ حکومت وخلافت سے ربط کا انکار کرتے اور یہ دعویٰ کرتے کہ ان کا حکومت کے مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں جیسا کہ بعض ہم عصر دانشور حضرات ان احادیث کے بارے میں یہی وہم و گمان رکھتے ہیں[1]۔

۳۔ بعض روایات میں لفظ "نصب" کا معادل لفظ "عہد" استعمال ہوا ہے، یعنی نبی اسلام ﷺ نے مسلمانوں سے حضرت علی علیہ السلام کی امامت پر عہد و پیمان لیا۔ جیسا کہ حضرت علی علیہ السلام سقیفہ کے مسئلہ میں مہاجرین اور انصار سے چاہتے ہیں کہ وہ ان کی امامت کے بارے میں نبی کے عہد کو فراموش نہ کریں۔

يَا مَعشَرَ المُهاجرينَ وَ الانصَار الله الله لَا تَنسوا عَهدَ نَبيكُم فِي اَمرى وَلا تَخرُجُوا سُلطانَ مُحمد مِن دارِه وقَعر بَيتِه اِلى دَورِكُم وقَعرَ بُيوتكِم [2]

اے مہاجرین وانصار تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں تم میرے بارے میں اپنے نبی کا عہد فراموش نہ کرو اور محمد کی حکومت کو اسکے گھر سے اپنے گھر منتقل نہ کرو۔۔۔

۴۔ حضرت ایک اور جگہ نبی اکرم ﷺ کے عہد کا یوں ذکر فرماتے ہیں:

۱۔ قبانجی، خلافت الامام علی بالنص او بالنصب، ص ۵۴۔
۲۔ بحار، ج ۲۸، ص ۱۸۶۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

وَ قَد كَانَ رَسُول اللهِ (ص) عَهدَ الى عهداً فقَال: يَابنَ ابى طَالب لَکَ وَلَايتى فان وَلوکَ فِى عَافيةٍ وَ رَجعُوا عَليکَ بِالرضَا فَقهم بِامرِهم وَ انِ اختَلفُوا عَليکَ فدعَهم وَ ما هُم فيه

رسول خدا ﷺ نے مجھ سے عہد لیا تھا اور فرمایا تھا کہ اے ابو طالب کے فرزند میری ولایت کی ذمہ داری تجھ پر ہے پس اگر امت نے عافیت کے ساتھ تم پر اجماع کیا اور رضایت کے ساتھ حکومت تمہارے حوالے کی ان پر حکومت کر اور اگر تمہارے بارے میں اختلاف کیا تو انہیں انکے حال پر چھوڑ دو۔

۵۔ کچھ اور روایات میں "نصب" کی جگہ لفظ "اختصاص اور اصطفاء" کو استعمال کیا گیا ہے۔ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کی رحلت کے سات دن بعد حضرت خطبہ الوسیلہ میں فرماتے ہیں:

فا نّ الله — اِختصّنى بوصتة وَ اصطَفانِى بِخَلافَته (۱)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے نبی کی وصیت کو میرے ساتھ خاص فرمایا اور مجھے خلافت کے لیے انتخاب اور معین فرمایا۔

۶۔ نصب کا ایک اور معادل "اختیار" کہ جس کا معنی انتخاب اور علم و اختیار کے ساتھ ساتھ آزادی سے کسی کو چن لینا ہے۔ حضرت مسئلہ خلافت کی وضاحت میں دو نظریوں کی طرف اشارہ فرماتے ہیں: پہلا نظریہ مخالفین کا نظریہ ہے کہ جو یہ سمجھتے ہیں کہ لوگوں نے ابو بکر کا انتخاب کیا، جبکہ دوسرا نظریہ یہ کہتا ہے کہ رسول خدا ﷺ نے کسی خاص شخص کو انتخاب فرمایا:

وَ زعَمُوا انّ مَن اختَارُوا مِن آلِ اَبى قحَافَه اَولى بمَقامِ رسُولِ الله مِمّن اختَارَ رَسولَ الله لمَقامه (۲)

انہوں نے گمان کیا ہے کہ آل ابی قحافہ میں سے جس کو نبی کے مقام پر انتخاب کیا ہے، وہ اس سے بہتر ہے کہ جسے رسول خدا ﷺ نے اپنے مقام کے لیے انتخاب کیا ہے۔

اس حدیث سے حضرت دو نظریوں یعنی بعض لوگوں کے انتخاب اور نبی کے انتخاب کو ذکر فرماتے ہیں، اگرچہ امام نے اس میں اپنے نام کی واضح طور پر تصریح نہیں فرمائی۔

۱۔ کافی، ج ۸، ص ۲۶۔

۲۔ سابقہ ماخذ، ص ۲۹۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

حضرت نے خلیفہ کے نصب میں لفظ "اختیار" کو اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت دی جیسا کہ نبی ﷺ سے نقل کرتے ہیں:

اَلا و ان اللہَ نظَرَ الی اھل الأرض نظرۃً فَاختَار اَخی علیًّا وَ وَزیری وَ خَلیفَتی فی اُمَّتی۔ (۱)

جان لو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کی طرف نظر کی اور میرے بھائی علی کو میری امت میں میرے بعد وصی اور خلیفہ قرار دیا۔

۷۔ نصب کا ایک اور معادل لفظ "اخذ" ہے کہ حضرت پچھلی روایت میں نبی اکرم ﷺ سے مزید نقل فرماتے ہیں:

فاوحی الیّ اَن اتَّخذَ علیًا اخاً و وصیاً وَ خلیفۃً فی اُمتی بَعدی (۲)

اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا کہ علی کو اپنی امت میں اپنے بعد اپنا بھائی، وصی اور خلیفہ قرار دوں۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

(دوم) حدیث غدیر

حضرت علی علیہ السلام نے مختلف مقامات پر اپنی امامت کے اثبات کے لیے اس حدیث شریف کو بعنوان شاہد ذکر فرمایا کہ جن کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

۸۔ حضرت نے پیغمبر ﷺ کی رحلت کے سات روز بعد اپنے مشہور خطبہ "الوسیلہ" میں یوں واقعہ غدیر بیان کرتے ہیں:

نبی کے لیے منبر کی مانند ایک چیز بنائی گئی اور آپ اس پر چڑھے اور میرا بازو اٹھایا، اس طرح بلند کیا کہ بغل کے نیچے کی سفیدی نظر آنے لگی اور اس محفل میں بلند آواز سے فرمایا:

مَن کُنتُ مولاہ فَعلیّ مَولاہُ اَللّھمّ وَالِ مَن والاہُ وَ عادِ مَن عَادہ (۳)

۱۔ کتاب سلیم بن قیس، ص ۲۳۵، ح ۱۴۔
۲۔ سابقہ ماخذ۔
۳۔ کافی، ج ۸، ص ۲۷۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

۹۔ حضرت نے خلیفہ اول کے بعض حامیوں کی طرف سے ابو بکر کی بیعت کرنے کے مطالبہ کا منفی جواب دیتے ہوئے اور حدیث غدیر کا ذکر فرماتے ہوئے یوں مدلل انداز سے فرمایا:

یَا مَعشرَ المُهاجرینَ وَ الانصَار الله الله لَا تَنسوا عَهدَ نَبیکُم فِی أمری ولَا تَخرُجُوا سُلطانَ مُحمد مِن دارِه وقَعر بَیتِه اِلی دَورِکُم وقَعرَ بُیوتکِم (۱)

اے گروہ مہاجرین وانصار تمہیں خدا کی قسم تم لوگ میری ولایت کے بارے میں اپنے نبی سے عہد وپیمان کو فراموش نہ کرو اور محمد ﷺ کی حکومت کو ان کے گھر سے اپنے گھروں کی طرف نہ نکالو۔

یہاں کچھ انصار کہتے ہیں کہ اگر ہم نے یہ بات ابو بکر کی بیعت سے پہلے سنی ہوتی تو آپ کی بیعت میں کوئی بھی اختلاف نہ کرتا۔ حضرت نے ان کا یہ عذر قبول نہ کیا اور انہیں واضح کیا کہ جب لوگ ابو بکر کی بیعت کر رہے تھے تو میں رسول خدا ﷺ کے غسل ودفن میں مشغول تھا اور یہ کہ حکومت دوسروں کے ہاتھ میں چلی جائیگی مجھے اس حوالے سے کوئی خوف نہ تھا۔

حضرت یہاں مسئلہ غدیر کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اس کے ہوتے ہوئے میں یہ گمان نہیں کرتا کہ رسول خدا ﷺ نے کسی پر حجت کو ترک اور کسی متکلم کیلئے کوئی کام باقی رکھا ہو:

ولَا عَلمتُ انّ رسولَ اللهِ (ص) تَرکَ یومَ غَدیر خُم لأحد حُجّة ولَا لِقَائلِ مقالاً (۲)

جب حضرت نے حاضرین سے کہا کہ جس نے بھی نبی سے غدیر کا مسئلہ سنا ہو تو گواہی دے تو بارہ افراد نے گواہی دی۔

۱۰۔ حضرت نے غدیر کی توصیف میں واضح اور شفاف انداز میں نبی اکرم ﷺ سے امامت اور حکومت کا منصوب ہونا بیان فرمایا:

هذا یَومُ النصُوص عَلی اهل الخُصوصِ هذا یَومَ شیث هذَا یَوم اِدریس هذَ ایومُ هود هذَا یومُ یوشَع هذَا یومُ شمعُون (۳)

۱۔ بحار، ج ۲۸، ص ۱۸۶، وسایل الشیعہ، ج ۱۲، ص ۱۱۵۔

۲۔ بحار، ج ۲۸، ص ۱۸۶؛ وسائل الشیعہ، ج ۳، ص ۱۱۵۔

۳۔ الغدیر، ج ۱، ص ۲۸۴۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

حدیث کے الفاظ مثلاً نص اور حضرت کا ان انبیاء کی طرف اشارہ کہ جو پچھلے نبی کے ذریعے نبوت و حکومت کے الٰہی منصب پر فائز ہوئے، یہ سب کچھ تفصیل کا محتاج نہیں ہے۔

۱۱۔ جب ابو بکر اور عمر حضرت کی بیعت لینے کے لیے ان کے گھر میں داخل ہوئے، تو حضرت نے مسجد میں انہیں یہ جواب فرمایا:

انّ فلاناً و فلاناً أتیانی وَ طالبَا نی بِالبَیعة، لِمن سَبیلِه اینَ یُبایعُنی — انّ صاحبَ یومِ الدوح أنَا الوَصی عَلی الأموَات مِن اهلِ بیتِه و أنا بقیته علی الأحیاء مِن أمتِه (۱)

بے شک فلاں اور فلاں نے میری طرف رجوع کیا اور مجھ سے کسی کی بیعت چاہی کہ وہ شخص ضروری تھا کہ میری بیعت کرتا (یہاں حضرت اپنی کمال صفات اور خصوصیات کی طرف اشارہ کرتے ہیں) صاحب روز دوح (یعنی غدیر) ہوں۔ میں اہل بیت نبی کی اموات پر وصی ہوں اسی طرح ان کی امت کے زندہ لوگوں پر نبی کا جانشین ہوں۔

پھر حضرت بغیر بیعت کے اپنے گھر لوٹ جاتے ہیں۔

۱۲۔ ابو بکر اور عمر پھر دوبارہ حضرت کی بیعت لینے کے لیے ان کے گھر داخل ہوتے ہیں، لیکن اس دفعہ دھمکیوں اور سخت اعمال انجام دیتے ہوئے داخل ہوئے کہ تاریخ میں سب کچھ درج ہے۔ حضرت نے بیعت کرنے سے انکار کیا کہ عمر حضرت کو قتل کرنے کی دھمکی دیتا ہے تو حضرت اس مشکل کا حل نہ کہ کسی لڑائی و جھگڑے بلکہ حاضرین کو نصب کا مسئلہ یاد کروانے میں دیکھتے ہیں، مہاجرین اور انصار کو خطاب کرتے ہوئے ان سے تقاضا کرتے ہیں کہ خدا کی خاطر واقعہ غدیر اور جنگ تبوک کا واقعہ یاد کرو:

یَا معاشرَ المسلِمینَ وَ المُهاجرینَ وَ الأنصارِ أنشدکُم الله أسمعتُم رَسولَ اللهِ یقُول یَومَ غدیر خُم کَذا وَ کَذا وَ فِی غَزوةِ تَبوک کَذ ا وَ کَذا (۲)

ایک طرف حضرت علی علیہ السلام اور ان کے شیعہ اور دوسری طرف خلیفہ اول اور دوم اور ان کے پیروکار کہ ان میں گفتگو اور مجادلہ آگے بڑھتا ہے کہ قاری محترم کو ان تمام واقعات کے پڑھنے کی دعوت دی جاتی ہے۔

۱۔ بحار، ج ۲۸، ص ۲۴۸۔

۲۔ سابقہ ماخذ، ص ۲۰۴۔ ۲۰۷؛ کتاب سلیم بن قیس، ص ۵۸۷۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

خلیفہ اول اور دوم اور تمام مسلمانوں کے ساتھ نصب کے مسئلہ پر حضرت کے خطبات بہت زیادہ اور متواتر ہیں کہ ہم ان سے گذر جاتے ہیں۔

۱۳۔ حدیث غدیر کے ذریعے حضرت کا احتجاج صرف نبی ﷺ کی رحلت کے شروع میں ہی نہ تھا بلکہ خلیفہ دوم، سوم حتی کہ اپنی امامت کے زمانہ میں بھی حضرت علیہ السلام کی عنایت اور اہتمام کا مرکز رہا، مثلاً عثمان کے زمانہ میں بنی ہاشم، سلمان، ابوذر اور چند دیگر افراد کے مجمع سے حضرت نے خلیفہ اول، دوم کے نادرست اعمال کی طرف اشارہ کیا اور ان کا واقعہ غدیر میں حاضر ہونا بیان فرمایا:

هُو صَاحبُ يَوم غدير خُم اِذ قَال هُو و صَاحبُه (ابوبكر) حِينَ نصَبى رسول الله (ص) لولايتى، فقَال — لَا وَالله لَا أسمع لَه ولَا اطيعُ ابداً (۱)

عمر روز غدیر موجود تھا کہ اپنے دوست (ابو بکر) سے گفتگو کر رہا تھا، جب نبی اکرم ﷺ نے مجھے ولایت پر منصوب فرمایا؛ تو اس نے کہا خدا کی قسم نہ میں اس کی بات سنوں گا اور کبھی بھی اس کی اطاعت نہیں کروں گا۔

۱۴۔ دوسرے خلیفہ نے بعد والے خلیفہ کی تعین کو چھ افراد پر مشتمل ایک گروہ کے سپرد کیا کہ جن میں علی، عثمان، طلحہ، زبیر، عبد الرحمٰن اور سعد بن ابی وقاص تھے کہ جس میں مختلف امیدوار تھے۔ حضرت نے اس سیاسی موڑ میں بھی اپنے شرعی حق کو بیان کرنے میں چشم پوشی نہیں کی اور مختلف مواقع پر اپنی الٰہی امامت کے اثبات کے لیے اپنی ذاتی صلاحیت کے ساتھ پیغمبر اسلام ﷺ کے نصب کا ذکر کیا حتی کہ حاضرین سے یہ چاہا کہ نبی ﷺ کے مسئلہ نصب کا اہتمام کریں اور اسے نظر انداز نہ کریں:

نَشدتكُم بِالله هَل فيكُم أحد نَصبَه رسُولُ الله يَوم غَدير خُم بِأمر الله فَقالَ مَن كُنتُ مولَاه — اَلا انّ هذا ابنُ عمّى وَ وَزيرِى واَزرُوه وَ صَدقُوه فانّه وَلِيّكُم (۲)

میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کیا تم میں سے کوئی گواہ ہے کہ جب رسول خدا ﷺ نے غدیر خم کے دن اللہ کے حکم سے منصوب کیا اور فرمایا: من کنت مولاہ۔۔ یاد رکھو یہ میرے چچازاد ہیں، میرے وزیر ہیں انہی کی طرف بڑھو اور انکی تصدیق کرو کیونکہ وہ تمہارے ولی ہیں۔

۱۔ کتاب سلیم بن قیس، حدیث ۱۴، ص ۵۸۷۔

۲۔ بحار، ج ۳۱، ص ۳۲۶۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

۱۵۔ حضرت عثمان کی خلافت کے زمانہ میں انصار اور مہاجرین کے ایک گروہ میں کہ ہر کوئی اپنے فضل پر فخر کا اظہار کر رہے تھے، فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ جب لوگوں نے آیت "اولی الامر" اور "ولیکم اللہ" کی تفسیر اور تعیین کے بارے میں سوال کیا، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ ان کا ولی معین کرو تو حضرت نے مجھے لوگوں کے لیے منصوب فرمایا۔ پھر حضرت نے تفصیل کے ساتھ روایاتِ نص کو بیان فرمایا[۱]۔

حضرت نے اپنی خلافت کے دوران اور مخالفین کے ساتھ جنگ میں بھی حدیث غدیر سے تمسک کیا کہ اشارہ کیا جاتا ہے۔

۱۶۔ جنگ جمل میں طلحہ مخالف لشکر میں تھا، حضرت نے اس کی طرف اپنا نمائندہ بھیجا تاکہ اس سے ملاقات کرے۔ حضرت نے اسے خدا کی قسم دیتے ہوئے پوچھا کہ کیا تم نے حدیث غدیر نہیں سنی؟ طلحہ نے کہا مجھے یہ بات یاد نہیں تھی پھر طلحہ حضرت کے یاد دلانے کی بناء پر لوٹ گیا[۲]۔

۱۷۔ جنگ صفین کے آغاز میں حضرت نے اپنے لشکر کو جنگ کی ترغیب دلانے اور اپنی حکومت کی شرعی حیثیت کو بیان کرنے کے لیے روز غدیر میں نبی اکرم ﷺ کے مسئلہ نصب کا ذکر فرمایا:

اَما سَمعتُم قَولَ رسولِ اللہ (ص) یَوم الغَدیر فِی ولَایتی وَ مَوالَاتِی [۳]

۱۹۔ جنگ صفین میں حضرت اپنے لشکر کے درمیان منبر پر جاتے ہیں، اپنے فضائل کے بیان کے دوران مسئلہ نصب پر بہت تاکید فرماتے ہیں، تو حضرت کے لشکر میں وہ لوگ کہ جو غدیر خم میں حاضر تھے وہ حضرت کی تصدیق کرتے ہیں[۴]۔

۲۰۔ معاویہ کے جواب میں حضرت اپنی جنگ اور حکومت کے شرعی جواز کے اثبات کے لیے مسئلہ نصب کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

---

[۱]۔ مسند احمد، ج۱، ص ۸۴، ۱۰۱، ۱۱۸، ۱۱۹؛ مسند بزار، ج۲، ص ۱۳۳؛ مسند ابی یعلی، ج۱، ص ۴۲۸؛ سنن النسائی الکبری، ج۵، ص ۱۳۶، ۱۵۴؛ کنز العمال، ج۱۳، ص ۷۴۔

[۲]۔ الغدیر، ج۱، ص ۱۸۶۔

[۳]۔ بحار، ج۳۲، ص ۳۸۸۔

[۴]۔ کتاب سلیم بن قیس، حدیث ۲۵، ص ۷۔۲۹۶۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

فَالعجبُ من معَاوية بن اَبی سُفيَان يُناز عُنی الخلَافةَ و يَحجُدنی الأمَامةَ ـ اَما سَمعتُم قَولَ رسُول الله يَومَ الغَدير فِی وِلايَتی وَ مُوالَاتی (۱)

مجھے معاویہ پر تعجب ہے کہ خلافت کے مسئلہ میں میرے ساتھ نزاع کر رہا ہے اور میری امامت کا انکار کر رہا ہے۔۔۔آیا تم نے روز غدیر میری ولایت اور موالات پر نبی اکرم ﷺ کی بات نہیں سنی۔

۲۱۔ حضرت چھوٹے بڑے اجتماع حتی کہ عام لوگوں کے اکٹھے ہونے کی جگہوں مثلاً کوفہ کے بڑے چوک میں مسئلہ امامت اور قانون نصب کو بیان کرنے میں خصوصی عنایت رکھتے تھے اور ضروری مواقع پر اپنے مخاطبین سے چاہتے تھے کہ مسئلہ غدیر پر توجہ کریں اور جو کچھ اس دن انجام پایا اس کی گواہی دیں۔ روائی اور تاریخی اصطلاح میں حضرت کے اصحاب اور اپنے مخاطبین سے اس قسم کے تقاضوں اور قسم دینے کو کہ جس میں وہ غدیر کے واقعہ کی گواہی دیتے تھے، مناشدات کہا جاتا ہے کہ اس قسم کے دسیوں مناشدات سنی اور شیعہ کتابوں میں درج ہیں، مثلاً مسند احمد بن حنبل میں آیا ہے:

جَمعَ علیٌ (ع) النَاسَ فِی الرحبَة (محلة بالكوفة) ثُم قَال لَهم: أنشدَ الله كل امرىء مُسلِم سَمعَ رسُول الله (ص) يقول يوم غدير خم ما سمع لمّا قام (۲)

حضرت نے کوفہ کے کچھ لوگوں کو ایک میدان میں جمع کیا اور انہیں فرمایا: میں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ ہر مسلمان فرد نے جو کچھ بھی نبی اکرم ﷺ سے غدیر خم میں سنا ہے بیان کرے۔

تو روایت میں آتا ہے کہ تیس افراد نے کھڑے ہو کر گواہی دی۔

۲۲۔ حضرت نے روز غدیر اور جمعہ کے اکٹھا ہونے کے موقع پر خطبہ میں اس مسئلہ کا بھرپور تجزیہ فرمایا۔ حضرت نے غدیر کو عید اور دین کے کامل ہونے کے دن سے توصیف کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر وحی فرمائی کہ جو کچھ انتخاب ہونے والوں کے بارے میں ہے، لوگوں کے لیے بیان فرمائیں (۳)۔

۱۔ بحار، ج ۳۴، ص ۱۳۳؛ مصباح البلاغہ، ج ۱، ص ۲۹۴۔

۲۔ مسند احمد، ج ۱۷، ص ۸۲/ ۱۹۳۲۱؛ مسند بزاز، ج ۲، ص ۱۳۳، ۴۹۲، موسوعۃ امام علی، ج ۲، ص ۳۲۲ سے منقول؛ الغدیر، ج ۱، ص ۹۳؛ البدایہ و النہایہ، ج ۷، ص ۳۴۶۔

۳۔ الغدیر، ج ۱، ص ۲۸۴۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

۲۳۔ حضرت نے اپنی عمر شریف کے آخر میں اور جنگ نہروان کے اختتام کے بعد کہ دوبارہ پہلے تین خلیفوں کی حکومت اور خلافت پر مناقشات کا آغاز ہو چکا تھا، ایک تفصیلی خط لکھا کہ جس میں تفصیل کے ساتھ اپنے بیانات فرمائے اور اس کے ایک مقام پر واضح فرماتے ہیں: امت کی حکومت سب سے پہلے نبی اور ان کے بعد میرے ساتھ مخصوص تھی، حضرت خود اپنی حجت اور گواہی کے طور پر حدیث غدیر کا ذکر فرماتے ہیں:

فَكانَ لِلنَّبی (ص) ولَاء هذِهِ الأُمة وكانَ لی بَعده مَا كَان لَه ــ يَقولُ النَّبی (ص) يَومَ غَدير خُم ــ [1]

سوم: حدیث منزلت

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ ان کے بھائی ہارون کو ان کا وزیر اور جانشین قرار دے۔ تو ان آیات کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ ہارون کو پانچ رتبے اور مقام ملے: (۱) وزارت (۲) پشت پناہ (۳) تبلیغ میں شریک (۴) حضرت موسیٰ کے جانشین اور نمائندہ (۵) نبوت۔

نبی اسلام ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ اپنے تعلق کو موسیٰ کے ہارون سے تعلق کے ساتھ توصیف کیا اور پیغمبر ﷺ نے مختلف مقامات پر حضرت علی علیہ السلام کو ہارون کی مانند اپنے ساتھ تشبیہ دی، مثلاً عمومی دعوت کے سب سے پہلے دن، بھائی چارہ کے دن (مدینہ میں داخل ہونے کے پہلے دن)، جب تمام دروازے کہ جو مسجد النبی میں کھلتے تھے ان کے بند ہونے اور حضرت علی علیہ السلام کے دروازہ کے کھلا رہنے کے دن، فتح خیبر اور جنگ تبوک کے بعد، آپ نے فرمایا:

أنت منّی ــ بِمنزلَة هارونَ مِن مُوسی غَير انّه لَا نبیَّ بَعدِی [2]

اس حدیث کی حضرت کی امامت اور خلافت پر دلالت روشن ہے، جیسا کہ کہا جا چکا ہے کہ ہارون نے حضرت موسیٰ کے رتبے اور وظائف اپنے لیے حاصل کیے ہیں (دینی، سیاسی اور معاشرتی رہبر بالفاظ دیگر تمام امور میں جانشینی)

---

[1] بحار، ج ۳۰، ص ۷۔

[2] صحیح بخاری، ج ۳، ص ۱۳۵۹، ج ۴، ص ۱۶۰۲؛ صحیح مسلم، ج ۴، ص ۱۸۷۱؛ مسند احمد، ج ۱، ص ۷۰۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

پیغمبر ﷺ نے بھی اس نکتہ کی صراحت فرمائی اور حضرت کی اپنی نسبت سے مطلق منزلت بیان فرمائی، فقط مسئلہ نبوت کا استثناء کیا گیا۔

امام علی علیہ السلام نے مختلف موارد میں اپنی الٰہی امامت کی شرعی حیثیت کے اثبات کیلئے حدیث منزلت کا ذکر فرمایا اور یہ خبر بذات خود دلالت کرتی ہے کہ حدیث منزلت ان کی امامت پر دلیل اور شاہد ہے۔

۲۴۔ حضرت نے ابو بکر سے احتجاج کے دوران اپنی ایک دلیل حدیث منزلت ذکر فرمائی:

فأنشدک اللهُ الی وزارةٍ من رَسولِ اللهِ (ص) وَ المثلُ من هارونَ وموسی ام لَکَ قَال: بَل لکَ [1]

تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں کہ مجھے جواب دو کہ آیا نبی کی وزارت کا منصب اور موسی سے ہارون کی منزلت کا مقام میرے لیے تھا یا تمہارے لیے؟ ابو بکر نے جواب دیا: آپ کے لیے۔

۲۵۔ حضرت خود نقل فرماتے ہیں کہ میں عمر کے پاس سے گزرا کہ اس نے کہا کہ نبی اس درخت کھجور کی مانند ہے کہ جو مذبلہ میں پروان چڑھا ہو، نبی اس بات کو سن کر سخت ناراض ہوئے اور منبر پر گئے اور ایک خطبہ میں فرمایا:

انّه بمنزلةِ هارونَ من موسی — الا و انّ اللهَ نظَر الیٰ اهلِ الأرض نظرةً فَاختارَنی منهُم ثُم نظرَنظرةً فَاختارَ اخِی علیًّا وَ وَزیرِی وَ وصیِّ و خَلِیفَتی فِی امّتی وَ ولی کل مُومن بَعدی [2]

بلاشبہ وہ میرے لیے ایسے ہیں جیسے موسی کے لئے ہارون۔۔۔ یاد رکھو اللہ نے زمین والوں کی طرف نظر کی مجھے منتخب کیا، پھر دوبارہ نظر ڈالی تو میرے بھائی علی کو منتخب کیا اور اسے میرا وزیر، میرا وصی، میری امت میں میرا خلیفہ اور میرے بعد ہر مومن کا ولی قرار دیا۔

آنحضرت کی رحلت کے سات دن بعد حضرت نے اپنے مشہور خطبہ "الوسیلہ" میں یہ قانون بتاتے ہوئے کہ ہر نبی نے لوگوں کی ہدایت اور انہیں گمراہی سے نجات کے لیے ایک جانشین معین کیا، لیکن چونکہ نبی اسلام خاتم الانبیاء ﷺ ہیں مجھے غیر نبی کی صورت میں اپنا جانشین بنایا اور فرمایا ہے:

---

[1] بحار، ج ۲۹، ص ۶۔

[2] کتاب سلیم بن قیس، ص ۱۳۵، حدیث ۱۴۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ایّھا النّاس انّ علیاً منّی کَھارُون مِن مُوسیٰ الّا انّہ لَا نَبی بَعدی

حضرت اس حدیث کی وضاحت میں فرماتے ہیں یہاں میری بعنوان خلیفہ تعیین ہے، جس طرح کہ ہارون موسیٰ کے خلیفہ تھے:

وَ لکِن کَان ذلکَ منہ استخلافاً لی کَما استَخلفَ مُوسی ھارون (۱)

۲۶۔ حضرت نے عمر کی وفات کے بعد چھ افراد پر مشتمل شورای میں بھی اپنی امامت کے اثبات کے لیے حدیث منزلت کا حوالہ دیا اور اس شورای سے کہا کہ وہ جواب دیں کہ حدیث منزلت ان کے بارے یں نازل ہوئی یا خود حضرت کے بارے میں؟

نَشدتکُم باللہِ ھَل فِیکمُ احد قَال لہ رسُولُ اللہ ــ اَنت منّی بِمنزلَۃ ھارونَ من موسی الّا انّہ لَا نَبی بَعدی (۲)

چہارم: حدیث خلافت

لفظ خلیفہ اور خلافت سے مراد حکومت، دینی و سیاسی اور معاشرتی رہبری ہے اور اس زمانہ میں اس سے مراد دینی رہبری لیا جاتا تھا۔ حضرت بعض مقامات پر اپنی امامت کے اثبات کے لیے بیان فرماتے ہیں کہ نبی اسلام ﷺ نے انہیں اپنا خلیفہ معین فرمایا کہ ان موارد کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

۲۷۔ حضرت نے نبی ﷺ کی رحلت کے سات دن بعد خطبہ "الوسیلہ" میں مسئلہ نصب اور اپنے مقام کا امت اسلامی میں بعنوان وصی اور خلیفہ نبی ذکر فرمایا:

فانَّ اللہَ تبارکَ اسمہ ــ و اختَصنی بوَصیتِہ وَ اصطفَانی بخَلافَتہ فِی امّتہ (۳)

بے شک اللہ تعالیٰ (کہ اسکا نام متبرک ہے) نے مجھے نبی کے وصی ہونے سے خاص کیا اور اس کی امت میں اسکا خلیفہ منتخب کیا۔

۱۔ کافی، ج ۳، ص ۲۶، ۲۷۔
۲۔ بحار، ج ۳۱، ص ۳۱۵، ۳۲۶۔
۳۔ کافی، ج ۸، ص ۲۹۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

حضرت نے اس خطبہ میں اپنے حق کے غاصبوں سے شکوہ کرتے ہوئے انحراف کا ایک مورد نبی کا خلیفہ اور جانشین کا تبدیل کرنا بتایا کہ حضرت نے اسے ظلم سے تعبیر کیا اور ان کے عقیدہ کو یوں نقل کیا کہ ان کے زعم و گمان میں ابو بکر خلافت میں نبی کے بنائے ہوئے خلیفہ سے اولی ہے

وَ استبدلُو بِمُستَخلفِه بديلاً اتخذُوه وَ كَانُوا ظَالمينَ وَ زَعمُوا انّ مَن اختَارُوا مِن آلِ ابی قحَافه اولی بمَقامِ رَسولِ الله (ص) عَن اختَار رَسولِ الله لمَقامِه [1]

انہوں نے خلیفہ بناکر نبی کے منصوب شدہ خلیفہ کو تبدیل کیا کہ جو ان کے ظلم کو بتا رہا ہے، انہوں نے صرف یہ گمان کیا ہے کہ ان کا منتخب خلیفہ (ابو بکر) نبی کے مقام اور مسند پر خود نبی کے بنائے ہوئے خلیفہ سے اولی ہے۔

حضرت خلیفہ اول کے حامیوں کی باطل توجیہ کی طرف یوں اشارہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنے انتخاب پر شرعی جواز کے لیے نبی ﷺ کی نسبت جھوٹ بولا اور غلط شہادت دی کہ نبی ﷺ نے کوئی خلیفہ نصب اور معین نہیں کیا:

وَ قَالُوا: انّ رسولَ الله (ص) مَضی وَ لم يَستخلف فَكانَ رسولُ الله (ص) الطيبُ المبارک اوّل مَشهُود عَليه بِالزورِ فی الاِسلام [2]

۲۸۔ حضرت نے عمر کی وفات کے بعد خلیفہ کی تعین کے لیے اس کی طرف سے بنائی ہوئی چھ افراد کی شورای میں یوں دلیل دی:

نَشدتكُم بالله هَل فيكُم احد قَال لَه رسولُ الله انتَ الخليفةُ فی الأهل وَ الولدِ وَ المسلمينَ فی كُل غَيبة [3]

میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کیا تم میں سے کوئی تھا جب رسول خدا ﷺ نے فرمایا: آپ میری ناموجودگی میں اہل بیت، اولاد اور تمام مسلمین میں خلیفہ ہیں۔

---

[1] ۔ سابقہ ماخذ۔

[2] ۔ سابقہ ماخذ۔

[3] ۔ الکافی، ج ۸، ص ۲۶۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

۲۹۔ حضرت، نبی اسلام ﷺ کے خطبہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ جس میں انہیں امت میں آنحضرت ﷺ کے خلیفہ کے عنوان سے تعیین کیا گیا:

اَلا وانَ اللهَ نظَر الی اَهل الأرض نظرةً فاختَار اَخی علیاً وَ وزیری وَ وصیّی وَ خلیفَتی فی امّته وَ ولیّ کل مُومن بَعدی فَبعثَنی رَسولَ نبیاً دلیلاً فاوحی الیّ اَن اتخذ علیًّا اخاً وولیًّا وَ وصیاً و خلیفةً فی اُمتی بَعدی [1]

۳۰۔ حضرت نے مسجد میں بعض بنی ہاشم اور اپنے شیعوں مثلاً ابوذر، مقداد، محمد بن ابی بکر کے درمیان مخالفین کے اس دعویٰ کا جواب دیتے ہیں کہ جس میں وہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے کسی کو خلیفہ معین نہیں کیا اور یہ چیز لوگوں کے حوالے کی:

سُبحانَ الله ممّا اشربَت قلوبُ هذه الأُمة مِن بلیَّتها وَ فتنتِها مِن عجلهَا وَ سامریهَا، انهُم اقروا وَ ادعوا رسولَ الله لَم یستخلف احداً و انّه امرَ بالشوری [2]

اللہ پاک و منزہ ہے ان چیزوں سے کہ جن سے اس امت کے دل مصیبتوں اور فتنوں (مثلاً سامری اور اس کے گوسالہ کی مانند) سیراب ہو چکے ہیں، انہوں نے سب سے پہلے نبی کی خلافت کا اقرار کیا اور پھر دعوی کیا کہ نبی نے کسی کو اپنا جانشین قرار نہیں دیا بلکہ یہ ذمہ داری شوریٰ پر ڈال دی ہے۔

پھر حضرت بتاتے ہیں کہ انہوں نے اپنے دعوی یعنی شورای کی طرف بھی خلیفہ کی تعیین میں رجوع نہیں کیا اور ابو بکر کو فوری اور ناگہانی منتخب کیا، اسی طرح ابو بکر نے عمر کے انتخاب میں شوریٰ قائم نہیں کی بلکہ اسی طرح ہی منتخب کیا اور عمر نے بھی اسی طرح بجائے اس کے حکومت کے امر کو لوگوں کی شوریٰ کے حوالے کرے، اسے چھ افراد کی شوریٰ پر چھوڑ دیا[3]۔

حدیث وزارت

بعض نصوص میں آنحضرت ﷺ نے حضرت علی (ع) کا اپنے وزیر کے طور پر تعارف کروایا۔ واضح بات ہے کہ حضرت کا اس منصب پر انتخاب ان کی ذاتی صلاحیت اور کمالات سے حکایت کرنے کے ساتھ ساتھ اس منصب پر

---

[1] کتاب سلیم بن قیس، ص ۲۳۵۔
[2] سابقہ ماخذ، ص ۲۴۱۔
[3] سابقہ ماخذ۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

نبی ﷺ کے ذریعے ان کی تعیین کو بھی بتا رہا ہے۔ شاید یہاں یہ وہم ہو کہ یہ وزارت کا مقام نبی ﷺ کے زمانہ حیات کے ساتھ خاص ہے اور ان کی رحلت کے بعد کے دور کو شامل نہیں ہے۔ اس کے جواب میں کہیں گے سب سے پہلی بات یہ کہ نبی کی نصوص بتاتی ہیں کہ یہ حضرت علی علیہ السلام کا ذاتی مقام تھا انہیں تبدیل کرنے یا معزول کرنے میں کوئی علت اور وجہ نہیں تھی۔

بالفاظ دیگر نبی کی نصوص مطلقاً بلکہ واضح طور پر رحلت کے بعد والے زمانے کو شامل ہیں۔ اس کی دلیل خود حضرت کا مخالفین پر ان نصوص کو ذکر کرنا ہے، اس بناء پر مخالفین نے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اس وضاحت کے ساتھ چند روایات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

۳۱۔ حضرت نے ابو بکر کے ساتھ بحث کرتے ہوئے اس سے چاہا کہ واضح کرے کہ آیا میں پیغمبر کے لیے وزیر اور ہارون کی مانند تھا یا وہ؟

فأنشدکَ اللہ الی الوَزارۃ مِن رسول اللہ (ص) وَ المثلُ من ھارونَ و موسی ام لَکَ قَال: بَل لکَ [1]

ابو بکر حضرت کی دلیل کو قبول کر لیتا ہے اور یہ شبھہ کہ وزارت نبی کی حیات کے ساتھ خاص ہے بیان نہیں کرتا۔

۳۲۔ گذشتہ صفحات میں بیان ہوا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے ذریعے اپنے لیے وزارت کے مقام کی تعیین پر حدیث سے مخالفین پر احتجاج کیا ہے۔ حضرت کی وزارت کا اللہ تعالیٰ کے ذریعے انتخاب میں اہم نکتہ یہ ہے کہ یہ مقام نبی ﷺ کی رحلت کے بعد بھی جاری ہے:

اَلا و انَّ اللہ نَظر الی اھل الاَرض فَاختارَ اخی علیًا و وَزیری وَوَصیی وَ خلیفَتی فِی امَّتی و وَلی کل مومن بَعدی [2]

۳۳۔ حضرت نے عمر کی وفات کے بعد خلیفہ کی تعیین کے لیے چھ افراد پر مشتمل شوریٰ میں بھی نبی ﷺ کی حدیث کے اس فراز کو ذکر کیا:

---

[1] بحار الانوار، ج ۲۹، ص ۶ و ۷۔

[2] کتاب سلیم بن قیس، ص ۲۳۵، حدیث ۱۴۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

نَشدتکُم باللهِ هَل فیکُم احد قَال لَه رسولُ اللهِ: انتَ اخی وَ وزیری وَ صاحبِی مِن اَهلی، غَیری؟ قَالوا: لا [1]

میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کیا تم میں سے کوئی میرے علاوہ ہے کہ جس کے بارے میں رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہو: تم میرے بھائی، میرے وزیر اور میرے اہلبیت میں سے میرے ساتھی ہو؟ سب نے کہا: نہیں۔

واضح سی بات ہے اگر یہ حدیث حضرت کی امامت اور حکومت پر دلالت نہ کرتی تو سب سے پہلی بات یہ ہے کہ: حضرت ان کا ذکر نہ کرتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ: مذکورہ شوریٰ کے اعضاء حضرت کی دلیل پر بحث کرتے یا اس کی تائید نہ کرتے۔

۳۴۔ واقعہ غدیر میں بھی نبی کے ذریعے حضرت علی کے لیے کلمہ وزیر استعمال ہوا ہے، حضرت شورای کے سامنے اپنے بیان میں حدیث غدیر سے یوں دلیل دیتے ہیں:

نَشدتکُم باللهِ هَل فیکُم احد اخذَ قَال له رسولُ اللهِ بیَده غَدیر خُم ویقول: اَلا انّ هذَا بنَ عمّی وَ وزِیری وَ وارزُوه و نَاصحُوه وَ صدقُوه فانّه ولیکُم غَیری قَالو: لَا [2]

یہ کہ نبی اکرم ﷺ اپنی عمر شریف کے آخری سال میں حضرت کا بعنوان وزیر تعارف کرواتے ہیں اور لوگوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ حضرت سے بعنوان وزیر برتاؤ کریں اور اس کا بعنوان ولی تعارف، تصدیق اور نصیحت، یہ سب حضرت کی نبی ﷺ کی رحلت کے بعد سیاسی اور معنوی رہبری پر دلالت ہے اور صرف ان کی علمی و دینی مرجعیت سے خاص نہیں ہے، کیونکہ وزیر اور بعنوان ولی اور جانشینی کی تعبیریں نیز انکی تصدیق کے احکامات، حضرت علی علیہ السلام کی علمی اور سیاسی مرجعیت میں نبی کی جانشینی کے ساتھ سازگار ہیں۔

حدیث امیر المومنین

صدر اسلام میں لفظ "امیر المومنین" ایک سیاسی اور معاشرتی حیثیت رکھتا تھا کہ لوگوں کے سیاسی، معاشرتی اور معنوی حاکم اور رہبر پر اطلاق ہوتا تھا۔ نبی اسلام ﷺ نے مختلف مقامات پر حضرت علی علیہ السلام کو "امیر

---

[1] ۔ بحار، ج ۳۱، ص ۳۳۰۔
[2] ۔ سابقہ ماخذ، ص ۳۳۳۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

المومنین " یا "امرة المومنین" کے ساتھ توصیف کیا اور مسلمانوں سے چاہا کہ جب بھی حضرت کو سلام کریں، انہیں نہ ایک عام مسلمان کے عنوان سے بلکہ امیر المومنین کی حیثیت سے سلام کریں۔ اس طریقہ سے نبی ﷺ چاہتے تھے کہ حضرت کی حکومت کے اسباب فراہم ہو۔ حضرت علی علیہ السلام نے مخالفین کے ساتھ احتجاج میں اس نکتہ اور حدیث کو بھی ذکر کیا جو خود حضرت کے دعوی پر دلالت کو بیان کرتی ہے کہ ان میں سے بعض موارد کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

۳۵۔ حضرت نے ابو بکر کے ساتھ اپنے مناقشہ میں اپنی امامت پر مختلف دلائل پیش کیے کہ جن میں ایک دلیل مندرجہ بالا حدیث ہے، فرماتے ہیں:

فأنشدکَ باللهِ انَا الذی اَمرلی رسولُ الله (ص) اصحابَه بالسلَام علیّ بالأمرةِ فی حیَاته اَم انتَ ؟ قَال: انتَ [1]

اے ابو بکر تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں کہ آیا وہ میں ہوں کہ جس کے بارے میں نبیؐ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ مجھے بعنوان امیر سلام کریں یا تم ہو؟ اس نے کہا: آپ ہیں۔

نتیجہ بحث

۱۔ مصنف یہاں بیان ہونے والی احادیث و روایات بالخصوص کتاب سلیم بن قیس [2] کی تمام روایات کی اسناد کے قطعی اور یقینی ہونے کا دعویدار نہیں ہے اور ممکن ہے بعض روایات حدیثی مشکلات مثلاً ضعیف یا مرفوعہ ہونا رکھتی ہوں، لیکن اس کے باوجود صحیح اور قابل وثوق روایات موجود ہیں کہ جو شیعہ اور سنی ماخذ میں موجود ہیں۔

اگر ان سب روایات اور مختلف اسناد کہ جو ایک ایک مضمون کو بیان کرتی ہیں، مجموعی نظر ڈالیں تو اجمالی اور معنوی تواتر حاصل ہوتا ہے اور یہ دعوی کیا جاسکتا ہے کہ یقیناً امام علی علیہ السلام نے مخالفین کے ساتھ احتجاج میں احادیث نبوی کو ذکر کیا ہے اور اس اعتبار سے احادیث کے معتبر ہونے میں شک نہیں کیا جاسکتا۔

---

[1] ۔ الغدیر، ج ۱، ص ۷۰؛ مستدرک نہج البلاغہ، ج ۳، ص ۲۰۵؛ بحار، ج ۲۹، ص ۱۳۔

[2] ۔ یہاں دو نظریے ہیں رجوع کریں: محمد باقر انصاری، مقدمہ کتاب سلیم بن قیس، قاسم جوادی، مقالہ "کتاب سلیم بن قیس" مجلہ علوم حدیث، شمارہ ۳۴، ۳۵، ۳۶۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

۲۔ تمام روایات اور حضرت علی علیہ السلام کا خلافت و امامت اور بیعت کے مسئلہ میں ان نصوص کے بیان کرنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ امامت کے مسئلہ میں نبی اسلام ﷺ کی احادیث اپنے عام معنی میں یعنی علمی، دینی مرجعیت اور سیاسی و معاشرتی خلافت و رہبری کو شامل ہیں۔

۳۔ روایات کے مخصوص الفاظ اور ان روایات کے مضامین سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علی کی بعنوان خلیفہ اور امام امت تعیین صرف نص اور ایک امیدوار کی حیثیت سے تعارف نہ تھا، بلکہ آپ اللہ اور رسول کی طرف سے منصوب تھے کہ ان کی اطاعت اسلامی امت پر دینی واجب اور لازم کی صوت میں تھی۔

۴۔ امام علی علیہ السلام جب اپنے منصوب ہونے پر احادیث نبوی سے استدلال کرتے ہیں، تو یہ نکتہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت امامت میں اساسی رکن الٰہی نصب اور وحی سے اس مقام پر فائز ہونا بتاتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ مقام صرف ان کی ذات کو عطا ہوا ہے نہ کسی دیگر خلفاء کو۔ بنابرایں جو لوگ امام علی علیہ السلام کو مومن اور ان کی عدالت و صداقت پر حداقل ایمان رکھتے ہیں۔

ان کے اس عقیدہ کو ایک دینی حکم سمجھیں اور ایسی نصوص کو نہ دیکھنے پر ان کی امامت کی توجیہ یا انکار نہ کریں۔ اہل سنت جو کہ حضرت کی عدالت و صداقت پر ایک عظیم صحابی کی حد تک ایمان رکھتے ہیں، تو حضرت کے دنیا و آخرت میں اس سارے احتجاج کا منطقی اور ضمیر کی رو سے جواب دینے کے لیے تیار ہوں۔ ان تمام احادیث کا صرف حضرت کی افضلیت اور سب سے زیادہ حق رکھنے پر حمل کرنا کافی نہیں ہے جیسا کہ شبھہ کے شروع میں ابن ابی الحدید سے نقل ہوا ہے[1]۔ یہ چیز در حقیقت حضرت کی نصوص کو ترک کرنا ہے اور یہاں جرات سے کہا جائے گا کہ یہ توجیہ در واقع تمام خلفاء کے دفاع کے بہانہ سے حضرت پر غلو، مبالغہ کرنے اور نعوذ باللہ کذب کی تہمت کے مترادف ہے۔

۵۔ آخری بات یہ ہے کہ قانون نصب مکتب تشیع کے اساسی ارکان میں سے ہے نہ کہ اسلام کے، اگر کوئی شخص مختلف توجیہات کی بناء پر نہ علم و آگاہی اور عمداً، اسے رد اور توجیہ کرے، تو اس نے حد اکثر تشیع کا بہت بڑا رکن قبول نہیں کیا، لیکن اس کا حقیقی اسلام باقی رہا، اگرچہ اسلام اور ایمان کے مختلف درجے ہیں، بالفاظ دیگر عقیدہ امامت اصول تشیع میں سے ہے نہ کہ اصول اسلام میں سے کہ مصنف نے اس کی تفصیل کسی اور جگہ بیان کی ہے۔

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۹، ص ۳۰۶۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

آٹھواں شبہ: حکومت حاصل کرنے کے لیے حضرت کا اقدام نہ کرنا

علماء اہل سنت کا قانون نصب کو رد کرنے کے لیے ایک قدیمی شبہ حضرت کا حکومت حاصل کرنے کے لیے کوئی اقدام نہ کرنا ہے، ان کا یہ دعویٰ ہے کہ اگر نبی اکرم ﷺ کی طرف سے حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کے لیے کوئی نص اور دقیق عبارت میں نصب ہوتا، تو ضروری یہ تھا کہ حضرت اپنا مسلم حق حاصل کرنے کے لیے ساکت نہ رہتے اور حکومت کو حاصل کرنے کے لیے کوئی عملی قدم اٹھاتے، حالانکہ ایسا کچھ نہیں ہوا۔ اس شبہ کو بعض اہل سنت کے علماء[1] اور بعض شیعہ روشن فکر حضرات نے نقل[2] کیا ہے۔

تحقیق و تجزیہ

تاریخ کی طرف ایک اجمالی نظر ڈالنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ مندرجہ بالا دعوی فضول اور بغیر دلیل کے ہے کہ مندرجہ ذیل نکات اسے ثابت کرتے ہیں:

الف: حضرت زہراؑ کے گھر میں دھرنا

نبی اکرم ﷺ کی رحلت کے بعد بعض صحابہ کہ جنہوں نے خلیفہ اول کی بیعت نہیں کی تھی انہوں نے حکومت کے حصول کے لیے عملی قدم اٹھایا۔ انہوں نے حکومت کے عہدیداروں کی ضرر سے محفوظ رہنے کے لیے رسول اکرم ﷺ کی واحد یادگار حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے گھر میں اجتماع کیا۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ خلیفہ اور اس کی حکومت نبی کی بیٹی کے گھر کی حرمت کو پامال نہیں کرے گی اور حکومتی زور اور جبر سے گھر میں داخل نہیں ہوگی کہ انہیں گرفتار کرے۔ لیکن یہ صرف ان کا ایک گمان ہی تھا۔ حکومت نے خلیفہ دوم عمر کی قیادت میں خصوصی سپاہیوں کا ایک دستہ بھیجا کہ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے دروازہ کو توڑنے کے بعد لوگوں کو گرفتار کیا جائے۔ عمر نے دھمکی دی کہ اگر یہ لوگ باہر نہ نکلے تو وہ حضرت زہراء علیہا السلام کے گھر کے دروازہ کو آگ لگادے گا اور آخر کار عمر اپنے ہدف میں کامیاب ہوا، اس طرح کہ دھرنا دینے والوں سے اسلحہ لے لیا گیا اور زبیر کی شمشیر کو توڑ دیا گیا[3]۔

---

[1]۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۷، ص ۳۳؛ فخر رازی، الاربعین، فصل ۴، ص ۷۶؛ تفتازانی، شرح المقاصد، ج ۵، ص ۲۶۲؛ روزبہان، دلائل الصدق، ج ۲، ص ۲۱، ۳۳۔

[2]۔ جہاں تک حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کا تعلق ہے نہ تو خلافت و حکومت ان کے پاس آئی اور نہ انہوں نے اسے حاصل کرنے کی کوشش کی ہے (آخرت و خدا ہدف بعثت، ص ۴۵) ڈاکٹر حائری یزدی، حکومت و حکومت، ص ۱۴۴؛ احمد قبانجی، خلافۃ الامام علیؑ بالنص ام بالنصب، ص ۲۲۔

[3]۔ شرح نہج البلاغہ، ج ۲، ص ۵۶، ج ۲۰، ص ۷؛ تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۱۲۶؛ الامامۃ والسیاسۃ، ج ۱، ص ۱۲؛ کتاب سلیم بن قیس، ص ۱۴۶؛ اعلام النساء، ج ۴، ص ۱۱۴؛ سیرۃ ابن ہشام، ج ۴، ص ۲۳۸۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ہم یہاں اس واقعہ کی تفصیلات میں جانا نہیں چاہتے لیکن یہ سوال کریں گے کہ اگر حضرت علی علیہ السلام اور حضرت زہراء سلام اللہ علیہا کا حکومت وقت سے کوئی مسئلہ نہیں تھا اور اسے شرعاً ناجائز نہیں سمجھتے تھے، تو کیوں اپنے گھر میں مخالفین حکومت کو جگہ دی اور ان کے ہمراہ حکومت اور خلیفہ کی مخالفت کی؟

ب۔ بیعت سے انکار

پہلے خلیفہ کی خلافت کے بعض منکرین اکراہ اور جبر کے ساتھ بیعت پر مجبور ہوئے، لیکن حضرت علی علیہ السلام نے چھ ماہ تک بیعت سے انکار کیا اور اس طرح خلیفہ اول کی اصل خلافت کو غیر شرعی واضح کیا۔ اگر حضرت شروع سے ہی خلیفہ کی خلافت کے قائل ہوتے، تو ان کی بیعت نہ کرنے پر کوئی وجہ نہ ہوتی۔

ہاں بعض اہل سنت کے مورخین مختلف وجوہات کی بناء پر کوشش کرتے ہیں کہ یہ بتائیں کہ حضرت نے نبیؐ کی رحلت کے فوراً بعد خلیفہ اول کی بیعت کی۔[۱] لیکن اہل سنت کے منصف مزاج مورخین[۲] حتی کہ حضرت پر تنقید کرنے والے مثلاً ابن حزم[۳] نے ایسی حکایات کو رد کیا اور غیر اہم جانا، بلکہ بعض نے تو یہ اضافہ کیا کہ جب تک حضرت زہرا علیہا السلام زندہ تھیں، بنی ہاشم میں سے کسی ایک نے بھی ابو بکر کی بیعت نہیں کی[۴]۔

ج۔ مخفی اور اعلانیہ فعالیت اور مسلحانہ مقابلہ

حکومت کے حصول کی خاطر حضرت کے لیے فعالیت صبر اور کچھ نہیں کرنا نہ تھی، بلکہ حضرت نے اپنے حق کے حصول کی خاطر کچھ اقدام بھی کیے۔ جس کا واضح نمونہ حضرت کا نبی کے مشہور (جنگ بدر اور دیگر واقعات اسلام میں حاضر) صحابہ سے مدد کی درخواست کرنا تھا۔ صحابہ کو اپنے لیے مثبت جواب دینے اور قانع کرنے کے لیے حضرت زہرا علیہ السلام اور حضرت حسن و حسین علیہما السلام کو اپنے ساتھ لیا۔ آدھی رات کو حضرت زہرا (س) کو ایک سواری پر سوار کیا اور انصار کے گھروں کی طرف گئے اور ان سے اپنی بیعت کی درخواست کی۔ لیکن افسوس کہ چار یا پانچ افراد کے علاوہ باقی نے یہ بہانہ بنایا کہ اب پانی سر سے گزر چکا ہے، حضرت کو منفی جواب دیا اس واقعہ کو خود حضرت نقل فرماتے ہیں:

۱۔ تاریخ طبری، ج ۳، ص ۲۰۷؛ ابن کثیر، السیرۃ النبویہ، ج ۴، ص ۴۹۵۔

۲۔ مسعودی، التنبیہ والاشراف، ص ۲۵۰، تاریخ یعقوبی، ص ۱۳۶؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج ۱، ص ۵۸۶؛ ابن اثیر، تاریخ کامل، ج ۲، ص ۳۲۵؛ ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ص ۶۰، ان بعض ماخذ نے اس بات کو "قیل" کے ذریعے نقل کیا کہ جو خبر کے ضعیف ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

۳۔ ابن حزم، الفصل، ج ۴، ص ۲۳۵۔

۴۔ تاریخ کامل، ج ۲، ص ۲۲۱؛ مسعودی، مروج الذہب، ج ۲، ص ۳۱۶، ۳۱۸؛ حلبی، السیرۃ الحلبیہ، ج ۳، ص ۳۶۰۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ثُم أخذتُ بيد فَاطمَة و ابنَی الحَسن و الحُسين ثُم درتُ عَلی اهلِ بدر وَ اَهل السَابقة فناشدُتهم حقی وَ دعوتُهم الی نصری فمَا اجَابنی منهُم اَلَّا اربعة قطّة سَلمَان و عَمار و المِقداد وَ ابوذَر و ذَهب مَن كنت اعتَضَد بهِم عَلی دِين اللهِ من اَهل بيتِی وَ بقيت بَينَ خفيرتَين قَريبی العَهد بالجَاهلية عَقيل وَ العَباس [1]

ابو بکر جوہری (۳۲۲ق) اہل سنت کے مورخ نے بھی اس طرح یہ واقعہ نقل کیا اور یہ اضافہ کیا کہ انصار کی نصرت نہ کرنے کا بہانہ یہ تھا

کہ کہتے تھے: اے رسول کی بیٹی ہم اس شخص کی بیعت کر چکے ہیں، اگر تیرے چچا کا بیٹا جلدی ہماری طرف آتا تو ہم کبھی بھی اس سے منہ نہ موڑتے [2]۔

معاویہ اپنے ایک خط میں حضرت کی اس فعالیت کی طرف اشارہ کرتا ہے، لیکن اپنی باطل نظر سے حضرت پر ایک باطل طلب کی تہمت لگاتا ہے [3]۔

حضرت کی اس فعالیت پر دوسری گواہ خود حضرات زہرا (س) ہیں کہ جو اپنے مشہور خطبے میں اس واقعہ اور دعوت کی وضاحت فرماتی ہیں:

تَوافيكُم الدعوَة فَلا تُجيبونَ و تَأتيكُم الصرَخة فَلا تَغيثُون [4]

تم تک میری دعوت کی آواز آتی ہے تو تم جواب نہیں دیتے اور تم تک میری نالہ و فریاد پہنچتی ہے تو میری فریاد کو نہیں پہنچتے۔

نبی ﷺ کی رحلت کے بعد حضرت کی اپنے مسلم حق کے حصول کے لیے کوشش اس قدر واضح اور نمایاں تھی کہ حضرت کے بعض مخالفین نے ان پر حکومت میں حرص و طمع کی تہمت لگائی۔ حضرت نے انکار کی بجائے

۱۔ کتاب سلیم بن قیس، ص ۱۴۶، ۱۴۸؛ بحار، ج ۲۹، ص ۳۱۹؛ موسوعۃ الامام علی بن ابی طالب، ج ۳، ص ۵۰ کے بعد۔

۲۔ السقیفہ اور فدک، ص ۶۱۔ حضرت جواب میں یہ دلیل دیتے تھے کہ آیا درست تھا کہ میں دنیا اور حکومت کی خاطر نبی کا پاک پیکر غسل اور کفن کے بغیر چھوڑ دیتا؟

۳۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۲، ص ۴۷، ج ۱۱، ص ۱۱۴۔

۴۔ بحار، ج ۲۹، ص ۳۱۹۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

جواب میں ایسے جائز قرار دیا کہ آپ اپنا حق حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ جو مخالفین نے غصب کر لیا اور اسے دوسروں کو بخشا:

انّما طَلبتُ حقاً لِی اَنتم تَحُولونَ بَینی وَ بینَه وَ تَضربُون وَجهی دُونَه [۱]

حضرت کی اس طرح کی کوششیں اور فعالیت کا منصف مزاج مخالفین نے بھی اعتراف کیا[۲]۔

لیکن افسوس یہ کہ حضرت کی اس کوشش اور تحریک کا صحابہ نے منفی یا جذباتی سا جواب دیا، خود سلمان کی رپورٹ کے مطابق کہ خود بھی ان میں سے تھا کہ جنہیں دعوت دی گئی، صرف ۴۴ افراد نے مثبت جواب دیا، امام نے انہیں حکم دیا کہ اپنے سروں کو منڈوا کر اور اسلحہ کے ساتھ علی الصبح خاص جگہ پر جمع ہوں اور شہادت کی حد تک بیعت کریں، لیکن علی الصبح صرف چار افراد نے اپنے وعدہ سے وفا کی، وہ مندرجہ ذیل ہیں: سلمان، ابوذر، مقداد، زبیر[۳]۔

خلاصہ یہ کہ ایسی کوشش اور فعالیت کے ساتھ کہ جس کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ حضرت حکومت وقت کے خلاف ایک جائز تحریک چلا کر اسے گرانا چاہتے تھے، یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت علیہ السلام نے اس حکومت کے مدمقابل سکوت اختیار کیا اور حکومت کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا؟ یہ الزام نہ صرف یہ کہ ظالمانہ ہے بلکہ اس چیز سے حاکی ہے کہ یہ الزام لگانے والے صدر اسلام کی تاریخ پر سرسری نظر بھی نہیں رکھتے تھے کہ حقائق ان کے لیے واضح ہوں اگر یہ حقائق ان کے لیے واضح تھے تو حقائق کو کیوں ٹیڑھا دکھلاتے ہیں؟[۴]

د۔ امامت کے بارے میں حضرت کی نصوص

اگر ہم ان تمام تاریخی حقائق سے چشم پوشی کریں اور قبول بھی کریں کہ حضرت نے حکومت وقت کے خلاف کوئی فعالیت اور عملی قدم نہیں اٹھایا، پھر بھی حضرت کا یہ سکوت خلفاء وقت کی خلافت پر رضایت یا شرعی جواز پر دلالت نہیں کرتا، کیونکہ ہم حضرت کے سکوت کے ساتھ ساتھ امامت اور حکومت کے ان کے ساتھ خاص

۱۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۷۔

۲۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۱، ص ۱۴؛ اعلام النساء، ج ۴، ص ۱۱۴۔

۳۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۱، ص ۱۴؛ احتجاج طبرسی، ج ۱، ص ۱۸۸۔

۴۔ شیعہ متکلمین کی آراء سے آشنا ہونے کے لیے رجوع کریں: سید مرتضی، الذخیرۃ، ص ۴۷۴؛ ابن نوبخت، الیاقوت، ص ۸۲؛ حمصی رازی، المنقذ من التقلید، ج ۲، ص ۳۰۰؛ محقق لاہیجی، گوہر مراد، ص ۴۹۰۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ہونے پر بہت سی نصوص کو دیکھتے ہیں کہ جو دوسروں کے ذریعے غصب ہوئی اور حضرت نے خلفاء وقت پر تنقید کی کہ یہ سب کچھ حضرت کی خلافت پر راضی نہ ہونے اور ان کے شرعی نہ ہونے پر دلالت کرتے ہیں کہ محقق کو چاہیے کہ وہ ان تمام نصوص اور جہات کا خیال رکھے۔

نواں شبہ: حضرت علیؑ کا سکوت

پچھلے شبہ کے تجزیہ میں واضح ہوا کہ حضرت نے پہلے مرحلہ میں حکومت وقت سے مقابلہ کرنا چاہا لیکن مددگاروں کی قلت اور درست تعبیر کے مطابق ضروری طاقت کے فقدان کے باعث یہ ارادہ ترک کیا۔ ان تمام حقائق کے باوجود بعض حضرت کے پچیس سالہ سکوت کو خلفاء کی حکومتوں کی تائید، ان سے رابطہ اور حداقل ان پر اعتراض نہ کرنے سے تعبیر کرتے ہیں اور ان کے خیال میں حضرت علی علیہ السلام شجاعت رکھنے اور مدمقابل امیدوار (ابوبکر) کے بڑھاپے کے باوجود کیوں سکوت کو اپنایا؟ اور عوامی تعبیر کے مطابق سکوت رضایت کی علامت ہے[1]۔

تحقیق و تجزیہ

اشارہ ہوچکا ہے کہ پہلے مرحلہ میں حضرت پر سکوت کا الزام درست نہیں ہے، کیونکہ حضرت نے مختلف طریقوں سے (کہ پہلے گزر چکے ہیں) حکومت حاصل کرنا چاہی یا حداقل حجت تمام کی۔ لیکن دوسرے مرحلہ میں حضرت نے نسبتاً سکوت کو اختیار کیا تو اس کا معنی یہ تھا کہ حضرت نے حکومت حاصل کرنے کی عملی جدوجہد نہ کی، نہ یہ کہ سکوت سے مراد ان پر تنقید اور اعتراض نہ کرنا تھا۔ اس کی وضاحت میں مختلف دلائل موجود ہیں کہ یہاں ان چار دلیلوں کو بیان کیا جائے گا کہ جو حضرت نے خود بیان فرمائیں:

الف: انصار کا نہ ہونا

فَنظرتُ فاذاً لیسَ لی مُعین الّا اهل بیتی [2]

حضرت نے اس خطبہ میں اپنے مددگار صرف اپنی اہل بیت ذکر فرمائے اور اپنی گفتگو میں اشارہ کرتے ہیں کہ اس تعداد کے ساتھ قیام کا نتیجہ صرف شہادت تھا، حالانکہ اس سے نہ صرف یہ کہ اسلام کا نیا آئین اس سے فائدہ نہ

۱۔ شرح المقاصد، ج ۱۳، ص ۳۹۸؛ شرح المواقف، ج ۸، ص ۳۸۶۔

۲۔ میں نے اپنے کام میں غور و فکر کیا دیکھا کہ میرے مددگار صرف میری اہل بیت کے افراد ہیں تو میں نے ان کے قتل ہو جانے کو پسند نہ کیا، وہ آنکھ کہ جس میں خاشاک چلی گئی ہو اسے ۔۔۔ (خطبہ ۲۶، نہج البلاغہ)۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

اٹھاتا بلکہ حضرت علی علیہ السلام جیسے رہبر اور مرجع کی شہادت سے اسلام ایسے خسارہ اور نقصان کا سامنا کرنا کہ کوئی چیز بھی اس کا جبران نہ کر سکتی۔

حضرت نے دوسری روایات میں حکومت وقت سے عملی مقابلہ نہ کرنے کی وجہ مددگاروں کا دنیا سے چلا جانا بتایا مثلاً چچا حمزہ اور بھائی جعفر وغیرہ کا ذکر فرمایا اور اس کے مد مقابل عباس اور عقیل جیسے مددگار تو ہیں لیکن یہ لوگ اہل جہاد اور شہادت نہ تھے[1]۔ حضرت ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ اگر چالیس افراد یا لشکر بدر اور طالوت کی سپاہ کی تعداد کے مطابق سپاہی ہوتے تو ضرور قیام کرتا۔

ب۔ مناسب وقت نہ آنا

قیام اور حکومت کا حصول یا آج کی تعبیر کے مطابق حکومت وقت کے خلاف بغاوت ضروری اسباب اور شرائط کے حاصل ہونے کے بعد ممکن ہے، کہ اگر بعض چیزیں حاصل نہ ہوں، تو قیام شکست کھا جاتا ہے۔ حضرت اس نکتہ پر مکمل توجہ رکھتے تھے، ابوسفیان کی اس بات کے جواب میں کہ وہ بیعت لینے اور خلیفہ وقت کے خلاف عملی اقدام پر حوصلہ افزائی کر رہا تھا، فرمایا:

یہ کڑوے پانی اور اس لقمہ کی طرح ہے کہ جو کھانے والے کے گلے میں پھنس گیا ہے اور اس کی مانند ہے جس نے وقت آنے سے پہلے پھل چن لیا ہے اور اسی طرح ان کی مانند ہے کہ جس نے کسی دوسرے کی زمین میں کاشت کی ہے۔۔۔ اگر کچھ کہوں تو مجھ پر حرص کا الزام لگاتے ہیں اور اگر سکوت کو اپنالوں تو اسے موت کے خوف سے تعبیر کرتے ہیں[2]۔

ج۔ مسلمانوں کی وحدت کو محفوظ رکھنا

حضرت مسلمانوں میں وحدت کو محفوظ رکھنے اور لوگوں کے دوبارہ کفر کی طرف پلٹنے کے خوف کو اپنے سکوت کی ایک اور وجہ ذکر فرماتے ہیں:

---

[1] لو لو کان لی بعد رسول اللہ (ص) عمی حمزہ و اخی جعفر لم ابایع کرھا و لکنی بلیت برجلین حدیثی عھد بالاسلام العباس و عقیل (نہج السعادۃ، ج۵، ص۲۱۹؛ کتاب سلیم بن قیس، ص۲۱۶، ح۱۲؛ بحار ج۳۰، ص۱۵، ج۲۹، ص۳۱۹؛ مستدرک وسائل، ج۱۱، ص ۷۶)۔

[2] ھذا ماء آجن و لقمۃ یغص بھا آکلھا و مجتنی الثمرۃ لغیروقت ایناعھا کالزارع بغیر ارضہ، و ان اقل یقولوا حرص علی الملک و ان اسکت یقولوا جزع من الموت۔ (نہج البلاغہ، خطبہ ۵)۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

وَ ایم اللہ لَولَا مُخافَۃُ الفرقَۃ بَینَ المُسلمِینَ و اَن یَعودَ الکُفر وَ یبور الدِّین لکُنَّا عَلی غیرِ مَا کنَّا لَھم عَلَیہ (۱)

خدا کی قسم اگر مسلمانوں میں اختلاف کا خوف نہ ہوتا اور یہ کہ کفر لوٹ آئے اور دین تباہ ہو جائے، تو ہم پھر کسی اور جگہ پر ہوتے کہ اب ہیں۔

حضرت ایک اور جگہ زمانہ کی حکومتوں کی مدد کرنے کی وجہ بھی لوگوں کے اسلام سے پلٹنے اور اسلام کو نقصان ہونا بتاتے ہیں:

فَامسکتُ یَدی حتّی رَایت رَاجعۃَ النَّاس قَد رَجعت عَن الاِسلَام یَدعُون الی محقِ دینِ مُحمد (ص)، فخشیتُ ان لَم اَنصُر الاسلاَم وَ اھلہ ان اَری فِیہ ثلمًا او ھدمًا (۲)

د۔ اپنے حق سے گزر جانا

مقام حکومت پر فائز ہونا حضرت کے لیے پہلا اور ذاتی ہدف نہ تھا، بلکہ حضرت کی نظر میں دنیاوی حکومت کی اہمیت ایک ٹوٹی ہوئی پرانی جوتی سے بھی کم تھی (۳)۔ لہٰذا حکومت کی تشکیل کا مقصد دین مقدس اسلام کی احیاء اور وسعت پانا تھا، اب حضرت نہایت دقت کے ساتھ زمانہ کے حالات اور تقاضوں کا مشاہدہ فرما رہے تھے کہ اسلام اور مسلمین کی مصلحت سکوت میں اور اختلافات میں نہ پڑنے میں ہے اور اس سکوت کے ساتھ قرآن و اسلام کی سرحدوں کو نقصان نہیں پہنچے گا، اگرچہ ان کا خاص اور مسلم حق غصب ہوا، تو اس لحاظ سے حضرت اپنی بے پناہ سخاوت سے اپنے حق سے چشم پوشی کرتے ہیں۔

اس شبہ کا جواب گذشتہ شبہ کی تحقیق سے واضح ہو جاتا ہے کہ خود حضرت نے اپنے سکوت کی وجہ بیان فرمائی۔ حضرت کی کلام میں قابل غور نکتہ حضرت کا دنیا میں اپنے حق سے چشم پوشی کرنا ہے، لیکن کلام کے آخر میں خبردار کرتے ہیں کہ قیامت بھی ہے اور اللہ تعالیٰ اس موضوع میں ضرور قضاوت کرے گا (۴)۔

۱۔ نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۱، ص ۳۰۷

۲۔ نہج البلاغہ، نامہ ۶۲؛ مناقب خوارزمی، ص ۳۱۲؛ فرائد السمطین، ج۱، ص ۳۲۰، رقم ۲۵۱؛ تاریخ مدینہ دمشق، ج ۴۲، ص ۴۳۴؛ لسان المیزان، ج ۲، ص ۱۵۶؛ کنز العمال، ج ۵، ص ۷۲۴۔

۳۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۳۳۔

۴۔ اما الاستبداد علینا بھذا المقام- و نحن الاعلون نسباً و الأشدون برسول اللہ نوطاً- فانھا کانت اثرۃ شحت علیھا نفوس قوم و سخت عنھا نفوس آخرین- و الحکم للہ و المعود الیہ یوم القیامۃ (نہج البلاغہ، خطبہ ۱۶۱)۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

دسواں شبہ: حضرت علیؑ کا ابوبکر کی بیعت کو قبول کرنا

بعض لوگ حضرت کی خلیفہ اول کے ہاتھوں بیعت کے زمانہ میں غور و فکر کیے بغیر یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ بیعت خلیفہ کی خلافت کے جواز پر دلالت کرتی ہے اور اگر حضرت کی شروعِ خلافت میں کوئی مشکل تھی تو وہ چھ ماہ کے بعد حل ہوگئی اور حضرت کا اپنے اختیار سے بیعت کرنا بتاتا ہے کہ حضرت کا خلیفہ سے رابطہ اچھا تھا کہ اس کی بیعت کی۔ بالفاظ دیگر جب حضرت نے خلیفہ اول کے درست اعمال اور رفتار کا مشاہدہ کیا تو بیعت پر راضی ہوگئے۔

اہل سنت کے قدیم علماء مفہومی اعتبار سے قبول کرتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کی بیعت اگرچہ ظاہری اعتبار سے تھی اور باطنی رغبت نہ رکھتے تھے، لیکن بیعت کرنے میں معیار وہی ظاہر تھا[1]۔

تجزیہ و تحقیق

حضرت کی خلیفہ اول اور دیگر دو خلفاء کے ساتھ بیعت میں مندرجہ ذیل نکات قابل توجہ ہیں:

الف: انحراف اور کفر سے بچانا

جیسا کہ اشارہ ہوا کہ حضرت نے خلیفہ اول کے حکومت پر پہنچنے کے بعد چھ ماہ تک اس کی بیعت نہ کی اور اس طرح اپنے ناراض ہونے اور حکومت وقت کے جائز نہ ہونے کو ثابت کیا۔ لیکن اسی دور میں اسلامی دنیا میں مختلف بدعتیں اور انحرافات پیدا ہو چکے تھے، ایک طرف مسلیمہ نامی ایک شخص نے دعویٰ نبوت کیا اور بعض مسلمانوں کو فریب دیا اور اپنے جھوٹے دین کی طرف راغب کیا، انہوں نے اس انداز سے ایک مستحکم محاذ کھڑا کر لیا تھا کہ مسلمانوں کے علاقہ پر حملہ کرنے کے لیے تیار تھے۔

اس جہت سے مسلمانوں کے ایمان، دل اور ان کی مملکت کی سرحدیں اغیار اور لشکر کفار کے حملہ کی زد میں تھیں۔ ان حالات میں حضرت خلیفہ اول کی بیعت سے انکار اور سکوت کی کیفیت کو آگے نہیں بڑھا سکتے تھے، کیونکہ اس صورت میں خلیفہ یا اس کے مقام خلافت کو تو خطرہ نہ تھا، مسلمانوں کا ایمان اور اسلام کا اصل نظام تباہ ہونے کے خطرہ میں تھا یا حد اقل کمزور ہو رہا تھا۔ تو حضرت کی خلیفہ اول سے بیعت اور اس سے تعاون اسلام اور مسلمانوں

---

[1] ولا یجوز لقائل ان قول: کان باطن علیؑ و العباس خلاف ظاهر هما، ولو جاز هذا لمدعیه لم یصح اجماع و جاز لقائل ان یقول ذلک فی کل اجماع للمسلمین- هذا یسقط حجیة الاجماع لانّ الله عزوجل لم یتعبدنا فی الاجماع بباطن الناس وانما تعبدنا بظاهر هم (الابانۃ، ص ۱۴۸؛ بغدادی، کتاب اصول الدین، ص ۱۴۹)۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

کے محاذ کی تقویت کا باعث بنا اور حضرت کے اساسی اور اہم کردار اور مقام کی بناء پر مسلمان اور حکومت اس قابل ہوئے کہ کفر اور کفار کو آگے بڑھنے سے روک دیں۔

شاید قاری محترم کا یہ گمان ہو کہ یہ تجزیہ مصنف یا شیعہ علماء کا اپنا ہے کہ انہوں نے یک طرفہ اور اپنے مذہب کے حق میں تجزیہ کیا ہے، در حقیقت یہ تجزیہ نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت کی حکایت ہے کہ اسے بیان کرنے والے خود حضرت علی علیہ السلام ہیں، جو سب امور میں پیش پیش تھے اور شیعہ انہیں امام معصوم اور اہل سنت انہیں حداقل ایک عادل صحابی جانتے تھے۔ حضرت نے بار بار اپنی بیعت کا فلسفہ اس نکتہ کو ذکر کیا اور واضح فرمایا:

بَایعَ الناسُ اَبابکر و أنا واللہ أولی بالأمر وَاحق بہٖ فَسمعتُ وَ اطعتُ مخافۃَ اَن یَرجعَ الناس کُفاراً یَضربُ بَعضھُم رقَاب بَعضٍ بِالسَّیف ثُم بَایع اَبوبَکر لِعمر وَ انَا وَاللہ أولی بِالاَمر مِنہ فَسمِعت وَ اطَعت مَخافۃَ یَرجعُ النّاس کفاراً (۱)

لوگوں نے ابو بکر کی بیعت کی حالانکہ خدا کی قسم میں حکومت کے لیے زیادہ حق رکھتا تھا، پھر بھی میں نے قبول کیا اور اطاعت کی، چونکہ اس چیز سے ڈرتا تھا کہ لوگ کافر ہوں اور ایک دوسرے کی گردن کاٹیں۔ پھر ابو بکر نے عمر کے لیے بیعت لی حالانکہ میں پھر بھی خلافت کے لیے سب سے زیادہ حق رکھتا تھا، پھر بھی میں نے قبول کیا اور اطاعت کی، کیونکہ مجھے لوگوں کے کفر کی طرف پلٹنے کا خوف تھا۔

حضرت نے اس روایت میں لوگوں کے کفر کے علاوہ ان کی خونریزی کو اپنے سکوت اور خلفاء کی خلافت قبول کرنے کا سبب ذکر فرمایا۔

حضرت ایک اور مقام پر خلیفہ کی بیعت سے انکار پر اشارہ کرتے ہوئے اپنی بیعت کی وجہ اسلام اور مسلمانوں پر خطرات اور مصیبتوں کے آنے کا خوف بیان فرماتے ہیں کہ خود حضرت کی تعبیر میں ان چیزوں کی مصیبت حضرت کے لیے اس مقام کے جانے کی مصیبت سے کہیں زیادہ ہے:

فَامسکتُ یَدی حتّی رَایتُ راجعۃَ النَاس قَد رَجعت عَن الاسلَام یَدعونَ الی محقّ دینِ مُحمد (ص) فَخشیتُ ان لَم اَنصر الِاسلام وَ اھلہ اَن أری فیہ ثلماً او ھدماً تکُون المُصیبَۃ بہ

۱۔ مناقب خوارزمی، ص ۳۱۲، فصل ۱۹؛ فرائد السمطین، ج ۱، ص ۳۲۰، رقم ۲۵۱؛ تاریخ مدینہ دمشق، ج ۴۲، ص ۴۳۴؛ کنز العمال، ج ۵، ص ۷۲۴۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

علیّ أعظم مِن فوت وِلایتکُم فَنهضتُ فِی تلکَ الاحداث حتّی زَاحَ البَاطل وَ زهق و اِطمأن الدّین وَ تَنهنه [1]

میں نے ہاتھ نہیں بڑھایا یہاں تک کہ دیکھا کہ لوگوں میں سے ایک گروہ مرتد ہو چکا ہے اور اسلام سے پلٹ گئے اور چاہتے ہیں کہ دین محمدؐ کو ختم کر دیں، تو میں اس چیز سے ڈرا کہ اگر اسلام اور مسلمانوں کی مدد نہ کروں تو اس میں ایک ایسا خلا یا ویرانی پیدا ہو گی کہ جس کی مصیبت اور غم مجھے تم پر ولایت اور حکومت کے غصب ہونے سے کہیں زیادہ ہے ۔۔۔ تو ان حادثات اور مسائل کو دیکھتے ہوئے میں کھڑا ہوا تا کہ باطل نابود ہو جائے اور دین کو اطمینان حاصل ہو اور اپنی جگہ پر قائم ہو۔

ب۔ اسلامی وحدت کی حفاظت

حضرت کی بیعت کا ایک سبب مسلمانوں میں وحدت کی بقاء اور دنیائے اسلام کو تفرقہ سے بچانا ہے، چونکہ حضرت اصحاب میں ایک ممتاز ترین شخصیت کے حامل تھے، حضرت کی حکومت سے مخالفت باعث بنتی ایک گروہ حضرت کا حامی ہوتا اور ایک دوسرا گروہ خلفاء کا حامی بن جاتا، اس سے اسلامی محاذ میں تفرقہ پڑ جاتا کہ جو اسلام کے مفاد میں نہ تھا، لہٰذا حضرت نے بیعت کی اور اس کے ایک سبب کو مندرجہ بالا نکتہ فرمایا:

وَ ایم الله لَولَا مُخافةُ الفرقَة بَین المُسلمِینَ وَ اَن یعودَ الکُفر وَ یبورَ الدّین لکنّا عَلی غَیرِ مَاکنّا لَهم علَیه [2]

مجھے خدا کی قسم اگر مسلمانوں کے درمیان تفرقہ اور ان کے کفر کی طرف لوٹنے اور دین کے تباہ ہونے کا خوف نہ ہوتا، تو ان کے ساتھ آج کے عمل سے ہٹ کر میرا عمل ہوتا۔

بالفاظ دیگر حضرت دو مشکلوں میں قرار پا گئے تھے، یعنی دین کی تباہی یا کمزور کرتے ہوئے اپنے حق کو حاصل کرنا یا اپنے حق کے حصول پر چشم پوشی کرنا کہ حضرت نے دوسرا راستہ اختیار کیا، لیکن ان کا پچیس سالہ صبر ایسا صبر تھا کہ گویا ایک تنکا ان کی آنکھوں میں اور ہڈی حلق میں پھنس چکی تھی: صبرتُ و فِی العَین قَذی وَ فی الحَلق شَجی أری تَراثی نَهباً [3]۔

---

[1] نہج البلاغہ، نامہ ۶۲۔
[2] سابقہ ماخذ، خطبہ ۱۱۹۔
[3] سابقہ ماخذ، خطبہ ۳، و نیز موسوعۃ الامام علی علیہ السلام، ج ۳، ص ۶۰۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

جو تین خلفاء کی خلافت میں اپنی پچیس سالہ زندگی کو یوں تعبیر کرے اور اپنی وراثت کو غارت ہوتا بتائے، آیا اسے حکومت سے راضی تصور کیا جاسکتا ہے اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ حکومت کو شرعاً حق سمجھتے تھے؟

ج۔ خونریزی سے بچانا

حضرت کا بیعت سے انکار کرنے اور حکومت وقت کی مخالفت جاری رکھنے کی صورت میں نہ صرف یہ کہ مسلمانوں میں اختلاف اور تفرقہ باقی رہتا، بلکہ ہر دو طرف کے طرفدار ممکن تھا کبھی اسلحہ اور شمشیر ہاتھوں میں لیے ایک دوسرے سے جنگ کرتے اور خون بہاتے، حالانکہ دونوں کو وحدت کی ضرورت تھی۔ حضرت اس مشکل اور خطرہ کو دور کرنے کے لیے اپنے اصحاب اور دوستوں کو صبر اور بردباری کی تلقین کرتے ہیں اور اپنی بیعت سے اختلاف اور خونریزی کا دروازہ ہی بند کر دیتے ہیں۔ اس حوالے سے خود حضرت بھی ذکر فرماتے ہیں کہ پہلے نمبر میں گذر چکا ہے۔

د۔ اجماع کا معتبر نہ ہونا

اجماع کے معتبر نہ ہونے اور حضرت علی علیہ السلام کے ظاہری بیعت کے کافی ہونے کے بارے میں کہیں گے کہ:

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ: شیعہ یقینی دلائل کے ساتھ دعوی کرتے ہیں کہ حکومت اور خلافت اللہ تعالیٰ اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ایک منصوص امر ہے اور امر الٰہی میں لوگوں کی آراء حتی کہ ان کا اجماع دخل نہیں رکھتا اور نہ یہ چیز نص کے مدمقابل قرار دینی چاہیے۔ ہاں اگر اجماع امر الٰہی کی تائید میں ہو تو یہ اللہ کی رضایت کا باعث ہے۔

دوسری بات یہ کہ: باطنی مخالفت صرف عباس اور حضرت علی علیہ السلام سے خاص نہیں ہے، بلکہ اس مخالفت میں دیگر بزرگ صحابہ کا نام بھی آیا ہے، مثلاً: سلمان فارسی، ابوذر غفاری، مقداد، عمار یاسر وغیرہ مخالفین میں سے شمار کیے گئے ہیں کہ پچھلے صفحات میں یہ تذکرہ ہو چکا ہے۔ پس اگر جواز کا معیار عام لوگوں کا اجماع یا اہل حل وعقد کا اجماع ہو، تو مذکورہ صحابہ کی غیبت اور بعد میں انہیں دھمکی اور جبر کے ساتھ بیعت پر مجبور کرنا اس اجماع کی حیثیت کو خدشہ دار کرتا ہے۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

تیسری بات یہ کہ: اگر ہم اجماع کو قبول بھی کرلیں تو اس کا جواز کچھ شرائط کے ساتھ مشروط ہے کہ افسوس ہے یہ اجماع ان سے محروم تھا، کیونکہ سقیفہ کے امید وار بغیر مشہور صحابہ کے اور عجلت کے ساتھ اتفاقاً سامنے آئے ہیں اور بعض بیعت کرنے والوں کی بیعت بھی اکراہ و جبر اور طمع دیتے ہوئے انجام پائی ہے کہ جو اجماع کے جواز پر ایک سوالیہ نشان ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ مقام امامت اور اس کا اساسی عنصر صرف سیاسی حکومت و رہبری میں منحصر نہیں ہے کہ جو کچھ لوگوں کے اجماع سے وجود پائے یا ختم ہو جائے، بلکہ اس کا اساسی عنصر علمی و دینی مرجعیت کا مقام ہے کہ جو علم غیب اور عصمت کے ہمراہ ہے کہ جس کی تعیین اجماع کی صلاحیت اور طاقت سے باہر ہے۔

گیارہواں شبہہ: خلیفہ سوم کو معین کرنے والی شوریٰ میں شرکت

خلیفہ دوم نے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں اپنے بعد کے خلیفہ کے انتخاب کے لیے چھ افراد پر مشتمل شوریٰ کی تعیین کی، جو مندرجہ ذیل ہیں: حضرت علی علیہ السلام، زبیر، عبد الرحمٰن بن عوف، عثمان، طلحہ اور سعد بن مالک[1]۔ حضرت علی علیہ السلام نے اس شورای کی نشستوں میں شرکت کرتے ہوئے عملی طور پر خلیفہ دوم کی خلافت کا جواز نیز اس کے خلیفہ سوم کی تعین کے طریقہ کی تائید کی ہے، کیونکہ اگر آپ عمر کی خلافت کو قبول نہ کرتے ہوتے تو اس کے احکامات کو رد کرتے اور واضح کرتے کہ وہ شوریٰ میں شرکت نہیں کریں گے، اس عملی طریقے سے اپنے اعتراض کا اعلان کرتے، حالانکہ حضرت نے ایسا نہیں کیا بلکہ مندرجہ بالا شوریٰ میں شرکت کرتے ہوئے خلیفہ دوم کی خلافت اور اس کے شوریٰ والے فرمان کی تائید کی۔

یہ دلیل اہل سنت کے قدیمی متکلمین کی طرف سے اور ہم عصر علماء کی طرف سے حکومت کے مسئلہ میں نصب نہ ہونے اور خلفاء کی خلافت راشدہ کے جواز پر صدیوں پہلے سے پیش ہوتی رہی ہے[2]۔

اس کے علاوہ اگر شوریٰ کے اعضاء کی ترکیب کو دیکھا جائے تو واضح معلوم ہوتا ہے کہ خلافت عثمان کو پہنچتی ہے،[3] پس امام علی علیہ السلام کس حجت کی بناء پر مذکورہ شوریٰ میں شرکت کرتے ہیں؟

---

[1] الطبقات الکبری، ج ۳، ص ۶۱، کنز العمال، ج ۵، ص ۷۳۲؛ تاریخ کامل، ج ۳، ص ۶۶؛ تاریخ طبری، ج ۲، ص ۵۷۰؛ موسوعۃ الامام علی، ج ۳، ص ۹۷۔

[2] قاضی عبد الجبار، المغنی، کتاب الامامۃ، ج ۲۰، ابن حزم، الفصل، ج ۳، ص ۱۵؛ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۲، ص ۲۵۶۔ ۲۶۸، ۲۷۱؛ ج ۱، ص ۱۸۹، ج ۱۸، ص ۳۱۵؛ احمد کاتب، تطور الفکر السیاسی الشیعی، ص ۲۳۔

[3] قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ خلیفہ دوم نے واضح کیا تھا کہ اگر شورای کی آراء آدھی آدھی ہوں یعنی تین فرد ایک شخص اور تین دوسرے شخص پر اتفاق کریں، تو خلیفہ کے انتخاب کا معیار وہ ترکیب ہے کہ جس میں عبد الرحمٰن ہو اور عمر نے حکم دیا تھا کہ باقی تین افراد کو قتل کیا جائے، اس شورای کی

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

تحقیق و تجزیہ

مذکورہ دلیل یا شاھد کے تجزیہ میں مندرجہ ذیل نکات قابل غور ہیں:

الف: سیکولر لوگوں کا شبھہ دور کرنا

حضرت کا خلیفہ کو تعیین کرنے والی شوریٰ میں شرکت کرنے کا پہلا نکتہ جو معلوم ہوتا ہے، وہ حضرت کے حکومت و سیاست سے دور رہنے کے الزام کو دور کرنا ہے کہ یہ شبھہ صدیوں پہلے سے بیان ہوا اور آج بہت بڑھا چڑھا کر پیش ہو رہا ہے۔ ان کی سیاست اور حکومت سے جدائی کے حامی لوگ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ ہر بہانہ سے اپنے دعوی کی تائید کرتے رہیں، گذشتہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ وہ حضرت کے حصولِ حکومت کے لیے عملی اقدام نہ کرنے، حضرت کے سکوت اور عثمان کے قتل کے بعد خلافت کے لیے تیار نہ ہونے کو بھی اپنے دعوی کے لیے دلیل اور تائید کے طور پر پیش کرتے ہیں، شورای کے مسئلہ میں بھی اگر حضرت اس میں شرکت سے انکار کرتے، تو سیکولر لوگ فوراً اسے بھی اپنے دعوی کی تائید کے طور پر ذکر کرتے۔

لیکن یہ کہ ایسے لوگ حضرت کی مذکورہ شوریٰ میں شرکت نہ کرنے کو اپنے سیکولر دعوی کے اثبات پر پیش نہ کریں، حضرت نے ایک الٰہی فریضہ کے عنوان سے اس شوریٰ میں شرکت فرمائی۔

ب۔ اتمام حجت

اگرچہ مذکورہ شوریٰ کا نتیجہ شروع سے ہی معلوم تھا، لیکن حضرت کے حاضر نہ ہونے سے ممکن تھا کہ بعض شیعہ وغیرہ حضرت پر اپنی حاکمیت میں سستی سے کام لینے کا الزام لگاتے کہ ممکن تھا کہ حضرت شوریٰ میں شرکت کرتے، تو حضرت کے فضائل اور خدمات نیز نبی اکرم ﷺ کے ذریعے ان کے نصب وغیرہ کو مد نظر رکھتے ہوئے شوریٰ کے اکثر افراد آپ کے حق میں ووٹ دیتے۔ حضرت نے اپنی شرکت سے ثابت کیا کہ شوریٰ کے افراد کس قدر حق سے دور ہیں اور خاندانی تعلقات کی بناء پر حق کو حق دار کے حوالے نہیں کیا اور ایک دوسرے فرد کو منصوب کیا۔ بالفاظ دیگر حضرت نے اپنی شرکت سے اپنی مظلومیت اور طول تاریخ میں حق و عدالت کی مظلومیت کو

ترکیب سے معلوم تھا چونکہ عبدالرحمن، عثمان کا داماد اور سعد کا چچازاد بھائی تھا، تین افراد ایک فرد پر متفق ہوتے اور وہ تین افراد کے جن میں علی (ع) ہوتے وہ منظر عام سے ہٹ جاتے، اس نکتہ کو خود حضرت علی علیہ السلام اور ابن عباس اور دیگر افراد اس شورای کی ترکیب اور عمر کے حکم دیکھتے ہوئے پہلے سے ہی کہہ چکے تھے۔ (رجوع فرمائیں: نہج البلاغہ، خطبہ سوم، موسوعۃ الامام علی، ج ۳، ص ۱۲۷، ۱۱۸)۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

واضح کیا۔ اگر حضرت شرکت نہ کرتے تو ممکن تھا تاریخ حضرت پر یہ الزام لگاتی کہ شوریٰ سے جدا ہو کر آپ نے عملی طور پر حکومت نااہل افراد کے سپرد کی یعنی حضرت کو بھی شریک جرم ٹھہراتے[1]۔

ج۔ امت میں اختلاف سے پرہیز

حضرت کے شوریٰ میں شرکت نہ کرنے سے اسلامی دنیا میں دوبارہ اختلاف اور جھگڑے شروع ہو جاتے ،کیونکہ حضرت کا شوریٰ میں حاضر نہ ہونا گویا حضرت کا حکومت وقت اور خلیفہ جدید کے مدمقابل قرار پانا تھا اور حضرت کے حامی اور شیعہ لوگ بھی حضرت کی ذات کو نمونہ عمل قرار دیتے ہوئے حکومت اور خلیفہ وقت سے تنازع کرتے، اس سے مسلمانوں کی صفوف میں تفرقہ اور اصل اسلام میں ضعف پیدا ہوتا، حضرت شورای کے نتیجہ سے آگاہ ہونے کے باوجود اصل اسلام کی مصلحت کو اپنی حکومت پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ خلیفہ دوم کی شوریٰ میں شرکت نہ کرنا خود اس کے لئے طعنہ شمار ہوتا ہے اور یہ اس کے حامیوں کے لیے کہ وہ عام لوگ تھے، بہت گراں گزرتا اور اس سے لڑائی جھگڑے کا دائرہ وسیع ہو جاتا۔

د۔ خلیفہ دوم کے نظریہ کو باطل قرار دینا

شوریٰ میں حضرت کے حاضر ہونے کی ایک وجہ خلیفہ دوم کا نظریہ باطل کرنا ہے، اس نے نبی اکرم ﷺ کی رحلت کے بعد نبی اکرم ﷺ سے ایک حدیث کا دعوی کیا کہ نبوت اور حکومت ایک خاندان (بنی ہاشم) میں جمع نہیں ہونی چاہیے اور حضرت کی خلافت سے مخالفت کی۔ اب یہاں حضرت کی شوریٰ میں خلافت کے امیدوار ہونے کے ساتھ تعیین کرنے سے اس نے اپنی رائے کو خود باطل کیا۔

حضرت علی علیہ السلام نے مذکورہ شوریٰ میں اپنے حضور کی ایک علت مندرجہ بالا نکتہ بیان کیا۔ جیسا کہ ابن عباس نے مشورہ دیا کہ آپ شوریٰ میں شرکت نہ کریں، چونکہ یہاں خلافت عثمان نہایت واضح نظر آتی ہے، تو آپ نے فرمایا:

و اَنا اَعلم ذلکَ و لکنّی اَدخلهُم مَعهُم فی الشّوری لانّ عمرَ قَد اهّلنی الآن للخِلافَة وَ کانَ قبلَ ذلک یَقولُ: انّ رسولَ الله (ص) قَال: انّ النبوةَ وَ الامَامةَ لا یَجتمعَان فِی بیت فَأنا ادخل فی ذلکَ لأُظهرَ للنّاس مِناقضة فَعلَه لِروایتِه [1]

---

[1]۔ یہاں جرم سے مراد کم از کم خلیفہ سوم کی بیت المال سے اپنے رشتہ داروں کو وہ بے پناہ بخشش و عنایت ہے کہ جو لوگوں کے قیام اور خلیفہ کے قتل کی ایک وجہ قرار پائی اور تاریخی ماخذات میں درج ہے۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

واضح سی بات ہے کہ اگر عمر کی روایت (کہ نبوت و امامت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتی) کے جھوٹ کو ثابت نہ کیا جائے، تو عثمان کی موت کے بعد حضرت علی علیہ السلام اور دیگر ائمہ کی خلافت اس جھوٹی حدیث کی وجہ سے ہمیشہ غیر شرعی بتائی جاتی اور اس سے دین کے اصلی رکن یعنی امامت میں انحراف پیدا ہوتا۔

ھ۔ اپنی رائے کو تحمیل کرنے کے بہتان سے بچنا

مذکورہ شوریٰ میں حضرت کے حاضر نہ ہونے کا ایک منفی لازمہ یہ بھی ہونا تھا کہ اکثر لوگ یہ گمان کرتے کہ حضرت اپنے آپ کو دیگر اصحاب اور شوریٰ کے اراکین سے برتر سمجھتے ہیں اور اسے ایک طرح سے اپنے رائے کو تحمیل کرنے اور اپنے آپ کو بڑا جاننا سمجھتے، حضرت اس گمان کا مقابلہ کرنے کے لیے شوریٰ میں حاضر ہوئے۔

و۔ حضرت کی نصوص اور رفتار سے خلفاء کی شرعی حیثیت کا بطلان

ممکن ہے کہ یہ شبہ پیش ہو کہ حضرت شوریٰ میں اپنے حضور کے ساتھ پچھلے دو خلفاء اور خلیفہ سوم کی شرعی حیثیت کی تائید کر رہے ہیں۔ لیکن ایسا احتمال بعد والی نسلوں کے لیے کہ جو حضرت کی گذشتہ خلفاء کو غاصب کہنے والی روایات اور حضرت کے شوریٰ میں قانون نصب سے احتجاج کرنے سے آشنا ہیں،[۲] قابل توجہ نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت کا شوریٰ میں حضور ان بہت سی توجیہات کی بناء پر ہے کہ جو بیان ہو چکی ہیں، ان کا خلافت کی شرعی حیثیت سے تعلق نہیں ہے، ہاں اگر حضرت کی گذشتہ خلفاء پر تنقید کی صورت میں روایات نہ ہوتیں اور حضرت شوریٰ میں نصوص کی بنا پر احتجاج نہ کرتے،[۳] تو شاید اس احتمال کی گنجائش ہوتی، لیکن حضرت کی نصوص کے ہوتے ہوئے مندرجہ بالا احتمال کی جگہ نہیں ہے۔

اس کے علاوہ حضرت کا شوریٰ میں گزشتہ دو خلیفہ کی سیرت سے راضی نہ ہونا واضح تھا، یہاں شوریٰ کا ایک رکن "عبدالرحمٰن" حضرت کو اپنا ووٹ اس بات سے مشروط کرتا ہے کہ حضرت کتاب، سنت پیغمبر ﷺ اور دو خلفاء کی سیرت پر عمل کریں، حضرت تاکید فرماتے ہیں کہ صرف کتاب اور سنت نبی ﷺ اور اپنی سیرت کے مطابق عمل کریں گے۔

۱۔ شرح نہج البلاغہ، ج۱، ص ۱۸۹، ج۱۰، ص ۲۸۵؛ موسوعۃ الامام علی (ع)، ج۳، ص ۱۱۹۔

۲۔ کنز العمال، ج۵، ص ۷۲۴، ح ۱۳۲۴۳؛ الصواعق المحرقۃ، ب ۱۱؛ مناقب خوارزمی، ص ۲۱۳۔

۳۔ احتجاج طبرسی، ج۱، ص ۱۹۷؛ الغدیر، ج۱، ص ۱۶۰، ج۳، ص ۱۳۳

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

یہ کہ حضرت نے "شیخین" کی سیرت سے پرہیز کیا ہے، بذات خود ان دو خلفاء کی سیرت پر راضی نہ ہونا اور انکا غیر شرعی ہونا بتاتا ہے، اس کے علاوہ حضرت واضح کرتے ہیں کہ مد مقابل امیدوار یعنی عثمان کی طرف سے قبول کیا جانا کہ وہ سیرت شیخین پر عمل کرے گا، یہ کتاب اور سنت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منافات رکھتا ہے، اس طرح حضرت نے گزشتہ دو خلفاء کی سیرت اور بعد والے خلیفہ کی سیرت کے غیر شرعی اور ناجائز ہونے کو واضح کر دیا۔

بارہواں شبہہ: خلیفہ سوم کے قتل کے بعد حکومت قبول نہ کرنا

اہل سنت کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کی امامت و خلافت پر نص اور نصب نہیں ہے کیونکہ حضرت نے خلیفہ سوم کے قتل کے بعد لوگوں سے حکومت کو قبول کرنے سے انکار کیا تھا[1]۔ اہل سنت کا دعویٰ ہے کہ اگر آپ منصوب ہوتے، تو فوراً اسے قبول کرتے اور اپنی مرضی کے مطابق حکومت تشکیل دیتے ورنہ یہ دینی واجب کو ترک کرنے کا مصداق قرار پاتا ہے[2]۔

یہ دلیل یا شبہہ آج کے دور میں بعض سیکولر شیعہ حضرات کی طرف سے بھی پیش ہو رہا ہے اور حضرت کے انکار کو دین کی سیاست سے جدائی کے لیے دلیل بناتے ہیں اور ان کا دعوی ہے کہ حکومت قبول نہ کرنا دینی امر کے ترک پر دلیل نہیں ہے بلکہ یہ ترک ایک حکومتی اور دنیاوی مسئلہ کا ترک کرنا ہے کہ جس کا دین اور الٰہی فریضہ سے کوئی ربط نہیں ہے[3]۔

تجزیہ و تحقیق

اس سے پہلے کہ حضرت کے انکار کی وجوہات بیان کی جائیں، اس نکتہ اور کلی جواب کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اگر فرض کیا جائے کہ مندرجہ بالا شبہہ کا جواب واضح اور روشن نہ بھی ہو، تو صرف حضرت کے انکار سے نظریہ نصب کا بطلان ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ وہ نظریہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ علیہم السلام بالخصوص خود حضرت علی علیہ السلام سے منقول محکم اور پائیدار دلائل سے ثابت ہے اور کسی تاریخی واقعہ کا مبہم ہونا اسے کمزور یا رد نہیں کر سکتا۔

---

[1] دعونی و التمسوا غیری، نہج البلاغہ، خطبہ ۹۲۔

[2] ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ج ۷، ص ۳۴؛ فخر رازی، الاربعین، فصل ۴، ص ۷۶؛ شرح المقاصد، ج ۵، ص ۲۶۲؛ دلایل الصدق، ج ۲، ص ۲۱، ۳۳؛ احمد کاتب، تطور الفکر السیاسی الشیعی، ص ۲۳۔

[3] مہدی حائری یزدی، حکومت و حکمت، ص ۱۴۴؛ مہدی بازرگان، آخرت و خدا ہدف بعثت، ص ۴۵۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

خود حضرت کا یہی خطبہ اور حکومت قبول نہ کرنا بذات خود بہت سی وجوہات اور دلائل رکھتا ہے کہ جو نظریہ نصب سے مکمل طور پر سازگار ہیں کہ یہاں ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

الف۔ گذشتہ خلفاء کی سیرت سے اجتناب

علم تفسیر، تاویل اور ہرمنوتیک کے مطابق (کہ روشن فکر حضرات بہت زیادہ اس کی وضاحت اور دفاع کرتے ہیں) ایک کلام کی تفسیر میں ضروری ہے کہ اس زمانہ کی شرائط اور ماحول پر توجہ اور سوچ و بچار کی جائے۔ ایک چیز کہ جو کلام کے معنی اور مفہوم کو واضح کرتی ہے وہ مخاطبین اور ان کی غرض و غایت کو بیان کرنا ہے کہ جسے علم تفسیر میں "شان نزول" کا نام دیا جاتا ہے۔

اسی لیے مندرجہ بالا خطبہ کی تفسیر اور اپنے دعوی کے اثبات میں عجلت کے ساتھ صرف ظاہر کلام کو نہیں پیش کرنا چاہیے بلکہ سب سے پہلے اس کے شان نزول کی وضاحت کرنی چاہیے۔

ابن ابی الحدید اپنی شرح میں بیان کرتے ہیں کہ خلیفہ سوم "عثمان" کے قتل ہونے کے بعد بعض سرکردہ لوگ حضرت علی علیہ السلام کے پاس آتے ہیں اور بیعت اور خلافت کی بات کرتے ہیں اور وہ اپنی بیعت کتاب اور سنت نبیؐ پر عمل اور نیز گزشتہ خلفاء کی سنت پر عمل سے بھی مشروط کرتے ہیں، حضرت ان کی اس شرط کے ساتھ مخالفت کرتے ہیں اور اسے قبول نہیں کرتے کیونکہ ان کی رائے یہ تھی کہ گزشتہ خلفاء کی سیرت درست نہ تھی[1]۔ اس شرط کا قبول کرنا گزشتہ خلفاء کی سنت کی تائید کرنا تھا۔ اس بناء پر حضرت نے خلافت کی بات کرنے والوں سے فرمایا کہ اس صورت مجھے چھوڑ دیں اور کسی ایسے کو ڈھونڈیں کہ جو اس شرط پر تمہارے ساتھ موافق ہو۔ لہٰذا حضرت حکومت لینے کے مخالف نہیں تھے بلکہ ایسی حکومت کہ جس کے بنیادی قانون میں گزشتہ خلفاء کی سیرت بھی ہو، اسے رد کرتے ہیں۔

ب۔ اتمام حجت

حضرت نے اپنی اس کلام سے در حقیقت حکومت قبول کرنے سے انکار نہیں کیا بلکہ انہوں نے اپنی آئندہ حکومت کی شرائط کا لوگوں کے سامنے اعلان کیا کہ جن میں سے سب سے اہم کتاب، سنت نبی (ص) اور اپنی سیرت

---

[1]۔ ایسی بات عمر کی رحلت کے بعد بھی ہوئی۔ جب اس نے بعد والی خلافت کو چھ افراد پر مشتمل شورای پر چھوڑ دیا، اس شورای میں زبیر علی کے حق میں، طلحہ عثمان کے حق اور سعد بن وقاص عبد الرحمن بن عوف کے حق میں پیچھے ہٹ گئے اور خلیفہ کی تعیین علی، عثمان اور عبد الرحمن پر چھوڑ دی۔ عبد الرحمن نے کہا میں بھی خلافت کا امیدوار نہیں ہوں اور چاہتا ہوں تم دونوں میں سے کسی ایک کے حق میں ووٹ دوں۔ سب سے پہلے امام علی علیہ السلام کے پاس آتا ہے، لیکن اپنی رائے کو کتاب خدا، سنت رسول اور سیرہ شیخین پر عمل سے مشروط کرتا ہے، حضرت صرف کتاب خدا اور سنت رسول پر عمل کا اعلان کرتے ہیں۔ جبکہ عثمان اس کی تمام شرائط قبول کرنے سے بعد میں خلیفہ قرار پاتا ہے (ترجمہ نہج البلاغہ، فیض الاسلام، خطبہ ۳)۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

کے مطابق عمل کرنا ہے نہ کہ گزشتہ خلفاء کی سیرت پر عمل کرنا، تاکہ لوگ توجہ اور بصیرت کے ساتھ بیعت کریں اور حضرت کی حکومت کے دوران ابو بکر اور عمر کی سنت کے نعرے نہ لگائیں اور اس چیز کو حضرت کی نئی تشکیل پانے والی حکومت سے مخالفت کا بہانہ قرار نہ دیں، کیونکہ حضرت نے پہلے ہی دن ان پر حجت تمام کی اور آنے والی حکومت کی ذمہ داری واضح کی۔ یہ وجہ اور تفسیر حضرت کے خطبہ میں بعد والے جملات سے روشن ہوتی ہے کہ افسوس ہے دین سے سیاست کی جدائی کے دعویدار اس سے غفلت یا نظر انداز کرتے ہیں، حضرت واضح فرماتے ہیں کہ:

اے لوگو! جان لو اگر میں نے تمہاری دعوت کو قبول کیا، تو جو کچھ میں سمجھتا ہوں اس کے مطابق کروں گا اور کسی کی بات، تنبیہ اور دھمکی کی پرواہ نہیں کروں گا[1]۔

ج۔ آنے والے فتنوں کی پیشین گوئی

حضرت اسی خطبہ میں حکومت کے قبول نہ کرنے کی ایک اور دلیل کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ ان کی اسلامی حکومت کو مستقبل قریب میں بہت سے تلخ و سیاہ مسائل اور مکر و فریب کا سامنا کرنا پڑے گا، بہت سے بزرگان اور شخصیتیں مثلاً عائشہ، طلحہ، زبیر اور بہت سے لوگ ان حادثات و واقعات میں اپنے ایمان پر قائم نہیں رہیں گے اور ان کی عادلانہ حکومت کو تحمل نہ کر سکیں گے[2]۔ آخر کار ان کی حکومت بہت کم مدت میں بجائے اس کے اسلام کو وسعت بخشے، اپنا سارا وقت اور طاقت اپنے ہم مذہب مخالفین سے نزاع میں مشغول رہے گی۔

بالفاظ دیگر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت بیعت کے زمانہ کو اپنی حکومت کے لیے مناسب زمانہ نہیں جانتے تھے کیونکہ مختلف جہات سے شبہات اور فتنے لوگوں کے ذہنوں پر حملہ کریں گے اور لوگ بھی حق کو ناحق سے تشخیص دینے پر قادر نہیں ہوں گے۔

---

[1] "و اعلموا انی ان اجبتکم رکبت بکم ما اعلم و لم أصغ الی قول القائل و عتب العاتب (نہج البلاغہ، خطبہ ۹۱)۔

[2] "فانا مستقبلون امراً له وجوه و الوان لا تقوم له القلوب ولا تثبت علیه العقول و ان الآفاق قد اغامت و المحجة قد تنکرت"۔ شہید مطہری اس کی وضاحت میں کہتے ہیں: مجھے چھوڑ دو، کسی اور کو ڈھونڈو کہ ہمیں مستقبل میں بہت سے سیاہ حادثات پیش آئیں گے، ایک عجیب تعبیر ہے کہ آسمان کے کام میں چند طرح کے چہرے ہیں، کہ جسے ایک طرح سے نہیں نمٹایا جاسکتا بلکہ مختلف انداز سے اس پر کام کیا جائے گا، خلاصہ یہ کہ وہ راہ جسے نبی ﷺ نے تعیین فرمایا تھا اب مجمل ہو چکا ہے اور فضا ابر آلودہ ہو چکی ہے۔۔ یہ جملہ امام مکمل حجت تمام کرنے کے لیے فرماتے ہیں (امامت در بہبری، ص ۱۳۹، ۱۴۰، ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ج ۷، ص ۳۴)۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

لیکن عدالت کا اجراء اگرچہ مختصر مدت تک اور مظلومین کے حقوق کے دفاع کے عہد الٰہی پر عمل اور لوگوں کا حاضر ہونا اور بیعت کرنا، حضرت کے لیے وظیفہ الٰہی قرار دیتا ہے کہ حضرت دل کے میلان سے قطع نظر لوگوں کی درخواست کو قبول کرتے ہیں۔

حضرت ایک اور خطبہ میں خلافت قبول کرنے کی ایک دلیل یوں فرماتے ہیں:

لَولا حُضورُ الحَاضر وَ قیامَ الحجَّة بِوجُود الناصِر وَ ما اَخذ الله علَی العلَماء اَن لا یقَاروا عَلی کَظة ظالمٍ ولَا سغبِ مظلُومٍ لالقَیت حَبلها عَلی غَاربهَا [1]

اگر بیعت کرنے والے موجود نہ ہوتے اور ناصر و مددگار کی بناء پر حجت تمام نہ ہوتی نیز اللہ نے علماء سے عہد نہ لیا ہوتا کہ ظالموں کی پرخوری اور مظلوموں کی بھوک کے مدمقابل آرام سے نہ بیٹھیں، تو میں حکومت قبول نہ کرتا۔

د۔ حکومت میں حرص کی تہمت سے دوری

مندرجہ بالا خطبہ میں غور و فکر سے ایک اور وجہ سامنے آتی ہے کہ حضرت چاہتے تھے کہ لوگ ان پر دنیاوی حکومت کے مسئلہ میں طمع اور حرص کی تہمت نہ لگائیں اور حضرت کے زمانہ سکوت میں شکایات اور اقدامات حکومت کی خواہش کی بنا پر نہ تھے، بلکہ نبی کی وصیت پر عمل اور دین کو زندہ کرنے کے لیے تھے۔ یہ وجہ حضرت کی کلام کے ذیل میں ہے کہ فرماتے ہیں: "تمہاری دنیا کی قدر میرے نزدیک بکری کی چھینک سے بھی کم ہے" سے واضح اور مضبوط ہوتی ہے۔

ھ۔ لوگوں سے شکوہ

ایک اور وجہ کہ جسے مندرجہ بالا خطبہ کے شارحین ذکر کرتے ہیں [2] حضرت کا ان لوگوں سے شکوہ ہے جو خلافت کے مسئلہ میں حضرت کو تنہا چھوڑ گئے تھے، لہٰذا حضرت چاہتے تھے کہ اپنے اندرونی غم کا اظہار کریں کہ تم لوگوں نے میرا مسلم حق پچیس سال تک دوسرے لوگوں کے ہاتھوں دے رکھا تھا، مجھے خانہ نشین اور اسلام کو

۱۔ اللہ کی قسم اگر لوگوں کا حضور نہ ہوتا اور نصرت نہ کرتے کہ حجت تمام ہو اور اگر وہ عہد نہ ہوتا کہ جو اللہ نے علماء سے لیا ہے کہ وہ ظالم کو پیٹ بھرنے اور مظلوم کے بھوکے رہنے پر راضی نہ ہوں، تو ہر لحظہ خلافت کے اونٹ کی مہار اور رسی اس کی کوہان پر پھینک دیتا (نہج البلاغہ، خطبہ ۳)۔

۲۔ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ج ۷، ص ۳۵۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

بالیاقت رہبر سے محروم کیا تھا نیز اسلام میں بدعتوں اور نقصانات کے اسباب فراہم کیے تھے، اب جب پانی سر سے گزر چکا اور میرے بہترین انصار دنیا سے چلے گئے، اب کیوں میرے پاس آئے ہو؟ عرفی کلام میں اس قسم کے شکوہ و شکایت کا اظہار عام ہے۔

و۔ لوگوں میں صلاحیت کا نہ پایا جانا

شارحین نے ایک اور وجہ جو ذکر کی ہے وہ یہ ہے، حضرت کی کلام کو تمسخر اور تحکم پر حمل کیا ہے[1]۔ یعنی حضرت نے اپنے زمانہ کے لوگوں کو اپنے جیسے عظیم رہبر جیسی نعمت کے حامل ہونے کی ضروری صلاحیت سے محروم سمجھتے تھے۔ لہٰذا تمسخر کے انداز میں فرماتے ہیں کہ کسی اور کے پاس جاؤ، تم لوگ اس درجہ میں نہیں ہو کہ مجھ جیسا رہبر رکھو۔ یہ وجہ حضرت کی کلام کی ذیل میں آتی ہے کہ فرماتے ہیں:

و اَنا لکُم وزیراً خَیر لَکُم منی امیراً

اگر تمہارے لیے رہبر و حاکم کی بجائے وزیر اور مشورہ دینے والا رہوں تو بہتر ہے۔

واضح سی بات ہے کہ اس بیان میں حضرت معاشرے کی رہبری کے لیے اپنی صلاحیت کی نفی نہیں کر رہے، حالانکہ آپ نے بہت سے مقامات پر حکومت کے مسئلہ میں صرف اپنے حق اور لیاقت پر تاکید فرمائی ہے[2]۔

تیرہواں شبہہ: خلفاء وقت سے تعاون کرنا

بعض حضرات یہ گمان کرتے ہیں کہ اگر نبی اکرم ﷺ کی طرف سے حضرت علی علیہ السلام کی امامت اور خلافت پر کوئی نص ہوتی تو خلافت صرف حضرت علی علیہ السلام کا انحصاری حق ہوتی اور ان کے علاوہ ہر حاکم غاصب اور ظالم کا عنوان پیدا کرتا، تو ایسے حقیقی مقام کا مالک کبھی بھی ان سے تعاون نہ کرتا۔ لیکن جہاں تک حضرت علی علیہ السلام کا تعلق ہے آپ نے تینوں خلفاء وقت سے مکمل تعاون کیا، انکی نماز جماعت میں شرکت کی اور بعض واقعات اور مسائل میں ان کے مشیر اور جانشین بھی بنے۔ جیسا کہ ابو بکر کی حکومت کے شروع میں حضرت نے

---

[1] ۔ سابقہ ماخذ۔

[2] ۔ جان لیں کہ خدا کی قسم ابو قحافہ کا بیٹا ابو بکر خلافت کو قمیص کی مانند پہن چکا ہے، حالانکہ وہ جانتا ہے کہ میں خلافت کے لیے چکی کے چمر کی درمیانی کیل کی مانند ہوں، میرے پر فیض سرچشمہ سے علوم و معارف کا سیلاب بہتا ہے، کوئی بھی پرواز کرنے والا میری بلندی کی اڑان تک نہیں پہنچ سکتا۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۳۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

مرتدین کے لشکر کا مقابلہ کرنے کے لیے جو مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے تھے زبیر، طلحہ اور ابن مسعود کے ساتھ مل کر شہر کے اصلی راستوں کی حفاظت کی ذمہ داری قبول کی۔[۱]

سنہ ۱۴ ہجری میں جب عمر لشکر کی تیاری اور آمادہ ہونے کے لیے شہر کو چھوڑتے ہیں، تو حضرت شہر کی سرپرستی قبول کرتے ہیں[۲]۔

حضرت کا خلیفہ دوم سے رابطہ سب سے زیادہ اور حضرت کا اسے علمی، دینی اور عسکری جہات سے مشورہ دینا بہت زیادہ مشہور ہے۔

اس تمام تعاون سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام خلفاء کو ظالم اور غاصب حاکم کے عنوان سے نہیں دیکھتے تھے اور ان کی حکومت کا انکار نہیں کرتے تھے، ایک طرح سے ان کی تائید کرتے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی نصب موجود نہیں ہے اور نصب کے ہوتے ہوئے اور خلفاء کے ظالم اور غاصب ہونے کی صورت میں حضرت کا ان سے تعاون کوئی وجہ نہیں رکھتا[۳]۔

بعض معاصرین نے حضرت کا خلفاء سے سیاسی اور حکومت کے متعلقہ مسائل میں تعاون دیکھتے ہوئے یہ چاہا کہ اس سے وقت کی حکومت کو اجمالی سا جواز اور شائبہ فراہم کریں، اگرچہ بعنوان ضرورت اور دوسرے نمبر کی اولویت کی بناء پر یہ نتیجہ نکالیں۔

البتہ وہ نص اور قانون نصب کو قبول کرتے تھے، لیکن اسے پہلی صورت اور پہلے مرحلہ میں لاتے ہیں کہ اگر اس پر عمل نہ ہو تو پھر دوسرے مرحلہ کی نوبت آتی ہے یعنی لوگوں کا انتخاب اور ان کی بیعت کرنا کہ وہ بھی جائز ہے[۴]۔

۱۔ تاریخ کامل، ج ۲، ص ۳۴۴۔

۲۔ تاریخ ابن خلدون، ج ۲، ص ۹۱، تاریخ کامل، ج ۲، ص ۳۵۰، تاریخ طبری، ج ۲، ص ۶۱۱۔

۳۔ فلو انکر امامتھم وغضب علیھم و سخط فعلھم فضلاً عن ان یشھر علیھم السیف او یدعو الی نفسہ لقلنا انھم من الھالکین — و لکن رأیناہ رضی امامتھم و بایعھم و صلی خلفھم و انکحھم واکل من فیئھم فلم یکن لنا ان یتعدی فعلہ ولا نتجاوز ما انتھر من ہ (نہج البلاغہ، ج ۲۰، ص ۲۲۱، ابن حزم، الفصل، ج ۳، ص ۱۵)۔

۴۔ محمد واعظ زادہ خراسانی، فصلنامہ کتاب نقد، ش ۱۹، تابستان ۱۳۸۰، ص ۲۴؛ مجلہ نہج البلاغہ، ش ۴، ص ۱۷۷، ہم اس کی بعض عبارتوں کو توجیہات کے باب میں چوتھی توجیہ کے عنوان سے ذکر کریں گے۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

تحقیق و تجزیہ

سب سے پہلا ظریف نکتہ جو واضح اور روشن ہونا چاہیے وہ یہ کہ شیعہ اور حضرت علی علیہ السلام کی نظر میں حکومتیں اور وقت کے حاکم مسلمان اور فی الجملہ اسلام اور نبی ﷺ کے پیروکار تھے، ایسی بات نہیں کہ شیعہ پہلے تین خلفاء کو غیر مسلم سمجھیں، ممکن ہے ایسی چیز اہل سنت کے درمیان پھیلائی گئی ہو۔

زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ خلفاء اور زمانہ کے سیاستدانوں نے رحلت نبی ﷺ کے بعد حقدار کو حق نہیں دیا اور حضرت کے مسلم مقام پر غصب کی بناء پر بیٹھ گئے، وہ اس نظر سے خطاء اور گناہ کے مرتکب ہیں۔ اگر سنی لوگ بھی انصاف سے کام لیں اور اپنے اعتراف کے مطابق کہ وہ حضرت علی علیہ السلام کو قبول کرتے ہیں، تو ضروری ہے کہ ان کی کلام اور اعتراف کو معتبر اور حجت شمار کریں، جیسا کہ پچھلے صفحات میں گزر چکا ہے کہ حضرنے اپنے مسلم حق کے غصب ہونے کو مختلف انداز سے بیان کیا اور زمانہ کے خلفاء پر تنقید کی ہے۔

بنابرایں سب سے پہلے یہ قبول کریں کہ خلفاء وقت امام علی علیہ السلام کی نظر میں نص اور دین کی طرف سے دینی جواز سے محروم تھے، اب کسی وجہ سے خواہ بیعت یا کسی اور طریقے سے تینوں خلفاء نے حکومت سنبھالی اور کچھ حد تک اسلامی احکام کو بھی اجراء کیا (اس سے قطع نظر کہ ان میں سے بعض نبی ﷺ کی سیرت کے خلاف عمل کرتے تھے جیسے متعہ کی تحریم)۔ دوسری طرف اسلام کے مخالفین مثلاً منافقین، کفار اور مرتدین اسلام اور مسلمانوں کی نئی حکومت کو کمزور رنے پر تلے ہوئے تھے، اس حساس ترین موقع پر اصل اسلام کی حفاظت (قطع نظر اس کے کہ حاکم اور خلیفہ کون ہے؟) اور مسلمانوں کی وحدت کا محفوظ رہنا سب سے پہلے اور بنیادی واجبات میں سے شمار ہوتا ہے، لہٰذا حضرت اس مقصد کے حصول کی خاطر اپنے مسلم حق سے عارضی طور پر چشم پوشی کرتے ہیں اور ضرورت کی حد تک ہم عصر خلفاء سے تعاون بھی کرتے ہیں۔ مزید وضاحت حضرت کے سکوت کی وجہ کے شبہ میں ذکر کریں گے۔

چودھواں شبہ: نماز میں خلفاء کی اقتداء

ایک دوسرا شبہ یہ ہے کہ اگر حضرت علی علیہ السلام کے ہم عصر خلفاء غاصب، ظالم اور ناحق تھے، تو پھر کس لیے حضرت علی علیہ السلام ان کے عبادتی پروگراموں میں شرکت اور نماز جماعت میں ان کی اقتداء کرتے تھے[1]۔ کیا امام جماعت میں عدالت شرط نہیں ہے؟ اگر حضرت کے خلفاء وقت کے ساتھ سیاسی اور معاشرتی تعاون کی

۱۔ جامع احادیث الشیعہ، ج ۷، ص ۳۰۷۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

وجہ، اسلام کا تحفظ اور مسلمانوں کی وحدت ہو سکتا ہے، تو اس کی وجہ اور مقصد کیا ہے کہ حضرت نماز میں ان کی اقتداء کرتے ہیں؟

ابن ابی الحدید حضرت کی ہم عصر خلفاء کی نماز میں اقتداء کو خلفاء وقت کی حکومت کے حق اور جائز ہونے پر دلائل اور شواہد میں سے ذکر کرتے ہیں[۱]۔

احادیث کے ماخذ میں یہ بھی نقل ہوا ہے کہ امام حسن اور امام حسین علیہما السلام مروان کے پیچھے نماز جماعت میں شریک ہوتے رہے ہیں[۲]۔

تحقیق و تجزیہ

اس شبہ کے جواب میں محققین کی طرف سے مختلف جواب بیان ہوئے ہیں کہ ان کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

الف۔ اقتداء کی نفی

بعض متکلمین یہ قبول کرتے ہیں کہ حضرت مساجد اور ہم عصر خلفاء کی نماز جماعت میں حاضر ہوتے تھے لیکن ان کا یہ عقیدہ ہے کہ آپ ان کی نماز میں اقتداء نہیں کرتے تھے، بلکہ زیادہ سے زیادہ تقیہ اور ظاہری اقتداء کرتے تھے اور ان کے رکوع و سجود میں ان کی ہمراہی کرتے تھے، لیکن فرادیٰ کی نیت کرتے تھے[۳]۔

ب۔ جماعت میں حاضر نہ ہونے کا لازمہ اختلافِ مسلمین

اگر آنحضرتؑ اپنے ہم عصر خلفاء کی نماز جماعت میں حاضر نہ ہوتے تو یہ ایک منفی پیغام سمجھا جاتا، یعنی خلیفہ امام علیہ السلام کی نظر میں نماز جماعت کی امامت کے لیے ضروری اور حد اقل شرط یعنی عدالت نہیں رکھتا۔ عدالت کا نہ ہونا فسق اور فاسق ہونے سے مساوی ہے۔ اس صورت میں خلیفہ حضرت کی طرف سے ایک فاسق رہبر سمجھا جاتا اور اس سے لوگوں میں اختلاف اور ان کی خلیفہ کی نسبت مختلف طرح کی نظر اور آراء پیدا ہوتیں کہ

۱۔ شرح نہج البلاغہ، ج ۲، ص ۲۲۱؛ ہفت آسمان، ش ۳۰، مقالہ "راوکار حامی تحکیم وحدت اسلامی"۔
۲۔ سابقہ ماخذ، ج ۷، ص ۲۹۸؛ وسائل الشیعہ، ابواب صلوۃ الجماعۃ، ب ۵، ح ۹، ج ۸، ص ۳۰۱۔
۳۔ حمصی رازی، المنقذ من التقلید، ج ۲، ص ۳۲۳؛ شیخ مفید حضرت کی خلفاء کی نماز میں اقتداء کے سوال کے جواب میں کہتے ہیں: جعل هم بمنزل سواری المسجد (سلسلہ مؤلفات مفید، ج ۲، ص ۶۹، کتاب الفصول المختارہ)۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

جس کا نتیجہ وحدت مسلمین کو ضرر پہنچنا اور اس کے بعد مسلمانوں کی حکومت کا کمزور اور ضعیف ہونا سامنے آتا، لہٰذا حضرت اسلام کے بلند ترین مصالح کے تحفظ کے لیے حکومت کے عبادتی پروگراموں میں شرکت کرتے تھے[1]۔

ج۔ حضرت کا حاضر نہ ہونا فریضہ دینی کے ترک کرنے کی مانند قرار پانا

نبی ﷺ کے زمانہ میں نماز جمعہ، جماعت اور دیگر عبادتی اور معاشرتی پروگرام بہت زیادہ اہمیت رکھتے تھے، اس طرح کہ ان کو ترک کرنے والے منافقین، جائز الغیبۃ اور ان لوگوں میں شمار ہوتے تھے کہ جن کے گھروں کو آگ لگانا جائز ہوتا[2]۔

مسلمان اسی فکر کے ساتھ تربیت پائے اور اپنے ذہنوں میں ایسے مراسم میں شرکت کو ایک اہم اور دینی مسئلہ سمجھتے تھے اور اسے ترک کرنے والوں کی مذمت اور سرزنش کرتے تھے، بسا اوقات اس کے خلاف ہو جاتے تھے۔ مسلمانوں کا نبی اسلام ﷺ کی رحلت کے بعد نماز جماعت میں شریک ہونا اسی انداز سے تھا کہ سعد بن عبادہ کے علاوہ باقی تمام صحابہ شرکت کرتے تھے۔

اب یہ کہ امام جماعت نبی اکرم ﷺ یا ان کی طرف سے نمائندہ ہو یا کوئی اور ہو، اس نکتہ کی طرف توجہ نہیں رکھتے تھے۔

لہٰذا اگر حضرت علی علیہ السلام عبادتی اور اجتماعی مراسم مثلاً نماز جماعت اور جمعہ میں حاضر نہ ہوتے اور اسے ترک کرتے، تو مسلمانوں کے ذہن ان کی نسبت سے تردید کا شکار ہوتے اور ممکن تھا بعض ان پر دینی فریضہ کو ترک کرنے کی تہمت لگاتے، جیسا کہ اہل شام معاویہ کے پروپیگنڈا کی بناء پر یہ یقین رکھتے تھے کہ نعوذ باللہ حضرت نماز نہیں پڑھتے ہیں۔

حضرت اگرچہ لوگوں کی بدگمانی سے خوف نہیں رکھتے تھے، لیکن یہ مسئلہ حضرت کے مخالفین کے لیے ایک حربہ اور بہانہ قرار پاتا کہ وہ حضرت کی شخصیت کو خراب کرتے اور اس کے بعد ایسی صورت حال کے پیش نظر حضرت کو قتل کرنے کا جواز بھی مہیا کرتے۔

---

[1]۔ امام خمینیؒ بھی فرماتے ہیں: امیر المومنین بیس سال سے زائد اسلام کے بلند ترین مقاصد کی خاطر ان کی نماز میں جاتے اور ان کی پیروی کرتے، کیونکہ ایک مصلحت تھی کہ جو کہ ان کے مسائل سے بڑھ کر تھی (صحیفہ امام، ج ۳، ص ۲۴۱)۔

[2]۔ وسائل الشیعہ، ج ۸، ص ۲۸۵، باب ۵۔ ۱: جامع احادیث الشیعہ، ج ۷، ص ۲۶۴۔ ۲۸۵۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

حالانکہ مسلمان حضرت کے وجود کے بعنوان امامِ معصوم اور علمی و دینی مرجع، محتاج تھے اور حضرت کا جلد دنیا سے جانا اصل اسلام کو ضرر پہنچاتا حالانکہ امام حسن اور حسین علیہما السلام زمانہ طفولیت میں تھے۔ اسی لیے حضرت اپنے زمانہ کے عبادتی اور معاشرتی پروگراموں میں شرکت کو ایک لازمی امر سمجھتے اور اس میں شرکت کرتے تھے۔

د۔ نماز کا صحیح ہونا

ایک اور وجہ کہ جسے بعض ہم عصر مفکرین ذکر کرتے ہیں، حضرت کی نماز اور اقتداء کو حقیقت پر حمل کرنا ہے، یعنی حضرت نہ صرف بظاہر بلکہ حقیقت میں ہی خلفاء کی نماز میں اقتداء کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اجر و ثواب بھی لیتے تھے، بالفاظ دیگر حضرت کا خلفاء سے اختلاف اس حد تک نہ تھا کہ جو اقتداء کرنے کے مانع ہو، تیری تعبیر کے مطابق حضرت علی علیہ السلام کی نظر میں خلفاء ان کے حق میں ظلم اور غصب کے مرتکب ہوئے ہیں اور وہ حق جیسا کہ آپ کی کلام سے ظاہر ہے، ایک شخصی امر تھا اور حضرت نے اپنے حق پر تحمل و صبر کیا تھا، لہٰذا ان کے لیے نماز میں شرکت سے کوئی چیز مانع نہ تھی۔ یہ مسئلہ روایات میں بھی آیا ہے، جیسا کہ سماعہ نے امام سے اہل سنت سے نکاح اور نماز میں ان کی اقتداء کے بارے میں سوال کیا،[1] حضرت نے فرمایا: ان چیزوں کا صحیح قرار پانا بعض کی نظر میں شدید اور قابل قبول نہیں ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح کیا (ابو بکر کی بیٹی عائشہ سے نکاح کیا اور اپنی دو بیٹیاں عثمان کے عقد میں دیں) اور علی علیہ السلام نے بھی ان کے پیچھے نماز پڑھی[2]۔

امام کاظم علیہ السلام ایک روایت میں وضاحت کرتے ہیں کہ امام حسن علیہ السلام اور حسین علیہ السلام نے حضرت علی علیہ السلام کی بیٹی امکلثوم کی وفات والے مسئلہ میں مروان بن حکم (جو اس وقت مدینہ کا والی تھا) کے پیچھے نماز پڑھی اور ہم بھی ان کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں[3]۔

علامہ شرف الدین کی بھی یہی رائے ہے کہ موسیٰ جار اللہ کے سوالات کے جواب میں کہتے ہیں:

---

[1]۔ روایت کے متن میں واضح نہیں ہے کہ سماعہ نے حدیث کس سے نقل کی ہے، لیکن چونکہ وہ ثقہ ہے اور عام طور پر غیر معصوم (امام صادق اور امام کاظم علیہما السلام کے زمانہ میں تھا) سے حدیث نقل نہیں کرتا علماء اس کی روایت کو معتبر اور مستند قرار دیتے ہیں۔

[2]۔ "سألته عن منا کحتهم و الصلوة خلفهم؟ فقال: هذا امر شدید لن تستطیعوا ذاک۔ قد انکح رسول الله و صلی علی ورائهم" (وسائل الشیعہ، ج۸، ص۳۰۱، ابواب صلوۃ الجماعۃ، ب۵، ح۱۰)۔

[3]۔ "صلی حسن و حسین خلف مروان و نحن نصلی معهم" سابقہ ماخذ، ج۹۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

وَ صلوته (علی علیه السلام) خلفهم مَا كانَت الا لله خَالصَة لِوجهِ الكَريم وَ قَد اقتَدينَا به (ع) ـ صَلوة وَرَاءَ ابی بَكر و عُمر فَلَيسَت تَقية اِذحَاشا الامَامِ اَن يَجعل عبَادته تَقية وَ يجوزُ للشيعي اَن يَقتَدی بالسُنی (۱)

امام علی علیہ السلام کی ان کے پیچھے نماز فقط اخلاص کے ساتھ اللہ کی رضا کے لئے تھی اور ہم بھی امام (ع) کی اقتداء کرتے ہیں۔۔۔ابو بکر اور عمر کے پیچھے نماز تقیہ نہیں تھی کیونکہ امام کبھی بھی اپنی عبادت تقیہ کے ساتھ بجا نہیں لاتا اور شیعہ کے لئے جائز ہے کہ وہ سنی کی اقتداء کرے۔

پندرہواں شبھہ: خلیفہ دوم سے رشتہ داری

حضرت علی علیہ السلام کا اپنے زمانہ کے خلفاء بالخصوص خلیفہ دوم کے ساتھ تعلق سیاسی، عسکری، ثقافتی اور معاشرتی روابط سے بڑھ کر تھا، اس طرح کہ حضرت نے اپنی بیٹی ام کلثوم کو خلیفہ دوم کے نکاح میں دیا تھا۔ بعض اہل سنت اس رشتہ داری سے یہ نتیجہ نکالنا چاہتے ہیں کہ گویا حضرت خلیفہ دوم اور اس کی حکومت کو شرعاً جائز سمجھتے تھے ورنہ نہ تو خود اس سے کوئی تعاون کرتے اور نہ کبھی بھی اپنی بیٹی اس کے عقد میں دیتے (۲)۔

تجزیہ و تحقیق

اہل سنت کی اسی دلیل اور شاہد کے تجزیہ و تحقیق میں چند نکات قابل توجہ ہیں:

الف: حدیث کی سند میں شک و تردید

بعض اس خبر کے صحیح ہونے میں شک و تردید کا اظہار کرتے ہیں اور ان کی نظر میں یہ حضرت کی بیٹی کی خلیفہ دوم کے ساتھ نکاح کی روایت زبیر بن بکار کے ذریعے روایت ہوئی ہے جو قابل اعتماد نہیں ہے اور وہ حضرت کے ساتھ بھی دشمنی و عداوت رکھتا تھا، لہٰذا اس کی طرف سے حدیث گھڑنے کا احتمال موجود ہے۔

یہ روایت صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ذکر نہیں ہوئی اور اہل سنت اسی وجہ سے شیعہ سے بہت سی احادیث قبول نہیں کرتے کہ ان کتابوں میں موجود نہیں ہیں۔ اور پھر یہ روایت بقیہ صحاح ستہ اور مسند احمد میں بھی نقل

۱۔ اجوبۃ مسائل جار اللہ، ص ۶۶ و نیز محمد رضا حکیمی، مشعل اتحاد، ص ۲۶۔

۲۔ شرح نہج البلاغہ ابی ابی الحدید، ج ۲، ص ۲۲۱، ۱۰۶؛ ابن حزم، الفصل، ج ۳، ص ۱۵۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

نہیں ہوئی جو اہل سنت کی معتبر ترین کتب ہیں اور اگر کوئی حدیث ان کتب میں موجود نہ ہو تو وہ اس حدیث کو قبول ہی نہیں کرتے لہٰذا اس اعتبار سے بھی یہ حدیث قابل اعتماد نہیں ہے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ یہ روایت سند کے اعتبار سے مشکل رکھتی ہے جیسا کہ ذہبی نے تلخیص المستدرک میں اس کی سند کو منقطع[۱] اور بیہقی نے مرسل[۲] اور ابن سعد نے بھی حدیث کو "الطبقات" میں مرسل کے عنوان سے ذکر کیا ہے۔ابن حجر نے "الاصابۃ" میں اس کے راویوں میں سے عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم کو ذکر کیا کہ بعض علماء اہل سنت اسے ضعیف قرار دیتے ہیں۔[۳] اسی طرح اس کی سند میں عبد اللہ بن وھب ہے کہ جسے ضعیف قرار دیا گیا ہے[۴]۔ابن حجر نے عطاء خراسانی سے ایک اور سند کو ذکر کیا ہے کہ ابن عدی اور بخاری اسے ضعیف شمار کرتے ہیں۔خطیب بغدادی کے نقل کرنے میں احمد بن حسین صوفی، عقبہ بن عامر جھنی اور ابراہیم بن مہران مروزی ہیں، کہ پہلا ضعیف شمار ہوا ہے، دوسرا معاویہ کے لشکر اور سرداروں میں سے تھا اور تیسرا مھمل جانا گیا ہے۔

شیخ مفید نے اپنی ایک کتاب میں اسی جواب کو انتخاب کیا ہے۔[۵] بعض ہم عصر علماء نے تفصیل کے ساتھ حدیث کے سندی اعتراضات کا تجزیہ کیا ہے کہ ہم قاری حضرات کو وہاں کا حوالہ دیتے ہیں[۶]۔

پس یہ روایت سندی اعتبار سے اہل سنت کے ماخذ میں قابل اعتراض اور مشکلات کی حامل ہے کہ اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا اور نہ اس کی بناء پر کسی حکومت کا شرعی جواز اور عدم جواز جیسی دینی اور عقائدی اصل کو ثابت کیا جاسکتا ہے۔

بعض کا یہ بھی نظریہ ہے کہ ام کلثوم حضرت کی منہ بولی بیٹی تھیں اور وہ دراصل ابو بکر کی اسماء بنت عیسی سے بیٹی تھیں کہ جو بعد میں حضرت کی زوجہ قرار پائی ہیں[۱]۔البتہ بعض محدثین نے اصل نکاح کو قبول کیا ہے،[۲] لیکن اس کی دیگر طریقوں سے توجیہ اور وضاحت کی ہے کہ ان پر اشارہ کیا جائے گا۔

۱۔ تلخیص المستدرک، ج ۳، ص ۱۴۲۔
۲۔ سنن بیہقی، ج ۷، ص ۶۴۔
۳۔ عقیلی، الضعفاء، ج ۲، ص ۳۳، ابن عدی، الکامل فی الضعفاء، ج ۷، ص ۱۵۸۱۔
۴۔ سابقہ ماخذ، ج ۵، ص ۳۳۷۔
۵۔ سلسلہ مصنفات المفید، ج ۷، ص ۸۶؛ المسائل السرویہ، ابن شہر آشوب وابو سہل نوبختی بھی اس کے تاریخی اعتبار سے منکر ہیں۔
۶۔ سید ناصر حسین الموسوی الہندی، افہام الاعداء والخصوم بتکذیب ما افتروہ علی سیدتنا، سید علی میلانی، جزوہ تزویج ام کلثوم من عمر۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ب۔ دعوی پر دلالت نہ ہونا

اگر ہم اصل نکاح کو بھی مان لیں اور یہ بھی قبول کرلیں کہ یہ سب کچھ رضایت اور اختیار (کہ یہ بات مورد اختلاف ہے لیکن ہم فرض کرتے ہیں) سے ہوا، تو اس سے بھی خلیفہ دوم کی حکومت کا شرعی جواز یا عدم جواز ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ یہ ایک ذاتی اور شخصی مسئلہ ہے جو مختلف شخصی اور معاشرتی وجوہات سے وابستہ ہوتا ہے لہٰذا سب کی سب وجوہات اور اسباب کا اس سے کشف ہونا ممکن نہیں ہے۔

بالفاظ دیگر مختلف معاشروں میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ دو مخالف گروہ، قبیلہ یا ملکوں میں کوئی شادی انجام پاتی ہے بغیر اس کے کہ اس سے کوئی دوسرے کام کا جواز ثابت ہوتا ہو، اب ان علاقوں میں کہ جہاں شیعہ اور سنی اکٹھے زندگی گزارتے ہیں، وہاں اس قسم کی اکثر شادیاں انجام پاتی ہیں، بغیر اس کے کہ شیعہ سنی مذہب کی یا کوئی سنی شیعہ مذہب کی تائید کرے۔

ہاں مندرجہ بالا نکاح خلیفہ دوم کے مسلمان ہونے کی تائید کرتا ہے اور شیعہ بھی اسے قبول کرتے ہیں، لیکن مورد اختلاف نکتہ حکومت ہے کہ شیعہ اسے حضرت علی علیہ السلام کا حق مسلم جانتے ہیں کہ پچیس سال تک حضرت پہلے تین خلیفوں کی بناء پر اپنے حق سے محروم رہے۔

ج۔ حق کے غصب ہونے پر وضاحت

اگر حضرت نے اپنی بیٹی کے خلیفہ دوم کے ساتھ نکاح کے بعد پہلے اور دوسرے خلیفہ کے ذریعے اپنے مسلم حق کے غصب ہونے کے اعتراض پر مبنی باتیں چھوڑ دی ہوں تو یہ احتمال اگرچہ ضعیف ہونے کی حد تک پایا جاتا ہے کہ اہل سنت اس نکاح کو خلافت کی تائید یا حداقل امام علی علیہ السلام اور خلیفہ دوم میں نزاع ختم ہونے کی دلیل کے طور پر ذکر کرتے، لیکن حضرت کے اپنے مسلم حق کے غصب ہونے پر سخت اور تنقید آمیز اعتراضات بار بار حتی اس شادی کے بعد بھی نقل ہوئے ہیں کہ یہ بذات خود اس دعوی پر دلیل اور وضاحت ہے کہ آپ ہمیشہ حکومت کے مسئلہ میں تینوں خلفاء کے ہاتھوں اپنے مسلم حق کے غصب ہونے پر تاکید کرتے رہے، کہ جو بذات خود واضح کر رہا ہے کہ یہ نکاح زیادہ سے زیادہ ایک شخصی مسئلہ ہے کہ جس کا حکومت کے جواز سے کوئی ربط نہیں

۱۔ آیت اللہ مرعشی نجفی، جواب استفتاء، مورخ ربیع الاول، ۱۴۰۷، تاریخ تحلیلی و سیاسی اسلام، ج ۲، ص ۵۹ میں منقول ہے۔

۲۔ بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۱۰۹، مرآۃ العقول، ج ۲۰، ص ۴۲، ج ۲۱، ص ۱۹۸۔ بعض مثلاً صاحب الانوار نے ذکر کیا ہے کہ حضرت نے اپنی بیٹی ام کلثوم کے بجائے اس کے مشابہ ایک یہودی لڑکی کو عمر کے گھر میں بھیجا۔ (مرآۃ العقول، ج ۲، ص ۱۹۸، ج ۲۰، ص ۴۲؛ بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۱۰۶)۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ہے۔ اگر اہل سنت حضرت کی ان توضیحات کے بعد بھی اپنے دعوی پر اصرار کریں تو یہ نص کے مد مقابل اجتہاد کی طرح ہوگا (حضرت کی اپنے حق کے غصب ہونے پر نصوص پچھلے صفحات میں گزر چکی ہیں)۔

دیگر وجوہات پر اشارہ

مزید وضاحت کے لیے اور یہ کہ کیوں حضرت نے اپنی بیٹی کے نکاح کی اپنے حق کے غاصب کے ساتھ موافقت کی، مندرجہ ذیل نکات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

د۔ مصلحت اندیشی

ایک عاقل انسان کسی کام کو انجام دینے سے پہلے اس کے مصالح اور مفاسد پر غور و فکر کرتا ہے پھر اسے انجام دینے یا ترک کرنے پر ارادہ و عزم کرتا ہے۔ اس چیز کو دیکھتے ہوئے اس نکاح کے مصالح اور مفاسد کا تجزیہ کرنا چاہیے۔

۱۔ خطرات سے بچنا: مندرجہ بالا نکاح کے انجام پانے سے حضرت حکومت و طاقت کے محور کے ساتھ نزدیکی رابطہ پیدا کرتے ہیں اور اس طرح حضرت، ان کے پیروکار اور ان کے شیعہ اپنے دشمنوں، مخالفین اور خود حکومت کے مختلف حملات کی زد سے محفوظ رہتے ہیں[1]، جیسا کہ معاویہ جو شام میں حکومت کرتا تھا کہ اس نے حضرت کے خلاف اپنے پروپیگنڈا سے شام کی اکثریت کو حضرت کی نسبت بدگمان کیا، اس بدگمانی کی یہ حالت تھی کہ جب حضرت مسجد کے محراب میں شہید ہوئے تو وہ کہتے تھے کیا علی مسجد بھی جاتے تھے؟

۲۔ خلیفہ پر تسلط اور اس کی اصلاح: دوسری مصلحت کہ جو ان مسائل سے حضرت کو حاصل ہوئی وہ حضرت کا خلیفہ پر تسلط اور اثر انداز ہونا ہے کہ میرے خیال میں حضرت کی شخصیت اور علمی و دینی مرجعیت سے قطع نظر، خلیفہ کا سسر ہونا بے اثر نہیں تھا۔ حضرت اپنے نفوذ کی بدولت جہاں تک ہو سکتا تھا اسے نصیحت، ارشاد اور راہنمائی کرتے اور خلیفہ بھی جہاں تک ہوتا حضرت کے مقام کی مراعات کرتا۔ در حقیقت حضرت خلیفہ کے لیے مشیر اوّل کا درجہ رکھتے تھے اور اس مقام کی بدولت بہت آسانی سے اسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے اور یہ اثر بھی کرتا[2]۔

۱۔ "امیر المومنین (ع) کان محتاجاً الی التالیف و حقن الدماء — فاجابه الی ملتمسه" شیخ مفید، سلسلۃ المؤلفات، ج۷، ص۹۱۔

۲۔ شیخ مفید نے قاضی ابو بکر احمد بن سیار کے جواب میں مندرجہ بالا نکاح کے بارے میں کہا "اراد بذلک استصلاحه و کفه عنه" سابقہ ماخذ، ج۲، ص۷۰۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

صرف ایک مفسدہ جو کہ اس نکاح سے سامنے آسکتا تھا، وہ حضرت علی علیہ السلام کے ذریعے خلیفہ دوم کی خلافت کا شرعی جائز قرار پانا تھا کہ یہ مفسدہ بھی حضرت کی اپنے مسلم حق کے تین خلفاء کے ذریعے غصب ہونے کی توضیحات سے ختم ہو جاتا ہے۔

ھ۔ دھمکی اور جبر

تاریخی ماخذ بتاتے ہیں کہ حضرت نے سب سے پہلے تو خلیفہ کو منفی جواب دیا، لیکن اس نے حضرت کے چچا عباس سے ملاقات کی اور دھمکی دی کہ اگر یہ نکاح نہ ہوا تو حجاج کو پانی دینے کا مقام "سقایت" ان سے چھین لے گا، بلکہ اس سے بڑھ کر دھمکی دی کہ منفی جواب کی صورت میں دو جھوٹے گواہ کرائے پر لائیگا کہ جو حضرت کی چوری پر گواہی دیں گے اور حضرت کے ہاتھ چوری کے جرم میں کاٹ دے گا۔ بعض ماخذ میں اخلاقی جرائم کی تہمت پر مثلاً قتل کی دھمکی وغیرہ کی بات بھی نقل ہوئی[1]۔

عمر کی جھگڑالو طبیعت کے پیش نظر یہ اس سے بعید بھی نہ تھا کہ یہ اعمال انجام دے، لہٰذا حضرت اپنی علمی و دینی حیثیت کے تحفظ کی خاطر (کہ جو اسلام کے لیے ضروری تھا اور اس میں شخصی مفاد لحاظ نہیں رکھا گیا تھا) اس نکاح کے لیے جبر و اکراہ اور اس دھمکی کے پیش نظر راضی ہوگئے۔ بعض روایات میں وضاحت کی گئی کہ ام کلثوم کی عمر سے شادی کا مسئلہ ایک غصبی مورد تھا کہ حضرت پر زبردستی تحمیل کیا گیا[2]۔

اسی وجہ کو متکلمین اور محدثین مثلاً سید مرتضی، الشیخ مفید اور شیخ طوسی نے بھی ذکر کیا ہے[3]۔

و۔ نقضی جواب

آخری جواب ایک نقضی جواب ہے کہ جس کے ذریعے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ رشتہ داری کے تعلق پیدا ہونے سے کسی چیز کے جواز یا تائید پر دلالت نہیں ہوتی، اپنی بیٹی کی مخالفین کو شادی کی پیشکش بلکہ غیر مذہب افراد کو بھی ایسی پیشکش، بعض انبیاء کی جانب سے ہوئی کہ جس کی واضح مثال حضرت لوط علیہ السلام ہیں۔ جب ان کی قوم نے ان سے تقاضا کیا کہ ان کے دو خوبصورت مہمان (کہ جو دو فرشتے تھے اور انسان کی صورت میں موجود تھے) ان کے

---

[1] ۔ جامع احادیث الشیعہ، ج ۲۰، ص ۵۳۸۔

[2] ۔ ان ذلک فرج غصبناہ (فروع الکافی، ج ۲، ص ۱۴۱، ح ۵، ص ۳۴۶؛ مراۃ العقول، ج ۲۰، ص ۴۴؛ الاستغاثہ، ص ۹۲، اعلام الوری، ص ۲۰۴)

[3] ۔ الشافی، مراۃ العقول سے منقول، ج ۲۰، ص ۴۴؛ شیخ مفید، سلسلۃ المؤلفات، ج ۷، ص ۹۲؛ شیخ طوسی، تہذیب، ج ۱۸، ص ۱۶۱؛ مراۃ العقول، ج ۲۰، ص ۲۵۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

اختیار میں دیں، تو حضرت نے مجبور ہو کر اپنی بیٹیوں کی شادی اپنی قوم سے کرنے کی بات کی کہ جو ان پر ایمان بھی نہیں لائے تھے: هَؤُلاءِ بَنَاتِی هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ [1]

نتیجہ یہ ہوا کہ اس قسم کی شادیاں خلافت اور حکومت کی تائید پر دلالت نہیں کرتیں۔

سولہواں شبہ: خلفاء کے نام پر اپنے بیٹوں کا نام رکھنا

بعض اہل سنت پہلے تین خلفاء کی خلافت کے جواز کے لیے ہر رطب و یابس سے تمسک کرتے ہیں۔ ان موارد میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت کا پہلے تین خلفاء سے رابطہ اس قدر قریبی اور دوستانہ تھا کہ حضرت نے اپنے بعض بیٹوں کے نام پہلے تین خلفاء کے نام پر رکھے [2]۔

تحقیق و تجزیہ

اس شبہ کے جائزہ میں مندرجہ ذیل نکات قابل توجہ ہیں:

الف۔ دعوی پر دلالت نہ ہونا اور مسئلہ کو سادہ سمجھنا

پہلا نکتہ یہ ہے کہ مندرجہ بالا دلیل یا شاہد ایک سطحی اور عوامانہ دلیل ہے۔ صدر اسلام کے ماحول میں بہت سے افراد خواہ زمانہ جاہلیت میں خواہ زمانہ اسلام میں ایسے تھے جن کے نام ابو بکر، عمر اور عثمان تھے۔ صرف یہ کہ حضرت کے بچوں کے نام خلفاء اور دیگر افراد کے نام پر تھے اس سے حکومت اور اس کے اعمال اور رفتار کی تائید یا ان سے دوستانہ روابط کو ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ مندرجہ بالا دلیل کے قائل حضرات نے حکومت و خلافت کے شرعی جواز کو بہت ہی سادہ لیا ہے اور ان کا خیال تھا کہ ایک شخصی اور گھریلو مسئلہ سے ایک ایسی دلیل اور اساس تیار کریں کہ جسے حکومت و خلافت کے جواز کی دلیل بنا سکیں جبکہ ایسی فکر عقل مند حضرات سے بعید ہے۔

ب۔ اس زمانے کا رواج

دوسرا نکتہ جو نام رکھنے اور مخالفین کے جواز اور ان کے اعمال و رفتار کی تائید میں کسی قسم کے تعلق کے نہ ہونے پر دلالت کرتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ نام اس زمانے میں مروج تھے اور نہ یہ کہ فقط انہیں حضرات کے ساتھ

---

[1] ۔ ھود، ۷۸۔

[2] ۔ عبد العزیز نعمانی، مقالہ "حضرت فاطمہ زہرا (س) از ولادت تا افسانہ شہادت" ماہنامہ ندای اسلام، ش ۳، حوزہ علمیہ اہل سنت زاہدان؛ و نیز سابقہ ماخذ، ش ۹؛ بہار ۸۱، ص ۱۷؛ سخنان امام جمعہ اہل سنت زاہدان جناب عبد الحمید مولوی، سید احمد موسوی، استراتژی وحدت، ج ۱، ص ۱۳۵۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

مخصوص تھے بلکہ اس زمانے میں معروف تھے لہٰذا آنحضرت اور آپ کے چاہنے والے بھی وہی نام رکھا کرتے بلا اس کے کہ وہ اپنے دشمن کی طرف توجہ کرتے۔ یہاں بعض موارد کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

۱۔ **معاویہ کا نام:** حضرت علی علیہ السلام کی معاویہ بن ابو سفیان سے دشمنی اور جنگ کسی کے لیے مشکوک نہیں ہے، اس کے باوجود حضرت کے بعض شیعہ اور محبین اپنے بچوں کے نام معاویہ رکھتے تھے یا وہ جن کے نام پہلے سے معاویہ تھا، انہوں نے تبدیل نہیں کیا مثلاً: **معاویہ بن جعفر:** حضرت علی علیہ السلام کے بہنوئی جعفر اور ان کی زوجہ زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا نے اپنے بچے کا نام معاویہ رکھا۔ اس نام رکھنے اور اسے تبدیل کرنے میں امام علی علیہ السلام، حضرت زینب، امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کی طرف سے کوئی بات نہ ہوئی۔

معاویہ بن حارث: حضرت علی علیہ السلام کے شیعوں اور اصحاب میں سے تھا۔

معاویہ بن صعصعہ: حضرت علی علیہ السلام کے شیعوں اور اصحاب میں سے تھا۔

معاویہ بن عمار: امام باقر علیہ السلام کے شیعوں اور اصحاب میں سے تھا۔

معاویہ بن سعید، معاویہ بن سلمہ، معاویہ بن سوادہ، معاویہ بن صالح، معاویہ بن طریف، معاویہ بن عبد اللہ، معاویہ بن العطاء، معاویہ بن کلیب، معاویہ بن میسرہ، سب کے سب امام صادق علیہ السلام کے شیوں اور اصحاب میں سے تھے۔

۲۔ **یزید کا نام:** مسلمانوں کی اکثریت بلکہ تمام مسلمانوں کے نزدیک متفقہ طور پر یزید نواسہ رسول امام حسین علیہ السلام کو شہید کرنے کی بناء پر تاریخ کے سب سے بڑے جرم کا مرتکب قرار پایا ہے، اس کے باوجود بعض شیعوں نے اپنا نام یزید ہونے سے کوئی مشکل نہ سمجھی مثلاً: یزید بن معاویہ بن عبد اللہ بن جعفر (اس یزید کی ماں امام حسین علیہ السلام کی بیٹی فاطمہ ہے)

یزید بن حاتم: امام سجاد علیہ السلام کے شیعوں میں سے تھا۔

یزید بن الکناسی، یزید النبراز، یزید بن خیثم، یزید بن زیاد، اسی طرح امام باقر علیہ السلام کے بعض دیگر شیعہ، یزید بن اسباط، یزید الاعور وغیرہ امام صادق علیہ السلام کے شیعوں میں سے تھے۔

پس صرف ہم نام ہونے سے کوئی محبت آمیز اور دوستانہ رابطہ یا اس سے بڑھ کر کسی حکومت کا جواز ثابت نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ پہلی دو یا تین اسلامی صدیوں میں مخالفین کے نام پر نام رکھنے سے کوئی مثبت یا منفی نتیجہ نہیں نکلتا تھا۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

جی ہاں دور حاضر میں ایسی رسم اور ماحول ہے کہ ہر علاقے کے لوگ اپنے بچوں کے نام اپنی سوسائٹی کے مثبت نمونے اور ہیروز کے ناموں پر رکھتے ہیں اور بہت کم ہی ایسا ہوتا ہے کہ اپنے یا اپنے بچوں کے نام اپنے مخالفین کے ناموں پر رکھیں، لیکن اس قسم کی نظر وہ نکتہ ہے کہ جو موجودہ اور آخری ادوار میں نظر آتا ہے۔

مندرجہ بالا دلیل لانے والے حقیقت میں مغالطہ اور مشترک لفظی کے مرتکب ہوئے ہیں، وہ موجودہ دور کے رسم ورواج اور نظر کو اوائل اسلام کی صدیوں پر تطبیق کرتے ہیں کہ اس دور میں جیسا کہ ذکر ہوا ہے نام رکھنے سے ایسی بات اور مطلب نہیں لیا جاتا تھا۔

یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ کیوں اہل سنت کے قدیم متکلمین نے اپنے دعوی کے اثبات اور شیعہ نظریہ کو ضعیف قرار دینے کے لیے اس قسم کی دلیل کو ذکر نہیں کیا، کیونکہ وہ خود صدر اسلام کے دور سے نزدیک تھے اور اس قسم کی دلیل کے ناتواں ہونے کو جانتے تھے لہٰذا اپنی کتابوں میں اس کا ذکر نہیں کیا۔ قابل افسوس ہے کہ بعض ہم عصر اہل سنت اس دلیل کو اپنے گمان میں جدید سمجھتے ہیں اور اپنی طرف سے ایک نیا انکشاف کرتے ہیں اور اس سے غافل ہیں کہ یہ دلیل علمی اور عقلی اساس سے خالی ہے۔

ج۔ نام کو تحمیل کرنا

عمر ناموں کے بارے میں خاص حساسیت رکھتا تھا، وہ ان لوگوں کے نام کہ جو گذشتہ انبیاء کے ناموں پر تھے تبدیل کرتا تھا، مثلاً اس نے اپنی سرپرستی میں تربیت پانے والے ایک فرد ابراہیم کے نام اور دوسرے فرد ابو مسروق اجدع کے نام کو عبد الرحمٰن سے تبدیل کیا[1]۔ چونکہ وہ مسلمانوں کا خلیفہ بھی تھا اور طبیعت میں سختی بھی تھی، کوئی اس کی مخالفت نہیں کرتا تھا۔

حضرت علی علیہ السلام کے فرزند کے بارے میں ایسا ہی ہوا، عمر نے نوزاد کے لیے اپنا نام انتخاب کیا۔[2] جیسا کہ ذکر ہوا ہے کہ اس دور میں اسماء کا مشترک ہونا کسی چیز کے اثبات یا رد پر دلالت نہیں کرتا تھا، حضرت علی علیہ السلام نے بھی لازم نہ سمجھا کہ ایک سادہ سے مسئلہ میں خلیفہ کی مخالفت کرے یا اپنے اختلافات کے دائرہ کو بڑھائے اور اس طرح اسلامی معاشرے کی وحدت کو نقصان پہنچے۔

۱۔ اسد الغابہ، ج ۳، ص ۲۸۴؛ الطبقات الکبریٰ، ج ۶، ص ۷۶۔

۲۔ شمس الدین ذہبی، سیر اعلام النبلاء، ج ۴، ص ۱۳۴؛ جمال الدین مزی، تہذیب الکمال، ج ۲۱، ص ۳۶۷؛ ابن حجر عسقلانی، تہذیب التہذیب، ج ۷، ص ۳۱۱؛ احمد بلاذری، انساب الاشراف، ج ۲، ص ۹۲۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

پس یہ دلیل کہ حضرت نے اپنے فرزند کا نام خلیفہ دوم کے نام پر رکھا، ایک ایسا دعوی ہے کہ جس کی تاریخ تائید نہیں کرتی بلکہ درست تعبیر یہ ہے کہ خلیفہ دوم نے اپنے نام کو حضرت کے فرزند پر تحمیل کیا اور مذکورہ نکتہ کی بناء پر حضرت نے مخالفت نہ کی۔

د۔ حضرت کے بھائی کا نام عثمان

ہم عصر اہل سنت اپنے دعوی کے اثبات کے لیے ہر وسیلہ سے تمسک کرتے ہیں، حضرت علی علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام عثمان دیکھنے سے یہ دعوی کیا کہ حضرت نے یہاں خلیفہ سوم کے نام پر رکھا ہے اور اس سے دونوں کے درمیان اچھے روابط سمجھے جاتے ہیں، حالانکہ اس سے غافل ہیں کہ خود حضرت کہ جو نام رکھ رہے ہیں یہ وضاحت فرمارہے ہیں کہ میں نے اپنے فرزند کا نام عثمان اپنے بھائی "عثمان بن مظعون" کے نام پر رکھا[1]۔

ھ۔ توریہ کا مقصد

عام مسلمان صدر اسلام میں خلفاء کے لیے بعنوان جانشین نبی ﷺ خاص احترام کے قائل تھے اور دیگر اصحاب اسی طرح حضرت علی علیہ السلام سے بھی یہی توقع رکھتے تھے، اس دور میں حضرت کے لشکر اور بیعت کرنے والوں کی کثیر تعداد انہی پہلے تین خلفاء کے پیروکار اور محبین تھے کہ جو حضرت سے یہ توقع رکھتے تھے کہ ان تین خلفاء کی خدمات کے پیش نظر حضرت ان کا احترام کریں اور کبھی ان کی تعریف و تمجید بھی کریں۔ اگر حضرت معمولی سی بھی بات کرتے کہ جو ان کے حق میں بے ادبی سمجھی جاتی تو لشکر کی وحدت ختم ہو جاتی، اس لیے حضرت سب لوگوں کے سامنے اختلافی مسائل کو نہیں چھیڑتے تھے۔

حضرت کے زمانہ میں لوگوں کے اس قسم کے احساسات کو دیکھیں تو یہاں سے حضرت کی مشکلات اور مسائل کا انداز لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت نہ صرف یہ کہ پچیس سال سے اپنے غصب شدہ حق پر عام لوگوں میں تنقید نہ کریں، بلکہ مسلمانوں کی صفوں میں وحدت کو برقرار رکھنے کے لیے کبھی ان تینوں کی تعریف بھی کریں۔ حالانکہ اپنے حق کے غاصبین کی ایسی تعریف جھوٹ کا مصداق کہلاتی ہے کہ حضرت کی شان و منزلت اس سے بڑھ کر ہے کہ آپ ایسا کریں۔ اس پہلی صورت میں حضرت کے سامنے دو سے زیادہ راستے نہ تھے، یا گذشتہ خلفاء کی تعریف و تمجید کرتے اور اس طرح سے اپنے لشکر کی وحدت اور نظم کو برقرار رکھتے کہ جس کا نتیجہ ایک طرح کا کذب تھا، یا

---

[1]۔ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبین، ترجمہ رسول محلاتی، ص ۸۰؛ سید علی حسینی میلانی، امامت بلا فصل، ص ۲۳۵، علی لباف، معمای نام۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

جھوٹی تعریف سے بچنے کے لیے اس راستہ کو ترک کرتے تو اس کا نتیجہ اپنے لشکر اور حامیوں کو کھو دینا تھا کہ جس سے حضرت کی معاویہ اور دیگر مخالفین کے مدمقابل موقعیت کمزور ہوتی۔

لیکن حضرت نے تیسرا راستہ اختیار کیا اور وہ یہ کہ اپنے تین بیٹوں کے نام خلفاء کے نام پر رکھے کہ اگر ابو بکر، عمر اور عثمان کی تعریف کرتے تو اس سے مقصود خلفاء نہ تھے، بلکہ اپنے تین بیٹے تھے کہ جو ان کے دامن میں تربیت پائے اور حقیقت میں اہل اور لیاقتِ ستائش بھی رکھتے تھے۔ تو حضرت نے اس روش (بظاہر خلفاء کی ستایش اور حقیقت میں اپنے بچوں کا قصد کہ جسے فقہی اصطلاح میں توریہ کا نام دیا گیا ہے) سے اپنے حامیوں کو محفوظ اور منظم رکھا اور اپنے آپ کو کذب کے احتمال سے بچائے رکھا۔

حضرت نے اس نکتہ کی اپنے بعض شیعوں کو بھی اطلاع دی تھی۔ لیکن ان میں سے بعض نے اس مسئلہ کی معاویہ کو رپورٹ دی تھی کہ معاویہ نے حضرت کے نام اپنے ایک خط میں اس راز کے فاش ہونے کی خبر دی[1]۔

سترہواں شبھہ: خلفاء کی ستائش اور تمجید

اہل سنت اپنے بعض احادیثی ماخذ میں حضرت علی علیہ السلام سے احادیث نقل کرتے ہیں کہ جن کی بناء پر ابو بکر اور عمر کا مقام حضرت علی علیہ السلام سے برتر ہے اور حضرت علی علیہ السلام کی طرف سے یہ چیز ان خلفاء کی ستائش اور ان کی افضلیت پر دلالت کرتی ہے:

خَیر الناسِ بَعد النَّبیین اَبوبَکر ثُم عُمر [2]

انبیاء کے بعد لوگوں میں سب سے بہتر ابو بکر پھر عمر ہیں۔

ابن حنبل بھی حضرت سے نقل کرتا ہے کہ اگر کسی شخص کو میرے پاس لائیں کہ جو مجھے ابو بکر اور عمر پر برتری دیتا ہے، میں اس پر افتراء کی حد جاری کروں گا[3]۔

بعض اہل سنت کے معاصرین[1] اور بعض شیعہ مولفین[2] بھی اسی نظریہ کی طرف رجحان رکھتے ہیں۔ اس دلیل کے حامی حضرات نہج البلاغہ میں درج روایات سے بھی تمسک کرتے ہیں کہ حضرت نے عمر کے بارے میں فرمایا تھا:

---

[1]۔ اسرار آل محمد، ترجمہ محمد اسماعیل انصاری زنجانی، ص ۳۳۵۔
[2]۔ شرح مواقف، ج ۸، ص ۳۶۷۔
[3]۔ ابن حنبل، فضائل الصحابہ، ج ۱، ص ۳۳۶، ۳۴۶، ۳۸۲۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

لله بَلَاد فلاَن فَقد قوّم الاود و داوی العَمد وَ اَقامَ السنةَ و خلّف السنّة وَ خلّف الفتنَةَ ذَهبَ نقی الثوب قَلیل العَیب اَصاب خیرَ ها وَ سَبق شَرها، ادّی الی اللهِ طَاعة و اتقَاه بِحقه رحل و تَرکهُم فِی طُرق مُتشعبة لَا یَهتدی فیهَا الضّال وَلا یَستیقِن المُهتدِی (۳)

اللہ فلاں شہروں کو برکت دے اور باقی رکھے کہ ٹیڑھے پن کو سیدھا کیا اور مریضی کا علاج کیا اور سنت کو قائم کیا اور تباہی کو پیچھے چھوڑ دیا۔ پاک لباس اور کم عیب حالت میں دنیا سے گئے، خلافت کی خوبیوں کو لیا اور اس کے شر سے آگے بڑھ گئے۔ اللہ کی اطاعت کی اور اس کی نافرمانی سے پرہیز کیا اور اس کا حق ادا کیا۔ دنیا سے گئے اس حال میں کہ لوگوں کو مختلف راہوں میں چھوڑ دیا اس طرح کہ ان میں سے گمراہ راستہ نہیں ڈھونڈ رہا اور ہدایت یافتہ یقین پر باقی نہیں ہے۔

معاویہ کے لشکر سے مصر واپس لینے کے بعد لشکر کے ایک گروہ نے ان کا ابو بکر اور عمر کے بارے میں موقف پوچھا تو حضرت نے فرمایا، اسے اپنے ایک خط میں بیان کریں گے کہ اس خط کے بعض حصہ میں آیا ہے:

فَتولّی اَبوبَکر تِلک الاُمور فیسّرَ وَ تشددّ وَ قاربَ وَ اقتصَد فَصحبتُه مناصحاً وَ اطعتَه فیمَا اطاعَ الله جَاهداً ومَا طمعت اَن لَو حدث به حَدث وأنا حیّ اَن یردَ اَلی الأمر الذی نَازعته فِیه طَمع مُستیقِن وَلا ئیسَت منه یَأس مِن لَا یَرجُوه ولَو لا خَاصة مَا کَان بَینه وَ بَین عمر لَظننتُ انّه لَا یدفعُها عنی- فَلما احتَضر بَعثَ الی عُمر فَولّاه فسمعنَا و اطَعنا وَ نَاصحنَا وَ تولی الأمر وَ کانَ مَرضی السیرةِ میمون النقِیبَة (۴)

ابو بکر نے حکومت ہاتھ میں لی اور آسانی اور محکم انداز سے کام شروع کیا، لوگوں کے نزدیک ہوا اور معتدل رہا، میں نصیحت کی خاطر ان کے ہمراہ ہوا اور جس چیز میں وہ خدا کی اطاعت کرتا تھا اس کی اطاعت کی اور میں نے طمع

۱۔ محمد برقی، سیمای علی از منظر اہل سنت، ص ۱۱۵۔

۲۔ محمد جواد حجتی کرمانی، اطلاعات، ۲۹ خرداد، ۱۳۷۹؛ واعظ زادہ خراسانی، فصلنامہ کتاب نقد، تابستان ۱۳۸۰، ص ۳۱؛ سید جواد مصطفوی، مقالہ مندرج در کتاب وحدت، ص ۱۳۲؛ مجلہ مشکوۃ، ش ۲، بہار ۱۳۶۲، ص ۵۸۔

۳۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۲۱۹؛ فیض الاسلام، ص ۷۲۱؛ تاریخ مدینہ دمشق، ج ۴۴، ص ۴۵۸۔

۴۔ الغارات، ج ۱، ص ۳۰۷؛ بحار، ج ۳۳، ص ۴۵۸؛ عبد الکریم بی آزار شیرازی، نشریہ آرم، شمارہ سوم۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

نہیں کیا کہ اسے حادثہ پیش آئے اور میں زندہ رہوں اور حکومت میرے پاس پلٹ آئے۔ وہ حکومت کہ جس میں ان کے ساتھ میرا نزاع اور اختلاف تھا۔۔۔ عمر بھی اچھی سیرت اور بابرکت اخلاق کا حامل تھا۔

تجزیہ و تحقیق

مندرجہ بالا شبہ کے جائزہ میں مندرجہ ذیل نکات قابل توجہ ہیں:

الف: اہل سنت کی روایات کی سند میں مشکل ہونا

اہل سنت کی وہ روایات کہ جن میں حضرت علی علیہ السلام نے اپنے ہم عصر خلفاء کی مدح کی ہے بالخصوص وہ روایات کہ جن میں انکی افضیلت بیان ہوئی ہے، وہ سب سند کے اعتبار سے مشکل رکھتی ہیں۔ رجالی اصطلاح میں یہ "روی یا حکی" کی صورت میں نقل ہوئی ہیں کہ انکا ناقل معلوم نہیں ہے اور یہ احادیث مرسل یا ضعیف شمار ہوتی ہیں، اسی لیے حجت اور معتبر نہیں ہونگی۔ علامہ امینی نے اپنی عظیم کتاب الغدیر میں انکا نقد و تجزیہ کیا ہے۔

نہج البلاغہ میں حضرت سے منسوب روایت کے بارے میں کہیں گے کہ تاریخ طبری میں مندرجہ بالا حدیث کے روای کو سب سے پہلے ابی حشمہ کی بیٹی کی طرف نسبت دی گئی ہے کہ حضرت اسکی تصدیق کرتے ہیں[1]، لیکن ابن عساکر اپنی تاریخ مدینہ دمشق میں اسے ایک عورت بنام عاتکہ کی طرف نسبت دیتا ہے کہ عاتکہ کے شعر کے ذیل میں آتا ہے کہ "ابقی الفتنة" اور حضرت اضافہ کرتے ہیں کہ "واللہ ماقالت و لکنها قولت" یعنی اس شعر کی املاء عاتکہ کو کہی گئی یا اس جبر اگروائی گئی ہے کہ وہ کہے۔[2]

جیسا کہ ذکر ہوا حضرت کی کلام شاعر (خواہ وہ عاتکہ ہو یا بنت ابی حشمہ) کے شعر سے مخلوط ہوئی ہے، اسکا ظاہر یہ کہ ہے کہ " ذهب بخيرها ونجى من شرها" جو کچھ حضرت سے منسوب ہے اسکی نسبت روایت کا معنی یہ ہوگا:

عمر نے دنیا کی خیر کو اپنی فراست سے حاصل کیا اور اسکے نقصانات اور شر سے اپنے آپ کو محفوظ رکھا، جیسا کہ اس نے زیرکی سے خلافت کو حاصل کیا اور اپنے مخالفین پر کامیاب ہوا۔

اس صورت میں حضرت کی خلیفہ دوم کے بارے میں روایت ایک دینی مدح شمار نہیں ہوگی۔

---

[1] ۔تاریخ طبری، ج ۲، ص ۷۲۴

[2] ۔تاریخ مدینہ دمشق، ج ۴۴، ص ۴۸۵

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ب: شیعہ مآخذ میں افضیلت کی روایات کا ذکر نہ ہونا

شیعہ اہل سنت کی مانند یہ حق رکھتے ہیں کہ انکی کتابوں میں مذکور روایات کو قبول نہ کریں، کیونکہ یہ احتمال ہے کہ اپنوں نے مذہب کے حق میں ان میں اضافہ کیا ہو، اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسی روایات کیوں شیعہ ماخذ یا منبع میں موجود نہیں ہیں؟ ضروری ہے کہ اہل سنت ایسا ماخذ اور منبع پیش کریں جو شیعوں کے نزدیک مورد اعتماد ہو۔

ج: اہل سنت کی دیگر روایات کے ساتھ تعارض

وہ بعض روایات کہ جنہیں اہل سنت ابو بکر، عمر اور عثمان کے فضائل اور انکی حضرت علی علیہ السلام پر برتری کے حوالے سے ذکر کرتے ہیں، تاریخی محققین مثلاً شوشتری انکے جعلی ہونے اور انکے جعل کرنے والوں کا مقصد حضرت علی علیہ السلام کے فضایل کی روایات کو جرح و تضعیف کرنا بتاتے ہیں اور یہ نکتہ نہ صرف اس زمانہ میں بھی تھا بلکہ ائمہ اطہار علیہم السلام بالخصوص مامون خلیفہ عباسی کے زمانہ میں شیعہ اور سنی کے درمیان مناظرات میں واضح تھا کہ یہاں بعض موارد کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

الف: مامون اس شخص کے جواب میں جو ابو بکر کی برتری پر روایات سے تمسک کر رہا تھا، کہتا ہے: یہ روایات مشہور روایت نبوی سے تعارض رکھتی ہیں کہ رسول خدا نے اللہ تعالی سے دعا مانگی کہ پرندہ کا گوشت کھانے کے لیے اللہ تعالی کی مخلوق میں محبوب ترین شخص حضرت کے پاس حاضر ہو کہ ایک دم حضرت علی علیہ السلام وہاں پہنچ گے۔

ب: اہل سنت کا ایک فقیہ حضرت علی علیہ سے منسوب ایک حدیث کے ذریعے ابو بکر کی برتری پر دلیل دے رہا تھا کہ حضرت نے فرمایا ہے: پیغمبر کے بعد امت میں بہترین ابو بکر اور عمر ہے، تو مامون نے انکار کرتے ہوئے کہا:

یہ بھی محال ہے کیونکہ اگر وہ دونوں واقعاً افضل ہوتے تو کیوں نبی اکرم ﷺ عمرو بن عاص اور اسامہ بن زید کو لشکر کی سالاری میں ان پر ترجیح اور برتری دیتے؟ اگر علی علیہ السلام ان دونوں کی افضیلت کے قائل تھے، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کی رحلت کے بعد کیوں فرمایا کہ میں حکومت کے لیے سب سے زیادہ اولویت اور لیاقت رکھتا ہوں؟ بالفاظ دیگر پہلے دو خلیفہ کی برتری کی روایات، فریقین میں تواتر سے نقل ہونے والی امام علی علیہ

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

السلام کی روایات اور انکے موقف سے تعارض رکھتی ہیں، جہاں آپ اولویت، حق مسلم، وراثت اور انحصاری فضائل اور کسی کا اپنے سے مقایسہ نہ ہونے کی بات کرتے ہیں اور جہاں یہ وضاحت فرماتے ہیں کہ کوئی بھی آئمہ اور آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا اور بالکل قابل مقایسہ بھی نہیں ہے[1]۔

اسی طرح اگر حضرت کی نظر میں پہلے دو خلیفہ واقعاً برتری رکھتے تھے، تو آپ نے کیوں حکومت مانگی؟ کیوں حضرت زہرا سلام اللہ علیہا اور امام حسن و امام حسین علیہما السلام کے ساتھ مہاجرین کے گھروں میں رات کو گئے تھے؟ کیوں چھ ماہ تک بیعت نہ کی تھی؟

آیا یہ نکات اور دیگر نکات یہ نہیں بتا رہے ہے کہ خلفاء کی توصیف اور تمجید کی روایات بالخصوص مندرجہ بالا روایات میں انکی برتری کی احادیث جعلی اور انکے حامی دھڑے کی گھڑی ہوئی ہیں؟

نہج البلاغہ میں حضرت کے کلمات کی طرف اجمالی سی نظر سے مصنف مزاج محقق حضرت کی دیگر خلفاء پر اپنی نظر میں برتری کے اعتراف اور اقرار کو ہمراہ لاتی ہے[2]۔

نہج البلاغہ کی روایت کا تجزیہ و تحقیق

اس روایت کے تجزیہ میں مندرجہ ذیل نکات قابل غور ہیں:

۱۔ روایت کی سند نادرست ہونا: نہج البلاغہ کے مولف سید رضی نے حضرت کی کلام کی تدوین اور جمع آوری میں بہت زیادہ اور قابل قدر کوشش کی، اسکے باوجود یہ کتاب کہیں کہیں خطاء اور غلطی سے نہ بچ سکی۔ لیکن یہ خطائیں ان کے اس قیمتی کام پر علماء شیعہ کے حسن ظن کی وجہ سے گذشتہ صدیوں میں ظاہر نہ ہوئیں، لیکن آج اہل وقت محققین سید رضی کے کام میں نقائص کو سمجھتے ہیں اور بیان کرتے ہیں۔ مشہور ہم عصر محقق مرحوم شیخ محمد تقی شوشتری نہج البلاغہ پر اپنی موضوعی شرح میں ان نقائص کو واضح کرتے ہیں، مثلاً سید رضی امام علی علیہ السلام کی حکیمانہ کلام میں ۲۸۹ "کان لی فی ما مضی اخی فی اللہ" کو حضرت کی طرف منسوب کرتے ہیں، حالانکہ وہ امام حسن علیہ السلام کے خطبات میں سے ہے۔

---

[1] ۔ لایقاس آل محمد من ھذہ الامۃ احد، نہج البلاغہ، خطبہ ۲، ۱۱۹، تاریخ مدینہ دمشق، ج ۴۲، ص ۴۳۴

[2] ۔ السید عبدالزہراء الحسینی الخطیب، مصادر نہج البلاغہ، ج ۵، ص ۳۳۶

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

اسی طرح حکیمانہ کلمات میں ۲۲ نمبر جملہ " من ابطل به عمله " کو حضرت علی علیہ السلام کی نسبت دیتے ہیں اور دوسری کتاب میں نبی ﷺ کی طرف نسبت دیتے ہیں[۱]۔ دسیوں دیگر ایسی سیف اور معاویہ کی جعلی احادیث قابل ذکر ہیں، محقق شوشتری نے انکا تجزیہ کیا ہے[۲]۔

یہاں معلوم ہوا کہ نہج البلاغہ کے بے بدل ہونے اور قیمتی ہونے اور سید رضی کی سعی وکاوش کے باوجود ہم اسکے تمام موارد کو بغیر تجزیہ و تحقیق اور قرائن اور قواعد کے مخالف ہوتے ہوئے حضرت کی طرف نسبت نہیں دے سکتے، حد اقل مشکوک اور حضرت کے عقائد و اصول سے ناسازگار موارد میں ضروری ہے کہ ان روایات کی حقیقتِ سند کو دوبارہ دیکھیں۔

محقق شوشتری مندرجہ ذیل دلائل اور شواہد: ۱۔ روایت کا مضمون، ۲۔ سید رضی کا فصیح کلام کے مضمون میں دقت کئے بغیر حضرت کی طرف منسوب کرنے کی روش، ۳۔ اس روایت کا ماخذ اہل سنت کی تاریخ طبری، ۴۔ دلالت کا مبہم ہونا، سے نتیجہ لیتے ہیں کہ یہ مندرجہ بالا روایت سند کے اعتبار سے نادرست ہے اور سے حضرت کی طرف نسبت نہیں دیا جاسکتا۔[۳]

۲۔ اصل روایت دوسرے شخص سے متعلق: اصل روایت تو حضرت سے متعلق نہیں ہے، بلکہ تاریخی ماخذ مثلاً تاریخی طبری اور تاریخ ابن عساکر کی طرف رجوع کرنے سے واضح ہوتا ہے[۴]، کہ خلیفہ دوم کی وفات کے بعد ایک شاعرہ بنت ابی حشمہ یا عاتکہ نے خلیفہ کی سوگواری میں شعر کہے، مغیرہ بن شعبہ نے چاہا کہ خلیفہ دوم کی وفات پر حضرت کا موقف سنے، لہٰذا حضرت سے کہا کچھ کہیں، تو حضرت نے اس شعر کی طرف اشارہ کیا اور اسکے ذیل میں کچھ اضافہ کیا۔ اس شاعرہ اور حضرت کی کلام میں تفکیک کیے بغیر اسے حضرت کی طرف نسبت نہیں دینا چاہیے ،اب یہ کہ حضرت کی کلام کا متن کونسا ہے، بعد والے نکات میں آئیگا۔

۳۔ مصداق کا معین نہ ہونا: دوسرا نکتہ یہ ہے کہ روایت کے شروع میں خلیفہ دوم عمر کے نام کا نہ ذکر ہے اور نہ اشارہ ہوا ہے، صرف کنایہ "فلاں" پر اکتفاء کیا گیا ہے کہ اس کی خلیفہ دوم پر تطبیق کیلئے دلیل اور قرینہ کی

---

[۱] ۔ المجازات النبویہ، ص ۴۰۱، ص ۳۱۷

[۲] ۔ جمع الصیاغہ، ج ۴، ص ۳۶۹۔۵۱۹، ۴۰۱، ۶۷، ۳۷۳، ج ۶، ص ۳۷۱، ۳۶۹۔۔۔

[۳] ۔ نہج البلاغہ، ج ۹، ص ۳۸۱

[۴] ۔ تاریخ طبری، ج ۴، ص ۴۶۷، تاریخ مدینہ دمشق، ج ۴۴، ص ۴۵۸

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ضرورت ہے۔ لہٰذا بعض گذشتہ مفکرین مثلاً روانڈی[1] اور ہم عصر مثلاً صبحی صالح[2]، یہاں فلاں سے مقصود انکی حکومت کے ایک کمانڈر مالک اشتر یا سلمان فارسی کا احتمال دیتے ہیں[3]۔ چونکہ روانڈی نے نہج البلاغہ کو شیخ عبدالرحیم بغدادی المعروف ابن الاخوۃ اور اس نے سید مرتضی کی بیٹی اور اس نے اپنے چچا سید رضی مولف نہج البلاغہ سے نقل کیا ہے لہٰذا روانڈی کا احتمال قوی ہے۔[4]

۴۔ روایت کے صدروذیل میں تناقض: نہج البلاغہ میں درج روایت ایک طرح سے مضطرب اور تناقض کے ساتھ نقل ہوئی ہے، جیسا کہ روایت کے شروع میں فلاں کی تعریف اور تمجید ذکر ہوئی ہے، لیکن اسکے ذیل میں ذکر کیا گیا ہے کہ اس فلان نے امت کو بہت سے راہوں میں چھوڑ دیا ہے کہ جن میں گمراہ کی ہدایت اور ہدایت یافتہ کے یقین کی امید نہیں ہے۔ اس طرح سے کلام کرنا اسکی شان میں نہیں ہے کہ جسے عرب کے بلیغ ترین اور فصیح ترین خطبے دیتے دیکھا گیا، یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت میں تبدیلی کی گئی ہے اور اگر اہل سنت اسے اس انداز سے قبول کرتے ہیں تو روایت کے ذیل کو بھی قبول کریں اور یہ اقرار کریں کہ خلیفہ دوم نے اپنے بعد بہت سی راہیں یادگار چھوڑیں ہیں کہ جن میں کسی گمراہ کی ہدایت اور ہدایت یافتہ کے یقین پر امید نہیں ہے۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اس تناقض کو اگر فلاں سے مراد مالک اشتر یا سلمان فارسی بھی لیں تو بھی حل نہیں کیا جا سکتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت ہر جہت سے تناقض رکھتی ہے اور اسے خلیفہ دوم یا حضرت کے کسی ایک کمانڈر کی طرف نسبت بھی دیں تو بھی مشکل پیدا ہوتی ہے، اس اضطراب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت کسی ایک فرد سے نہیں ہے بلکہ اسکا کچھ حصہ عاتکہ یا بنت ابی حشم شاعرہ سے ہے اور اسکا ذیل دوسری شخصیت مثلاً حضرت علی علیہ السلام سے نقل ہوا، پس یہ روایت مندرجہ بالا شکل میں قابل استناد اور معتبر قرار نہیں پائے گی۔

۵۔ امام کے کلام اور موقف سے تضاد: اس روایت میں ایک اور نکتہ جو پایا جاتا ہے وہ امام کے کلام اور موقف سے اسکا تضاد رکھنا ہے، گذشتہ صفحات میں امام کی کلام اور موقف نقل ہوا ہے کہ جسکی رو سے عمر نے خلیفہ

---

[1]۔ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ج ۱۲، ص ۳، ۴
[2]۔ صبحی صالح، نہج البلاغہ، خطبہ ۲۱۹
[3]۔ شرح نہج البلاغہ، خوئی، ج ۱۴، ص ۳۷۴
[4]۔ مصادر، نہج البلاغہ، ج ۱، ص ۲۰۸

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

اول کی مدد سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد حضرت کے مقام کو غصب کیا اور ایسا چکر چلایا کہ خلیفہ اول کی وفات کے بعد حکومت عمر کو پہنچی، پھر اس نے ایک اور پروگرام بنایا کہ حضرت پھر اپنے مسلّم حق سے محروم رہ گئے اور حکومت عثمان کو حاصل ہوئی۔

اسکے علاوہ حضرت نے مختلف مقامات پر خلیفہ دوم کی اسلام سے ناسازگار رفتار اور موقف پر سخت تنقید کی، ان چیزوں کے ہوتے ہوئے ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ حضرت نے اس روایت میں اپنے تمام گزشتہ موقف سے ہٹ کر بات کہی ہو[1]؟

۶۔ توریہ اور مذاق اڑانا: گذشتہ نکات کے پیش نظر یہ احتمال بھی سامنے آتا ہے کہ اگر ہم مان لیں کہ یہ روایت حضرت سے ہی صادر ہوئی ہے تو ممکن ہے انہوں حقیقت کی رو سے نہ بلکہ تنقید اور مذاق سے ایسی بات اپنی زبان پر جاری کی ہو، کیونکہ مخالفین کی طرف سے دوسروں کے بارے میں اس انداز سے گفتگو کرنے کی روش موجود ہے، اگر کوئی مخالف رقیب کی تعریف و تمجید اور ستائش پر بات کرنے میں سبقت کرے تو ایسی بات حقیقت پر حمل نہیں ہوتی، کیونکہ یہاں یقینی قرینہ موجود ہے کہ مخالف رقیب کی ستائش نہیں کرتا بلکہ تنقید کرتا ہے، حضرت کی کلام کی تفسیر میں یہ نکتہ معاویہ کے حضرت کو خط سے بھی تائید ہوتا ہے، جب معاویہ حضرت کی طرف سے عمر کی حکومت کو قبول نہ کرنے اور کراہت کا اظہار کرنے کی بات کرتا ہے اور وضاحت کرتا ہے کہ حضرت نے عمر کی موت پر اپنی شماتت کا اظہار کیا تھا[2]۔ اسی نکتہ اور تفسیر کو بعض دیگر نے بھی اختیار کیا ہے[3]۔

۷۔ تقیہ اور مصلحت اندیشی: ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حضرت نے مصلحت اور ناچاری کی بناء پر خلیفہ دوم کی تعریف کی ہو، گذشتہ صفحات میں ذکر ہوا ہے کہ دو خلیفہ اول اور سوم بھی اکثر لوگوں کے درمیان کچھ حد تک مقبولیت اور عزت رکھتے تھے، یہ عزت و اعتبار انکے مرنے کے بعد طبیعی طور زیادہ ہو جاتا ہے، حضرت نے مندرجہ بالا گفتگو پہلے دو خلیفوں کے حامیوں کے درمیان کی ہے کہ جو حضرت سے خلیفہ دوم کی وفات کی مناسبت سے گفتگو سننے کے منتظر تھے۔ اسی طرح حضرت کے مخالفین مثلا معاویہ اس کوشش میں تھے کہ حضرت کو خلفاء کی علانیہ اور شدید تنقید کی طرف لے جائیں اور لوگوں میں حضرت کی عمومی مقبولیت کا گراف نیچے گرائیں اور اپنی

---

[1] ۔ منہاج البراعۃ۔ ج ۱۴، ص ۳۷۳، شوشتری، بہج الصباغۃ، ج ۹، ص ۴۸۳، ۴۸۱

[2] ۔ ثم کرهت خلافة عمر و حسدته واستطلت مدته و سررت بقتله و اظهرت الشماتة بمصابه۔ نہج البلاغۃ السعادۃ، ج ۴، ص ۱۸۹

[3] ۔ سابقہ ماخذ، شرح خوئی، ج ۱۴، ص ۳۷۵

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

جگہ مضبوط کریں، اس لیے حضرت وقت کے خلفاء کی تنقید یا تعریف کرنے کی ایک مشکل میں پھنسے ہوئے تھے اور یہاں یہ چاہیے تھا کہ آپ تمام جہات کو ملاحظہ فرمائیں[1]۔

۸۔ سوال اور تعجب کی صورت میں پیش کرنا: یہ گفتگو در واقع مغیرہ بن شعبہ کی حضرت سے ملاقات کے موقع پر ہے کہ مغیرہ چاہتا تھا کہ حضرت کو مجبور کرے کہ وہ خلیفہ دوم کے بارے اپنی نظر بیان کریں تاکہ ہر دو وہ جہت سے خواہ موافق خواہ مخالف اس سے غلط مفاد اٹھالے، لہٰذا مغیرہ نے بات شروع کی اور حضرت سے کہا ابی حشم کی بیٹی نے عمر کی مدح میں یہ کہا ہے، تو حضرت نے سوال اور تعجب کی صورت میں فرمایا: آیا واقعاً ابی حشم کی بیٹی نے یہ کہا، کہ ---

یہاں حضرت نے اس حدیث کو سوال کی شکل میں بیان کیا، لیکن بعد میں نہج البلاغہ پر اہل سنت کی شارحین نے اس کے سوال ہونے پر جان بوجھ کر یا انجانے میں توجہ نہ کی[2]۔ اس بات پر حضرت کی کلام کا ذیل تائید کرتا ہے کہ حضرت نے فرمایا: اما واللہ ما قالت و لکن قولت[3]۔

یعنی خدا کی قسم! ابی حشم کی بیٹی نے یہ خود اپنی زبان پر نہیں کہا بلکہ اس سے کہلایا گیا ہے کہ اس طرح کہے۔

۹۔ نسبی تعریف: میرے خیال میں آخری نکتہ جو سامنے آتا ہے وہ خود اصلی روایت کے ثبوت پر مبنی ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت نے اس روایت میں زیادہ سے زیادہ خلیفہ کے اخلاقی اور دینی فضائل نسبی حد تک اسکے مرنے کے بعد ذکر کیے کہ یہ چیز ملک کی شخصیات کی وفات پر معمول کے مطابق ہے۔ چونکہ پہلے دونوں خلفاء کچھ حد تک احکام دین اور بیت المال کے بارے پابند اور حساسیت رکھتے تھے۔ یہ کہ خلیفہ نے حضرت کے مشورہ سے اسلام کے حق اور مفاد میں عسکری کامیابیاں حاصل کیں تھیں کہ جسکا شیعہ انکار نہیں کرتے، لیکن شیعہ اسکے ساتھ یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ ان تمام چیزوں کے باوجود اسکی اصل حکومت حضرت علی علیہ السلام کے مسلم حق کو غصب کرنے کی بناء پر وجود میں آئی ہے اور پہلے تین خلفاء نے اپنی حکومت کی تاریخ میں بدعتیں اور نامناسب احکام اور اعمال بھی انجام دیے ہیں۔

---

[1] ۔شرح نہج البلاغہ ابن میثم بحرانی، ذیل خطبہ ۲۱۹، ج ۲، ص ۱۵۳، بحار، ج ۳۳، ص ۵۷۴

[2] ۔مطہری، سیری در نہج البلاغہ، ص ۱۶۴

[3] ۔تاریخ طبری، ج ۲، ص ۴۶۷، ذیل واقعہ سال ۲۳

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

بنابریں حضرت اور انکی اتباع میں شیعوں کی خلفاء پر نظر دو جہت سے ہے، ایک طرف سے انکے اعمال قابل تعریف و تمجید ہیں اور دوسری طرف سے ان میں غیر شرعی اعمال بھی تھے کہ جن میں سب سے بڑا خلافت کا غضب کرنا انکے نامہ اعمال میں تھا۔ پس مدح پر مشتمل روایات ایک جہت کو بیان کر رہی ہے اور علمی اصطلاح کی رو سے ایک چیز کا ثابت کرنا دوسری کی نفی نہیں کرتا۔

ثقفی کی روایت کا تجزیہ (فتوّی ابو بکر)

شبہ کے نقل کرنے کے بارے میں اشارہ ہوا کہ حضرت نے ایک خط میں پہلے دو خلفاء کو اچھے الفاظ سے یاد کیا، ابو بکر کے بارے میں فرمایا: اس نے اسلام میں آسان راہ اور محکم اعمال انجام دیے، لوگوں کے قریب رہا اور معتدل راہ کو اختیار کیا اور عمر کی سیرت بھی رضایت بخش اور اسکی طبع اور اخلاق، بابرکت اور قابل تحسین تھی۔ اس قسم کی کلام اور دلیل میں چند نکات قابل توجہ ہیں:

۱۔ **شیخین کی نسبی رفتار اور اخلاق کو قبول کرنا:** اسکا جواب پچھلے صفحہ میں واضح ہو چکا ہے اور اشارہ کیا گیا ہے کہ پہلے دو خلفاء اگرچہ حکومت پر فائز ہونے کے ساتھ اشتباہات بلکہ عمدی خطائیں کیں، لیکن اسکے باوجود کوشش کرتے رہے کہ حکومت کرنے میں تعصبی رویہ اور افراط کرنے سے دور رہیں اور اپنی معمول کے مطابق زندگی کو ثابت رکھیں اور اپنے لیے یا اپنے عزیز و اقرباء کے لیے ثروت کے انبار نہ لگائیں۔ لہٰذا حضرت نے گذشتہ خلفاء کے مقام اور شخصیت کے تجزیہ میں انصاف سے کام لیا اور منطقی قضاوت کی۔ البتہ حضرت نے اسی خط میں ان دونوں کی بنیادی مشکل کی وضاحت بھی کی کہ اس پر اشارہ ہوگا۔ بالفاظ دیگر حضرت اور شیعہ شیخین کی خدمات اور عظمتوں کے منکر نہیں ہیں، وہ انکی خدمات کے مد مقابل تعریف اور انکی خطاؤں اور خلاف اقدار اعمال کے مد مقابل تنقید اور شکایت کرتے ہیں[1]۔

۲۔ **مخاطبین کا لحاظ:** یہ تجزیہ بھی نہج البلاغہ کی پچھلی روایت کے جواب میں بیان ہو چکا ہے کہ ہماری عقل حکم کرتی ہے کہ ہم حضرت کے زمانہ اور مخاطبین کا ملاحظہ کریں اور یہ دیکھیں کہ حضرت کے لشکر کی اکثریت ایسے لوگوں پر مشتمل تھی کہ جو پہلے دو خلفاء کی خلافت کی حمایت کرتے تھے اور ان دونوں کو مرنے کے بعد تحسین

---

[1] ۔ شیخ علی بحرانی، منای الہدی فی النص، ص ۶۹۱

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

کرتے تھے۔ لہٰذا حضرت اس خط میں اگرچہ تنقید کرتے ہیں لیکن اپنی تنقید کی حد ایک مرحلہ تک رکھتے ہیں اور مصلحت کا دامن نہیں چھوڑتے ہیں[1]۔

۳۔ شیخین کا خلیفہ سوم سے مقایسہ: حضرت کے خط کی طرف نظر کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ آپ خط میں نبی ﷺ کی رحلت کے بعد حکومت اور سیاست کے تاریخچہ پر اشارہ کرنا چاہتے ہیں اور یہاں حضرت تین خلفاء کے حالات بیان کرتے ہیں اور ان میں مقایسہ فرمارہے ہیں، تاریخ اور اہل سنت بھی اس چیز کا اعتراف کرتے ہیں کہ احکام اسلام کی رعایت، سادہ زندگی، دنیاوی آرائش سے پرہیز اور صحابہ کے ساتھ سلوک میں پہلے دو خلیفہ عثمان سے بہتر تھے، ان پہلے دو خلیفوں کا عالم اسلام میں معروف مخالف گروہ نہیں تھا، جبکہ عثمان کے اعمال اور رفتار اس حد تک ناقابل تحمل تھے کہ خود مسلمان اسے قتل کرنے کے لیے اکھٹے ہوئے، یہ چیز مندرجہ بالا دعوی کی تائید کر رہی ہے۔

لہٰذا حضرت شیخین کے عثمان کی نسبت مقایسہ پر ان دونوں کی سیرت اور روش کی تعریف اور تمجید کر رہے ہیں اور اس بناپر حضرت کی کلام درست ہے۔

۴۔ خلفاء وقت پر سخت تنقید: پہلے بھی کئی بار اشارہ ہو چکا ہے کہ ایک شخص کے موقف کو جاننے کے لیے اسکے کلام کے صرف ایک فراز کو نہیں دیکھنا چاہیے بلکہ اسکی تمام کلام اور مکمل موقف کا تجزیہ کیا جائے۔

مندرجہ بالا شبھہ بیان کرنے والے اس شبھہ میں حضرت کی کلام کو ٹکڑوں کی شکل میں بیان کر رہے ہیں اور اس طرح سے حضرت کی نظر میں خلفاء کی شخصیت کو مثبت ثابت کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ اگر اس خط کو شروع سے آخر تک پڑھا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ حضرت دو سطر تعریف کرنے کے بعد خط کے زیادہ حصہ میں گذشتہ خلفاء کے ناروا اعمال کو بیان کرتے ہیں کہ ان میں یہاں بعض نکات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

۱۔ دوسروں کی نسبت اپنا زیادہ حق رکھنے کی وضاحت[2]۔ ۲۔ ابو بکر سے حضرت کی بیعت کا فلسفہ کہ لوگوں کے انحراف اور مرتد ہونے کے خطرہ سے خوف تھا[3]۔ ۳۔ ابو بکر اور عمر میں رابطہ کہ جس کی بناء پر ابو بکر کے ذریعے عمر

---

[1] ۔علامہ مجلسی، اس خط کے ذیل میں لکھتے ہیں: فکان مرضی السیرة ای ظاهراً عند الناس و کذا ما مرّ فی وصف ابی بکر وآثار التقیة والمصلحة فی الخطبة ظاهرة بل الظاهر انها من الحاقات المخالفین۔ بحار، ج ۳۳، ص ۵۷۴

[2] ۔ انی احق بمقام محمد صلی الله علیه وآله وسلم فی الناس ممن تولی الا مر من بعده۔

[3] ۔حتی رایت راجعة من الناس عن الاسلام فخشیت عند ذلک ابی بکر فبایعتة۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

خلافت پر منصوب ہوا[۱]۔ ۴۔ عمر کا مرتے وقت حضرت کے حق حکومت کو نظر انداز کرنا اور حکومت عثمان کو بخشنا[۲]۔ ۵۔ چھ افراد پر مشتمل شوریٰ کے ذریعے حضرت کے انتخاب نہ ہونے کی وجہ انکا حکومتی عہدوں سے محروم ہونے کا خوف تھا[۳]۔ ۶۔ حضرت کا عثمان کی بیعت کو جبر واکراہ کے ذریعے قبول کرنے کی وضاحت[۴]۔ ۷۔ اپنے منصوب ہونے کی وضاحت اور یہ کہ حکومت حضرت کا وراثتی حق تھی جو اللہ تعالیٰ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ انہیں عطا ہوئی[۵]۔ ۸۔ آخر کار حضرت سے حکومت کو سلب کرنا[۶]۔

جو شخص بھی حضرت کے خط سے ایک مختصر سا فراز دلیل کے طور پر بیان کرتا ہے، اسے چاہیے کہ خط کے دیگر تمام مطالب کو بھی دیکھے اور غور کرکے یہ جواب دے کہ حضرت نے کیوں مذکورہ خط میں جہاں تک مخاطبین کے احساسات اجازت دیتے تھے، اپنے حق حکومت کے غضب ہونے کی بات بھی کی کہ جسکا لازمہ ان سب کا شرعی جواز نہ رکھنا تھا؟

لھذا اس سوال کا بہترین جواب یہ ہے کہ حضرت ایک طرف تو اپنی حکومت کے غضب ہونے اور خلفاء زمان کی حکومت کے غیر شرعی ہونے پر تاکید کرتے ہیں، تو یہ چیز رکاوٹ نہیں بنتی کہ حضرت ایک عادل منصف کی حیثیت سے ان کے بعض نیک اعمال کو مد نظر رکھیں اور مقام مقایسہ میں ان میں سے نسبی حد تک بہترین اعمال کا بیان کریں۔

نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں خلفا کے بارے میں حضرت کی مختصر سی تعریف اس شخص کی مانند ہے کہ جو سب سے پہلے بطور اشارہ کسی کی خوبیوں کو بیان کرے اور پھر شدت کے ساتھ اسکے نقائص، خطائیں، ظلم اور ناروا اعمال کو بیان کرے، وہ لوگ جو معاشرے میں عظیم مقام رکھتے ہیں، انکے بارے میں ایسی گفتگو اور تنقید عرف میں رائج ہے۔

---

[۱] ۔ولولا خاصة ما كان بينه و بين عمر لظننت انهلا يد فعها عنّى۔

[۲] ۔حتى احتضر قلت فى نفسى لن يعدلها عنى و ليس يدافع لغيرى فجعلنى سادس ستة ۔

[۳] ۔فخشى القدم ان اناوليت عليهم ان لايكون لهم من نصيب مابقوا۔

[۴] ۔ فبايعت مستكرها ۔

[۵] ۔ انا الذى طلبت تراثى وحقى الذى جعلنى الله و رسوله اولى به۔

[۶] ۔فسلبونيه۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

آٹھارھواں شبہ: خلافت کی نصوص میں تعارض

بعض اہل سنت حضرت علی علیہ السلام کی امامت کی نصوص کے نقد ورد میں نقضی جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ نبی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مختلف روایات ابو بکر کی خلافت کے بارے میں وارد ہوئی ہیں جو کہ اہل سنت کے مآخذ میں موجود ہیں۔ اس بنا پر حضرت علی علیہ السلام کی امامت کو ثابت کرنے والی روایاتِ خلافت ،ابو بکر کی خلافت کو ثابت کرنی والی روایات سے تعارض رکھتی ہیں اور اسکا علم اصول کے قانون کے مطابق نتیجہ: " اذا تعارضا تساقطا" حضرت علی علیہ السلام اور ابو بکر دونوں کی خلافت کے بارے میں روایات کا حجت اور معتبر نہ ہونا ہے اور جب نص معتبر نہ ہو تو پھر بیعت اور شوریٰ کی طرف رجوع کیا جائیگا[1]۔

تجزیہ و تحقیق

اس شبہ کے تجزیہ میں مندرجہ ذیل نکات قابل توجہ ہیں:

الف: ابو بکر کی خلافت پر شیعہ مآخذ میں روایات کا نہ ہونا

سب سے پہلا نکتہ جو منصف محقق کے ذہن میں آتا ہے یہ سوال ہے کہ ابو بکر کی خلافت پر نصوص اور روایات شیعہ ماخذ میں کیوں ذکر نہیں ہوئیں اور صرف اہل سنت کے ماخذ میں کیوں درج ہیں؟ حالانکہ حضرت علی علیہ السلام کی امامت پر نصوص ہر دو فرقہ یعنی اہل سنت اور شیعہ کے ماخذ میں کثرت سے ذکر ہوئی ہیں کہ پچھلے باب میں تفصیل سے حضرت علی علیہ السلام کی امامت پر نص نہ ہونے کے شبہ کے ذیل میں بیان کیا گیا ہے۔

بالفاظ دیگر حضرت علی علیہ السلام کی امامت پر احادیث کے ماخذ ہر دو مذاہب میں معتبر اور مورد تائید ہیں، لیکن ابو بکر کی خلافت پر نصوص کے ماخذ شیعہ کے مورد تائید نہیں ہیں کیونکہ شیعہ مذہب کے قدیم ماخذ میں انکی طرف اشارہ نہیں ہوا ہے اور یہیں سے یہ گمان پیدا ہوتا ہے کہ ایسی روایات بعض روایوں کی طرف سے اضافہ ہوئی ہیں۔ بالخصوص وہ روای کہ جو حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ دشمنی رکھتے ہیں، یہیں اشارہ کریں گے کہ ابو بکر کی خلافت پر نصوص نقل کرنے والے راوی یا تو معاویہ کے حامی لوگ ہیں یا پھر عائشہ جیسے لوگوں سے وابستہ ہیں کہ جنکی حضرت علی علیہ السلام سے سرد رقابت اور ایک طرح کی دشمنی سب کے لیے روشن تھی۔ پس ابو بکر کی خلافت پر نصوص حضرت علی علیہ السلام کی امامت پر روایات سے تعارض کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

---

[1]۔ میر شریف جرجانی، شرح المواقف، ج ۸، ص ۳۹۵، باقلانی، تمہید الاوائل و تلخیص الدلائل، ص ۴۵۰، ابن حزم، الفصل: ج ۴، ص ۱۰۷۔۹

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ب: اہل سنت کے مآخذ میں قابل خدشہ روایات

اہل سنت کے ان ماخذ کی طرف نظر کریں کہ جو امام علی علیہ السلام کے غیر پر نص ذکر کرتے ہیں، تو واضح ہوتا ہے کہ ایسی روایات اس طرح قابل خدشہ اور ضعیف ہیں کہ خود اہل سنت کے منصف اور محقق علماء بھی انکی تائید نہیں کرتے کہ ان ماخذ میں سے بعض کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

حسن بصری کی روایت کا تجزیہ

خلافت کے مسئلہ میں ابو بکر کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت نقل کرنے والوں میں سے ایک حسن بصری ہیں، لیکن پہلی بات: وہ زمانہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اصحاب میں سے نہیں تھے کہ ان سے براہ راست نقل کرتے۔

دوسری بات: وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیماری کے دور میں ابو بکر کا انکی طرف سے امام جماعت انتخاب کیے جانے سے انکی خلافت کے منصب کو استنباط اور اجتہاد کرتے ہیں۔ تو اسکے بارے میں کہیں گے، پہلی بات: یہ کہ ابو بکر کی امامت میں نماز جماعت آیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے قرار پائی یا عائشہ کی طرف سے تھا، اس میں بحث ہے اور روایات کی رو سے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابو بکر کی امامت کے مسئلہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو بذات خود نماز جماعت کو قائم کرنے کے لیے بڑھے۔

دوسری بات: جیسا کہ اہل سنت کے مصنف مزاج علماء مثلاً قاضی عبد الجبار[1] یہ بتاتے ہیں کہ نماز جماعت کی خلافت کی تعیین پر نہ صریح اور نہ مفہوم کے اعتبار سے دلالت ہے۔

بکر بن اخت کی روایت کا تجزیہ

اس چیز کے ایک راوی بکیر بن اخت عبد الواحد بن زید ہے، مذہب اشاعرہ کے رئیس یعنی شیخ ابو الحسن اشعری اپنی کتاب میں اسکی بعض اسلام کے مخالف آراء کا ذکر کرتے ہیں، مثلاً منافق ہونا، شیطان کی عبادت اور گناہ کبیرہ کا ارتکاب وغیرہ کہ اشاعرہ اس قسم کی باتوں کو قبول نہیں کرتے[2]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شاذ اور نا مناسب نظریات کی پیروی کرتا تھا اور اسکا ابو بکر پر نص کا دعوی بھی اسی قسم کے نظریات میں سے ہوگا۔ امام نووی اپنی

---

[1] ۔ المغنی، ج ۲۰، ص ۱۲۳
[2] ۔ مقالات الاسلامیین ۱، ص ۲۸۶

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

شرح مسلم میں بکر بن لخت کے نظریہ اور دیگر نص کے قائلین کی باتوں کو نقل کرنے کے بعد انہیں غیر قابل قبول توصیف کرتے ہیں[1]۔

نتیجہ یہ کہ خود اہل سنت کے ماخذ میں انکے مورد اعتماد اصحاب سے ابو بکر کے بارے نص پر مشتمل روایت موجود نہیں ہے اور اس قسم کی روایات کا دعوی بعد والے زمانوں میں سامنے آیا ہے کہ ان روایات کے راوی ضعیف اور مشکلات رکھتے ہیں، اسکے علاوہ یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر واقعاً ایسی روایات ہوتیں، تو کیوں صحابہ اور خود ابو بکر کے زمانہ میں نقل نہ ہوئیں تاکہ یہ چیز اسکی حکومت کے جواز کا سبب قرار پائے۔

مذکورہ نکات کے علاہ اہل سنت کے بعض مفکرین نص کے نہ ہونے پر اجماع کا دعوی کرتے ہیں[2]۔ صرف بکر بن لخت ابو بکر پر نص کا استثنی کرتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صرف اسکی اپنی رائے تھی کہ جو اہل سنت کے عقائد کے خلاف تھی۔

ج: اہل سنت کا نص نہ ہونے پر اعتراف

اکثریت بلکہ سب کے سب اہل سنت اعتراف کرتے ہیں امامت وخلافت کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ سلم سے کسی کے بارے میں حتی کہ ابو بکر کے بارے میں کوئی نص صادر نہیں ہوئی ہے، اس اعتراف کا معنی یہ ہے کہ خود اہل سنت ابو بکر کی خلافت پر روایات کو قبول نہیں کرتے اور ان پر سندی یا دلالت کے اعتبار سے اعتراض کرتے ہیں۔

بالفاظ دیگر مخالف جب خود ابو بکر کی خلافت کی روایات پر توجہ نہیں کرتا اور انہیں حجت یا معتبر شمار نہیں کرتا، تو انکے معتبر نہ ہونے کا مسئلہ واضح ہے، لہٰذا ایسی روایات کہ جنکی سند یا دلالت پر وہ یقین نہیں رکھتے وہ کیسے حضرت علی علیہ السلام کی امامت پر نصوص سے تعارض پیدا کر سکتی ہیں؟

ایک اور بات ہے کہ اہل سنت جو یہ چاہتے تھے کہ جس طرح بھی ہوا اپنے خلفاء کی خلافت کو شریعت اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت دیں، زیادہ سے زیادہ وہ ابو بکر کی خلافت کی نصوص کو روشن اور شفاف دلالت کی حد تک نہیں بلکہ مخفی اور پنہاں دلالت کے انداز سے بیان کرتے ہیں۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے مخفی اور

---

[1] امام النووی، شرح مسلم، ج ۱۲، ص ۲۰۵

[2] سابقہ ماخذ

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

پوشیدہ دلالت شفاف و واضح روایات سے تعارض کی طاقت نہیں رکھتی. یہ اعتراف کہ ابو بکر کے بارے میں نص نہیں ہے۔اس پر تمام اہلسنت کا اتفاق ہے۔[۱]

مندرجہ بالا دو نکتوں سے ابو بکر کی خلافت و نصوص درست نہیں ہیں اور مزید ہر ایک ایک روایت پر تجزیہ کی ضرورت اور گنجائش نہیں ہے۔[۲]

د۔ابو بکر اور عمر کا ذکر نہ کرنا

ایک دلیل کہ جو ابو بکر کی خلافت پر نص نہ ہونے کو ثابت کرتی ہے، سقیفہ میں ابو بکر اور اسکے ہمراہی یعنی عمر کا ابو بکر کی خلافت پر نص کا ذکر نہ کرنا ہے۔ابو بکر نے سقیفہ میں زیادہ سے زیادہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مطلق روایت "الآئمة من قریش" کو انصار کے مد مقابل بیان کیا۔واضح سی بات ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ سلم سے اسکے بارے میں کوئی نص بیان ہوئی ہوتی تو وہ اور اسکے حامی سقیفہ اور دیگر مقامات پر اسے بعنوان دلیل ذکر کرتے۔اس دلیل کو بعض اہل سنت کے مشہور علماء مثلا امام نووی نے ابو بکر پر نص کی رد میں ذکر کیا[۳]۔

ھ۔ خلیفہ اول کا اعتراف

ابو بکر نے اپنی عمر کے آخری ایام میں چند چیزوں پر افسوس کا اظہار کیا ان میں سے ایک چیز پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امر حکومت کے بارے میں نص نہ ہونے کا اعتراف تھا:

فوَددت انّی سألته هذاالأمر فكنا لَا تَنازَعَه اهلَه [۴]

وہ انہی ایام میں اپنے بعد والے خلیفہ کی تعیین کے بارے میں کہتے ہیں:

اگر کسی کو خلیفہ اور اپنا جانشین قرار نہ دوں، تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کی مانند کرونگا اگر کسی کو خلیفہ بنادوں، تو ابو بکر نے بھی ایسے ہی کیا تھا۔[۵]

---

[۱] بغدادی، الفرق بین الفرق، ص ۳۴۹۹، قواعد العقائد، ص ۲۲۶، نووی، صحیح مسلم، حاشیہ نووی، ج ۱۲، ص ۲۰۵، ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج ۵، ص ۲۱۹

[۲] کتب کلامی، ذیل بحث امامت، علی اصغر رضوانی، امام شناسی، ج ۲، ص ۶۳۴-۶۴۵

[۳] شرح مسلم، حاشیہ امام النووی، ج ۱۲، ص ۲۰۴

[۴] ابو بکر احمد الجوہری البغدادی، السقیفہ، ص ۴۱، محمد ہادی امینی کی تحقیق اور مقدمہ کے ساتھ

[۵] انی لتن لاستخلف فان رسول اللہ لم یستخلف و ان استخلف فان ابابکر قد استخلف ۔(صحیح مسلم، ج ۳، ص ۱۴۵۵، ج ۱۸۲۳، تاریخ طبری، ج ۲، ص ۷۵۰، تاریخ کامل، ج ۳ ص ۶۵)

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

وہ اس گفتگو میں اسکے علاوہ کہ حکومت کے بارے میں نزاع پائے جانے پر اعتراف کرتے ہیں، حداقل اپنے بارے میں نص نہ ہونے پر بھی اعتراف کرتے ہیں، اب یہ کہ نبی کی طرف سے کوئی نص وارد نہیں ہوئی، ہم اسکے خلاف کو ثابت کریں گے۔

و۔ خلیفہ دوم اور دیگر کا اعتراف

اہل سنت کے اپنے آثار کی طرف رجوع کرنے سے ہم ایسے موارد پاتے ہیں کہ کبھی کبھی خود خلفاء اہل سنت اپنی خصوصی گفتگو میں حضرت علی علیہ السلام کی نص اور منصوب ہونے کا اعتراف کرتے ہیں کہ یہاں بعض موارد کی طرف اشارہ ہوتا ہے:

ا۔ ان میں سے ایک موارد خلیفہ دوم کی ابن عباس سے کئی دفعہ گفتگو کرنا ہے کہ جو ایک برتر صحابی، عالم، مفسر قرآن، اور خلیفہ اول سے قریبی روابط رکھتے تھے، لیکن امام علی علیہ السلام کی امامت پر اپنے قلبی عقیدہ کا دفاع کرتے تھے۔

عمر ایک جگہ پر ابن عباس سے علی علیہ السلام کا شکوہ کرتے ہیں کہ میں نے اس سے چاہا کہ میرے ساتھ آئے لیکن اس نے مجھے منفی جواب دیا اور بس اسے پریشان دیکھتا ہوں، خلیفہ دوم بذات خود علی علیہ السلام کی پریشانی کی علت خلافت کے چھن جانے کو ذکر کرتے ہیں اور ابن عباس بھی اسکی تائید کرتے ہیں اور واضح کرتے ہیں کہ حضرت کا یہ ایمان ہے کہ نبی ﷺ نے حکومت انکے سپرد کی تھی:

انه یزعم ان رسول الله اراد الامر له۔

عمر ابن عباس کی بات کے جواب میں (کہ خود بھی اسکی تائید ہے) اسکی نفی نہیں کرتے، لیکن اس راہ سے چاہتے ہیں کہ اسکی توجیہہ کریں کہ اللہ تعالی کا ارادہ کچھ اور تھا اور خدا کی مراد واقع ہو گئی، لیکن رسول خدا کا ارادہ واقع نہ ہوا:

یَابنَ عباس، وَ ارادَ رسُول الله (ص) الأمر لَه فَکانَ مَاذا لَم یَرد الله تَعالی ذلکَ انَ رسُولَ الله (ص) أَراد امراً وَارادَ الله غَیره- فَنفذَ مُراد الله وَ لَم یَنفَذ مُراد رَسُولِه [1]

---

[1]۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۲، ص ۷۸۔۹

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ہم نے حدیث قلم کے تجزیہ میں عمر کے اعتراف اور اسکے جائزہ میں واضح کیا تھا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی اور امر الٰہی کے خلاف عمل کرنے اور ابلاغ کرنے کی تہمت لگاتے ہیں، حالانکہ خود اہل سنت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام وحی اور ابلاغ میں عصمت کے قائل ہیں۔

جہاں تک عمر کے یہ کہنے کا تعلق ہے کہ الٰہی ارادہ واقع ہوا یہ درست ہے، لیکن اس چیز پر توجہ کرنی چاہیے کہ اللہ تعالی کے ارادہ کی دو اقسام ہیں، ایک ارادہ تکوینی کوئی اچھی بری، واجب اور حرام چیز اس کے تکوینی ارادہ کے بغیر انجام اور وجود میں نہیں آسکتی۔

اللہ تعالیٰ کا دوسرا ارادہ تشریعی ہے یعنی اللہ تعالی کا ارادہ ہے کہ تمام انسان اسلام لائیں اور اچھے اعمال انجام دیں اور قبیح اعمال، معصیت اور کفر نہ کرنے پر بھی اللہ کا ارادہ ہے، یہ صرف ایک تشریع اور اعتباری ارادہ ہے یعنی اللہ تعالی چاہتا ہے سب لوگ مسلمان اور نیک اعمال کرنے والے ہوں، لیکن اسکے ساتھ انسانوں کو اعمال کے انجام دینے یا ترک کرنے میں مختار اور آزاد بھی رکھا ہے۔

اب یہ کہ اللہ کا ارادہ علی کے خلیفہ نہ ہونے سے تعلق رکھتا ہے یہ ایک منظر سے صحیح اور دوسرے منظر سے باطل بات ہے، اگر یہاں مقصد ارادہ تشریعی ہو، تو کہیں گے کہ یہاں اللہ تعالی کا ارادہ اپنے رسول کے ارادہ کے ساتھ یعنی علی علیہ السلام کی خلافت و امامت اکھٹا تھا، کہ اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقام تشریع میں حکومت اور امامت کو علی علیہ السلام کے حوالے کیا۔ لیکن یہ کہ درمیان میں ایک گروہ یا طبقہ اور اسکے رسول کے تشریعی ارادہ کے مانع ہوا اور مختلف حیلوں اور ذرائع سے مسند حکومت پر بیٹھ گیا۔ یہ چیز بعنوان ایک خارجی فعل اور عمل اللہ کے تکوینی ارادہ سے باہر نہیں ہے اور اس اعتبار سے اللہ کے تکوینی ارادہ سے تعلق رکھتا ہے، لیکن خدا کے اس ارادہ سے تعلق کا مطلب اسکا جائز ہونا نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالی کا یہ ارادہ تمام امور مثلاً کفر اور معصیت سب چیزوں سے تعلق رکھتا ہے لیکن اللہ تعالی انکے انجام سے راضی نہیں ہے۔

۲۔ دوسرا مورد ایک مصیبت کے نازل ہونے کے بارے میں تھا کہ جسکا حل صرف حضرت علی علیہ السلام پاس تھا۔ عمر اپنے ہمراہیوں کے ساتھ انکی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت نے اسے جواب دیا۔ تو یہاں عمر اعتراف کرتے ہیں:

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

اللہ تعالیٰ کی قسم! حق تعالیٰ امر (حکومت) کا تمہارے بارے میں ارادہ رکھتا تھا لیکن آپکی قوم اسکے ادا ہونے میں مانع ہوئی، اَمَا وَاللہ لَقَد ارادکَ الحَق وَلٰکِن أبی قومَک [1]

۳۔ ایک اور مورد پر جہاں عمر حضرت علی علیہ السلام کی نص پر اعتراف کرتے ہیں، حدیث قلم ودوات کے متعلق تھا۔ وہ اعتراف کرتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ سلم اس محفل میں علی علیہ السلام کو منصوب کرنا چاہتے تھے کہ میں مانع ہوا، اسکی وضاحت پیچھے اسی حدیث کے ذیل میں شبہات کے تجزیہ میں گذر چکی ہے۔

۴۔ اسی طرح ابن عباس نقل کرتے ہیں کہ جب میں عمر کے پاس آیا اور اس نے علی کا شکوہ کیا کہ وہ لوگوں میں خود کو خلیفہ کے عنوان سے ذکر کرتے ہیں۔ تو ابن عباس نے اسکے جواب میں واضح اور شجاعت سے کہا کہ وہ خود کو خلیفہ بیان نہیں کرتے بلکہ انہیں رسول خدا نے منصوب کیا تھا لیکن دوسروں نے ان سے یہ حق لے لیا:

قَدر شَحه لَها رَسُول اللہ صَلی اللہ علیه وآله وَسَلم فَصُرِفت عنه

یہاں عمر کے جواب میں غور کرنا چاہیے کہ آیا وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتخاب اور منصوب کرنے کی نفی کرتا ہے یا حضرت علی علیہ السلام کو ہٹانے کی توجیہہ کرتا ہے؟ عمر کا جواب ابن ابی الحدید کی گذارش کے مطابق یوں ہے:

قَال:انّه کَان شَابًا حَدثاً فَاستَصغَرت العَربُ سنّه [2]۔

عمر نے کہا: بلاشبہ وہ نئے نئے جوان تھے کہ عرب انکی عمر کو کم شمار کرتے تھے۔

خلیفہ دوم نے اس جواب میں ابن عباس کے اصلی دعوی یعنی حضرت علی علیہ السلام کی امامت اور حکومت کے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے انتخاب کی نفی نہیں کی، بلکہ سقیفہ میں میں اپنے طرز عمل کی توجیہہ کی کہ ابو بکر کو حضرت پر مقدم کیا اور اس کام میں عرب والوں کو پیش کیا، عرب والے حضرت کی جوانی کے پیش نظر انکی حکومت قبول کرنے سے ہچکچاتے تھے۔

ابن عباس عمر کی اس دلیل کا وہیں جواب دیتے ہیں۔ ہم یہاں صرف خلیفہ دوم کا حضرت علی علیہ السلام کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے منصوب ہونے کے اعتراف کو بیان کرنا چاہتے تھے۔

---

[1] ۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۲، ص ۷۹۔۸۰

[2] ۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۲، ص ۸۰

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

۵۔ حضرت علی علیہ السلام ایک دن کسی مسجد سے باہر آتے ہیں تو حاضرین میں سے ایک حضرت پر تکبر اور عجب کا الزام لگاتا ہے، تو عمر اسکے جواب میں کہتے ہیں: ایسے شخص کے لیے حق یہ ہے کہ اپنے آپ کو برتر سمجھے، کیونکہ خدا کی قسم! اگر اسکی تلوار نہ ہوتی تو اسلام کا ستون اپنی جگہ باقی نہ رہتا، تو اس وقت وہ شخص عمر سے پوچھتا ہے کہ پھر کیوں اسے اسکا حق نہیں دیا؟ فَما مَنعَکُم یَا امیرَالمُومنینَ عنه

سائل کے سوال کہ "پھر کیوں تم لوگ رکاوٹ بنے ہو، سے واضح ہوتا ہے کہ صدر اسلام کے مسلمانوں کے ذہنوں میں نبوی حکومت کی نص حضرت کے حوالے سے موجود تھی، لہٰذا عمر اسکے جواب میں یہ نہیں کہتے کہ وہ بالکل حق نہیں رکھتے تھے، بلکہ پھر اپنی پرانی توجیہہ یعنی جوانی اور عبد المطلب کی اولاد کو پسند کرنا ذکر کرتا ہے: کَرِهنَا علی حداثه السنّ وَحبّه بَنی عَبدالمُطلب[1]

۶۔ خلیفہ دوم ابن عباس کے ساتھ ایک اور گفتگو میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد حکومت کے لیے حضرت کی اولویت پر تاکید اور قسم کھا کر اعتراف کرتے ہیں:

اَما وَاللّٰه ان کَان صَاحبکَ هذَا أولی النّاس بِالأ مربَعد وَفاةِ رسُولِ الله الا اَنا خَفناه عَلی اِثنَین، قَال ابنُ عباس فَجاءَ بمَنطق لَم أجد بدّمَعه مِن مَسالتِه عَنه، فقلت: یَا امیرَالمُومنینَ ماهُما، قَال :خَشینَاه عَلی حِداثَة سُنه و جبه بَنی عَبدا لمُطلب[2]

ابن عباس اس روایت میں خلیفہ دوم کی منطق اور رائے کو تعجب آور توصیف کرتے ہیں اور اسے قانع کنندہ نہیں سمجھتے، خلیفہ دوم پر اپنے اعتراض کو ایک اور مقام نہایت واضح اور شفاف انداز میں ذکر کرتے ہیں۔

۷۔ **صحابہ کا ایک گروہ:** خلفیہ دوم سے ہٹ کر اصحاب کا ایک گروہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نص اور نصب بیان ہونے کے حوالے سے مختلف روایات نقل کرتے ہیں کہ ان میں سے بعض چوتھے باب میں نص کے بارے میں احادیث نبوی بیان نہ ہونے کے شبہ کے جواب میں بیان ہوئی ہیں اور قاری محترم کو اس جگہ کا حوالہ دیتے ہیں۔

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۲، ص ۸۲، ۸۱

[2] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۲، ص ۵۷

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

۸۔ **ابن ابی الحدید:** نہج البلاغہ کے معتزلی شارح مندرجہ بالا موارد کو نقل کرنے کے بعد اعتراف کرتے ہیں کہ یہ روایات نص کے ہونے پر دلالت کرتی ہیں،[1] وہ دو امر یعنی مندرجہ ذیل بالا نصوص کے ظاہر کو قبول کرنا (کہ جسکا لازمہ مذہب شیعہ کا انتخاب ہے) اور کیسے صحابہ کے طرز عمل کی توجیہہ کرے کہ جنہوں نے نصوص پر عمل نہیں کیا، وہ حیران رہ گیا ہے، لہٰذا اپنی مشکل اور حیرت کو نقیب ابو جعفر ابو زید سے پوچھتا ہے کہ ہم انکی توجیہ کو نصب کی توجیہات کے باب میں بیان اور نقد کریں گے کہ جہاں نصوص نبی ﷺ کی دینی اور غیر دینی اعتبار سے تفکیک کی توجیہہ کے ذیل میں توجیہات بیان ہوئی ہیں۔

۹۔ **قاضی عبدالجبار:** وہ معتزلہ کے مشہور عالم اور عظیم کتاب المغنی فی ابواب التوحید والعدل کے مصنف ہیں اور اپنی دوسری معروف کتاب "شرح الاصول الخمسۃ" میں رحلت نبی ﷺ کے بعد امام اور امامت کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

ان مذهبنا ان لامام بعد النبی علی ابن ابی طالب [2]

بلاشبہ ہمارا مذہب یہ ہے کہ نبی ﷺ کے بعد علی بن ابی طالب امام ہے۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ بعض معتزلہ امام علی علیہ السلام کو خلیفہ اول سے افضل جانتے ہیں، لیکن ساتھ عقیدہ رکھتے ہیں کہ افضلیت کا وصف امامت میں شرط نہیں ہے [3]۔

---

[1] ۔و ما اراها الا الاتکاد دالة علی النص، شرح نہج البلاغہ، ج۱۲، ص ۸۲

[2] ۔المغنی، ج۱، ص ۵۱۶، وہ بعد میں تاکید کرتے ہیں کہ معتزلہ کے نزدیک نبی کے بعد امام چار معروف خلیفہ ہیں، انکے بعد نوبت امت کے انتخاب پر آتی ہے، دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اگرچہ حضرت علی علیہ السلام کو بلا فصل امام جانتا ہے لیکن امامت کی شرائط مثلاً عصمت، علم غیب اور لدنی میں امامیہ کے مخالف ہے اور اسے شرط نہیں جانتا (المغنی، ج۲۰، ص ۱۸)

[3] ۔فاما عندنا: ان افضل الصحابة امیرالمومنین علی ثم الحسن والحسین علیهم السلام (شرح اصول الخمسہ، ص ۷۶۷)

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

امامت علیؑ کی نصوص کی دلالت میں شبہ

گذشتہ ابواب میں اشارہ کر چکے ہیں کہ امامت پر نصب کے مخالفین دو گرہوں پر مشتمل ہیں: پہلا گروہ حضرت علی علیہ السلام اور دیگر ائمہ اطہار علیہم السلام کی امامت کے لیے نصب کا منکر ہے، دوسرا گروہ نصوصِ نصب بالخصوص امامت علی علیہ السلام پر احادیث نبوی کو قبول کرتا ہے، لیکن اسکی دلالت میں شک و تردید کا شکار ہے اور ان نصوص کی توجیہ اور تاویل میں کرتا ہے۔ اس باب میں منکرین امامت کی توجیہات کا تجزیہ و تحقیق کریں گے۔

پہلی توجیہہ: اولویت اور احقیت کا بیان

قانون نصب کے مخالفین جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا خود حضرت علی علیہ السلام سے حضرت کے منصوب ہونے پر وارد ہونے والی مختلف کلمات پر مشتمل بہت سی روایات کا انکار یا رد نہ کر سکے، تو مذکورہ احادیث کی توجیہہ اور تاویل میں لگ گئے، کہ احادیث نبوی خلیفہ اور جانشین کی تعیین اور انتخاب کیلئے ایک قطعی حکم صادر نہیں کر رہی ہیں، بلکہ حضرت علی علیہ السلام کو امامت کے مسئلہ میں دوسروں سے برتر بیان کر رہی ہیں۔ پس حضرت علی علیہ السلام کے لیے حکومت کے مسئلہ میں نصب قرار نہیں پایا ہے۔

ابن ابی الحدید بغداد کے معتزلہ کی رائے کو یوں بیان کرتے ہیں:

اَصحابُنا منَ البَغدادیین لأنهُم یَزعمُون أنه الأفضلُ وَالأحق بالأمامَة وَ انه لَولَا مَایعلَمه الله وَ رسُوله مِن انّ الأصلحَ لِلمُکلفِینَ مِن تَقدیمِ المَفضُول عَلیه لَکانَ مِن تَقدمِ عَلیه هَالکاً، فَرسُول الله (ص) اَخبَره اَنّ الأمامَة حقه وَانّه اَولی بهَا مِن النَّاسِ اَجمَعِینَ [1]

ہمارے بغداد سے علماء حضرت علی علیہ السلام کی افضلیت اور احقیت پر عقیدہ رکھتے ہیں اور یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ اگر خدا اور اسکے رسول نے یہ تعلیم نہ دی ہوتی کہ مفضول کو فاضل پر مقدم کرنا مکلفین کے لیے

۱۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۲، ص ۲۹۶، ج ۱۹، ص ۳۰۶

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

نہایت مناسب ہے تو جو بھی اس پر مقدم ہوتا ھلاک ہو جاتا۔ بلا شبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی ہے کہ امامت انکا حق ہے اور وہ امامت کے حوالے سے تمام لوگوں پر اولویت رکھتے ہیں۔

اسی طرح وہ بتاتے ہیں کہ اسکے استاد شیخ ابوالقاسم بلخی اور اسکے شاگرد بھی یہی رائے رکھتے ہیں[۱]۔اسی طرح وہ حضرت علی علیہ السلام کی کلام "قطعوا رحمی--اجمعوا علی منازعتی امراً ھولی[۲]، کے ذیل میں لکھتا ہے کہ ہمارے علماء (معتزلہ) اس قسم کی نصوص کو افضلیت اور احقیت پر حمل کرتے ہیں[۳]۔

وہ ایک اور مقام پر اس قسم کی توجیہہ اور نظریے کو بہترین مذہب اور اپنی ذاتی نظر کرے طور پر بیان کرتا ہے[۴]۔

بعض ہم عصر بھی معتزلہ کی اس رائے کی طرف رجحان پیدا کرتے ہیں[۵]۔اس نظریہ کے حامی اپنے نظریہ کے اثبات کے لیے حضرت علی علیہ السلام کی ان نصوص سے تمسک کرتے ہیں[۶] کہ جن میں حضرت حکومت و خلافت کے لیے اپنی احقیقت پر تاکید اور تصریح کرتے ہیں مثلا:

لَقد عَلمتُم اَنی أحق بِها من غَیری[۷]

بے شک تم جانتے ہو کہ میں امامت کے بارے میں دوسروں سے زیادہ حق رکھتا ہوں۔

تجزیہ و تحقیق

اس توجیہہ کے تجزیہ میں مندرجہ ذیل نکات قابل توجہ ہیں:

---

[۱]۔سابقہ ماخذ

[۲]۔انہوں (پہلے تین خلفاء اور انکے حامیوں) نے میری پیغمبر کی طرف نسبت اور رشتہ داری کو قطع کیا اور وہ چیز (حکومت) جو میرے لیے تھی اسی اتفاق و اجماع کیا (نہج البلاغہ، خ ۱۷۳، اور نیز شرح نہج البلاغہ ابی ابی الحدید، ج ۹، ص ۳۰۷)

[۳]۔اصحابنا یحملون ذلک کله علی ادعائه الامربا لافضلیة والاحقیقة و هو الحق والصواب (سابقہ ماخذ)

[۴]۔و هذا المذهب هو اعدل المذاهب عندی و به اقول (ج ۲، ص ۲۹۷)

[۵] ہماری اس کلام یعنی نصب کے دلائل کے انکار سے مراد کبھی بھی علی علیہ السلام کی افضلیت کا انکار نہیں ہے حاشا وکلا۔۔۔رسول خدا کے اصحاب اور پیروکاروں میں سے کوئی بھی انکی حد تک نہ تھا، یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت کی افضلیت کا انکار نہیں کیا جاسکتا (احمد کاتب، تطور الفکر السیاسی الشیعی، ص ۲۱، حیدر علی قلمداران، شاھرہ اتحاد، ص ۹۶، ۹۵، حکومت در اسلام، ص ۹۔۱۳۱، احمد القبانچی، خلافۃ الامام علی علیہ السلام، ص ۱۳۶

[۶] شاہرہ اتحاد، ص ۱۰۲

[۷]۔نہج البلاغہ، خطبہ ۷۴

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

الف: نص کے مد مقابل اجتہاد

یہ توجیہہ "نص کے مد مقابل اجتہاد" کا سب سے بڑا مصداق ہے، یعنی احادیث نبوی مختلف الفاظ کے ساتھ حضرت علی علیہ السلام کی حکومت اور خلافت میں ظاہر بلکہ نص ہیں کہ اس کی یاد دہانی اور ذہن میں صورت بننے کے لیے دوبارہ بعض روایات کے عناوین نقل کیے جاتے ہیں:

علیؑ – امَامُ اَولیَائی- انکَ – امَام مَن آمنَ بی - فَانّه امَام اُمتِی وَ خَلیفَتی عَلیهِم مِن بَعدی - انّ امَامکُم عَلیؑ[1] - انّه امَامُ خَلقِی- یَا عَلی اَنتَ امَامُ المُسلمِینَ وَاَ میرِالمُومنینَ - اِنکَ لَحجةُ الله عَلی خَلقِه[2] اَمرنَا رَسُول الله اَن نُسلّم عَلی عَلیؑ بِاَ میرِ المُومنِینَ -

یا ایّهَا النّاس انّ اللهَ آمرنی اَن اَنصبَ لکُم امامًا– انّکَ لَحجةُ الله عَلی خَلقِه وَ خلیفَته عَلی عِبادِه - مَن کُنتُ مَولاه فَعَلیؑ مَولَاه[3]- ان هذا اخی و وصی و خلیفتی فیکم فاسموله واطیعوه - اخترتُ لَکَ عَلیًا فَاتخِذه خَلیفَته وَ وصیًا - هُو خَلیفَتی مِن بَعدِی- یَا علیؑ اَنتَ الاِمامُ وَالخَلیفَة بَعدِی[4]

ہم قاری اور محقق محترم سے درخواست کریں گے کہ صرف ایک دفعہ بغیر کسی حب و بغض اور جلد قضاوت کے نیز انصاف و ضمیر کی روشنی میں مذکورہ نصوص کو دیکھے۔ الحق والانصاف یہ نصوص امامت و خلافت کے حکم کو جعل نہیں کر رہی ہیں؟ آیا نبی صرف خبر دینے کے مقام میں تھے یا حضرت علی کی امامت کا اعلان کرنے کے مقام میں تھے؟ آیا یہ کہ اللہ اپنے نبی کو حکم کر رہا ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ سلم فرمارہے ہیں میں نے منصوب کیا ہے" انصب "اور یہ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمارہے ہیں اسکی اطاعت کرو وغیرہ، آیا یہ سب انکے مقام امامت پر قاطع دلیل نہیں ہیں؟ پس مخالفین کی توجیہہ نص کے مد مقابل اجتہاد ہے؟

---

[1] چوتھے باب میں نص کے نہ ہونے کے شبہ میں احادیث نبوی گذر چکی ہیں۔
[2] چوتھے باب میں احادیث حجت گزر چکی ہیں۔
[3] چوتھے باب میں احادیث امامت امیر المومنین اور وزارت بیان ہو چکی ہیں۔
[4] چوتھے باب میں احادیث خلافت میں گزر چکی ہیں، شرح نہج البلاغہ، ج ۳، ص ۹۸، تاریخ بغداد، ج ۱۳، ص ۹۹، تاریخ ابن خلدون، ج ۲، ص ۴۸۱، کنز العمال، ج ۱۳، ص ۱۴۰، تاریخ مدینہ دمشق، ج ۴۲، ص ۵۶-۲۷۰، ۲۹۱، ۳۳۰، ۳۰۳، ۴۱۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ب: سیرت امام علیؑ سے تعارض

توجیہ کی دوسری مشکل حضرت کی اساس، فکری اور عملی سیرت کے ساتھ ناسازگار ہونا ہے۔ یہ ضعیف احتمال کہ حضرت کے اپنے حق حکومت سے مقصود صرف اپنی اولویت اور افضلیت کا اثبات تھا اور دیگر حاکموں کی صلاحیت کو کم تر درجہ، بالفاظ دیگر لازم حد تک قبول رکھتے تھے، یہ حضرت کی نظریاتی اساس اور سیرت سے تناقض رکھتا ہے، کیونکہ حضرت نے بار بار مختلف عناوین کے ساتھ پہلے تین خلفاء کی صلاحیت نہ رکھنے کو بعض موارد میں شفاف انداز اور دیگر موراد میں کنایہ کی صورت میں بیان کیا کہ یہاں اشارہ کیا جاتا ہے:

۱۔ تشکیل حکومت کے لیے اصحاب سے مدد مانگنا: اگر واقعاً پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے حضرت حکومت کے لیے منصوب نہ ہوتے اور پہلے تین خلفاء بھی ضروری صلاحیت کے مالک ہوتے، تو حضرت پھر کس مقصد اور ضرورت کے پیش نظر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب اور اپنے دوستوں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ حکومت تک پہنچنے کے لیے انکی مدد ونصرت کریں؟ کس بنیاد پر حضرت رات کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی حضرت زہرا علیہا السلام کے ساتھ صحابہ کے گھروں کے دروازے پر جاتے رہے[1]۔ ہم حضرت کی اس فعالیت کی تفصیل کو حکومت کے لیے کوئی قدم نہ اٹھانے کے شبہ میں آئندہ بھی بیان کریں گے۔

۲۔ اپنے حق کی ممانعت اور غصب ہونے کی تصریح: اگر نہج البلاغہ کے فرازوں کی طرف اجمالی سی نظر ڈالیں تو دیکھیں گے کہ حضرت نے بار بار اپنے مسلّم حق میں بعض معین افراد کی رکاوٹ اور ممانعت کا ذکر کیا، کبھی اللہ کی بارگاہ میں انکی شکایت کی، کبھی انہیں ظالم اور غاصب کہا کہ یہ تصریح اور واضح بیانات گذشتہ خلفاء کو حق سمجھنے اور اپنے آپ کو احق سمجھنے کے نظریہ سے تعارض رکھتے ہیں۔ یہاں اسکے بعض فراز کی طرف اشارہ ہوتا ہے:

فَصَبَرت وَ فِی العَین قذیٰ وَ فِی الحَلق شجیٰ اَرٰی تَراثی نَھباً [2]

میں نے صبر کیا اس حال میں کہ میری آنکھ میں کانٹا اور میرے حلق میں ہڈی پھنس چکی تھی، میں اپنی وراثت کو غارت ہوتا دیکھ رہا تھا۔

---

[1] ۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۲، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۲، ص ۴۷، ج ۱۱، ص ۱۱۴، بحار، ج ۲۹، ص ۴۱۹، کتاب سلیم بن قیس ص ۱۳۶، ۱۳۸، مستدرک الوسائل، ج ۱۱، ص ۷۴

[2] ۔ سابقہ ماخذ خطبہ ۳، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱، ص ۱۵۱، ج ۱۰، ص ۲۸۶

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

اگر حضرت کے زمانہ میں کوئی عادل حاکم ضروی شرائط اور صلاحیت (حداقل شرائط کی حد تک) رکھتے ہوئے حکومت کی مسند پر براجمان ہوتا اور حضرت کا صرف شخصی مسئلہ بیان ہوتا، تو آیا حضرت سے درد و مصیبت کے تحمل اور شکوہ کی توقع رکھی جاسکتی تھی؟ یا یہ کہ مسئلہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے؟ مندرجہ بالا فراز کے ذیل میں حضرت کی وارثت یعنی حکومت کے غارت ہونے کی بات سے واضح ہو رہا ہے کہ حکومت اور سیاست کے مرحلہ میں حضرت منصوب ہوئے تھے لیکن حضرت کا یہ حق چھین لیا گیا:

اَللھم اَخزِ قریشًا فَاَنّھا مَنعتَنی حَقّی وَ غَصبتَنی اَمری [۱]

اے پروردگار! قریش کو ذلیل و خوار کر کیونکہ وہ میرے حق میں مانع ہوئے اور اسے غضب کیا۔

شاید پچھلے فراز میں حضرت نے اپنی وراثت کے غارت ہونے کا ذکر کیا، بعض لوگ پھر توجیہہ کرنے لگتے ہیں کہ اسے خلافت سے ہٹ کر فدک یا دیگر مسائل میں تفسیر کریں، لیکن حضرت نے اس فراز میں "امری" کے غضب ہونے کی بات کی کہ جو حکومت پر واضح ہے، حضرت فرماتے ہیں:

فَغَصبُونَا سُلطانَ نَبینَا فصَارَت الأمر لغَیرنَا وَ صَرفنَا سوقَۃ یطمَع فِینَا الضعِیف [۲]

پھر انہوں نے ہمارے نبی کی حکومت کو غصب کیا اور امر حکومت ہمارے غیر کے حوالے کر دیا اور ہمیں ایسے کر دیا کہ ہر ناتواں بھی ہم پر طمع کرنے لگا۔

حضرت کی اس کلام کے تمام الفاظ سیاسی جہت کو بیان کر رہے ہیں کہ جو واضح ہے۔

پھر حضرت قریش کی یوں شکایت کرتے ہیں:

فَاَنّھُم ظَلَمُونی حَقی وَاغتَصبُونی سُلطَان ابنِ اُمی [۳]

بے شک انہوں نے میرے حق پر ظلم کیا اور میرے چچازاد کی حکومت کو غصب کیا۔

حضرت بعض مقامات پر گذشتہ ایک ایک خلیفہ پر نقد کرتے ہیں اور انکی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خالص سنت سے نکلنے پر مذمت کرتے ہیں جیسا کہ فرماتے ہیں:

۱۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۹، ص۳۰۶

۲۔ شرح نہج البلاغہ، خطبہ، ۷۴

۳۔ شرح نہج البلاغہ، ج۹، ص۳۰۶

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

فَان هذا الدّين كَانَ اسيراً فِی اَيدِی الأشرار يَعمَل فِيه بِالهَوی وَتَطلبُ بِهِ الدُّنيا، زَرعُوا الفُجورَ وَسَقُوه الغَرورَ وَ حَصدُوالثُّبورَ [۲]

ابن ابی الحدید حضرت سے اس قسم کی روایات کو متواتر حد تک توصیف کرتا ہے، لیکن اپنے سنی رجحان کی بناء گذشتہ خلفاء کی حمایت میں تعصب کی بناء پر ان سب کی توجیہہ اور تاویل کرتا ہے کہ جیسا کہ گذر چکی ہے [۳]۔

ج: بعض صحابہ اور دیگر اماموں کے موقف سے تعارض

نصوص امامت کو صرف احقیت کے ساتھ توجیہہ کرنا بعض بزرگ اصحاب مثلا سلمان، ابوذر، مقداد، عمار، مالک اشتر، ابن عباس اور دیگر آئمہ کے موقف سے بھی تعارض رکھتی ہے، کیونکہ وہ سب اہل نصب اور حضرت علی علیہ السلام میں منحصر امامت جیسی حقیقت پر عقیدہ رکھتے تھے کہ انکی کلام گذشتہ باب میں گزر چکی ہے۔

صحابہ کے اس موقف اور رائے پر دوسرا ماخذ اور دلیل یہ ہے کہ امام علی علیہ السلام نے مختلف مقامات پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے اپنی امامت اور الٰہی حکومت کے منصوب ہونے کو ثابت کرنے کے لیے اصحاب کو قسم دی کہ نبی کے ذریعے حضرت علی علیہ السلام کا منصوب ہونا تائید کریں، کیونکہ یہی صحابہ اصل نصب کے شاھد تھے۔ اس مسئلہ کو حضرت کی تاریخ ولایت میں "مناشدات" سے تعبیر کیا گیا اس بناء پر بہت سے اصحاب نے نہ صرف یہ کہ اس بات کا انکار نہیں کیا بلکہ اسکی تائید کی ہے [۴]۔

دیگر آئمہ بالخصوص امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کہ جو شیعہ و سنی کے درمیان خاص منزلت کے حامل ہیں، سب کے سب اصل نصب اور انکے حق میں ظلم ہونے پر تاکید کرتے ہیں [۵]۔ اصل نصب کے بارے میں بعض اصحاب کی آراء، سقیفہ کے امیدواروں سے بیعت اور لوگوں اور انصار کی خلیفہ اول سے بیعت کے شبھہ پر تجزیہ میں، پہلے اور چوتھے باب میں بیان ہو چکی ہیں۔

---

[۱]۔ شرح نہج البلاغہ، نامہ، ۵۳

[۲]۔ شرح نہج البلاغہ، ج۱، ص ۱۳۹

[۳]۔ شرح نہج البلاغہ، ج۹، ص ۳۰۶

[۴]۔ البدایۃ والنہایۃ، ج۷، ص ۳۷۴

[۵]۔ تاریخ کامل، ج۳، ص ۴۷، تاریخ طبری، ج۵، ص ۴۰۲

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

توجیہہ کرنے والوں کا اعتراف: ابن ابی الحدید اپنی شرح میں کوشش کرتے ہیں کہ حضرت کی تمام نصوص کو مختلف بہانوں سے توجیہہ کریں، لیکن اعتراف کرتے ہیں کہ اصل نصوص شیعہ دعوی پر ظاہر ہیں۔ جیسا کہ حضرت کی وہ کلام کہ جس میں آپ امامت اور حکومت کو اپنے سے مختص جانتے ہیں، اسکے ذیل میں لکھتے ہیں:

اَلاَمَامِیَّۃُ وَالزیدِیۃُ حَملوا ھذہ الاَقوال عَلی ظَواھرِھَا، وَ لعُمری انّ ھذہِ الألفاظَ مُوھمَۃ مغلّۃ عَلی الظّن مَا یَقولُہ القَوم[1]

توجیہہ کرنے والوں کی مشکل

حضرت علی علیہ السلام کے فضائل اور کمالات کے قائل حضرات دو مشکلوں میں پھنس گئے ہیں، کیونکہ ایک طرف سے تو حضرت علی علیہ السلام کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں ناقابل انکار فضائل اور کمالات کے پیش نظر انکی الٰہی شخصیت اور گفتار کے صادق اور حجت ہونے پر یقین رکھیں، دوسری طرف اہل سنت اپنے مخصوص نظریہ (تمام صحابہ کی عدالت اور احترام کے قائل ہونے) کی بناء پر تمام اصحاب کے فعل اور کردار کو عدالت اور کتاب اور سنت کے مطابق توصیف کرتے ہیں[2]۔ تو اس دو نظریوں کے درمیان (حضرت علی علیہ السلام کی الٰہی شیخصت اور عدالت صحابہ پر ایمان) ایک مقام پر تعارض پیدا ہوتا ہے یہ وہ جگہ ہے کہ جہاں حضرت علی علیہ السلام بار بار حکومت پر اپنا احق ہونا اور اسے اپنا مسلم ارث (خلافت) ہونا ثابت کرتے ہیں اور بعض صحابہ بالخصوص پہلے دو خلیفوں کے ظالمانہ عمل کی شکایت کرتے ہیں۔ اس ٹکراؤ کے مقام پر اہل سنت حضرت علی علیہ السلام کے کلمات کی خلاف ظاھر اور نص کے مخالف توجیہہ کرتے ہوئے بعض صحابہ کو حضرت پر مقدم کرتے ہیں اور یہ چیز پہلی بات: بعض معتزلہ کے نظریہ کے خلاف ہے کہ وہ حضرت کو تمام اصحاب سے برتر اور افضل جانتے ہیں، کیونکہ اگر وہ حقیقت میں اس نظریہ پر عقیدہ رکھتے ہیں تو حضرت کی طرفداری کریں اور بعض صحابہ کی خطاء کے قائل ہوں۔ دوسری بات: اگر مندرجہ بالا توجیہہ کو بغور دیکھیں تو نعوذ باللہ حضرت خطاء پر ہوتے لگتے ہیں،

---

[1] ۔ شرح نہج البلاغہ، ج۹، ص۳۰۷

[2] ۔ ابن ابی الحدید اسی مشکل میں پھنسا ہوا تھا اور جب اس نے اپنے استاد ابو جعفر یحیٰی بن محمد سے خطبہ ۱۶۳" فانھا کانت شحت علیھا نفوس قوم" کی وضاحت میں ان لوگوں کے بارے میں پوچھا کہ جنہوں نے انکے حق حکومت پر حملہ کیا؟ اور جب سقیفہ کا چکر چلانے والوں کا جواب سنا، تو صحابہ کے دفاع کے عنوان سے کہا میرا دل نہیں مانتا کہ میں انہیں پیغمبر کی نافرمانی اور نص کو ترک کرنے کا مجرم ٹھراؤں۔ تو ابو جعفر اسکے جواب میں کہتے ہیں: میرا دل نہیں مانتا کہ نبی پر امر امامت اور امت ایسے ہی چھوڑ جانے کا الزام لگاؤں (شرح نہج البلاغہ، ۹، ص۲۴۸، ۲۵۰)

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

چونکہ جب حضرت اپنے مسلم حق کے حوالے سے ظلم اور غارتگری کی بات کرتے ہیں، تو اس توجیہہ کا لازمہ یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے انحصاری اور مسلم حق پر کوئی ظلم اور غصب نہیں ہوا اور اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ معاذ اللہ حضرت پر کذب کا الزام آتا ہے۔

حالانکہ حضرت علی علیہ السلام کی عصمت اور انکا مخصوص مقام بہت سی احادیث نبوی (کہ پہلے گذر چکی ہیں) میں تاکید سے بیان ہوا ہے، ابن ابی الحدید جو کہ خود بھی توجیہہ کرنے والوں میں سے ہے حضرت کی عصمت کو قبول کرتے ہیں[1]۔

مذکورہ توجیہہ کے حوالے سے اہل سنت کے نظریہ کا دوسرا لازمہ یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے پیروکار اصحاب مثلاً سلمان، ابوذر اور سب سے اہم جوانان جنت کے سردار یعنی امام حسن اور امام حسین علیہما السلام حضرت علی علیہ السلام کی مسئلہ خلافت میں تصدیق کی بناء پر نعوذ باللہ انحراف اور خطاء کی راہ پر گئے ہیں۔

ط: حقیقت کی پیروی کا وجوب

دلیل سے بحث کرنے کا لازمہ حقیقت کی پیروی کرنا ہے جو جہاں بھی ہو بالفاظ دیگر ہم سب کو دلیل اور حقیقت کا فرزند ہونا چاہیے، بغیر اسکے کہ یہ توجہ کریں کہ حقیقت کس کے پاس ہے:

اُنظر اِلی مَا قَال وَلا تَنظُر الی مَن قَال، نَحنُ اَبناءُ الدَّلیلِ

اس بناپر اگر ہم واقعاً حضرت علی علیہ السلام کی شخصیت پر ایمان رکھتے ہیں اور انکے کلام کو صادق اور عین واقع اور حقیقت جانتے ہیں، چونکہ نبوی اور علوی نصوص حضرت میں امامت اور حکومت کے منحصر ہونے پر دلالت کرتی ہیں، تو اس صورت دلیل اور حقیقت کی پیروی کرنی چاہیے خواہ پوری دنیا اسکی مخالف ہی کیوں نہ ہو، لیکن اہل سنت اس حکم عقل سے دور ہوگئے، افسوس کی بات یہ ہے جب انہوں نے دیکھا متواتر نصوص کو قبول کرنے کا لازمہ بعض لوگوں کو مجرم قرار دینا ہے، تو شخصیتوں کی جانب داری کو حقیقت اور دلیل پر مقدم کرنے لگے۔

و۔ کسی چیز کا اثبات اسکے علاوہ کی نفی پر دلالت نہیں کرتا

اس توجیہہ کے حامیوں کی ایک دلیل حضرت علی علیہ السلام کی ان احادیث سے تمسک کرنا تھا کہ جن میں حضرت علی علیہ السلام اپنے آپ کو دوسروں کی نسبت مقام خلافت کے لیے "احق" توصیف کرتے تھے، یہ دلیل

---

[1]۔ شرح نہج البلاغہ، ج ۶، ص ۳۷۶

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

اس توجیہہ کے لیے نہایت ناتواں ہے، کیونکہ قانون عقلی کے مطابق کسی چیز کا اثبات دوسرے کی نفی نہیں کرتا، حضرت کی احقیت سے کبھی بھی انکے اصل نصب کی نفی نہیں ہوتی بالفاظ دیگر حضرت نے مختلف مقامات پر اور حسب اقتضاء اپنی امامت پر دلیل قائم کی۔ حضرت علی علیہ السلام کی ایک روش اپنی احقیت کا اثبات تھا، ان لوگوں کے لیے جو مختلف اسباب اور بہانوں مثلا حضرت کی جوانی اور خلیفہ اول کے صاحب تجربہ ہونے کے پیش نظر حضرت کی حیثیت کو کمزور کرنے کے چکر میں تھے، حضرت دوسرے مقام پر قانون نصب پر دلالت کے لیے حدیث غدیر، حدیث منزلت، حدیث خلافت اور حدیث امیر المومنین کا تذکرہ کرتے ہیں۔ لہٰذا مسئلہ امامت میں حضرت کے موقف کے تجزیہ کے لیے حضرت کی تمام جہات اور احادیث کو دیکھنا چاہیے، نہ کہ صرف ایک حدیث پر توجہ مرکوز کریں اور دیگر احادیث کو نظر انداز کر دیں۔

دوسری توجیہہ: امیدوار ہونے پر حمل کرنا

بعض دیگر افراد کا نظریہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کی امامت پر دلالت کرنے والی احادیث نبوی انکی حکومت اور امامت میں ظاہر اور صراحت رکھتی ہیں، لیکن یہ ظہور ایک دینی اور شرعی حکم کے جعل کی حد تک نہیں ہے بلکہ امت کے لیے راہنمائی اور نصیحت ہے کہ حضرت علی علیہ السلام بعنوان خلیفہ اور حاکم، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منظور نظر تھے، لیکن اسکے باوجود امت کو انتخاب کا حق ہے اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتخاب کی پیروی کریں تو نبی کی رضایت کے مطابق عمل کرنا ہے لیکن اس سے تخلف معصیت اور گناہ کی حد تک نہیں ہے۔

بالفاظ دیگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے منظور نظر اور مورد حمایت امیدوار حضرت علی علیہ السلام کا بار بار لوگوں کو تعارف کروایا، جیسا کہ آج سیاسی، دینی اور اجتماعی سطح کی پارٹیاں اور شخصیات مختلف عہدوں کے لیے اپنے مورد نظر امیدواروں کی تائید یا تعارف کرواتی ہیں۔ یہاں قابل ذکر نکتہ یہ ہے کہ اس نظریہ کا پچھلے نظریہ (احقیت پر حمل کرنا) سے فرق اس میں ہے کہ پچھلے نظریے والے علی علیہ السلام کو تمام صحابہ سے افضل اور برتر جانتے ہیں اور ساتھ ساتھ گذشتہ خلفاء کی صلاحیت پر حد اقل تک یقین رکھتے ہیں، لیکن اس نظریہ میں ممکن ہے کہ گذشتہ خلفاء کی صلاحیت پر توجہ نہ کریں اور ساتھ ساتھ اصل نصب کا شرعی لزوم کے معنی میں

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

بھی انکار کریں۔ جیساکہ کہا گیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کی امامت پر بیان ہونے والی تمام نصوص کو انکے امیدوار بننے پر حمل و تفسیر کرتے ہیں۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ امیدوار بننے کا یہ نظریہ رکھنے والے ممکن ہے کہ ہدایت، علمی اور دینی مرجعیت کے مقام پر حضرت علی علیہ السلام کے اصل نصب کو قبول کرلیں لیکن حکومت کے معنی میں نصب کا انکار کریں اور زیادہ سے زیادہ انکی حکومت کے حوالے سے نص نہ کہ نصب کے قائل ہوں اور اس نص کو بھی انکے امیدوار اور نامزد ہونے کی حیثیت پر حمل اور تفسیر کریں۔ جیساکہ آج بعض سیکولر شیعہ بھی یہی رجحان رکھتے ہیں،[1] وہ اصولی طور پر شرعی اور الٰہی حکومت کے منکر ہیں، کہاں یہ کہ نبی یا امام کی حکومت قبول کریں، ڈاکٹر شریعتی اس نظریہ کو بعض روشن فکر مسلمانوں کی طرف نسبت دیتے ہوئے واضح کرتے ہیں کہ خود بھی ایک مدت تک اس کے قائل تھے لیکن پھر اس کو چھوڑ دیا[2]۔ اہل سنت کے بعض قدیم علماء کی آراء میں غور فکر کرنے سے یہی نظریہ وہاں بھی ظاہر ہوتا ہے، جیساکہ ابن ابی الحدید حضرت علی علیہ السلام کی امامت کے بارے میں صریح اور یقینی نص کا انکار کرنے کے بعد اعتراف کرتا ہے کہ انسانوں کی عقول اور ضمیروں کو دیکھتے ہوئے یہ نکتہ فوراً ذہن میں آتا ہے کہ نبی اکرم حضرت علی علیہ السلام کو کنایہ واشارہ اور غیر قطعی حکم کی صورت میں سامنے لارہے تھے، اب یہ کہ کیوں اسکی تصریح نہیں کررہے تھے شاید یہاں ایک مصلحت تھی کہ جو اس تصریح سے مانع ہے کہ ہم پر وہ مصلحت مخفی ہے:

وَلٰكِن قَد سبَقَ اِلی النُّفوسِ وَالعقُول انّه قَد كَان هُناكَ تَعويض وَ تَلوِيح وكِنايَة وَ قولَ غيرِ صَرِيح وَحُكم غَير مَبتُوت ، وَلعَلّه كَانَ يَصدّه عَن التصرِيحِ بِذلكَ اَمر يَعلمُه وَ مُصلحَة يُراعِيهَا وَ اووَقوف مَع اِذنِ اللهِ تعَالی فِی ذلكَ [3]

---

[1] ۔ سید امیر علی ہندی، منقول از محمد واعظ زادہ، مجلہ مطالعات اسلامی، ش ۶۰، ص ۳۸، احمد قبانچی، خلافۃ الامام علیؑ ص ۱۱، ۱۳۶، ۴۰، ۱۴، ۱۳

[2] ۔ دورہ آثار شریعتی، ج ۱۵، ص ۴۷، ج ۳۰، ص ۶۲۶، پاورقی، ۲۱۳، ج ۳۵، ص ۳۴۶۔

[3] ۔ شرح نہج البلاغہ، ج ۲، ص ۵۹۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

تجزیہ و تحلیل

افضلیت پر جو اعتراضات وارد ہوئے تھے ان میں سے اکثر اس پر بھی وارد ہوتے ہیں کہ یہاں اشارہ سے گزرتے ہیں:

الف: قاعدہ تاسیس واحتراز

وہ قوانین اور دستوارت جو قانون بنانے والے اداروں میں پاس ہوتے ہیں، وہ سب تاسیسی ماہیت رکھتے ہیں اور لازم حد تک عمل کرنے کے لیے بنائے جاتے ہیں اور کوئی بھی کسی قانون سے اس عنوان سے نافرمانی نہیں کرسکتا کہ یہ سب لزوم اور وجوب کو ہم پر لاگو قرار نہیں دیتے۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ ایسے دستوارت اور قوانین کہ جو واجب الاطاعۃ ہیں زیادہ تر جملہ خبریہ کی صورت میں استعمال ہوتے ہیں کہ جنکے لازم اور واجب ہونے پر دلالت حقوق دانوں کے نزدیک روشن اور مسلم ہے۔ قرآن اور سنت کے بیشتر احکام بھی جملہ خبریہ کی صورت میں ظاہر ہوئے ہیں کہ اصولیوں کی تعبیر کے مطابق یہ سب وجوب کے مقام پر ہیں[1]۔ جیسے آیت شریفہ میں مطلقہ عورت کی عدت کا حکم: وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ[2] قانون بنانے کی اصل اور اسکی عرفی و قانونی اساس یہ ہے کہ وہ لازم ہونے کی حد تک لاگو ہو۔

ب: روایات کا ظہور بلکہ نص ہونا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے امامت کے مسئلہ میں نقل ہونے والی احادیث پر دوبارہ نظر واضح کرتی ہے کہ انکا ظہور بلکہ انکی نص حضرت علی علیہ السلام کی اللہ کی طرف سے امامت کو جعل وانشاء کرنا ہے، اس دلیل کی وضاحت گزر چکی ہے۔

ج۔ سیرت حضرت علیؑ سے تعارض

حضرت علی علیہ السلام کے خطبات اور کلام ظاہر بلکہ صراحت سے بیان کر رہی ہیں کہ پچھلے خلفاء نے انکے حق و مقام کو غصب اور غارت کیا اور انکے حق میں ظلم و ستم کیا، حضرت کی گذشتہ خلفاء کے بارے میں اس رائے سے امامت کی یہ امیدوار کی حد تک توجیہہ سازگار نہیں ہے۔ کیونکہ اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی

---

[1]۔ کفایۃ الاصول، ج۱، ص۱۰۴، امام خمینی، تہذیب الاصول، ج۱، ص۲۰۵۔
[2]۔ سورۃ بقرہ، ۲۲۸۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

علیہ السلام کو امیدوار کے عنوان سے اور مسلمانوں کے بہتر رھبر کے عنوان سے تعارف کرواتے تو پہلے تین خلفاء کے انتخاب سے کبھی حضرت علی علیہ السلام کے حق میں ظلم و ستم اور غضب انجام نہ پاتا۔ بالفاظ دیگر امیدوار ہونے والی توجیہہ کا لازمہ نعوذ باللہ حضرت علی علیہ السلام کی اس کلام کا غلط ہونا کہ جہاں وہ فرماتے ہیں کہ میرے حق میں ظلم اور غصب انجام پایا ہے۔

د۔ امامت کی سیکولر تفسیر

امامت کے بارے میں ایسا نظریہ ایک سیکولر نظریہ ہے کہ اس نظریہ کے غلط ہونے کی وجہ امامت کے مقام و منزلت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا ہے، ہم نے گذشتہ باب میں امامت کی تعریف وضاحت سے بیان کی ہے کہ قرآن اور احادیث کی زبان میں امامت کا جامع معنی یہ ہے کہ وہ دنیاوی اور دینی ریاست کو شامل ہوتا ہے۔ گذشتہ نظریے کے نکات اور اعتراضات اس نظریے پر بھی جاری ہوتے ہیں کہ فاضل قاری کو اسی کا حوالہ دیتے ہیں۔

تیسری توجیہہ: امامت کو ہدایت اور علمی و دینی مرجعیت سے مختص کرنا

بعض کا نظریہ ہے کہ امامت کی حقیقت امام کے ہدایت کرنے بالفاظ دیگر اسکی لوگوں پر دینی مرجعیت پر قائم ہے، لہٰذا اگر احادیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے حضرت علی علیہ السلام کو عنوان امام عطا ہوا ہے، تو اسکی اہمیت صرف امامت کی حدود یعنی ہدایت کے مسئلہ تک معتبر ہے اور اسکا حکومت و خلافت سے کوئی تعلق نہیں ہے، بالفاظ دیگر اگر لوگوں کو ہدایت کے امر اور دینی تعلیمات کی تفسیر میں مشکل پیش آئے تو اس وقت دین کی تفسیر کا نتہار سی اور شرعی مرجع آئمہ علیہم السلام ہیں۔

ابن ابی الحدید، حدیث نبوی: انّ امامَکُم عَلی ابنِ ابی طَالب فَنا صَحُوہ وَ صدّقُوہ، کی توجیہہ میں لکھتے ہیں:

یَجوزُ أن یُریدُ أنہ امامھُم فِی الفَتاوی وَ الأحکامِ الشرعیَّۃِ لَافِی الخلَافَۃِ[1]

یہ بھی ممکن ہے کہ انکی مراد یہ ہو کہ وہ فتووں اور شرعی احکام میں امام ہوں نہ کہ خلافت میں۔

---

[1]۔ شرح نہج البلاغہ، ج۳، ص۹۸۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

دیگر تین بیانات

اس شبہ میں تین قسم کے دیگر بیانات پیش ہوئے ہیں:

الف: امامت اور خلافت میں تفکیک وجدائی

بعض علماء شیعہ امامت اور خلافت میں فرق کے قائل ہوئے اور انکا دعوی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے مقام امامت پر منصوب ہونے کی روائی نصوص صرف انکی علمی و دینی مرجعیت کو بیان کر رہی ہیں نہ کہ انکے مقام حکومت اور خلافت کو بیان کر رہی ہیں[1]۔

آیت اللہ شیخ محمد صالح حائری اس نظریہ کی طرف رجحان رکھتے تھے اور لکھتے ہیں:

منصوب اور برگزیدہ امام لازم نہیں کہ خلافت سے متعلق سیاسی اور اداری مسائل میں قیام کرے، کیونکہ یہ ایک اور امر سے ربط رکھتی ہے کہ جو امامت میں شرط نہیں ہے۔۔۔ شیعہ قاموس میں امام کبھی بھی خلافت کا مخالف اور معارض نہیں رہا اور خلافت کے اثبات کے لیے امامت کے انکار کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔[2]

وہ اپنے مقالہ میں پہلے تین خلفاء کی خلافت کے صحیح اور شرعی ہونے کو قبول کرتے ہیں اور امامت و خلافت کو آپس میں جدا کرتے ہوئے اسے شیعہ اور اہل سنت میں قربت پیدا کرنے کی راہ قرار دیتے ہیں۔

بعض نے آیت اللہ العظمی بروجردی سے نقل کیا ہے کہ آپ بار بار حدیث ثقلین نہ کہ حدیث غدیر ذکر کرتے تھے، البتہ راوی حضرات آیت اللہ بروجردی کے پہلے تین خلفاء کی خلافت کے عنصی یا شرعی ہونے پر موقف کو واضح نہیں سمجھتے ہیں۔

ب: امامت اور حکومت میں جدائی = سیکولر

بعض سیکولر شیعہ و سنی مسلمان دین اور دیانت کو معنوی ہدایت اور احکام و شریعت کے دائرہ میں خاص کرتے ہیں اور آسمانی دین کی سیاست اور حکومت میں ہر قسم کی دخل اندازی کا انکار کرتے ہیں، یہ لوگ پہلے مرحلہ

---

[1] علامہ سبحانی، مقالہ "منہاج عملی للتقریب الی اخواننا المسلمین، مندرجہ در کتاب "الوحدۃ الاسلامیۃ او التقریب بین المذاہب الاسلامیۃ، عبدالکریم بی آزار شیرازی کی کاوش۔

[2] مقالہ "امامت و خلافت"، مندرجہ در "ہمبستگی مذاہب اسلامی، ص ۲۵۷، باترجمہ عبدالکریم بی آزار شیرازی، نوٹ: اس کتاب کے تمام مقالات مجلہ رسالۃ الاسلام کے منتخب شدہ مقالات ہیں جو چند دہائیوں پہلے مصر میں دار التقریب کے ذریعے نشر ہوتا تھا۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

میں نبوت و رسالت کی بناء کو دنیاوی امور سے جدا کرتے ہیں بالفاظ دیگر سیکولریزم کے قائل ہیں، عبد الرزاق مصری اس آخری صدی میں اہل سنت کی دنیا میں اس نظریہ کا پرچار کرنے والوں میں سے شمار ہوتا تھا۔[1]

اس آخری صدی میں یہ نظریہ شیعہ دنیا میں بھی رائج ہوا، بعض لوگ مقام نبوت و رسالت کے دنیاوی اور سیاسی امور میں دخالت سے منکر ہوگئے[2]، اس انکار سے مسئلہ امامت بھی واضح ہوگیا۔ ایک اور گروہ نبوت و رسالت کی بشر کی دنیاوی زندگی میں دخالت کو قبول کرتا ہے لیکن امامت اور ائمہ کے لیے اس مقام کے منکر ہوگئے[3]۔ ان آخری دہائیوں میں نبوت اور دین کے حوالے سے سیکولر نظریے کا تفصیلی جائزہ اور نقد کیا گیا اور مصنف نے بھی اپنی استعداد کے مطابق کتاب آئین خاتم میں اس پر تجزیہ کیا ہے[4]۔ یہاں موضوع بحث امامت و دنیا کی نسبت بحث اور اسکے ضمن میں سیاست و حکومت کا مسئلہ ہے۔ اس کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

نبوت و رسالت کی حقیقت کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے تشریعی ارادہ اور احکام کو ایسے راہ سے جاننا کہ جو انسانی اور اخلاقی کمال کی بلند ترین چوٹی پر پہنچتا ہے کہ یہ صرف علم حضوری اور حق تعالیٰ کے عنایتی علم کی صفت میں واقع ہوتے ہوئے حاصل ہوتا ہے، امامت نبوت کی ماہیت اور مفہوم کا ایک جزو ہے اور نبوت کے مقام کی مانند ایک باعظمت معنوی اور الٰہی امر ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے زمین پر جلوہ گر ہوتا ہے اور کبھی بھی بیعت اور لوگوں کے انتخاب سے وابستہ نہیں ہے۔۔۔ خلافت جو کہ سیاسی رہبری کے معنی میں ہے، ایک دنیاوی امر ہے اور یہ صرف مملکت کے امور سے تعلق رکھتا ہے کہ جو قدرتی احتیاجات، فطری انداز کی کیفیتوں اور انسانوں کی باہم صلح سے زندگی گزارنے سے وجود میں آتے ہیں اور ان کا کوئی بھی منطقی، کلامی یا عقائدی رابطہ نبوت اور امامت کے بلند ترین مقام سے نہیں ہوتا۔[5]

---

[1] ۔ عبد الرزاق، الاسلام واصول الحکم، کچھ عرصہ پہلے یہ کتاب "اسلام و مبانی فی حکومت" خانم رحمانی اور محمد تقی رحمانی کے ذریعے فارسی میں ترجمہ ہوئی ہے۔

[2] ۔ مہدی حائری یزدی، حکمت و حکومت، ص ۸۲، ۱۵۹، ۱۷۰، ۱۴۳، بازرگان، آخرت و خدا ھدف بعثت، ص ۴۳، ۲۲۹

[3] ۔ حیدر علی قلمداران، حکومت در اسلام، ص ۲۸، اور اسکے بعد۔

[4] ۔ مصنف، آئین خاتم، باب جامعیت و کمال دین و اہداف انبیاء نیز مصنف، قرآن و سیکولریزم

[5] ۔ مہدی حائری یزدی، حکمت و حکومت، ص ۱۷۱، ۱۷۲، احمد قابانچی، خلافت الامام علی (ع)، ص ۴۰ تا ۴۸

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ج۔ نبی کی نصوص کو دنیاوی اور دینی امور سے جدا کرنا (صحابہ کی سیکولر فہم)

یہ جدید توجیہ کہ جو رائج ہوئی ہے[1] یہ دراصل بعض اہل سنت کے قدیم علماء بالخصوص مکتب اعتزال کا نظریہ ہے کہ جو حضرت علی علیہ السلام کی امامت پر نبی ﷺ کی طرف سے نصوص کو قبول کرتے ہیں، لیکن یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ نصوص بعنوان نص، دینی حکم اور شرعی وجوب وارد نہیں ہوئیں، کیونکہ نبوت اور رسالت کی شان صرف دینی امور کو بیان کرنا ہے اور وہ امور جو کہ دین سے ربط نہیں رکھتے، مثلاً دنیا اور حکومت کی بحث وحی اور دین کی حدود سے خارج ہے اور اگر اس حوالے سے دین یعنی قرآن وسنت نبوی سے امر اور نص وارد ہو تو اس سے دینی اور شرعی لزوم ثابت نہیں ہوتا اور یہ سب کچھ صرف مسلمانوں کی راہنمائی اور ارشاد کی حد تک ہے۔

اس نظریے والے یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ صدر اسلام کے مسلمان نبی ﷺ کے اوامر سے اس قسم کی دینی فہم رکھتے تھے۔ اکثر و بیشتر دستورات نبی ﷺ کو دل وجان سے قبول کرتے تھے، لیکن دنیاوی اوامر کے بارے میں سوالات اور بالفاظ دیگر "ان قلت" رکھتے تھے۔ ان میں سے ایک امر بحثِ حکومت اور حضرت علی علیہ السلام کا حکومت کے لئے منصوب ہونا تھا کہ صحابہ اسے غیر دینی سمجھتے تھے، چونکہ وہ خود (البتہ نبی ﷺ کی تشخیص کے برعکس) سمجھتے تھے کہ حضرت علی علیہ السلام مختلف اسباب کی بنا پر (کہ پہلے گزر چکے ہیں) مثلاً جوانی، بعض عربوں کی دشمنی اور شوخ طبع ہو جانے کی وجہ سے حکومت اور خلافت کے لئے بہترین فرد نہیں ہیں، لھذا انہوں نے انہیں چھوڑ دیا، انصار و مہاجرین نے پہلے مرحلہ میں اپنے اپنے لئے ایک امیدوار کی پیش کش کی تھی اور آخر کار سقیفہ میں ابو بکر کی خلافت پر متفق ہو گئے۔

جیسا کہ کہا جا چکا ہے کہ یہ توجیہ نبی ﷺ کی طرف سے حضرت علی علیہ السلام کے لئے نص موجود ہونے کا علم رکھنے والے پہلی صدیوں سے بیان کر چکے تھے کہ یہاں ابن ابی الحدید معتزلی کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے کہ امامت علی علیہ السلام میں احادیث نبوی کو قبول کرنے والی عمر کی نصوص (کہ جو پچھلے باب میں نصوص کے تعارض کے شبہ کے ذیل میں انکے اعترافات میں بیان ہو چکی ہیں) کو نقل کرتے ہیں، تو واضح کرتے ہیں کہ یہ نصوص شیعہ کے نظریہ نص کو ثابت کرتی ہیں، لھذا اس مشکل کو حل کرنے کے لئے نقیب ابو جعفر ابوزید سے

---

[1] ۔ شرف الدین، المراجعات، شمارہ ۸۳

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

سوال کرتے ہیں اور دوسری طرف سے ابن ابی الحدید واضح کرتے ہیں کہ نصب کے ہوتے ہوئے صحابہ کا حضرت علی علیہ السلام کو چھوڑنے کا عمل بعید نظر آتا ہے۔

شیخ نقیب ابوزید، ابن ابی الحدید کے جواب میں صحابہ کی نصوصِ نبوی سے دو قسم کی آگاہی کا ذکر کرتے ہیں کہ صحابہ امور دنیا پر مشتمل روایت سے عدول کو مصالح کے پیش نظر جائز جانتے تھے۔[1]

تجزیہ و تحقیق

مندرجہ بالا شبہ دراصل لفظ امامت کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ اس شبہ کے بیان کرنے والے عام طور پر اسلام، سیاست اور حکومت کی جدائی کا شبہ بیان کرتے ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے ذریعے دینی حکومت کی تشکیل ایک شخصی عمل ہے نہ کہ دینی عمل۔ ہم یہاں نبی ﷺ کی الٰہی اور آسمانی حکومت کو ثابت شدہ فرض کرتے ہیں اور ائمہ کی دینی اور الٰہی حاکمیت کی شرعی حیثیت پر بحث کرتے ہیں:

۱) الٰہی حکومت کا شرعاً ائمہؑ کو تفویض ہونا: حکومت کی شرعی حیثیت کے سرچشمہ کے بارے بحث سیاسی فلسفہ کی اہم ابحاث میں سے ہے۔ پہلے حصہ میں اشارہ ہوا ہے کہ قدیم یونان اور روم میں رائج فلسفہ سلاطین اور بادشاہوں کی حکومت کو الٰہی حکومت کہتا تھا۔ یہی نظریہ کچھ فرق کے ساتھ دین مسیحیت میں رائج ہوا، مغرب کی دنیا میں روشناس کا دور آنے سے الٰہی حکومت کے فلسفہ کی جگہ ڈیموکریسی کے سیاسی فلسفہ نے لے لی۔

لیکن اسلام اور نبی ﷺ کا نظریہ ان دو نظریوں سے مختلف ہے، اسلام معصوم حاکموں کی حکومت کو شرعی الٰہی حکومت قرار دیتا ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ایک تفصیلی روایت میں اپنی اور ائمہ اطہار علیہم السلام کی تمام ممکن موجودات سے پہلے عالم عقول میں خلقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنی اور ائمہ علیہم السلام کی شرعی الٰہی حکمرانی کو یوں بیان کرتے ہیں:

نَحنُ سَادَةُ العِبَاد سَاسة البلَاد مَن آمنَ بنَا آمن بِالله وَمن ردّ عَلينَا ردّ عَلى الله وَمَن أطَاعَ لنَا أطَاعَ الله وَنَحنُ الوَسيلةُ إلَى الله وَالوصلَة إلى رِضوانِ الله ولَنَا العِصمَة وَالخلَافَة وَالهدَايَة وَفينَا النبوَّة وَالولَايَة وَالأمَامَة [2]

---

[1]. شرح نہج البلاغہ، ج ۱۲، ص ۸۲

[2]. بحار الانوار، ج ۲۵، ص ۲۳

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

اس روایت میں نبی کریم ﷺ ملک پر حکمرانی کو اپنے اور ائمہ علیہم السلام کے الٰہی وظائف اور شان میں سے شمار کرتے ہیں اور واضح طور پر اعلان کرتے ہیں کہ خلافت، ولایت اور امامت ہم میں منحصر ہو چکی ہے اور ہماری اطاعت خدا کی اطاعت، ہم سے مخالفت خدا کی مخالفت ہے۔

نبی ﷺ اور ائمہ شیعہ علیہم السلام کی حکومت اور سیاست کی شرعی الٰہی حیثیت پر روایت کی دلالت روشن اور شفاف ہے، کیونکہ روایت پیغمبر ﷺ کی ولایت کی شرعی الٰہی حیثیت کو قبول کرنے کی صورت میں معنی اور مفہوم رکھے گی۔

اس میں سیاست، خلافت، ولایت اور امامت کے عناوین اس وہم کو جڑ سے اکھاڑ دیتے ہیں کہ جو صرف عبادت اور دینی امور میں اطاعت کو واجب کرتا ہے او معاشرتی امور کو اس سے نکالتا ہے۔

مشہور سیرہ نویس ابن کثیر نقل کرتا ہے کہ نبی اسلام ﷺ نے اپنے زمانہ نبوت سے ہی اپنے خلیفہ اور جانشین کے عہدہ کو امت کی ذمہ داری نہیں بلکہ الٰہی عہدہ توصیف کیا، مثلا حضرت نے ہجرت سے پہلے بنی عامر قبیلہ کے سربراہ کے جواب میں کہ جس نے اپنے اسلام کی شرط یہ بیان کی تھی کہ نبی ﷺ کی وفات کے بعد حکومت ان کے قبیلہ کو ملے، آپ نے واضح کیا کہ خلافت کا مسئلہ اللہ سے متعلق ہے اور جسے خدا چاہے گا وہ اسلامی امت کا خلیفہ اور رہبر ہو گا:

اِن ظَفَرت تَجعَل لَنا مِن بَعدکَ ؟ فَقالَ رَسولُ الله ﷺ : انّ المُلکَ لله یَجعلُ حَیثُ یَشَاء [1]

۲) ائمہ علیہم السلام کی عملی سیرت: ائمہ شیعہ علیہم السلام جو کہ قرآن اور الٰہی پیغمبر کے سیاسی تفکر کے وارث ہیں، ان دو نورانی منبع سے الھام لیتے ہوئے نہ صرف یہ کہ کسی بھی ظالم حکومت سے ہمراہی اور تعاون نہ کیا ،بلکہ مختلف اور بہت سے موارد میں ان کا مقابلہ اور مخالفت کی نیز اسلامی حکومت کو بنانے کی کوشش کی کہ افسوس ہے کہ امت کی معاشرتی اور سیاسی شرائط نے انہیں اس بات کی اجازت نہ دی۔ صرف امام علی علیہ السلام اور امام حسن علیہ السلام مختصر سی مدت (تقریبا چھ ماہ) دینی حکومت کی سربراہی کر سکے، لیکن تمام ائمہ سوائے آخری حجت حق کے اس دلیل کی بناء پر کہ خود کو حقیقی امامت کے حامل اور نبی کے وارث جبکہ حاکموں کو حق الٰہی کے غصب کرنے والے جانتے تھے، حکام زمانہ کے کینہ و غضب کا شکار رہے اور مختلف قسموں کی جسمانی اور روحی اذیتوں مثلا

---

۱. سیرہ ابن ہشام، ج ۲، ص ۴۲۳، ابن کثیر، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۱۵۹، البدایۃ والنہایۃ، ج ۳، ص ۱۴۰

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

قید خانہ اور جلاوطنی کی صعوبتوں کو تحمل کیا۔ بالآخر سب کے سب دین اسلام کی نگہبانی میں عظیم شہادت پر فائز ہوئے اور ان کی سرخ شہادت دین و سیاست کی وحدت کی ترجمان ہے۔ اگر ائمہ علیہم السلام کا وجود حکومتوں کے لئے خطرہ نہ تھا اور اگر وہ زمانہ کے قیصروں (بنی امیہ اور بنی عباس) کے قیصری امور انہی کے حوالے کر دیتے اور خود مساجد کے گوشہ و کنار میں وعظ و عبادت میں مشغول رہتے، تو زمانہ کی حکومتیں کوئی ضرورت محسوس نہ کرتیں کہ انہیں قید، جلاوطن یا شہید کریں۔

بالفاظ دیگر بلاوجہ یہ کام نہ کرتے اور انکی شہادت کا دھبہ ان پر نہ آتا چونکہ ائمہ علیہم السلام لوگوں کے درمیان بزرگ علماء اور نبی کی پاکیزہ ذریت کے عنوان سے معروف اور محترم تھے، یہ حاکم لوگ بغیر کسی سبب کے اپنی سیاہ صورتوں پر داغ تحمل نہ کرتے۔[1]

۳) ولایت اور امامت حکومت کے معنی میں: ائمہ بزرگوار علاوہ ازیں کہ عملی طور پر دین و سیاست کی وحدت کا اسوہ تھے، فکری اور نظریاتی اعتبار سے بھی اسلام کے سیاسی فلسفہ کو مختلف بیانات اور روشوں سے پیش کرتے کہ یہاں ان میں سے چند کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

بہت سی روایات میں امامت و ولایت کے بارے میں بہت زیادہ گفتگو ہوئی اور اسے اسلام کے ارکان اور ستونوں میں سے شمار کیا گیا ہے۔ اس وہم کا احتمال موجود تھا کہ شاید اس سے مراد علمی اور معنوی مرجعیت ہو جیسے انبیاء کا مقام رسالت نہ کہ اس سے مراد حکومت وسیاست کا مقام ہے، لھذا مندرجہ بالا روایات اسلام کے سیاسی فلسفہ پر دلالت نہیں کرتیں تاکہ دین اور سیاست میں وحدت کے حامیوں کے لئے دلیل بن سکیں۔

اس وہم کی ناتوانی صاحبان روایت کی طرف رجوع کرنے سے واضح ہو جاتی ہے، کیونکہ انہوں نے خود ہی امامت و ولایت کی حکومت اور سیاست کے معنی میں تشریح و تفسیر کی ہے، یہاں ایسی بعض روایات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

امام علی علیہ السلام ایک روایت میں امامت کو نہ صرف ایک علمی و دینی مرجعیت بلکہ ایک منصب سے توصیف کرتے ہیں کہ اس عہدے کا مالک سیاست سے آگاہ، مدبر، منظم اور سرحدوں کا محافظ او حکومت کا سرپرست ہو:

---

[1] مھندس بازرگان انقلاب سے پہلے ائمہ کی اسیری اور شہادت کو دین، سیاست اور حکومت کے مدغم ہونے پر دلیل ذکر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ ائمہ، امامزادوں اور شیعوں پر یہ سب پابندیاں تعاقب، قید اور شہادت کس لئے تھی؟ یہ فقط خلافت، سلطنت اور حکومت یعنی سیاست کے لئے تھا؟ غیر جانبدار، بیکار اور بے مال لوگوں سے کوئی تعرض نہیں کرتا (مرز دین وعلوم اجتماعی، ص ۱۳)

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

الوِلَایَةُ هِیَ حِفظُ الثغُور وَ تَدبیرُ الأُمورِ الامَامُ عَالم بِالسیَاسَة قَائم بِالریَاسَة [۱]

امام رضا علیہ السلام ایک دوسری نورانی روایت میں امامت وولایت کی تعریف میں "سیاست کا عالم، سرحدوں کا محافظ، معاشرتی امور کی تدبیر کرنے والا، اور حکومت کا مستحق" کی قیود کا اضافہ فرماتے ہیں، جیساکہ امامت و ولایت کے سیاسی اور حکومتی امور کو شامل ہونے میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی:

انّ الامَام زمَامُ الدّین وَ نظَامُ المُسلمینَ وَصلَاحُ الدنیا وَعزّ المُومنینَ الامَام عَالم بِالسیَاسَة مُستَحق لِلرئاسَاة مُفترضُ الطاعَة قَائم بأمرِالله نَاصح لِعبَادِالله [۲]

امام حسین علیہ السلام کوفیوں کے خط کے جواب میں امامت ورہبری کی شرط قرآن پر عمل کرنا اور عدالت اور دین حق کو برپا کرنا جانتے ہیں:

فَلعُمری مَا الامَامُ الا العَامل بِالکتَاب وَالقَائم بِالقِسط وَالدَّائن بِدینِ الحَق [۳]

امامت اور رہبری جو نبی ﷺ کے وسیلہ سے ائمہ علیہم السلام کو تفویض ہوئی، وہ جغرافیائی حدود سے بڑھ کر ہے، جیساکہ مہدی عباسی (تیسرا عباسی خلیفہ) اس دور کے سیاسی تقاضوں کی بناپر چاہتا تھا کہ فدک امام کاظم علیہ السلام کو واپس دے۔ تو حضرت نے اس کی حدود کو مصر، شام، عراق اور احد معین کیا، اس طرح اصل حکومت کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ [۴]

مندرجہ بالا روایات جو امامت کو دو اساسی رکن یعنی قرآن کا علم اور اس پر عمل اور سیاست وزمانہ کے مسائل کے علم سے تفسیر کرتی ہیں، تو اپنی التزامی دلالت اور کنایہ سے زمانہ کی حکومتوں کے عدم جواز کو بھی بیان کررہی ہیں، کیونکہ انہیں امامت کے پہلے رکن سے خالی جانتے ہیں۔

۴) ائمہ کی نظر میں حکومت کا الٰہی وشرعی ہونا: نبی اسلام ﷺ کی فکری سنت کے تجزیہ میں گزر چکا ہے کہ حضرت اپنی حکومت کے جواز کا سرچشمہ براہ راست اللہ تعالی کو جانتے تھے۔ ائمہ شیعہ علیہم السلام سے بھی اس حوالے سے متواتر روایات وارد ہوئی ہیں کہ ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

۱۔ بحار الانوار، ج ۲۵، ص ۱۷۰

۲۔ سابقہ ماخذ، ص ۱۲۶، ابن شعبہ حرانی، تحف العقول، ص ۳۲۳

۳۔ تاریخ کامل ابن اثیر، ج ۴، ص ۲۱، تاریخ ابن خلدون، ج ۳، ص ۲۷

۴۔ بحار الانوار، ج ۴۸، ص ۱۵۶، اصول کافی، ج ۲، باب ان الارض کل ہا للامام۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

الف۔امام علی علیہ السلام : حضرت علی علیہ السلام کی حکومت کی داستان اور کیسے حضرت پچیس سال تک حکومت سے محروم رہے، یہ سب اس مختصر نوشتہ میں نہیں سما سکتا، لیکن یہاں حضرت کے امر خلافت کو چھوڑنے کے شبھہ میں کہ بعد میں اشارہ کیا جائے گا، بیان کریں گے کہ حضرت کیسے تینوں خلفاء پر تنقید کرتے تھے اور انہیں اپنے خاص اور منصوص حق کا غاصب بیان کرتے اور اپنے حق کے غصب ہونے کی اللہ اور اس کے رسول کی بارگاہ میں شکایت کرتے تھے۔ حضرت ایک خط میں مصر کے لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے ضمناً حکومت پر نا اہل لوگوں کے قبضہ پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں اور اسے مال اللہ سے توصیف کرتے ہیں:

وَلٰكِنَّنِی اسی أن یلِی اَمر هذِهِ الأُمة سفاوهَا وَفجّارهَا فَیتخذُ وا مَالَ اللهِ دولًا [1]

پھر ایک اور روایت میں اس مضمر سوال کے جواب میں کہ اللہ کو اپنا حق حکومت دوسروں کے حوالے کرنا چاہیئے، انہیں عادل امام اور دین و قضاوت سے عالم توصیف فرماتے ہیں:

اتَقُوا الحَكومَةَ فانّ الحَكومَة انّمَا هِیَ للامَام العَالمِ بِالقَضاءِ العَادلِ فِی المُسلمِین [2]

حضرت ایک اور روایت میں حاکم اور امام کی مزید وضاحت کرتے ہیں اور انہیں خود پیغمبر ﷺ اور ان کے وصی کو قرار دیتے ہیں:

یَا شَرِیح قَد جَلستَ مَجلسًا لَا یجلسُه الّا نَبی اَو وَصیّ اَوشقی [3]

سیاست و حکومت کے میدان میں داخل ہونا خواہ مخواہ مقدس مآب لوگوں کے اعتراض کا سبب بنتا ہے، حضرت بھی ان اعتراضات سے مستثنی نہ تھے اور اشعث کہ جو اپنے فکری جمود کی بناء پر امر حکومت کی گمراہی اور کفر کا قائل تھا، وہاں حضرت اس کے جواب میں نبی کی عملی سیرت سے تمسک کرتے ہیں اور واضح کرتے ہیں کہ حکومت کا مسئلہ بذات خود ایک عبادی عمل ہے کہ اللہ تعالی نے اس کی لیاقت رکھنے والوں سے یہ چاہا ہے:

اَلحكُومَة فَرض مِنَ اللهِ وَقَد حَكم رَسولُ اللهِ [4]

---

[1]. نہج البلاغہ، نامہ، ۶۲
[2]. وسائل الشیعہ، ج ۱۸، ص ۷
[3]. سابقہ ماخذ
[4]. بحار الانوار، ج ۲۳، ص ۳۹۳

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ب۔امام صادق علیہ السلام :امام صادق علیہ السلام بھی امامت کو اللہ تعالی کے عہد سے توصیف کرتے ہیں کہ جو معیّن افراد کو تفویض ہوا ہے :

انَّ الامَامةَ عَهد مِن اللهِ عزَّوجلَّ مَعهُود لِرجَال مسمّيْن [1]

حضرت ایک اور روایت میں نہایت واضح اور شفاف انداز سے اپنے آپ یعنی تمام ائمہ علیہم السلام کو لوگوں کا رہبر اور شہروں اور ملکوں کے سیاستمدار کے عنوان سے توصیف فرماتے ہیں :

نَحنُ سَادةُ العِبادِ وَساسَةُ البِلَاد [2]

ج۔امام رضا علیہ السلام : حضرت ایک نورانی روایت میں امامت کو حکومت سے تفسیر کرتے ہیں، حاکم اور امام کی تعیین میں معصوم کے ہوتے ہوئے نظریہ انتخاب کو شدت سے باطل قرار دیتے ہیں اور صدر اسلام کے لوگوں کی نص اور حضرت علی علیہ السلام کے انتخاب سے گریز کرنے پر سرزنش اور مذمت کرتے ہیں، اسے گمراہی، انحراف اور شیطان کے فریب سے یاد کرتے ہیں۔واضح سی بات ہے کہ اگر حضرت علی علیہ السلام کی امامت پر نص وارد نہ ہوئی ہوتی تو نعوذ باللہ امام کی یہ کلام مہمل کہی جاتی:

آیا تم لوگوں نے یہ گمان کیا ہے کہ خاندان رسول خدا محمد ﷺ کے علاوہ امام پایا جاتا ہے؟ خدا کی قسم ان کے ضمیروں نے انہیں جھوٹا کہا اور انہوں نے غلط آرزو کی، اونچے اور پھسلنے والے درے پر چڑھے کہ جہاں سے نیچے پھسلتے ہیں اور چاہتے تھے کہ اپنی گم شدہ اور ناقص عقل اور اپنی گمراہ کرنے والی آراء کے ساتھ امام کو منصوب کریں اور انہوں نے سوائے حق سے دوری کے کوئی فائدہ حاصل نہ کیا، اللہ انہیں قتل کرے کہاں منحرف ہوئے؟ مشکل کا قصد کیا، جھوٹ بولا اور دور گمراہی میں گر گئے اور سر گردان ہوگئے کہ دیکھنے والی آنکھ سے امام کو چھوڑ دیا۔ اللہ کے انتخاب اور رسول خدا اور اسکی اہل بیت کے انتخاب سے منہ موڑ لیا اور اپنے انتخاب کی طرف مائل ہوئے۔۔۔

کیسے ان پر آتا ہے کہ وہ امام کا انتخاب کریں، حالانکہ امام ایسا عالم ہے کہ جس میں جہالت نہیں ہے، ایسا سرپرست ہے کہ عقب نشین نہیں ہوتا تقدس، پاکیزگی، اطاعت، زھد، علم اور عبادت کا مرکز ہے، نبی کی دعوت اس کے ساتھ خاص ہے اور فاطمہ بتول (ع) کی پاک ذات سے ہے[1]

---

[1] سابقہ ماخذ، ج ۲، ص ۳۶

[2] بحار الانوار، ج ۲۶، ص ۲۵۹

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

حضرت ایک اور روایت میں بعض افراد کے حضرت علی علیہ السلام بعنوان خلیفہ نبی سے لوگوں کو موڑنے اور دیگر افراد کی طرف متوجہ کرنے کے اقدام کو نور الٰہی کے خاموش کرنے سے توصیف فرمایا۔[۲]

حضرت دیگر روایات میں اسی نظریہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ جوان کی ولی عھد کے شبھہ کے جواب میں آیندہ بیان کریں گے۔

د۔ حضرت زھرا(س): حضرت زھرا اگرچہ ائمہ علیہم السلام میں شمار نہیں ہوتیں، لیکن چونکہ ائمہ کی طرح اللہ تعالی کے نزدیک شخصیت اور مقام رکھتی ہیں اور معصومین میں شمار ہوتی ہیں، لھذا ان کی کلام اور روایت بھی حجت اور معتبر ہوگی۔ اسی بنا پر یہاں ان کے حضرت علی علیہ السلام کی حکومت کے منصوب ہونے کی وجہ سے شرعی جواز پر اور خلفا وقت کی ناجائز حکومت کے موقف کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

حضرت زھرا علیہ السلام نے حضرت علی علیہ السلام کی خلافت و حکومت کے لئے بہت زیادہ کوشش کی۔ حضرت رات کو سواری پر سوار ہو کر اپنے دو نونہال امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام اور حضرت علی علیہ السلام کے ہمراہ انصار کے گھروں کے دروازوں پر جاتی تھیں اور ان سے حضرت علی علیہ السلام کی بیعت مانگتی تھیں، اگرچہ انہیں منفی جوابات کا سامنا کرنا پڑا۔

لیکن نظری جہت سے حضرت اپنے مشہور خطبہ میں لوگوں کو خطاب فرماتی ہیں اور حضرت علی علیہ السلام کے انتخاب نہ کرنے کو فتنہ اور انحراف کے دام میں گرنے کے مساوی ذکر کرتی ہیں اور واضح فرماتی ہیں ابھی نبی کا بدن دفن نہیں ہوا تھا اور ان کی جدائی کے زخم اور درد مندمل نہیں ہوئے ہوئے تھے کہ تم لوگوں نے عجلت اور تیزی سے ایسے اونٹ پر علامت لگائی کہ تمہارا نہ تھا اور ایسی جگہ پر پاؤں رکھا کہ تمہاری نہ تھی:

---

[۱]. اتظنون ان ذلک یوجد فی غیر آل رسول محمد(ص) کذبتهم والله انفسهم ومنتهم الاباطیل فارتقوا مرتقاً صعبا دحضا تزل عنه الی الحضیض اقدامهم ،وراموااقامة الامام بعقول حائرة بائرة ناقصة وآراءمضلة فلم یزدادوا الا بعد قاتلهم الله انی یوفکون- ولقد رامو صعبا وقالوا افکا وضلوا ضلالا بعیدا و و قعوا فی الحیرة . اذا ترکو االامام عن بصیرة وزین لهم الشیطان اعمالهم فصدهم عن السبیل وکانوا مستبصرین، رغبوا عن اختیار الله و اختیار الرسول واهل بیته الی اختیارهم— فکیف لهم باختیار الامام؟ والامام عالم لا یجهل وراع لا یتکل معدن القدس والطهارة النسک والزهادة والعلم والعبادة مخصوص بدعوة الرسول(ع) ونسل المطهرة البتول(ع)(کافی، ج۱، ص۲۰۱، معانی الاخبار، ص۹۶)

[۲]. ان الناس قد جهدوا علی اطفاء نورالله حین قبض الله تبارک وتعالی رسوله وابی الله الا ان یتم نوره (عزیز الله العطاردی، مسند الرضا، ج۱، ص۲۳۳)

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

فَوستُم غيرَ ابلكُم وَوردتُم غَيرَ مَشربِكُم هذاوَ العَهد قَريب وَالكَلمِ رَحيب وَالجَرح لمَا يَندمِل وَالرَّسُول لمَا يَقبرُابتداراً زعتُم خَوفَ القتنَة الَا فِى الفتنَة سَقطُو "وَان جَهنَم لَمحِيطَة بِالكَافرِينَ" فَهيهَات مِنكُم وكَيفَ بكُم وَانّى تُوفكُون [1]

۵)اطاعت امام کا شرعی وجوب: متواتر روایات موجود ہیں کہ جن میں ائمہ علیہم السلام کی اطاعت کے وجوب پر تاکید ہوئی ہے۔اس کی دلیل جو ائمہ نے ذکر فرمائی ہے وہ اطاعتِ امام کا اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کے ردیف میں قرار پانا ہے۔ ائمہ اطہار علیہ السلام کبھی خود کو آیات "اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم" "انما ولیکم اللہ ورسولہ" کا مصادیق بتاتے ہیں۔[2] جیسا کہ امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

نَحنُ قَوم فَرضَ اللهُ طَاعتَنا وَانتُم تأتَمونَ عَن لَا يَعذرُ النَّاس بِجَهالَة [3]

ایک اور روایت میں فرماتے ہیں:

اَشهَد انّ عَليًّا امَام فَرضَ اللهُ طَاعَتَه [4]

میں گواہی دیتا ہوں کہ علی وہ امام ہیں جنکی اطاعت اللہ نے فرض کی۔

ان روایات میں امام صادق علیہ السلام ولایت خدا کی بات کرتے ہیں کہ جو ائمہ علیہم السلام کے لئے قرار دی گئی ہے اور لوگوں کا وظیفہ یہ نہیں ہے کہ وہ انتخاب کریں یا جواز فراھم کریں، بلکہ صرف اتباع اور اقتدا ہے۔

امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں:

اَلنَّاسُ عَبيد لَنَا فِى الطَّاعةِ مَوال لنا فِى الدينِ [5]

لوگ اطاعت میں ہمارے غلام ہیں، دین میں ہمارے پیچھے چلنے والے ہیں۔

ان روایت میں ائمہ علیہم السلام کی حکومت کی شرعی حیثیت اور لوگوں پر ان کی شرعی اتباع کے لزوم پر تاکید کی گئی ہے اور اسے مسلّم جانا گیا ہے جو اس دعوی کے ساتھ سازگار نہیں ہے کہ جس کے مطابق نبی اور ائمہ علیہم السلام کی حکومت کو الٰہی شرعی حیثیت نہیں دی گئی۔

---

[1]۔ بحار الانوار، ج ۲۸، ص ۳۱۹، ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ج ۲، ص ۷۴، ج ۱۱، ص ۱۱۴، ج ۱۶، ص ۲۱۱

[2]۔ اصول کافی، ج ۱، ص ۲۶۵، ۲۶۴

[3]۔ سابقہ ماخذ، ص ۲۶۳

[4]۔ سابقہ ماخذ

[5]۔ سابقہ ماخذ، ص ۲۶۵

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

خلاصہ یہ کہ ائمہ ھدی علیہم السلام مختلف انداز سے مثلاً امامت کی حقیقت پر تجزیہ، معصومین علیہم السلام کی حکومت کے الٰہی شرعی ہونے پر تاکید اور اس کے حکام وقت کے ہاتھوں غصب ہونے کا تذکرہ فرماتے ہیں، تاکہ لوگ اسلام اور امامت کے مد مقابل اپنے وظائف سے لاپرواہ نہ ہوں اور اپنے لئے شریعتِ اسلام کے احکام کے اجراء اور ائمہ اطہار علیہم السلام کی مطلق اتباع کے حوالے سے الٰہی اور دینی ذمہ داری کے قائل ہوں اور میدان کو سیکولریزم (بنی امیہ اور بنی عباس) کے لئے نہ چھوڑیں۔

مصلحت اندیشی؟

انتخاب کے حامی لوگ بالفاظ دیگر قانونِ نصب کے مخالفین خلیفہ اول کے زمانہ میں حضرت علی علیہ السلام کی نصوصِ امامت سے منہ موڑنے کی توجیہ کے لئے مختلف بہانوں اور باتوں کا سہارا لیتے ہیں کہ ان میں سے ایک حضرت علی علیہ السلام کو منصب امامت و حکومت سے ہٹانے میں مصلحت کا دعوی ہے، ان کا دعوی ہے کہ مسلمانوں کی، بسا اوقات دین کی مصلحت حضرت سے حق امامت کو سلب کرنے کا تقاضا کرتی ہو، اس نظریہ کی فکر دینے اور توجیہ کرنے والے خلیفہ دوم عمر تھے کہ انہوں نے مختلف مقامات مثلاً ابن عباس کے ساتھ اپنے مباحثہ میں اپنے سیاسی کردار کی توجیہ کرتے ہوئے بیان کیا کہ ان پر اشارہ ہوگا۔

چوتھی توجیہ: حضرت کی جوانی

حضرت علی علیہ السلام کی امامت کے مخالفین کا ایک بہانہ ان کی جوانی تھا، نبی اکرم ﷺ کی رحلت کے موقع پر حضرت کا سن مبارک تیس سال تھا، عمر جب حضرت کی شرافت، سابقہ اسلام اور ان کے جہاد کی تعریف کرتا تھا، تو حاضرین میں سے ایک نے پوچھا، پھر کیوں انہیں حکومت نہ دی؟ وہ حضرت کی جوانی اور ان کی قبیلہ عبدالمطلب سے محبت کو اپنے عمل کی دلیل اور توجیہ بنا کر پیش کرتا ہے:

كَرِهنَا عَلى حداثَةِ السِّن وَحبَّه بَنى المُطلب [1]

ابو عبید بن جراح جو کہ سقیفہ کا ایک سرکردہ اور ابو بکر کی خلافت کا حامی تھا، حضرت کو ابو بکر کی بیعت پر قانع اور خلافت سے حضرت کی توجہ ہٹانے کے لئے، حضرت کی جوانی کے مسئلہ اور رقیب کے تجربہ اور زیادہ سن ہونے کو بیان کرتا ہے۔ اس توجیہ کو خلیفہ دوم نے ابن عباس کے ساتھ گفتگو میں ذکر کیا۔ [2]

---

[1]. شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۲، ص ۸۲، ج ۲، ص ۵۷، ج ۶، ص ۱۲، تاریخ مدینہ دمشق، ج ۴۲، ص ۳۴۹

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

تجزیہ و تحقیق

۱) حضرت علیؑ کی کمالی صفات سے غفلت: اس توجیہ کے تجزیہ اور اسکے نادرست ہونے پر پہلا نکتہ جو نظر آتا ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت کی شخصیت پر ایک سطحی اور دنیاوی نظر کی گئی ہے، حالانکہ حضرت بچپن سے خاتم الانبیاء ﷺ اور تمام انسانوں اور انبیاء میں سے بہترین شخص کے دامن میں تربیت پائے اور ان کی شخصیت نبی کی شخصیت سے تشکیل پائی ہے۔ ہم نے پہلے باب میں "ائمہ واسط فیض الٰہی" کی بحث کے ذیل میں اور دوسرے باب میں شبہات "بچپن میں امامت" امامت کی نبوت پر برتری اور امام زمین و آسمانوں کی بقاء اور تحفظ کا سبب کے تجزیہ میں ائمہ بالخصوص حضرت علی علیہ السلام کے معنوی مقامات اور خاص کمالات کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ منصف اور فاضل قاری سے خواہش کرتے ہیں کہ ان حصوں کی روایات پر ایک دوسری نظر ڈالے تاکہ واضح ہو کہ حضرت علی علیہ السلام ایک خاص اور ماوراء الطبیعۃ شخصیت کے حامل تھے، لھذا ان کے سن اور جوانی کا بیان گویا نبی ﷺ کی ذات کے متعلق تمام احادیث پر توجہ نہ کرنا ہے کہ وہ متواتر روایات حضرت علی علیہ السلام کو ہر منصب اور مقام کے لئے قابل اور شایستہ جانتی ہیں۔

۲) بالیاقت رہبر یا پارٹی بازی: گذشتہ اعتراض سے قطع نظر اگر یہ قرار ہو کہ لوگوں کی معمولی اور دنیاوی شخصیت کو مد نظر رکھتے ہوئے اسے دنیاوی مناصب عطا ہوں، پھر بھی کہیں گے کہ امام علی علیہ السلام بھی خلیفہ اول جیسے امیدواروں میں بالیاقت اور خلافت کے عہدہ کے لئے احق اور افضل تھے، کیونکہ حکومت بالخصوص دینی حکومت اور نبی کی جانشینی کے لئے ضروری صفات مثلاً علم، تدبیر، انتظامی امور، شجاعت، سابقہ اسلام اور آنحضرت ﷺ سے نسبت میں سب سے برتر تھے۔

اس دعوی کی ایک دلیل خلیفہ اول کی تعیین میں عجلت تھی، اس کتاب کے بہت سے صفحات میں بیان ہو چکا ہے کہ سقیفہ کا مسئلہ سب سے پہلے انصار نے اپنے میں ایک خلیفہ کے انتخاب کے لئے شروع کیا تھا، عمر اس بناپر کہ خود اور ابو بکر سیاست کے میدان سے حذف نہ ہوں جلدی سے خود کو سقیفہ پہنچاتے ہیں اور انصار کو وعدہ و وعید سے ابو بکر کے انتخاب اور تعین پر قانع کرتے ہیں۔

۱۔ یابن عم انک حدیث السن وحوله مشیخة قومک لیس لک مثل تجربتهم ومعرفتهم بالامور (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۶، ص ۱۳)

۲۔ سابقہ ماخذ، ج ۱۲، ص ۳۶، ج ۶، ص ۴۵، تاریخ مدینہ دمشق، ج ۴۲، ص ۳۴۲

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

خود ابو بکر اور عمر نے کئی بار سقیفہ کے انتخاب میں ناگہانی اور عجلت ہونے کی صراحت اور اعتراف کیا اور اسے فتنہ سے تعبیر کیا۔[1]

پس نبی ﷺ کی جانشینی کے منصب کیلئے سقیفہ کے انتخاب کے وقت ابو بکر کی تعیین میں ضروری صفات یا برتر ہونے کا لحاظ نہیں کیا گیا۔ لیکن حضرت علی علیہ السلام کی ابو بکر پر برتری کو تفصیل اور تفاسیر سے بیان کرنے کے لئے ایک اور بحث کی ضرورت ہے۔

۳) نصوص نبوی سے تعارض: پیغمبر اکرم ﷺ نے بار بار حضرت کی تعریف و تمجید میں بلند ترین اور خاص صفات مثلاً ھدایت، حق و باطل کا میزان اور معیار، قرآن کا ساتھی، نجات کا سفینہ، امیر المومنین اور حجت الٰہی کا ذکر فرمایا۔ نبی اکرم ﷺ کی طرف سے حضرت کے تعارف اور اہتمام سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام ان مناصب کے لئے بالیاقت اور قابل شخصیت تھے اور اس حوالے سے ان کی جوانی کا سن اثر نہیں رکھتا تھا۔ خود پیغمبر اسلام ﷺ نے ان کی جوانی کی طرف توجہ کئے بغیر انہیں بڑے منصبوں کے لئے انتخاب فرماتے تھے، مثلاً جنگ کی طرف جاتے وقت مدینہ میں انہیں اپنا جانشین قرار دینا، لشکر کی سالاری، قضاوت اور یمن کا امیر قرار دینا۔

ابن عباس اسی نکتہ کی طرف متوجہ تھے۔ جب عمر نے حضرت علی علیہ السلام کی جوانی اور سن کی بات کی تو ابن عباس نے اس کے جواب میں کہا: جب نبی ﷺ نے انہیں بھیجا تا کہ ابو بکر سے آیت برائت اور حکم برائت لے اور خود مکہ کے لوگوں کو اعلان کرے اور جب انہیں جنگ بدر میں اگرچہ ان کا سن بہت کم تھا لشکر کا سپہ سالار بنایا اور جب خدا نے انہیں مسلمانوں کا ولی اور نبی کا بھائی انتخاب کیا، تو انہیں چھوٹا شمار نہیں کیا؟ پس تم لوگوں نے اس مدت کے بعد ان کے سن کو کم اور اپنے کام کی توجیہ اور بہانہ قرار دیا؟[2]

بہت سی نبوی نصوص خواہ حضرت علی علیہ السلام کے امامت و خلافت پر منصوب ہونے کی دلالت کے ساتھ یا حداقل حضرت کو بنابر اولویت اس عہدہ کے لئے لائق بیان کرتی ہیں (کہ نصوص میں قطعی اور یقینی حد ہے) کہ دونوں قسم کے فرض میں اسی جوانی کے سن میں حضرت کی ذاتی صلاحیت اور لیاقت پر دلالت ہو رہی ہے۔

---

[1]. شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۲، ص ۵۰

[2]. محاضرات الادباء، ج ۴، ص ۴۶۴، اخبار الدولۃ العباسیۃ، ص ۱۲۹، فرائد السمطین، ج ۱، ص ۳۳۴

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

اب جب عمر جیسے لوگ حضرت کی جوانی کا بہانہ کرتے ہوئے انہیں انکے حقیقی مقام سے جدا کرتے ہیں تو یہ سوال پیش ہوتا ہے، آیا نبی ﷺ نعوذ باللہ اس نکتہ کی طرف توجہ نہ رکھتے تھے کہ جس کی طرف عمر جیسے لوگ متوجہ تھے؟ حضرت اس نکتہ کو جانتے ہوئے لیکن اپنی شخصی اور خاندانی وجوہات اور دلائل کی بناء پر حضرت علی علیہ السلام کو منصوب کرتے ہیں یا اس مقام پر ان کے سب سے بہتر امیدوار ہونے پر اصرار اور تاکید فرماتے ہیں؟

اہل سنت بھائی کس طرح ان دو سوالوں کا جواب دیں گے، آیا وہ خلیفہ اول اور دوم جیسے صحابہ کے مقام سے دفاع کے بہانہ سے وحی اور نبوت کو ضعیف اور ناقابل توجہ قرار دیں گے؟ آیا بعض اصحاب کے دفاع کے عنوان سے بعض دیگر صحابہ مثلا حضرت علی علیہ السلام اور ان کے شیعہ مثلا سلمان، ابوذر، مقداد اور ابن عباس اور ان سے بڑھ کہ اہل بیت النبوۃ حضرت زہرا علیہ السلام اور جنت کے جوانوں کے سردار امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کی بات کو ضعیف قرار دیں گے؟

۴) سیرت حضرت علیؑ اور اساس سے تعارض: اہل سنت جو کہ تمام صحابہ کے دفاع کی کوشش کرتے ہیں، لیکن بعض موارد میں ان کا دفاع یک طرفہ ہے، انہوں نے خلافت کے مسئلہ میں حضرت علی علیہ السلام کو حکومت سے ہٹانے کے لیے ابو بکر اور عمر کی دلیل قبول کر لی ہے، لیکن توجہ کریں کہ حضرت علی علیہ السلام متواتر روایات کی رو سے (پچھلے باب میں گذر چکی ہے) اپنے آپ کو حکومت و امامت کے لئے احق اور شایستہ جانتے ہیں اور دوسروں کی صلاحیت نہ رکھنے کی وضاحت فرماتے ہیں، اب یہ سوال سامنے آتا ہے کہ آیا حضرت علی علیہ السلام نے حکومت کے معاملے میں اپنی لیاقت کی توصیف اور دوسروں کی ذریعے اپنے حق کے غصب ہونے کی بات میں نعوذ باللہ کذب کا ارتکاب کیا ہے؟ اگر واقعاً مسلمانوں کے معاشرے کی مصلحت یہ تھی کہ ابو بکر کی خلافت سے ابتداء ہو تو پھر کیوں حضرت نے اپنی اولویت اور احق پر اتنی توضیح دی اور ابتدائی مرحلہ میں کوشش کی کہ عملی اقدامات کے ذریعے حکومت کو اپنے ہاتھوں میں لیں؟

اہل سنت بھائی جواب دیں کہ کیوں انہوں نے صحابہ کے دفاع میں حضرت علی علیہ السلام اور سلمان و ابوذر جیسے صحابہ کے خلاف رائے صادر کی ہے؟

۵) جوانی اور زیادہ سن کے حوالے سے نقضی جواب: حضرت کے مخالفین ابو بکر کے زیادہ سن کو لیتے ہوئے اسے حضرت علی علیہ السلام کی نسبت خلافت کے لئے لائق اور اولی توصیف کرتے ہیں۔ اگر خلافت کا میزان و

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

معیار اور لیاقت صرف زیادہ سن اور دنیا کا ظاہری تجربہ ہوتا تو کہیں گے دیگر بوڑھے افراد مثلاً خود ابو بکر کے والد ابو قحافہ اسی دلیل کی بنا پر ابو بکر سے اولویت رکھتے تھے۔ اس نکتہ پر خود ابو قحافہ بھی سقیفہ کے انتخاب پر تنقید کرتے ہوئے اشارہ کرتے ہیں، جب اس تک پیغام لانے والا بتاتا ہے کہ ابو بکر کی لوگوں نے بعنوان خلیفہ بیعت کی ہے، تو وہ پیغام لانے والے سے پوچھتے ہیں کہ لوگ کیوں علی علیہ السلام سے دور ہوئے اور ابو بکر کی بیعت کی؟ پیغام لانے والے نے کہا: علی جوان اور ابو بکر بوڑھا آدمی تھا، ابو قحافہ جواب میں کہتے ہیں کہ اس دلیل کی بنا پر تو میں ابو بکر کا باپ خلافت میں ابو بکر کی نسبت سے زیادہ لائق ہوں۔[1]

حضرت کے مخالفین کی دلیل پر دوسرا نقض یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نوجوانوں کو بہت بڑی اور اہم ذمہ داریاں دیتے تھے، پہلے کہا جا چکا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مختلف نظامی، سیاسی اور معاشرتی ذمہ داریاں حضرت علی علیہ السلام کو عطا فرمائیں اور نبی کی یہ سیرت اور لیاقت کی بناء پر انتخاب صرف حضرت علی علیہ السلام میں منحصر نہ تھا بلکہ دیگر افراد میں جاری کرتے تھے۔

اس کی واضح مثال نبی کی زندگی کے آخری دنوں میں سترہ سال کے جوان کو اسلام کے سارے لشکر کا سپہ سالار قرار دیا گیا کہ وہ جوان اسامہ بن زید تھے کہ جو نبی ﷺ کے فرمان کے مطابق لشکر اسلام کے سپہ سالار اور ابو بکر اور عمر وغیر بھی اس کے تحت تھے، اس زمانہ میں نبوت و رسالت کے مقام کی حقیقت کو درک نہ کرنے والوں نے نبی ﷺ پر اعتراض کیا، لیکن نبی اسامہ کی لیاقت و صلاحیت پر تاکید فرماتے تھے[2]۔ پس صرف جوانی کسی بڑی ذمہ داری کے نہ دینے کی دلیل نہیں کہلا سکتی۔

حضرت علیؑ کی صلاحیت پر خلیفہ اول اور دوم کا اعتراف

ابو بکر نے کئی بار خلافت کے لئے اپنی صلاحیت اور اولویت نہ رکھنے کا اعتراف کیا:

فَانی وَلیتُ اَمرکُم لَست بِخَیرکُم- أقیلُونی وَلَستُ بِخَیرکُم [3]

---

[1]. بحار، ج۲۹، ص۹۵

[2]. اگر تم لوگ ابھی اسامہ پر طعنے مارتے ہو، اس سے پہلے اس کے والد پر بھی طعنے مارتے تھے، حالانکہ ہر دو سالاری کے لئے شایستہ تھے "تاریخ یعقوبی، ج۱، ص۵۰۹، ترجمہ فارسی، سال وفات"

[3]. الصواعق المحرقۃ، ص۳۰، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۱، ص۱۶۸، ابو حامد غزالی، سر العالمین، شرح تجدید القوشجی، مقصد۵، بحث الامامۃ، ص۳۷۱

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

اور بعض روایات میں "وعلی فیکم" آتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو بکر سب سے پہلے بطور مطلق اپنے آپ کو خلافت کے لئے باصلاحیت نہیں جانتے تھے اور دیگر مقامات پر اپنے صلاحیت نہ رکھنے کی وجہ حضرت علی علیہ السلام جیسی باصلاحیت شخصیت کے وجود کو بیان کرتے تھے۔

امام علی علیہ السلام بھی اپنے خطبات میں اسی نکتہ کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ ابو بکر ایک طرف تو خود کو خلافت کے لئے باصلاحیت نہیں جانتے تھے اور دوسری طرف عمر کو اپنی جانشینی کے لئے انتخاب کرتے ہیں:

فَيَا عَجَبًا بَينَا هُو يَستَقيلُها فِي حَياتِهِ اِذ عَقد ها الآخر بَعدَ وَفاتِه لِشدّ مَا تَشطّرا ضَرعَيها[1]

حضرت یہاں خود کو حکومت نہ دینے کی وجہ پہلے دو خلفاء کی خلافت کے لئے شدید چاہت کا ذکر فرماتے ہیں۔ ابو حیان توحیدی کی حکایت کے مطابق ابو بکر خلافت کو قبول کرنے کی وجہ اختلاف سے بچنا اور سقیفہ میں انصار کے قریش سے مقدم ہونے کو روکنا بتاتے ہیں اور یہ بھی بتاتے ہیں کہ اگر وہاں علی علیہ السلام ہوتے تو اس کی بیعت کرتا: وَلَو كُنتَ حَاضِراً لَبايَعتُكَ وَلم اَعدِل بِكَ[2]

خلیفہ دوم کئی بار ابن عباس اور دیگران سے گفتگو کے دوران حضرت علی علیہ السلام کی مقام خلافت کے لئے اہمیت اور برتری کا اعتراف کرتے ہیں کہ پچھلے صفحات میں گزر چکا ہے، صرف دو یا تین مانع یا بہانے مثلا جوانی، اہل مزاح ہونا اور قبیلہ بنی عبد المطلب کو دوست رکھنے کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اگرچہ چیزیں نہ ہوتیں، تو حضرت کے مقام خلافت پر انتخاب میں کوئی بحث اور کلام نہ ہوتی۔

ہم نے پچھلے صفحات میں ثابت کیا اور آئندہ صفحات میں ثابت کریں گے کہ وہ موانع کہ جنہیں خلیفہ دوم ذکر کرتے ہیں، صرف ایک دعوی اور بہانہ تھے اور اس چیز کو ثابت کرنے سے حضرت کی حکومت کے مسئلہ میں صلاحیت اور برتری ثابت اور واضح ہوتی ہے۔

---

[1] ۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۳، فیض الاسلام

[2] ۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۰، ص ۲۸۳

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

پانچویں توجیہ: حضرت کا اہل مزاح ہونا

خلیفہ دوم کی ایک توجیہ حضرت کو اہل مزاح اور شوخ طبع قرار دینا ہے جیسا کہ وہ ابن عباس کے ساتھ اپنی گفتگو میں حضرت کو مسئلہ حکومت سے حذف کرنے کے تین اسباب (مزاح کا زیادہ ہونا، قریش کا بغض اور کم سنی) ذکر کرتا ہے اور واضح کرتا ہے کہ اگر یہ تین خصلتیں نہ ہوتیں تو کوئی بھی اس سے زیادہ حکومت کے لئے شایستہ نہ تھا: كَثرةُ دَعابَتِه وَ بُغضُ قُريشٍ لَه وَصِغرُ سِنّه [1]

تجزیہ و تحقیق

اس شبہ کے تجزیہ میں مندرجہ ذیل نکات قابل غور ہیں:

حضرت کی شخصیت کے ساتھ مطابقت نہ کرنا: اگر اہل مزاح سے مقصود اس میں افراط کرنا ہے کہ جس سے لوگوں اور معاشرے میں انسان کی شخصیت، احترام اور مقام پر حرف آئے، تو کہیں گے کہ حضرت علی علیہ السلام کی تاریخی زندگی میں ایسی کوئی بات نظر نہیں آتی، بلکہ حضرت کی زندگی پر اجمالی سی نظر بتاتی ہے کہ آپ اہم امور کو انجام دینے میں ایک قاطع اور محکم شخصیت کے مالک تھے اور اس میں سستی یا شوخی کا سہارا نہیں لیتے تھے۔ میدان جنگ میں ایسے شجاع کمانڈر یا سپاہی تھے کہ دشمن ان کے نام سے ڈرتے تھے، جنگ خندق میں عمرو بن عبدود کے ساتھ ان کی جنگ اور خیبر کا دروازہ کھولنے کے واقعات کی طرف اشارہ اس بات کے ثبوت کے لئے کافی ہے۔

دینی احکام کے اجراء بھی قاطع اور ٹھوس تھے اور اس میں سستی سے کام نہیں لیتے تھے جیسا کہ ایک دور میں نبی ﷺ کی طرف سے کسی لشکر کے سپہ سالار قرار پاگئے، تو بعض لشکری ان کے سختی سے کام لینے پر نبی ﷺ سے شکایت کرتے ہیں تو نبی ﷺ فورا حضرت کا دفاع فرماتے ہیں اور ان کی قاطع طبیعت کو قبول کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

أيها النّاس لَا تَشكُوا عليًّا فَوالله انّه لأَخشَنُ فِي ذَاتِ الله فِي سَبيلِ الله [2]

اے لوگو تم علی کا شکوہ نہ کرو خدا کی قسم وہ اللہ کی راہ میں اللہ کے لیے سب سے زیادہ سخت ہیں۔

---

[1]۔ فرائد السمطین، ج۱، ص ۳۳۴

[2]۔ تاریخ طبری، ج۲، ص ۳۰۲، کنز العمال، ج۱۱، ص ۶۲۰، فرائد السمطین، ج۱، ص ۱۶۳، ش ۱۲۵، فضائل الصحابۃ لابن حنبل، ج۲، ص ۶۷۹، السیرۃ النبویہ، ج۲، ص ۸

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

حضرت علی علیہ السلام ان لوگوں کو کہ جو ان کی محبت میں غلو کرتے تھے اور انہیں الوہیت کا مرتبہ دیتے تھے ان کو توبہ کرنے کا حکم دیا اور جب انہوں نے پورا نہ کیا تو انہیں قتل کیا۔[1]

حضرت نے اپنے ایک نجاشی نام کے حامی کہ جس نے ماہ رمضان میں شراب پی تھی اس پر حد جاری کی اور کسی کی سفارش کو نہ سنا۔[2]

یہ تمام مثالیں کہ جو حضرت کی عملی زندگی کو بیان کرتی ہیں، واضح کرتی ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کا اہل مزاح ہونا معمول کے مطابق اور لوگوں اور دوستوں کے ساتھ خوش خلقی اور خوش مزاجی کے معنی میں ہے کہ آپ بلاوجہ اپنے اوپر غصہ، غرور اور سختی کی حالت طاری نہیں کرتے تھے، بلکہ بعض اصحاب اور حضرت کے بعض ہمراہیوں مثلاً سعد بن مالک کی حکایت کے مطابق آپ "الغلظة وسوء الصحبة"[3] تھے۔ آپ میں اس قسم کی حالت درحقیقت نبی اکرم ﷺ کی روشِ زندگی سے اسوہ لینا تھا، جیسا کہ تاریخی کتب میں درج ہے کہ حضرت "دائم البشر"[4] اور دعابة[5]" کے اوصاف رکھتے تھے۔

لھذا نرم مزاج اور خوش روئی جیسی باکمال صفات رکھنا نہ صرف یہ کہ ایک حاکم کا منفی پہلو نہیں بلکہ اسکی اچھی صفات میں شمار ہوتا ہے، اگر ایسی صفات منفی شمار ہوتی ہوں تو پیغمبر میں بھی ایسی صفات نہ پائی جاتیں۔ بالفاظ دیگر اس کے مد مقابل رویہ یعنی مزاج میں سختی اور غصہ حاکم کی منفی صفت لحاظ ہوتی ہے اور اگر یہ ضروری ہے کہ حاکم میں منفی صفات نہ ہوں، تو تندروی، مزاج میں سختی اور غصہ جیسی صفات کسی حاکم بالخصوص جانشین نبی میں نہیں ہونی چاہیے۔

۲) **حضرت کا اس تہمت کو جھٹلانا:** مزاح میں کثرت کی یہ تہمت خلیفہ دوم کے علاوہ عمرو بن عاص جیسے لوگ بھی لگاتے تھے کہ جو خود بدکار والدہ کا بیٹا تھا، حضرت اس کے جواب میں نہایت صراحت سے اور اس کی بدکار ماں کا ذکر کرتے ہوئے اسکی تہمت کو جھٹلاتے ہیں:

---

[1] ۔ وسایل الشیعہ، ج ۱۸، ص ۵۵۲، چاپ ۲۰ جلدی، کافی، ج ۷، ص ۲۵۷

[2] ۔ شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۴، ص ۸۸، کافی، ج ۷، ص ۲۱۶، الفصول المہمۃ فی حیاۃ ابی الائمۃ، ج ۴، ص ۸۸

[3] الفصول المہمۃ، ج ۴، ص ۹۲، تاریخ دمشق، ج ۱، ص ۳۸۷، ح ۴۹۳

[4] ۔ دلائل النبوۃ، ج ۱، ص ۲۹۱

[5] ۔ السیرۃ الحلبیہ، ج ۳، ص ۳۴۰

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

عَجباً لِابن النّابغَة يَزعمُ لِاهلِ الشّام انّ فیّ دَعابَة وَانی امرء تعابة اعافس[1]

بدکار عورت کے بیٹے سے مجھے حیرت ہے کہ جو شام والوں کو بتاتا ہے کہ میں لھو، کھیل اور مذاح پسند شخص ہوں کہ جو لوگوں کو سر گرم رکھتا ہوں۔

حضرت پھر مزید وضاحت فرماتے ہیں کہ انہیں موت اور آخرت کی یاد لعب و کھیل جیسی چیزوں سے روکتی ہے۔

نصب کی نصوص سے ناسازگار ہونا: امام علی علیہ السلام کی امامت پر نص وارد نہ ہونے کے شبھ کے جواب میں نبی اکرم ﷺ سے بہت سی ایسی احادیث بیان کی گئی ہیں کہ جن کی رو سے حضرت امامت وخلافت کے لئے منصوب ہوئے، اگر یہ شبھہ یعنی حضرت کا اہل مزاح ہونے کی بناء پر مقام امامت کی صلاحیت نہ رکھنے کی بات اگر درست ہو، تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیوں نبی اکرم ﷺ نے اس فرض کے ساتھ حضرت کو امامت وخلافت کے مقام پر منصوب کیا؟ حضرت علی علیہ السلام کہ جو بچپن سے نبی کے مبارک دامن میں تربیت پاتے رہے اور بڑے ہوئے آیا نبی ان سے باخبر نہیں تھے؟ یا یہ کہ نعوذ باللہ حضرت نے توجہ نہ کی اور حضرت علی علیہ السلام میں صلاحیت نہ ہونے کے باوجود شخصی مسائل مثلا خاندانی رابطہ اور تعلق کی بناء پر انہیں اس منصب پر منصوب کیا؟ آیا خلیفہ دوم اور اس کے حامی ان باتوں (نبی کا ایک واضح مسئلہ کو نہ جاننا اور خاندانی رابطہ کو مصلحت پر ترجیح دینا) کو قبول کرتے ہیں اور پھر سنت نبوی کا دم بھرنے کا دعوی بھی کریں گے؟

۴) اس کا اولویت اور احقیت کے ساتھ سازگار نہ ہونا: اگر یہ شبھہ ہو کہ نصوص نبی ﷺ کا حضرت علی علیہ السلام کی امامت پر ایک دینی اصل اور بعنوان منصوب دلالت ہونا مورد اختلاف یا اصطلاح میں اول کلام ہے، تو کہیں گے کہ اس شبھہ کو فرض کرنے سے بھی اصل تعارض اپنی قوت کے ساتھ باقی ہے، کیونکہ مندرجہ بالا نصوص حداقل حضرت علی علیہ السلام کا مقام امامت کے لئے تعارف کرواتی ہیں کہ اس کی بحث "منصوب ہونے کے امیدوار اور احقیت کے ساتھ توجیہ" میں گزر چکی ہے پھر یہاں گذشتہ سوال تکرار ہوگا کہ کیوں نبی اکرم ﷺ حضرت علی کے صلاحیت نہ رکھنے کے باوجود انہیں اس مقام کے لئے پیش کرتے ہیں؟ آیا نبی اس شبھہ میں

---

[1] نہج البلاغہ، خطبہ ۸۳ و ۸۴، شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۶، ص ۲۸۰

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

دعوی کی گئی خصلت (کثرت مزاح) سے باخبر نہ تھے؟ یا نعوذ باللہ ان کو پیش کرنے میں شخصی مفادات کو امت کی مصلحت پر ترجیح دی؟

۵) حضرت علی علیہ السلام کا اپنی احقیت اور صلاحیت پر اعتراف: حضرت علی علیہ السلام اپنے مختلف خطبات میں کئی بار مقام امامت اور خلافت کے لئے اپنی انحصاری صلاحیت کو بیان فرماتے ہیں اور اور اپنے آپ کو چکی کے قطب و محور کی مانند حکومت کے لئے توصیف فرماتے ہیں اور اپنے مقام کے غصب ہونے کا شکوہ فرماتے ہیں، جیسا کہ پچھلے ابواب میں گزر چکا ہے۔

اب یہ سوال پیش ہوتا ہے کہ آیا حضرت نعوذ باللہ اپنے اندر صلاحیت نہ ہونے کے باوجود حکومت کے لئے اپنی احقیت اور لیاقت بیان کرتے ہیں؟ آیا اس سے نعوذ باللہ حضرت پر کذب کا اطلاق نہیں ہوتا؟

اھل سنت جو کہ ہمیشہ عدالت صحابہ کی بات کرتے ہیں کس طرح اپنے آپ کو اجازت دیتے ہیں کہ اس شخصیت کے بارے میں عمداً یا سھواً ایسی تہمتیں لگائیں کہ جن کے بارے میں نبی اکرم ﷺ حق کا معیار، ھدایت کا میزان، قرآن کا ہمسفر اور سفینہ نجات جیسی صفات بیان فرماتے ہیں؟

۶) حضرت کی صلاحیت کی تائید میں عمر کی فکر سے تعارض: اگر واقعا عمر کی نظر میں حضرت شوخ طبع ہونے کی بناپر خلافت کی صلاحیت سے محروم ہیں تو خود عمر نے انہیں اپنے بعد خلافت کے چھ امیدواروں میں کیوں قرار دیا؟ آیا اس وقت ان کی شوخ طبع تبدیل ہو چکی تھی؟ یا شوخ طبع ہونا اس کی نظر میں اتنی بڑی رکاوٹ نہ تھی؟

ابن ابی الحدید کی تکذیب: مندرجہ بالا تہمت کی رد میں معتزلی عالم کی تکذیب اور اعتراف کو بحث کے آخر میں ذکر کرتے ہیں کہ اس نے کہا: اگر حضرت علی علیہ السلام کی زمانہ نبی ﷺ میں تاریخ زندگی پر نظر ڈالیں، تو آپ دیکھیں گے کہ حضرت کی نسبت شوخی اور مزاح بعید ہے اور شیعہ اور محدثین کی کتابوں میں ایسی کوئی بات حکایت نہیں ہوئی، اسی طرح ابو بکر اور عمر کی خلافت کے زمانہ میں بھی حضرت کی زندگی کے بارے میں ایک حدیث بھی اس بات کو ثابت نہیں کرتی۔۔۔ اصل بات تو یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام ان کاموں کے لئے فرصت نہیں رکھتے تھے، ان کا مکمل وقت عبادت، نماز، ذکر، فتوا، علم، تفسیر اور قرآن سے بھرا ہوا تھا، دنوں کو روزہ اور راتوں کو عبادت کیا کرتے تھے۔[1]

---

[1] ۔ شرح نہج البلاغہ، ج ۶، ص ۳۲۸، ۳۲۹

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

چھٹی توجیہ: عرب کا قبول نہ کرنا

مخالفین کی ایک توجیہ یہ تھی کہ عرب اور قریش حضرت کی خلافت قبول کرنے سے انکار کرتے۔ کیونکہ حضرت نے ان لوگوں بالخصوص اہل مکہ اور قریش کے بہت سے رشتہ داروں کو اسلام و کفر کی جنگوں میں کہ جب وہ کافر تھے، انہیں قتل کیا، اسی لئے وہ اسلام لانے کے بعد بھی حضرت سے کینہ اور دشمنی رکھتے تھے۔ خلیفہ دوم نے اس توجیہ کو ابن عباس سے اپنی گفتگو میں ذکر کیا اور یوں بیان کیا کہ حضرت کو حکومت سے جدا کرنے کی وجہ، ان سے کوئی دشمنی نہ تھی بلکہ انکی جوانی اور عربوں اور قریش کے ان پر متفق نہ ہونے کا خوف تھا:

وَلٰكِن استَصغَرنَاه وَخَشينَا اَن لَا تَجتمعُ العَربُ وقَرَيش لمَا قَد وَتَرَهَا [1]

وہ ایک اور مقام پر ابن عباس کیلئے سقیفہ کے اقدام کی وجہ قریش کا بغض بیان کرتا ہے۔ [2]

تجزیہ و تحقیق

اس توجیہ کے تجزیہ و تحلیل میں چند نکات قابل توجہ ہیں:

۱) دعوی بلا دلیل: اس توجیہ کے تجزیہ میں پہلا نکتہ یہ کہا جائیگا کہ خلیفہ دوم کہاں سے قطعی طور پر یہ جانتے تھے کہ اہل عرب حضرت کی خلافت قبول کرنے سے انکار کریں گے؟ اگر حضرت علی علیہ السلام کو نبی اکرم ﷺ نے اپنا جانشین انتخاب کیا ہے اور انہیں حداقل اس مقام کے لئے باصلاحیت اور اولی قرار دیا ہے، تو امت نبی کیوں ایک طرف نبی ﷺ کا بنایا ہوا خلیفہ قبول کرنے اور دوسری طرف برتر صلاحیتوں کے مالک شخص کی خلافت قبول کرنے سے انکار کرے؟

اہل سنت کے برجستہ اور منصف مزاج ہم عصر محقق عبدالفتاح عبدالمقصود (م ۱۳۷۲ش) کی تعبیر کے مطابق حضرت علی علیہ السلام رہبری کے لئے کونسا معیار اور صفت کم رکھتے تھے؟ آیا آپ خاندان بنی ہاشم کے بزرگ، ھاشم کے پڑپوتے، عبدالمطلب کے پوتے اور ابوطالب کے بیٹے نہ تھے کہ جو مکہ کی ریاست کو سالوں سے سنبھالتے چلے آرہے تھے؟ آیا علی علیہ السلام بچپن سے دامن نبی ﷺ میں تربیت نہیں پائے اور بڑے نہیں ہوئے؟

۱۔ محاضرات الادباء، ج ۴، ص ۴۶۴، الیقین، ص ۵۲۳، موسوعۃ الامام علی (ع)، ج ۳، ص ۷۰

۲۔ اخبار الدولۃ العباسیۃ، ص ۱۲۹

۳۔ خاستگاہ خلافت، ص ۴۶۸، ۴۷۶

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

آیا وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قرابت میں چچازاد اور داماد نبی ﷺ نہ تھے؟ آیا نبی ﷺ نے انہیں اپنا بھائی نہیں بنایا تھا؟ آیا آپ حسن و حسین علیہما السلام "شباب اہل الجنة" کے والد گرامی نہ تھے؟

ان خصوصیات کے ملاحظہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت عربوں کی ریاست کا عہدہ سنبھالنے میں کوئی نقص نہیں رکھتے تھے تاکہ عرب ان کی ریاست قبول نہ کرنے کا کوئی بہانہ بنائیں، نبی ﷺ کے ممتاز ترین صحابی سلمان فارسی اس نکتہ پر تاکید کرتے ہیں اگر حضرت علی علیہ السلام خلافت کے لئے منتخب ہو جاتے تو دو نفر بھی ان کے بارے میں اختلاف نہ کرتے[1]۔

۲) کینہ رکھنے والوں کا اثر نہ رکھنا: اگر عمر کی توجیہ قبول کرلیں کہ عرب بالخصوص اہل مکہ زمانہ نبی ﷺ میں حضرت علی علیہ السلام کی اہل مکہ کے خلاف جنگوں میں شرکت کرنے اور کفار کا ایک گروہ ان کے ہاتھوں قتل اور زخمی ہونے پر بغض و کینہ رکھتے تھے، پہلی بات ہے کہ یہ چیز واضح ہو کہ اس دور کی جنگ میں تن کے مقابلے میں تن تھا اور جس قدر افراد حضرت کے ہاتھوں قتل یا زخمی ہوئے اگر شمار کیے جائیں، تو یہ محدود اور شمار ہونے والے افراد تھے کہ جو حضرت کی حکومت کی مخالفت میں اثر انداز نہیں ہو سکتے تھے۔

دوسری بات یہ کہ: وہ محدود سی تعداد کہ جو زخمی یا مقتولین کے ورثاء تھے، بعد میں خود بھی مسلمان ہو گئے اور سمجھ گئے کہ حضرت نے کسی کینہ یا غرض کی بناء پر نہیں بلکہ اسلام اور خدا کے لئے تلوار اٹھائی تھی، لہٰذا کینہ اور بغض کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ یہی جواب ابن عباس نے عمر کو بھی دیا کہ جب اس نے قریش کے بعض کے مسئلہ کو بیان کیا۔[2]

تیسری بات: اگر پھر بھی بعض لوگوں کے دلوں میں کینہ توزی باقی رہ گئی ہو تو ان کی محدود تعداد کی بناء پر وہ کبھی بھی نبی کے جانشین کی حکومت کے مد مقابل رد عمل نہیں دکھا سکتے تھے۔

(۳)۔ قریش اور صحابہ کی توہین: میرا خیال ہے کہ بغض اور کینہ کی عرب اور بالخصوص قریش اور اہل مکہ کی طرف نسبت دینا کہ جو بعد میں حقیقی اسلام لائے، مطیع نبی ﷺ اور بعنوان صحابہ پیش ہوئے، اہل سنت کے نظریہ کہ صحابہ اور ان کی عدالت سے دفاع کرنا ہے، اس سے تعارض کرتی ہے۔ اس کے علاوہ ایسی نسبت ایک طرح سے

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۲، ص ۴۹
[2] فرائد السمطین، ج ۱، ص ۳۳۴۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

عرب و قریش کی توہین بھی ہے کہ وہ اپنے انتخاب میں اپنا بغض و کینہ کو مقدس آئین اسلام کے مفادات اور مصالح پر ترجیح دیتے تھے۔ عمر کے جواب میں ابن عباس کی تعبیر کہ قریش کا بغض آیا خدا کے ساتھ تھا کہ جس نے نبی ﷺ کو بھیجا تاکہ اہل مکہ سے جنگ کرے یا نبی ﷺ کے ساتھ بغض تھا کہ رسالت انجام دیتے تھے؟ یا علی کے ساتھ کینہ تھا کہ جو نبی ﷺ کی رکاب میں مشرکین کو قتل کرتے تھے۔[1]

(۴)۔اصلح رہبر کے انتخاب کی کوشش کرنا: اگر خلافت کے لئے حضرت علی علیہ السلام کی صلاحیت بلکہ اصلح ہونا قبول کریں کہ خلیفہ دوم بھی اسے مانتا ہے لیکن اپنے انتخاب نہ کرنے کی توجیہ کرنے کے مقام پر رکاوٹوں مثلاً قریش کی مخالفت کا ذکر کرتا ہے، تو اس صورت میں ضروری یہ ہے کہ اصلح شخص کے حکومت تک پہنچنے کی راہ ہموار کی جائے، لیکن عصر نبی ﷺ بالخصوص حضرت کی رحلت کے آخری ایام پر نظر اور سقیفہ کا مسئلہ بناتا ہے کہ پہلے دو خلیفوں نے حضرت علی علیہ السلام کی حکومت کے لئے تعارف اور انتخاب کے حوالے سے کوئی حرکت اور قدم نہیں اٹھایا بلکہ اس کے برعکس اور خلیفہ اوّل کے انتخاب میں بہت زیادہ سعی اور کوشش کرتے ہیں، بعنوان مثال عمر کا پیغمبر ﷺ کی زندگی کے آخری ایام میں انہیں وصیت تحریر کرنے سے روکنا کہ اس کی تفصیل پچھلے ابواب میں تحریر نہ ہونے والی وصیت کے عنوان کے ذیل میں گزر چکی ہے۔ جب نبی ﷺ بستر بیماری پر تھے تو عائشہ کا ان کی جگہ پر اپنے والد کو نماز پڑھانے کی تاکید کرنا، شورای سقیفہ میں ابو بکر و عمر کا ایک کے دوسرے کو خلافت دینا اور حضرت علی علیہ السلام کا نام بالکل نہ لینا اور دیگر سب موارد بتا رہے ہیں کہ پہلے دو خلیفہ باہمی پروگرام سے حکومت پر قبضہ کرنے کے چکر میں تھے۔

ایسی کوشش بذات خود شیخین بالخصوص عمر کے نظریہ سے سازگاری نہیں رکھتی ہے کہ اس نے بہت سے موارد میں حضرت علی علیہ السلام کی احقیت اور سب سے زیادہ صالح ہونے کا اعتراف کیا۔

(۵)۔حکومت کے حضرت علی (ع) کے حوالے کرنے کا لزوم: اگر پچھلے اعتراضات سے چشم پوشی کریں اور قبول کریں کہ نبی ﷺ کی وفات کے وقت امام علی علیہ السلام کی حکومت کے لئے حالات مناسب نہ تھے، تو پہلے خلیفہ سے پوچھنا چاہیے کہ حکومت قائم ہونے اور حالات قابو میں آنے کے بعد کیوں حکومت سب سے صالح شخص کے حوالے نہ کی گئی؟ کیوں خلیفہ اوّل نے علی علیہ السلام کی بجائے عمر کو اپنا جانشین بنایا؟ خلیفہ دوم جو کہ علی علیہ

---

[1] اخبار الدولہ العباسیہ، ص ۱۲۹، موسوعہ الامام علی، ج ۳ ص ۱۷ سے منقول۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

اسلام کو حکومت نہ دینے کی وجہ عرب کا بغض اور امت کا اختلاف ذکر کرتے ہیں، حکومت اسلامی کے ثبات و استحکام کے بعد حکومت کو علی علیہ السلام کے حوالے کیوں نہ کیا؟ پھر خلیفہ دوم نے کیوں اپنا جانشین اصلح شخص مقرر نہیں کیا؟ بلکہ انہیں چھ افراد پر مشتمل شوریٰ کا عضو قرار دیا جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا ہے اور اسکا نتیجہ عثمان کی خلافت تھا۔ آیا ان قرائن سے ثابت نہیں ہوتا کہ شیخین در اصل اپنی حکومت کے لئے توجیہ بہانے تلاش کر رہے تھے؟

ساتویں توجیہ: قبیلہ عبدالمطلب کو دوست رکھنا

خلیفہ دوم کی حضرت پر ایک تہمت اپنے خاندانی اور قبائلی مفادات کو دینی اور امت کے مفادات پر ترجیح دینا تھی، عمر حضرت علی علیہ السلام کو حکومت نہ دینے کی توجیہات میں ایک یہ بھی ذکر کرتے ہیں کہ چونکہ علی اپنے قبیلہ عبدالمطلب کے لوگوں کو دوست رکھتے ہیں اور ان سے محبت جتلاتے ہیں، ہم اسی لیے ان کی حکومت پر راضی نہ ہوئے۔ عمر ابن عباس سے گفتگو کے دوران حضرت علی علیہ السلام کی اولویت کو قبول کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی حکومت کے لئے ان کی جوانی اور بنی عبدالمطلب کے لوگوں سے ان کی محبت کا مسئلہ سامنے لاتے ہیں:

كَانَ صَاحِبُکَ هَذا أولى الناس بالأمر بعد وفاة رسول الله الا انا خفناه على اثنين ...

خشيناه على حداثة سنه وحبّه بني عبدالمطلب[1]

تجزیہ و تحقیق

جو شیعہ اور سنی حضرت علی علیہ السلام کی سیرت اور صفات سے معمولی سی آشنائی بھی رکھتا ہو وہ اس تہمت کو سن کر تعجب اور افسوس کرے گا۔ اس تہمت کا لازمہ یہ ہے کہ نعوذ باللہ حضرت میں وہ ایمان اور عدالت نہ تھی کہ اپنے قبیلہ کے مفادات کو دین، مسلمان، اور بیت المال پر مقدم نہ کرے۔ حالانکہ پہلے اشارہ ہو چکا ہے کہ زمانہ نبی (ص) میں حضرت کے ماتحت افراد نے حضرت کی بیت المال کے امور میں سختی کی رسول ﷺ سے شکایت کی تھی اور نبی اکرم ﷺ نے انہیں شکایت سے منع کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ حضرت علی علیہ السلام دینی اور الٰہی امور میں سخت ہیں۔

---

[1] شرح نہج البلاغہ، ج ۲ ص ۵۷۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

جب حضرت حکومت پر پہنچتے ہیں تو ان کی عادلانہ اور اس سے بڑھ کر دین کی پابند سیرت واضح ہے کہ جس کے بہت سے نمونے شیعہ و سنی کے تاریخی اور حدیثی ماخذ میں ذکر ہوئے ہیں۔ ہم یہاں صرف دو نمونوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

الف: حضرت کے بھائی عقیل کہ جو بڑھاپے کے سن میں پہنچ چکے تھے اور نابینائی کی بیماری میں بھی مبتلاء تھے اور اپنی شدید اقتصادی مشکلات کی بناء پر حضرت کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ان سے بیت المال سے مزید مدد کی درخواست کرتے ہیں، حضرت لوہے کا ایک ٹکڑا کہ جو آگ سے سرخ تھا اسے عقیل کے بدن کے قریب کرتے ہیں، عقیل حرارت کی شدت سے کہتے ہیں: اے میرے بھائی کیا مجھے جلانا چاہتے ہو؟ حضرت اس کے جواب میں فرماتے ہیں: آپ دنیا کی آگ سے فریاد کرتے ہو، کیا مجھے جہنم کی آگ کی طرف دھکیل رہے ہو؟[1]

ب): عید قربان کے نزدیک حضرت کی بیٹی بیت المال کے خزانہ دار علی بن ابو رافع سے ایک سونے کا گردنبند بطور امانت (مضمونۃً مردودۃً) یعنی اگر گم ہو جائے تو ضامن ہے، تین دن کے لئے امانت لیتی ہے، حضرت اس مسئلہ سے آگاہ ہوتے ہیں، خزانہ دار کو تنبیہ کرتے ہیں اور اسے حکم دیتے ہیں کہ فوراً سے ان کی بیٹی سے لیکر خزانہ میں پلٹایا جائے اور صراحت سے فرماتے ہیں کہ اگر میری بیٹی بغیر شرط (عاریۃً مضمونۃً مردودۃً) لیتی تو وہ پہلے ہاشمی عورت ہوتی کہ جس کے ہاتھ کو میں کاٹ دیتا۔[2]

ہم اہل سنت کے قاری اور پاک وجدان شخص سے چاہتے ہیں کہ چند لحظہ کے لئے خلیفہ کا عنوان اور نام عمر تو بھلا دے، پھر قضاوت کرے کہ عمر کی ایسے شخص کے بارے میں کہ جو اپنے بھائی اور بیٹی کے ساتھ ایسا رویہ رکھتے ہیں، یہ توجیہ درست ہے؟ یا یہ بذات خود عظیم مرد حق کے بارے میں بہت بڑی تہمت ہے؟ اس تہمت کی اساس ان لوگوں کی کرسی اقتدار سے بہت زیادہ چاہت اور حضرت علی علیہ السلام کو ایک طرف کرنا تھی۔

آٹھویں توجیہ: نبوت اور امامت کے ایک خاندان میں جمع ہونے سے کراہت کرنا

عمر کی ایک اور دلیل نبوت اور خلافت کے ایک خاندان میں جمع ہونے سے کراہت کرنا ہے، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت میں دو چیزیں نبوت اور حکومت جمع اور اکٹھی ہیں، لیکن عمر نے اپنے ہاں یہ سوچ رکھا تھا کہ

---

[1] ۔ نہج البلاغہ، عبدہ، خطبہ ۲۲۱۔
[2] ۔ وسائل الشیعہ، ج ۲۸، ص ۲۹۲، کتاب الحدود، باب ۲۶ حدیث ۱ اور ج ۱۸ ص ۵۲۱، بحار، ج ۴۰، ص ۱۰۶۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ان دونوں کو جدا کرے، اسے کبھی عرب اور کبھی نبی (ص) کی طرف نسبت دیتا ہے کہ وہ ایسی جمع کو ترک کرتے ہیں اور ناپسند کرتے ہیں۔[1]

عمر کی یہ توجیہ پہلی بات: شرعی اساس سے خالی ہے، فرض کریں کہ عرب یا کوئی قوم کسی چیز کو ناپسند کرتی ہو، تو آیا اللہ اور رسول کی اطاعت چھوڑ دیں؟ اور ایسی شخصیت جو اسکے اپنے اعتراف کے مطابق اس مقام کے لئے جامع اور منحصر ہے، اسے ترک کر دیں؟

دوسری بات: خلیفہ دوم نے عربوں کی اس کراہت کو کہاں سے دریافت کیا تھا؟

تیسری بات: تو پھر عمر نے کیوں اپنے بعد خلافت کے لئے چھ افراد پر مشتمل شورای میں حضرت علی علیہ السلام کو شامل کیا؟ تو یہ عمل اس پہلے والی فکر اور عمل کے خلاف نہیں تھا؟ اس تعارض کو دکھلانا، حضرت علی علیہ السلام کی مذکورہ شورای میں شرکت کرنے کی ایک وجہ تھی کہ پہلے یہ بات گزر چکی ہے۔

ہاں اگر عمر کا نبوت اور خلافت کے خاندان اہل بیت میں جمع ہونے کی کراہت سے مقصود وہ حدیث نبوی ہے کہ جس کا ابو بکر نے دعوی کیا تھا، تو اس کا جواب آئندہ صفحات میں ذکر کریں گے کہ یہ صرف نبی ﷺ پر ایک تہمت ہے۔

نویں توجیہ: اصل ترتب (دو مرحلہ اور خلافت کے لئے اولویت)

بعض حضرت علی علیہ السلام کی امامت اور ان کی امامت و خلافت کے حوالے سے قرآنی نصوص اور احادیث نبوی کو قبول کرتے ہیں لیکن ایک قابل غور نظر نہ ایک یقینی عقیدہ کے طور پر اظہار کرتے ہیں۔ اس طرح کی امامت دو مرحلوں میں سے پہلا مرحلہ اور پہلی اولویت کی بناء پر ہے، اس کے بعد کا مرحلہ یا اولویت خلیفہ کو شورای اہل حل و عقد کے ذریعے تعیین کرتا ہے اور اس کے ساتھ بیعت ہے۔ دوسرے مرحلے کا وجود پہلے مرحلے (نصب) کے طول میں ہے نہ عرض میں۔ یعنی مسلمان پر سب سے پہلے طبق نصوص حضرت علی کی امامت قبول کرنا واجب تھا اور اگر اس کی نافرمانی کریں تو پھر دوسرے مرحلہ کی نوبت (شورای کے ذریعے خلیفہ کی تعیین اور بیعت) آئے گی۔

ایک ہم عصر شخصیت اس آئیڈیا کو پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[1]۔ شرح نہج البلاغہ، ج ۱۲، ص ۹، تاریخ طبری، ج ۴، ص ۲۲۳، تاریخ کامل، ج ۲، ص ۲۱۸۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

اس طرح کے مسائل میں تجزیہ و تحقیق کے بعد جو چیز ایک قابل غور نظر نہ کہ ایک عقیدہ کی روسے میرے ذہن میں آتی ہے، وہ یہ کہ خلافت دو مرحلے اور دو اولویت رکھتی ہے۔

سب سے پہلی اولویت حضرت علی علیہ السلام اور ان کے خاندان کی خلافت و امامت پر نصوص سے واجبی تمسک کہ جس پر بہت سے اور نا قابل انکار شواہد اور دلائل موجود ہیں۔

دوسری اولویت خاص شرائط کے اعتبار ہے مثلاً جب پہلی اولویت کے حوالے سے اسباب مہیانہ ہوں یا کسی بھی دلیل کی بناء پر امت اسلام یا اکثر مسلمان اس امر کی نافرمانی کریں اور دوسری طرف منافقین کے تحرک اور خطرات کو روکنا ضروری ہے جو اصل اسلام کے مخالف تھے اور نبی ﷺ کی رحلت کے بعد اسلامی حوزہ پر انکے غلبہ کا خطرہ یقینی تھا جیسا کہ تاریخی شواہد اور بہت سی قرآنی اور احادیثی نصوص اس چیز کو بیان کرتی ہیں، تو اس صورت میں مہاجر اور انصار اور اہل حل و عقد کی شورای ان منافقین، مرتدین، یہود و نصاری جو کہ اسلام سے زخم کھائے ہوئے تھے اور رسول ﷺ کی وفات کے منتظر تھے، ان کے خطرہ کو روک سکتے ہوں تو یہی چارہ تھا، امام علی (ع) بھی ان حالات کے پیش نظر انہیں معتبر سمجھتے تھے اور عملی طور پر بھی آپ نے اسلام کے تحفظ کے لئے قربانی دی۔[1]

وہ دوسرے مرحلہ کے لئے دو روشیں (ترتب) اور (ضرورت) کو بیان کرتے ہیں، پہلے مرحلہ کی یوں وضاحت کرتے ہیں:

سب سے پہلے ترتب یعنی اسی اہم مسئلہ اصولی کے طریقہ سے کہ دو متضاد حکم ایک دوسرے طول میں بعنوان ترتب قرار پاسکتے ہیں، پہلا حکم مطلق ہو اور دوسرا اس بات سے مشروط ہو کہ اگر پہلے کی نافرمانی کی جائے تو اس کی باری ہے، ورنہ وہی پہلا اپنی جگہ جاری ہوگا دوسری کی باری نہیں آئے گی۔ مسلمانوں پر واجب تھا کہ رحلت نبی ﷺ کے بعد خلافت علی علیہ السلام کو قبول کریں، لیکن انہوں نے گناہ کیا تو اس صورت میں دوسرا واجب یعنی مہاجر اور انصار کے اجماع سے خلافت کی تشکیل تھی کہ جس میں بھی اکثریت کی پیروی مراد ہے نہ کہ کلی اجماع اور یہ چیز اسلام کی اس اہم موقعیت کی بناء وجوب پیدا کر لیتی ہے۔[2]

---

[1] ۔ محمد واعظ زادہ، خراسانی، مصاحبہ، با مجلہ نہج البلاغہ، شمارہ ۴، ص ۵، ص ۱۷۶۔
[2] ۔ سابقہ ماخذ، ص ۱۷۴۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

البتہ یہ نظریہ دینے والا واضح کرتا ہے کہ یہ نظریہ دوسرے مرحلہ کو انتخاب کرنے والوں کو بری الذمہ قرار نہیں دیتا:

جی ہاں یہ وجہ اصحاب کو بری الذمہ قرار نہیں دے گی بالخصوص وہ لوگ جو خلافت میں اساسی کردار رکھتے تھے، ان سے سوال ہوگا اور اس طرح علی علیہ السلام کے حامیوں اور اہل بیت کے غم و غصہ کو لحاظ کیا جائے گا۔[1]

اس نظریہ کی جڑیں بعض شیعہ فرقے مثلاً (البتریۃ) میں پیدا کی جاسکتی ہے کہ نوبختی کے بقول وہ حضرت علی علیہ السلام کو خلافت کے لئے اولی جانتے تھے اور ابو بکر و عمر کی خلافت کو حضرت کی قبولیت اور رضایت کی بناء پر قبول کرتے تھے اور ساتھ یہ بھی وضاحت کرتے تھے کہ اگر حضرت کی رضایت اور تسلیم نہ ہوتی تو ابو بکر ضلالت اور ہلاکت کی راہ میں قرار پاچکا تھا۔[2]

تجزیہ و تحقیق

میرے خیال میں اس نظریہ کی ایک طرف نئی نہیں ہے یہ وہی شیعہ نظریہ ہے، کہ جس میں تاکید ہوئی ہے کہ امامت اپنے تمام مسائل کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کے ذریعے حضرت علی علیہ السلام کے لئے منصوص اور منصوب ہوئی ہے اور مسلمانوں پر اسے قبول کرنا واجب تھا۔ اور الہی منصوب حکومت کی بیعت نہ کرنا گویا امر الہی کو ترک کرنا اور سرکشی کرنا ہے۔

اور اس نظریہ کی دوسری جہت یہ ہے کہ معاشرے کے نظم و ضبط کو برقرار رکھنے اور کچھ حد تک اصل اسلام کے تحفظ کے لئے ایک حکومت کا وجود ضروری ہے، یہ وہی عقل و عقلا کا حکم ہے کہ امام علی (ع) کی مشہور حدیث (لابدّ للناس من امیر برّ او فاجر)[3] بھی اسے صحیح قرار دیتی ہے۔ اہل توجہ نکتہ یہاں یہ ہے کہ عقل یا عقلاء کا یہ حکم یا تائید بعنوان حکم ارشادی ہے اور شرعی رنگ پیدا نہیں کرتی، یعنی اس حاکم کی حکومت کو شرعی جواز حاصل نہیں ہوتا، پس اس مرحلہ دوم کو شرعی اولویت دوم نہیں کہہ سکتے، چونکہ اس کے لئے کوئی حدیث یا نص صادر نہیں ہوئی، بلکہ اس کے برعکس حضرت نے خلفاء وقت کو اپنے حق کا غاصب قرار دیا۔

۱۔ سابقہ ماخذ، ۱۷۷۔
۲۔ ابو محمد حسن نوبختی، فرق الشیعہ، ص ۲۰۔
۳۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۴۰، بحار، ج ۳۳، ۳۵۸۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

البتہ وہ روایات کہ جو بیعت کے شرعی ہونے پر دلالت کرتی ہیں، آئندہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے کہ پہلی بات یہ کہ: یہ صرف غیر منصوص موارد میں معتبر ہیں یا اپنی نص کے مورد میں کہ جہاں منصوب شخص نے کچھ وجوہات کی بناء پر خود کو حکومت سے ایک طرف کر لیا ہو۔

دوسری بات: بیعت کی شرعی حیثیت مطلق نہیں ہے بلکہ یہ اس حاکم کے لئے ہوتی ہے کہ جس میں دینی حاکم کی شرائط موجود ہوں۔ اب یہ کہ خلیفہ اوّل کے لئے آیا بیعت اور اجماع انجام پایا ہے؟ ہم پچھلے صفحات میں یہ بحث کر چکے ہیں کہ خود دوسرے خلیفہ نے پہلے خلیفہ کی بیعت کو (فلتۃ) یعنی ناگہانی امر سے توصیف کیا ہے۔[1]

دسویں توجیہ: اصل ضرورت اور حکم ثانوی

پچھلی توجیہ کے برعکس اس توجیہ میں پہلے مرحلہ کو بجانہ لانا نافرمانی وگناہ شمار نہیں ہوتا، اس توجیہ کے مطابق اگر امام منصوب کے لئے اسباب فراہم نہ ہوں تو ضرورت کے باب سے اسلامی احکام کے اجراء کے لئے اہل حل و عقد کی طرف سے خلیفہ کی تعیین ضروری ہے، البتہ پہلا مرحلہ پورا نہ ہونا کوئی غلط یا گناہ و عصیان کا موجب نہیں بنتا۔

ایک ہم عصر لکھتے ہیں دوسری بات (مترتب) یا کوتاہی قبول کرنے کی صورت میں نہیں بلکہ ضرورت کے باب سے اور پہلی اولویت پر عمل ممکن نہ ہونے کی رو سے نیز نص کو اجراء کرنے کے اسباب نہ ہونے کی صورت میں ہے، ... دوسری صورت میں خلفاء کی خلافت شرعاً جواز رکھے گی، یہ خاص شرائط کی بناء پر مثلاً ضرورت کے عنوان سے، اسلامی مصالح کی رعایت اور اسلامی حدود کے تحفظ کے باب سے ہے۔[2]

اس نظریہ کے دلائل (شرعی جواز فراہم کرنے والی بیعت)

اس نظریہ کے قائل کا عقیدہ ہے کہ خود لوگوں کی خلیفہ سے بیعت سے اسے شرعی جواز اور قانونی حیثیت فراہم کرتی ہے کہ اللہ تعالی بھی ایسی بیعت سے راضی ہے۔

اب یہ کہ اس نظریہ کی اساس کیا ہے؟ اس کے حامی، لوگوں کی نبی اکرم ﷺ سے بیعت کے بارے میں آیات و روایات اور حضرت علی علیہ السلام کی گزشتہ خلفاء سے لوگوں کی بیعت کی پر رضایت کو بعنوان دلیل پیش کرتے ہیں۔

---

[1] شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۲، ص ۲۵، ح ۱۷، ص ۱۶۴۔
[2] محمد واعظ زادہ خراسانی، مجلہ نہج البلاغہ، ش ۵ و ۴، صص ۱۸۱، ۱۷۷

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

الف: حضرت علی (ع) نے معاویہ کو ایک خط میں تحریر فرمایا:

اِنَّهُ بَایعنِی القَوم الذین بَایعوا اَبابکر وَ عمر و عثمَان و عَلی مَا بایعوهُم علیه فَلم یکُن للشَاهد اَنْ یختارُ و لا للغائب اَن یردّ و انما الشوری للمهاجرین و الأنصار فان اجتَمعوا علی رجل وَ سمّوه اماماً کَان ذلک لله رضیً فان خَرج عن امرهم خَارج بطعن او بدعَة ردوه الی مَا خرج منه فان أبی قَاتلوه علی اتبَاعه غیرَ سبیل المؤمنینَ و ولاّه ماتولّی [1]

مندرجہ بالا نظریہ کے حامی اس خط کی وضاحت میں لکھتے ہیں: اس خط میں امام واضح طور پر مہاجرین اور انصار کے کسی کی امامت پر اجماع کو اس کے شرعی جواز کا باعث جانتے ہیں، اسی طرح اپنی خلافت کی صحت کی وجہ بھی جانتے ہیں اور اسے اللہ کی رضایت اور مخالفین پر طعن اور ان کے قتل کے حلال ہونے کا باعث جانتے ہیں۔ [2]

ب: حضرت نے چھ نفری شورای کے عثمان کی بیعت کے لئے فیصلہ کے وقت فرمایا:

لَقد علمتم أنی احَق الناس بها من غَیری ... واللہ لأسلَمَنّ ما سلمت امور المُسلمینَ ولم یکن فیهَا جور الا علیّ خاصة [3]

اس بیان میں حضرت مقام حکومت کو اپنا حق جانتے ہوئے مسلمانوں کی مصلحت کی بناء پر شوری کی بات مان لیتے ہیں اور تاکید کرتے ہیں اس مسئلہ میں صرف ان کے ساتھ ظلم ہوا۔

ج: حضرت علی اپنے بعض صحابہ مثلاً حجر بن عدی اور عمرو بن حمق کے سوال کے جواب میں پہلے دو خلیفہ کے بارے میں اپنا موقف ایک خط میں بیان کرتے ہیں اور شکوہ کرتے ہیں کہ انہیں بعنوان خلیفہ انتخاب نہیں کیا گیا:

فلمّا مضی (رسول الله) سبیله تنازع المسلمون الأمر من بعده فوالله ماکان یلقی فی روعی ولا یخطر ببا لی ان العرب تعدل هذ الأمر بعد محمد(ص) عن اهل بیته ولا نهم منحوه عنی من بعده فما راعنی الا انثیال الناس علی ابی بکر و اجفالهم الیه لِیُبَا یعُوه فامسکتُ یدی و رایت انی أحق بمقام رسول الله (ص) فی الناس ممن تولیّ الأمر من بعده.

۱۔ نہج البلاغہ، نامہ ۶، الفتوح، ج ۲، ص ۴۹۴

۲۔ محمد واعظ زادہ، سابقہ ماخذ، ص ۱۷۷۔

۳۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۷۴۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

فلبثتُ بذاک مَا شَاءَ الله حَتی رایت رَاجِعَةً مِنَ النَّاسِ رجعت عن الاسلام یدعون الی محق دین الله وملة محمد(ص) وابراهیم(ع) فخشیتُ ان لم انصر الاسلام اَن أری فیه ثلماً و هدماً یکون مصیبته اعظم علیّ من فوات ولایة امورکم التی انما هی متاع ایام قلائل ثم یزول ما کان منها کما یزول السراب و کما یتقشّع السحاب.

فمشیتُ عنه ذالک الی ابی بکر و بایعتُه و نهضتُ فی تلک الأحداث حتی زاغ الباطل و زهق وکانت "کلمة الله هی العلیاء" ولوکره الکافرون [1]

جب پیغمبر ﷺ دنیا سے چلے گئے تو مسلمان انکے بعد حکومت کے مسئلہ میں ایک دوسرے سے لڑنے لگے۔خدا کی قسم میں نے کبھی نہیں سوچا تھا نہ کبھی یہ خیال آیا تھا کہ عرب حضرت محمد ﷺ کے بعد خلافت کو انکے اہلبیت سے موڑلیں گے ،انہوں نے آپ کے بعد مجھے خلافت سے محروم کیا۔جس چیز سے میں پریشان تھا وہ یہ کہ لوگ سرعت سے ابو بکر اور اسکے حامیوں کی طرف بیعت کے لیے بڑھ رہے تھے۔تو میں نے اپنے ہاتھوں کو روک رکھا اور جانتا تھا کہ لوگوں میں رسول اللہ ﷺ کے منصب کا زیادہ میں حق دار ہوں کہ جسکی انکے بعد اطاعت کی جائے۔وقت گزرنے لگا یہاں تک کہ میں نے دیکھا لوگوں میں سے ایک گروہ اسلام سے پلٹ گیا ہے اور چاہتا ہے کہ دین خدا اور ملت محمد ﷺ وابراہیمؑ کو مٹادے۔۔۔۔

تجزیہ و تحقیق

اس شبہہ کے تجزیے میں چند نکات قابل توجہ ہیں:

(۱)۔امام علیؑ کے الٰہی شرعی جواز کی تصریح: مسلمانوں کے لئے حکومت کے شرعی جواز کا منبع اللہ تعالی ہے کہ اس نے اسے اپنے صالح بندوں یعنی انبیاء کے اختیار میں دیا کہ کہ ان سب کے سردار پیغمبر اسلام ﷺ ہیں کہ اللہ نے ان کے وجود میں نبوت اور امامت کو کامل طور پر ودیعت کیا اور آنحضرت ﷺ بعنوان خلیفہ الٰہی خدا کی مشروع حکومت کے حامل تھے۔

قرآن کریم اور نبی اکرم ﷺ کی بہت سی نصوص کے مطابق دین کے بیان اور الٰہی شرعی حکومت کے لئے حضرت علی علیہ السلام نبی کے جانشین ہیں۔

---

[1] ۔نہج البلاغہ، خطبہ ۲۶ ، نامہ ۶۲ ، شرح نہج البلاغہ، ج ۱۲ ، ص ۱۳۵ ، الغارات، ج ۱ ، ص ۳۰۷۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

(۲)۔امر شرعی سے نافرمانی کا لازمہ: الٰہی شرعی حکومت کا مطلب یہ ہے کہ دوسروں پر شریعت اور دین کی رو سے واجب ہے کہ وہ الٰہی شرعی امر سے منصوب ہونے والی حکومت کی حمایت اور دفاع کریں اور حاکم شرع کی حکومت قائم ہونے میں نصرت کریں، اگر ایسا نہیں کرتے تو عصیان وگناہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔

حضرت علی کی امامت کے بارے میں نصوص اور وصیت[۱] سب کچھ اس شرعی امر کو بیان کر رہی ہیں، افسوس ہے کہ یہ شرعی امر پہلے تین خلفاء کے ذریعے انجام نہیں پایا گیا، منصوص اور منصوب شخصیت کو ہٹایا گیا اور وہ لوگ خود حکومت پر قابض ہوئے، اسی لیے حضرت علی علیہ السلام نے انہیں اپنے حق کا غاصب کہا[۲] اور اس شرعی امر سے چشم پوشی کرنے کا ہمیشہ شکوہ کیا۔[۳]

(۳): الٰہی اور سیاسی شرعی امر کا جمع کرنا لازمی ہے: اس شرعی امر کے حوالے سے ایک ظریف نکتہ یہ ہے کہ احادیث نبوی کی رو سے حضرت علی علیہ السلام دین وحکومت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی اور منحصر جانشین تھے، لیکن حضرت کی طرف سے حکومت کا قیام مطلق نہ تھا بلکہ روایات کے مطابق یہ حکومت بھی کچھ امور سے مشروط تھی کہ جن میں اہم ترین لوگوں کا حضرت کی طرف آنا، اختلاف نہ ہونا اور اسلام کو خطرہ نہ ہونا تھا۔

حضرت علی علیہ السلام سے عثمان کے قتل کے بعد جب لوگوں نے آپ کی بیعت کرنا چاہی تو آپ نے واضح فرمایا کہ میری بیعت سب کے سامنے اور مسلمین کی رضایت سے ہو:

فَفِی الْمَسْجِدِ فإن بیعتی لایکونُ خُفیاً ولاتکون الاعن رضی المسلمین[۴]

حضرت اپنے ایک خط میں معاویہ کو فرماتے ہیں کہ مہاجر وانصار حاکم کے انتخاب کا حق رکھتے ہیں اور ان کے اتفاق واجماع پر اللہ بھی راضی ہے:

---

[۱]۔یابن ابی طالب لک ولاء امتی فان ولوک فی عافیۃ واجمعوا علیک بالرضا فقهم فی امرهم و ان اختلفوا علیک فدعهم وما هم فیه۔مستدرک نہج البلاغہ، ج۳، ص۸۰، محمد بن طبری، المسترک، ص۴۷۳۔

[۲]۔فغصونا سلطان نبینا فصارت الامرة لغیرنا، شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج۱، ص۳۰۷، سلبونی سلطان ابن امی (نہج البلاغہ، خطبہ ۳)

[۳]۔اللهم انی استعد لک علی قریش ... اجمعوا علی منازعتی امراً هو لی (نہج البلاغہ، خطبہ ۱۷۱)۔

[۴]۔تاریخ طبری، ج۴، ص۴۲۷، موسوعۃ الامام علی (ع) ج۱۲، ص۶۲۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

اِنما الشوری للمهاجرین و الأنصار فان اجتمعوا علی رجل و سمّوه اماماً کان ذلک لله رضی [1]

دوسرے مقام پر حضرت حکومت اور انتخاب حاکم کو لوگوں کی شان میں سے جانتے ہیں کہ لوگوں کے علاوہ کسی کو بھی اس کا حق نہیں ہے:

اَیها الناس عَنْ ملأ و اذن ان هذا امر کم لیس لأحد فِیه حق اِلاَّ مَنْ امر تم وَ انّی لیس لی دونکم الا مفاتیح ما لکم معی [2]

ان روایات کا لازمہ یہ تھا کہ لوگ نبی ﷺ کی رحلت کے بعد اپنی دینی اور الٰہی ذمہ داری کے تحت اللہ تعالی کے امر شرعی سے منتخب حاکم کے سامنے تسلیم ہوتے اور اس کی نصرت کرتے، لیکن قابل افسوس بات ہے کہ یہ امر محقق نہ ہو سکا، لوگ ایک دم سقیفہ کی شورای کے عمل کے سامنے قرار پاگئے اور مختلف توجیہات کی بناء پر اسے قبول کرگئے کہ جس کا نتیجہ حضرت کا سیاست و حکومت کے مرحلہ سے ہٹ جانا تھا۔ حضرت علی علیہ السلام بھی اپنے حق شرعی الٰہی کی توضیح کرتے ہوئے اور اپنے مخالفین کو غاصبِ حق فرماتے ہوئے مجبور ہوئے کہ حکومت کے میدان سے اپنے آپ کو جدا کرلیں....

اب یہ کہ حضرت حکومت کو لوگوں کی بیعت کے ساتھ وہ بھی علانیہ اور مسجد میں شرط قرار دے رہے ہیں اس کی پہلی وجہ: اپنی حکومت کی اساس کو مستحکم کرنا ہے۔ دوسرا یہ کہ آنے والے نافرمان لوگوں کے بہانوں کو بند کرنا ہے۔ تیسرا یہ کہ: الٰہی و سیاسی شرعی جواز کو اکٹھا کرنا ہے۔

(۴): شرائط کے حامل حاکم کو بیعت سے مقید کرنا: اسلام کے سیاسی نظام میں حاکمیت اور حکومت، دو بنیادی عناصر یعنی الٰہی اور سیاسی جواز کے جمع سے مشروط ہے، جب یہ دونوں چیزیں جمع ہوں تو شکل پانے والی حکومت مکمل طور پر دینی و شرعی ہے۔ لیکن جب دینی منصوص حاکم سے مسلمان تخلف کریں، تو عقل و عقلاء کے حکم کے مطابق اپنے درمیان ایک حاکم کا انتخاب کریں۔ لیکن ضروری ہے کہ ایک دینی حاکم سے عدول کی صورت میں قاعدہ الا صلح فالا صلح کی طرف رجوع کریں، ایسا فرد کا انتخاب ہو جو منصوص حاکم جیسا ہو، اگر یہ کام کریں تو اگرچہ منصوص

---

[1] ۔ نہج البلاغہ، نامہ ۶۔
[2] ۔ تاریخ کامل، ج ۳، ص ۸۳، تاریخ طبری، ج ۳، ص ۹۹، ۴۵۶۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

حاکم کو چھوڑ کر گناہ کیا ہے، لیکن دوسرے مرحلہ میں منصوص حاکم کے مشابہہ فرد کا انتخاب کرتے ہوئے خدا کی رضایت حاصل کی، اگرچہ ایسی الٰہی رضایت نسبی ہے۔

شاید یہاں یہ کہا جائے کہ حضرت علی علیہ السلام کے کلمات میں لوگوں کی خلیفہ کے انتخاب میں بیعت سے اللہ کی رضایت مطلق تھی کسی قید کے ساتھ مقید نہیں ہے۔

جواب یہ ہے کہ اولاً: یہ قید اسلام کے سیاسی نظام کی ضروریات میں ہے، جو حاکم بھی دین کے اجراء کے لئے حکومت پر قرار پائے وہ دینی صلاحیتوں کے بغیر ان مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا، اس چیز میں شیعہ و سنی میں بھی اتفاق ہے۔ ثانیاً: احادیث نبوی اور حضرت علی علیہ السلام کے فرامین سے واضح ہوتا ہے کہ ایک دینی حاکم، عمومی حاکم کی شرائط کے علاوہ خاص صفات و شرائط کا بھی حامل ہو جیسا کہ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

مَا وَلَّت أمة قط امرها رجلاً و فيهم أَعْلَمُ مِنهُ الالم يزل امرهم سفالا حتى يرجعوا الى ما تركوه [1]

اگر کوئی امت ایسے شخص کو قیادت و ولایت حوالے کریں کہ ان کے درمیان اس سے زیادہ عالم اور بالیاقت ہو تو ان کے امور تنزلی کا شکار رہیں گے، یہاں تک کہ وہ جسے چھوڑ چکے تھے اس کی طرف پلٹ آئیں۔

نیز حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: اِتَّقُو الحكومة فان الحكومة انما هى للأمام العالم بالقضا العادل فى المسلمين [2]

حکومت سے بچو کیونکہ حکومت فقط اس امام کا حق ہے جو امور قضاوت کا عالم اور مسلمانوں میں عادل ہو۔

حضرت ایک مقام پر معاویہ جیسے سفہاء اور فاسق لوگوں کی حکومت پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں:

وَلَكِنَّنِى اسى أن يلى امر هذه الأمه سفهاؤ فجارها [3]

ایک اور مقام پر حضرت اسلام کے پانچ ستون نماز، روزہ، زکات، حج اور ولایت شمار کرتے ہیں اور آخری کو حکومت قرار دیتے ہیں کہ جو تمام فرائض اور ستون کی محافظ ہے:

---

[1] ۔ کتاب سلیم بن قیس، ص ۲۰۵

[2] ۔ وسائل الشیعہ، ج ۱۸، ص ۷۔

[3] ۔ نہج البلاغہ، نامہ ۶۲۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ثُمَّ الْولایةُ وَهیَ خَاتمها والحافظة لِجَمعِ الفرائِضِ والسنن [1]

اسی طرح حضرت امام میں دیگر مختلف قیود کا ذکر فرماتے ہیں:

وَالوَاجِبُ فِی حکم الله و حکم الاسلام علی المسلمین بعد مَا یَمُوتُ اِمَامِهِمْ اَو یقتل اَن لا یعملوا عملاً ولا یحدثوا حدثا ولا یقدموا یدا ولا رجلاً ولا یبد وا بشیئ قبل اَن یختاروا لأ نفسهم اماماً عفیفاً عَالِماً ورعاً عارفاً بالقضاء و السُنّة [2]

مسلمانوں پر اللہ اور اسلام کے حکم کی رو سے واجب ہے کہ اپنے امام کی وفات یا قتل کے بعد کوئی کام نہ کریں ،نہ کوئی بات کریں،نہ اپنے ہاتھ پاؤں بڑھائیں اور نہ کوئی چیز شروع کریں سب سے پہلے اپنے لیے عفیف،عالم ،پرہیز گار اور قضاء وسنت سے آشنا کو امام قرار دیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ وہ نصوص کہ جن میں حضرت نے لوگوں کے انتخاب شدہ خلیفہ اور حاکم کی تائید کی ہے:

اولاً: جب اللہ کا منصوب حاکم موجود نہ ہو یا کسی بھی علت اور موانع کی بناء پر اس کی بیعت نہ ہو سکے۔

دوم: ایسی بیعت کی مقبولیت مطلق نہیں ہے بلکہ ایسے حاکم سے خاص ہے کہ جو ضروری صلاحیتوں سے مالا مال ہو۔

(۵)۔ مقبول بیعت کے مصداق کی تعیین نہ ہونا: مرحلہ دوم کی وضاحت کے پیش نظر یہ سوال سامنے آتا ہے کہ آیا حضرت پہلے تین خلفاء کی بیعت کو اسی عنوان سے دیکھتے تھے یا نہ؟ یہاں بہت غور اور تجزیہ کی ضرورت ہے پہلی بات یہ ہے کہ حضرت علی (ع) کے بعد کون ہیں کہ جو ضروری شرائط کے اعتبار سے دیگر صحابہ مثلاً سلمان، ابوذر اور مقداد سے کامل تھے دوسرا یہ کہ آیا وہ اپنے دور حکومت میں ان صفات پر باقی رہ گئے تھے۔

ان دو چیزوں کا اثبات دلیل کا محتاج ہے اگرچہ قرائن اور شواہد اس کے خلاف ثابت کرتے ہیں مثلاً: حضرت کی طرف سے انہیں غاصب کہنا اور ان کا بھی شروع سے اہل بیت سے حکومت چھیننے کا پروگرام،[3] فدک کا مسئلہ اور

---

[1] ۔ وسایل، ج ۱، ص ۱۸

[2] ۔ بحار الانوار، ج ۸۹، ص ۱۹۶۔

[3] ۔ حضرت نے ابو بکر کی نشست میں کہا تھا: لقد وفیتم بصحیفتکم الملعونة الی تقاقدتکم: ان قتل الله محمداً اومات لتزوّن هذا الامر منّا اهل البیت (کتاب سلیم بن قیس، ص ۱۵۵)۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

پہلے دو خلیفوں سے حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی ناراضگی اور وہ تمام بدعتیں اور انحرافات کہ جو پہلے خلفاء نے شریعت میں پیدا کئے ہیں، کہ بعد میں بعض کی حضرت نے اصلاح کی اور بعض پھر بھی اسی طرح باقی رہ گئیں۔

گیارہویں توجیہ: حضرت کی امامت کا ان کے عملی اقدام پر موقوف ہونا

بعض لوگ حضرت علی علیہ السلام کی امامت پر احادیث نبوی کی دلالت بعنوان حکومت و خلافت عقیدہ رکھتے ہیں لیکن اسے عملی طور پر حضرت کے حکومت لینے کے اقدام اور کوشش سے مشروط کرتے ہیں، یعنی انکے نزدیک رسول اکرم ﷺ کی رحلت کے بعد منصب خلافت و امامت حضرت علی علیہ السلام کا حق تھا، لیکن شرط یہ تھی کہ آپ اس منصب کو اپنے ہاتھوں میں لینے کے لئے عملی اقدامات انجام دیتے، لیکن جب حکومت کو ترک کردیں اور اقدام نہ کریں، تو نصوص امامت اپنی جگہ رہ جائینگی۔ اس صورت میں حکومت کی اساس لوگ اور ان کی بیعت ہوگی۔

اب یہ کہ آیا خلیفہ اوّل کا انتخاب لوگوں اور ان کی بیعت کے ذریعے ہوا یا ان کی خلافت بقول خلیفہ دوم کے ناگہانی اور فلتتہ کی صورت میں تھی؟[۲] اس کے جواب کی جگہ اور مقام جدا ہے۔

یہ توجیہ معتزلہ کے خاص گروہ (بغدادیین) کے ذریعے پیش ہوئی جیسا کہ ابن الحدید کہتے ہیں:

ان الأمامة كان لعلي ان رغب فيها و نازع عليها و ان أقرّفي غيره وسكت عنها توليّنا ذلك الغير و قلنا بصحة خلافته و امير المؤمنين (ع) لم ينازع الآئمة الثلاثة و الاجرّد السيف والا استنجد بالناس على هم فدلّ ذلك على اقراره لهم على ما كانوا فيه [۳]

امامت علی (ع) کی تھی اگر آپ اسے طلب کرتے اور اس پر نزاع کرتے، اور اگر آپ دوسرے کے بارے میں اقرار کرلیں اور سکوت اختیار کرلیں تو ہم اس غیر کی اتباع کریں گے اور اسکی خلافت کے صحیح ہونے کے قائل ہونگے۔ امیر المومنین (ع) نے تین آئمہ سے نزاع نہیں کیا، نہ تلوار اٹھائی اور نہ لوگوں کو انکے خلاف جمع کیا تو یہ سب آپکے انکے اس مقام کے بارے میں اقرار پر دلالت ہے۔

۱۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۵۰، کافی ج ۸، ص ۵۹۔
۲۔ شرح نہج البلاغہ، ج ۲، ص ۲۵، ح ۱۷، ص ۱۶۴۔
۳۔ سابقہ ماخذ، ج ۳، ص ۹۹۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

تجزیہ و تحقیق

اس توجیہ کے تجزیہ میں مندرجہ ذیل نکات قابل غور ہیں:

(۱): دعوی بلادلیل: حضرت علی علیہ السلام کی امامت وحکومت کو ان کے عملی اقدام سے مقید کرنا ایک بغیر دلیل کے دعوی ہے کہ جو احادیث سے استفادہ نہیں ہوتا۔

(۲): حضرت کے عملی اقدامات: نبی اکرم ﷺ کی رحلت کے بعد حوادث کا مشاہدہ کیا جائے، تو واضح ہوتا ہے کہ حضرت نے حکومت کے حصول کے لئے عملی اقدامات بھی انجام دیئے، مثلاً لوگوں سے نصرت اور بیعت مانگنا، امام کا حضرت زہرا اور دو سبط نبی یعنی امام حسن و امام حسین علیہم السلام کے ساتھ راتوں کو صحابہ کے گھروں پر جانا۔

(۳): خلفاء وقت کی مذمت: اگر امام علی علیہ السلام نے کوئی رغبت کا اظہار اور حکومت کے لئے کوئی قدم نہ اٹھانا تھا، تو پھر وقت کے حاکموں کا کوئی شکوہ بھی نہیں کرنا تھا، حالانکہ اگر حضرت کے کلام اور فرامین پر اجمالی سی نظر بھی ڈالیں، تو واضح ہوتا ہے کہ حضرت اپنے اس حق کے غصب ہونے اور حاکموں کی مذمت پر متعدد بار اور متواتر گفتگو فرماتے رہے کہ پہلے گزر چکی ہے۔

(۴)۔ دینی مصلحت کا لحاظ: جب حضرت دیکھتے ہیں کہ حکومت لینے کے لئے کافی حد تک یاور وانصار نہیں ہیں اور تنہا کوئی بھی قدم کامیاب نہ ہوگا بلکہ اسلام کے نوپا درخت کو کمزور کرے گا، تو حضرت نے صبر و تحمل کا ثبوت دیا تاکہ اسلام کی اساس او مسلمانوں کی وحدت محفوظ رہے اور منافقین و مخالفین کے پروگرام ناکام ہوں، اس چیز کو حضرت نے بھی کئی بار صراحت سے فرمایا۔

بارہویں توجیہ: حضرت کی امامت کا لوگوں کی بیعت پر موقوف ہونا

بعض لوگ حضرت کی امامت وخلافت کے بارے میں نصوص پر عقیدہ رکھتے ہیں لیکن سیاسی حکومت کے معنی میں انکی امامت کے تحقق کو لوگوں کی بیعت اور رائے سے مشروط کرتے ہیں۔ جیسا کہ کہتے ہیں: اسلام میں سیاسی رہبر اور حاکم صرف لوگوں کی بیعت سے حکومت کر سکتا ہے... جی ہاں جب تک لوگ حاکم کی بیعت نہ کریں اس کا فرمان ان پر لازم نہیں ہوتا اور جب وہ بیعت کرتے ہیں تو اس کی حکومت ان پر شرعاً جائز اور اس کی اطاعت

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

شرعاً واجب ہوتی ہے... اسی لئے رسول اکرم ﷺ نے غدیر میں حضرت علی علیہ السلام کی ولایت کے اعلان پر اکتفاء نہ کی بلکہ ان کے لئے بیعت بھی لی...۔[۱]

نبی اکرم ﷺ ایک روایت میں فرماتے ہیں:

یَا عَلی اِنَّکَ ستلقی بعدی من قریش شدة مِن تظاهر هم علیک و ظلمهم لک فان وَجَدْتُ اعواناً علیهم قاتل من خالفک بمن وافقک فان لم تجد اعواناً فاصبر و کفّ یدک ولاتلق بیدک الی التهلکة فانک بمنزلة هارون من موسی ولک بهارون اسوة حسنة انه قال لأخیه موسی : ان القوم استضعفونی کادویقتلونی [۲]

اے علی آپ عنقریب قریش سے اپنے حق میں سختی اور ظلم پاؤگے اگر آپکے اعوان و انصار ہوں تو انکے ذریعے ان سے جنگ کرو، اگر اعوان وانصار نہ ہوں تو صبر کرو، اپنے ہاتھوں کو روک لو اور خود کو ہلاک نہ کرنا۔ آپ کا مقام میرے لیے ویسے ہے جیسے موسی کے لیے ہارون تھے اور آپ کے لیے ہارون کی سیرت بہتر ہے کہ جب اس نے اپنے بھائی موسی سے کہا: اس قوم نے مجھے کمزور سمجھا نزدیک تھا مجھے قتل کردیتے۔

ایک دوسری روایت میں نبی اکرم ﷺ حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کے بارے میں عبداللہ بن مسعود کے جواب میں فرماتے ہیں:

ذَاکَ وَالذِی لاَ اِلَه غیره لَو بایعتموه واطعتموه أدخلتکم الجنة اکتعین [۳]

یہی ہیں مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اگر تم لوگ اسکی بیعت کرو اور اسکی اطاعت کرو، وہ تم سب کو جنت میں لیجائے گا۔

حضرت نے بھی کئی بار اپنی حکومت کو لوگوں کی بیعت سے منسوب فرمایا، قتل عثمان کے بعد لوگوں کے اصرار پر فرماتے ہیں:

فان بیتی لاتکون خفیاً ولاَ تَکُونُ الا عن رضا المسلمین [۱]

---

[۱] واعظ زادہ خراسانی، مجلہ نہج البلاغہ، شمارہ ۵، ۴، ص ۱۷۱، ۱۷۲۔

[۲] کتاب سلیم بن قیس، ص ۱۳۴، ۵۶۸۔

[۳] المعجم الکبیر، ج ۱۰، ص ۶۷، ۹۹۶۹، ۹۹۷۰، تاریخ دمشق، ج ۴۲، ص ۴۲۱، البدایۃ والنہایۃ، ج ۷، ص ۳۶۱۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

میری بیعت خفیہ نہیں تھی اور فقط مسلمانوں کی رضا کے ساتھ تھی۔

اسی طرح معاویہ کے نام خط میں فرماتے ہیں:

إنّما الشوری لِلْمُهَاجِرِيْن والأنْصار فان اجتمعوا علی رجل و سمّوه اماماً کان ذلک لله رضی [۲]

اس روایت میں خود شورای اور ان کے منتخب حاکم کی تائید اور اسے اللہ کی رضایت کا باعث قرار دیتے ہیں، اسی طرح اور بھی روایات وارد ہوئیں کہ جن میں لوگوں کے حق حاکمیت کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

تجزیہ و تحقیق

آئندہ صفحات میں لوگوں کی حکومت کے شرعی جواز پر تفصیل سے بحث ہوگی، یہاں اس نکتہ کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے کہ بیعت والی روایات نہ صرف یہ کہ خلافت و حکومت میں منصوب ہونے سے منافات نہیں رکھتیں بلکہ اس کی تائید بھی کرتی ہیں، چونکہ ان روایات میں لوگوں سے کہا گیا ہے کہ وہ امام منصوص سے بیعت کریں اور حضرت علی علیہ السلام کے حق مسلم اور الٰہی حکومت کی صراحت ہوئی ہے۔

یہاں نکتہ ظریف یہ ہے کہ اگرچہ آئمہ علیہم السلام کی حکومت و امامت وحی کے ذریعے منصوص ہے اور لوگوں پر ہر حوالے سے ان کی پیروی واجب ہے، لیکن الٰہی منصوب افراد اپنی حکومت کے اجراء میں صبر و تحمل کا سہارا لیں بلکہ اپنے شرعی حق کے عملی ہونے کے لئے لوگوں کے انتخاب اور رضایت پر توجہ کریں، بالفاظ دیگر آئمہ کی حکومت میں دو طرح کی شرعی حیثیتیں ہیں، آسمانی والٰہی اور دوسری لوگوں کی طرف سے ہے۔

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف حضرت علی علیہ السلام کی حکومت تنہا وہ حکومت تھی کہ جس میں دونوں شرعی عنصر موجود تھے یعنی آسمانی منصوص اور منصوب ہونا اور لوگوں کا انتخاب کرنا۔ لہٰذا حضرت مختلف اوقات میں مخاطب کی مناسبت کے لحاظ سے کبھی دینی نصوص جیسے حدیث غدیر اور کبھی لوگوں کی بیعت کا ذکر فرماتے تھے کہ ایک کا ذکر دوسرے کے لئے منافی نہیں ہے۔

۱۔ شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج۱۱، ص۱۱، ۹؛ تاریخ طبری، ج۵، ص۱۵۲، ۴۵۰؛ کنزالعمال، ج۳، ص۱۶۱؛ بحار، ج۳۲، ص۷۔

۲۔ نہج البلاغہ، نامہ ۶۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

پس نتیجہ نکلا کہ امامت بمعنی وخلافت کی نصوص کو بیعت سے توجیہ کرنا دراصل نظریہ امامت سے موافق ہے ،لیکن امامت کی دوسری شاخ یعنی علمی و دینی مرجعیت اور معنوی ولایت کے انتخاب سے کوئی ربط نہیں ہے، آئمہ علیہم السلام کی امامت اس حوالے سے مطلق اور کامل ہے۔

تیرہویں توجیہ: حضرت علیؑ کی امامت کے منسوخ ہونے کا دعوی

سقیفہ کا مسئلہ کھڑا کرنے والے عملی طور پر حضرت علی علیہ السلام کو حکومت و خلافت کے میدان سے ہٹا دیتے ہیں اور اپنے اقدام کی توجیہ کرنے کے لئے بالفاظ دیگر اپنی حکومت کو شرعی جواز بخشنے کے لئے نبی ﷺ سے حدیث جعل کرتے ہیں۔

ابو بکر دعوی کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: کہ میرے بعد حکومت اور نبوت ایک خاندان میں جمع نہیں ہوگی اور چونکہ علی علیہ السلام خاندان نبوت سے تھے، لہٰذا یہ حدیث ایک طرح سے ان تمام احادیث سے عدول کرنا ہے کہ جو حضرت علی علیہ السلام کی امامت پر وارد ہوئی ہیں۔ ابو بکر نے جب حضرت علی علیہ السلام سے اپنی امامت کے بارے میں تمام دلائل اور محکم و متقن حوالے سنے، تو کہا: یہ سب کچھ حق ہے لیکن میں نے ان کے بعد نبی ﷺ سے سنا کہ انہوں نے فرمایا:

ہم اہل بیت کو اللہ نے منتخب کیا اور ہمیں تکریم دی، ہمارے لیے دنیا کی بجائے آخرت کو اختیار کیا اور اللہ تعالی نے نہ چاہا کہ میری اہل بیت میں نبوت اور خلافت جمع ہو۔

آنا اهل بيت اصطفانا الله و اكرمنا واختارلنا الآخرة على الدنيا وان الله لم يكن ليجمع لنا اهل البيت النبوة والخلافة [1]

ابو بکر اس حدیث کا دعوی حضرت علی علیہ السلام کے شیعوں مثلاً ام ایمن اور بریدہ کے سامنے بھی تکرار کرتے ہیں۔[2] اس حدیث نے عوام پر بہت زیادہ اثر کیا، لوگوں کا حضرت کی حمایت میں ایمان سست ہوا اور بعض تو

---

[1] کتاب سلیم بن قیس، ص ۱۵۳۔
[2] سابقہ ماخذ، ص ۱۵۷۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

حیران رہ گئے جیسے طلحہ نے حضرت علی علیہ السلام پر احتجاج میں اسی شبہہ کو بیان کیا کہ ہم ابو بکر کی حدیث کے ساتھ کیسے عمل کریں؟ فکیف نصنع ما ادعی ابوبکر و عمرو اصحابہ ...[1]

اس توجیہ نے لوگوں کے ذہنوں کو منحرف کرنے میں بہت زیادہ اثر کیا کہ امام صادق علیہ السلام سالوں بعد بھی اس حربہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور اسے حق کی تشخیص میں لوگوں کے اشتباہ کا سبب قرار دیتے ہیں۔[2]

بعض منصف مزاج علماء اہل سنت نے بھی اصحاب کے حضرت علی علیہ السلام سے ابو بکر کی طرف ذہن منحرف ہونے میں اس شبہہ کے اثرات کا ذکر کیا جیسا کہ نقیب ابو جعفر ابو زید نے ابن ابی الحدید[3] کے جواب میں کہ کیوں صحابہ نے حضرت علی علیہ السلام کی امامت کی نصوص پر عمل نہیں کیا؟ اس حدیث کو بیان کیا کہ جس کا دعوی ابو بکر نے کیا تھا۔

تجزیہ و تحقیق

نبی (ص) کی طرف منسوب حدیث جعلی ہے کہ مندرجہ ذیل قرائن اس پر شاھد ہیں:

(۱): زمانہ نبی (ص) میں اس حدیث کا نہ ہونا: اس حدیث کے جعلی ہونے کا پہلا نکتہ یہ ہے کہ یہ حدیث سقیفہ کے مسئلہ میں سامنے آئی کہ جب حضرت علی علیہ السلام نے اپنی امامت پر متقن اور محکم دلائل اور نبی اکرم ﷺ سے متواتر روایات پیش کیں تو ابو بکر اور عمر، حضرت اور ان کے حامیوں کے سامنے اس حدیث کو لاتے ہیں ۔ سوال یہ ہے کہ اگر یہ حدیث واقعاً موجود تھیں تو رحلت نبی ﷺ سے پہلے کوئی اس سے کیوں باخبر نہیں تھا؟ ابو بکر و عمر نے رحلت نبی ﷺ کے بعد حکومت پر قبضہ کرنے کے بعد یہ حدیث پیش کی، جب پیغمبر ﷺ کے ذریعے اس کی تکذیب کی گنجائش ہی نہیں تھی۔

(۲): اس حدیث کی گواہی دینے والے: تاریخ بتاتی ہے کہ اس حدیث کا سب سے پہلے ابو بکر نے دعوی کیا اور عمر، ابو عبیدہ، ابو حذیفہ کا غلام سالم اور معاذ بن جبل نے اس پر گواہی دی کہ یہ سب لوگ اوّل ہی سے ابو بکر کے حامی تھے اور اس کے دعوی خلافت میں اس کے ہمراہ تھے، بلکہ اس سے پہلے ان سب نے کعبہ میں باہم پیمان باندھا

---

[1] ۔ سابقہ ماخذ، ص ۲۰۳۔

[2] ۔ فقالوا صدقت قد قال ذلک رسول اللہ (ص) ولکن قد نسخہ فقال: انا اھل بیت ... فشبھوا علی العامۃ و صدقو ھم (سابقہ ماخذ، ۱۸۷)

[3] ۔ شرح نہج البلاغہ، ج ۱۲، ص ۸۶، ۸۸۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

تھا کہ جس طرح بھی ہو گا حکومت کو اہل بیت نبی ﷺ سے غصب کریں گے کہ حضرت نے خود ابو بکر کی جعل کر دہ حدیث پر تنقید کرتے ہوئے ابو بکر اور اس کے مفاد میں گواہی دینے والوں کی سازش کو بے نقاب کیا تھا۔[1]

سوال یہ ہے کہ اگر واقعاً ایسی حدیث موجود تھی تو دیگر صحابہ نے اسے کیوں بیان نہیں کیا بلکہ سلمان، ابوذر، مقداد اور زبیر جیسے صحابہ نے اس حدیث کی تکذیب کرتے ہوئے، حضرت علی علیہ السلام کی امامت پر نصوص کا دفاع کیا کہ ان کی حکایت شدہ احادیث پچھلے باب میں گزر چکی ہیں۔

اس وضعیت کو دیکھتے ہوئے حدیث کے صحیح ہونے میں تردید کی جاسکتی بلکہ دیگر شواہد کے ساتھ تو اس کے جعلی ہونے پر قطع بھی کیا جاسکتا ہے۔

۳): پیغمبرؐ کی آخری وصیت کا نہ لکھا جانا: گزشتہ ابواب میں نص نہ ہونے شبہ کی بحث و نقد میں حدیث قلم و دوات کو تفصیل سے بیان کیا جاچکا، جب نبی ﷺ نے قلم و کاغذ مانگا تاکہ آخری وصیت تحریر کریں، تو عمر بو کھلایا اور مختلف انداز سے، مثلاً نعوذ باللہ رسول اللہ کی طرف ہذیان کی نسبت دیتے ہوئے انہیں آخری وصیت لکھنے سے روکا۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر واقعاً نبی ﷺ نصوص امامت سے ہٹ چکے تھے تو پھر عمر نے کیوں کاغذ و قلم دینے روکا؟ آیا ایسا نہیں تھا کہ یہ نصوص نسخ بھی نہیں ہوئی تھیں بلکہ نبی ﷺ تو یہ چاہتے تھے کہ آخری بار بھی علی علیہ السلام کی امامت کو تحریری ثبوت میں لے آئیں، لیکن جو خود خلافت کے چکر میں تھے وہ نبی کے اس شفا بخش نسخہ کے لکھنے سے مانع ہو گئے۔

(۴): حضرت علی علیہ السلام اور دیگر اصحاب کی تکذیب: اس دعوی شدہ حدیث کے جعلی ہونے پر دوسری دلیل، امام کے ذریعے اسی وقت اس حدیث کی تکذیب ہونا کہ جب ابو بکر نے اس کا دعوی کیا تھا اور حضرت کی یہ تکذیب بعد میں بھی مثلاً طلحہ کے اس حدیث کو ذکر کرنے کے وقت بھی تکرار ہوئی۔ اب مسلمانوں کے پاس صرف دو راستے ہیں: یا ابو بکر اور اس کے چار حامیوں کی دعوی شدہ حدیث کو قبول کریں تو اس کا لازمہ یہ ہے کہ امام علی علیہ السلام جو کہ اپنی نصوصِ امامت کا اس حدیث سے نسخ ہونا جاننے کے باوجود اپنی نصوص کو بیان کر رہے تو گویا حدیثِ ابو بکر کی تکذیب کر رہے ہیں۔

---

[1] کتاب سلیم بن قیس، ۱۵۴۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

اسی طرح دوسرا لازمہ یہ ہے کہ وہ اصحاب اور ہستیاں کہ جو ابو بکر کی حدیث کو نہیں مان رہی ہیں بلکہ نصوص امامت بیان کر رہے ہیں، ان کی تکذیب کی جائے، مثلاً عباس، ابن عباس، سلمان، ابوذر، مقداد، امام حسن اور امام حسین علیہم السلام ان کے علاوہ اہل سنت کے پاس اس حوالے سے کوئی اور شاہد دلیل بھی نہیں ہے۔ دوسری راہ یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کا ابو بکر کی حدیث کی تکذیب کرنا قبول کریں تو لازمہ یہ ہوگا کہ مان لیں گے کہ ابو بکر اور اس کے چار حامیوں نے صرف حکومت کے حصول کے لئے اس حدیث کو جعل کیا۔

اس سے بڑھ کر یہ کہ حضرت علی علیہ السلام جو کہ اہل بیت النبوۃ ہیں اور اس بات سے کہ " اھل بیت اعلم بما فی البیت " دیگر افراد کی نسبت امامت وخلافت کے مسئلہ کو زیادہ جانتے ہیں، ہم بھی ان کے موقف کو قبول کرتے ہیں۔

اور حضرت کی تائید میں تیسری وجہ وہ تمام قرآنی و حدیثی کا اطلاق ہے کہ جو ان کی امامت کو ثابت کر رہا ہے۔

(۵): خلیفہ دوم کے نصب پر اعترافات: عمر نے حضرت علی کی حقانیت، اولویت اور اس سے اہم یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے حضرت علی علیہ السلام کے امامت وخلافت پر منصوب ہونے کا بار بار اعتراف کیا کہ یہ سب بحث پچھلے باب میں تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ اب نکتہ یہ ہے کہ عمر کے تمام اعترافات میں کہیں بھی نسخ اور اس حدیث کا تذکرہ نہیں ہے، بلکہ اس نے اپنی اور ابو بکر کی خلافت کی توجیہ میں حضرت کی جوانی اور عربوں کا قبول نہ کرنا بتایا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نسخ والا مسئلہ سرے سے ہی نہ تھا ورنہ عمر کا ان کے منصوب ہونے کے اعتراف کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی اور دوسرا یہ کہ اس قسم کی توجیہات اور بہانوں کی بھی ضرورت نہ تھی، فورا حدیث یا نسخ کا تذکرہ کرتے۔

(۶): شوری میں حضرت علیؑ کی شمولیت: اگر ابو بکر اور عمر کی دعوی شدہ حدیث درست ہوتی کہ خاندان نبوت میں خلافت کے جمع نہ ہونے پر اللہ کی منشاء ہے، تو پھر عمر نے کیوں اپنے بعد حضرت علی علیہ السلام کو خلافت کا امیدوار قرار دیتے ہوئے شورای کا عضو بنایا، پس اگر صلاحیتِ خلافت رکھتے ہیں تو معلوم ہوا وہ حدیث سرے سے ہی غلط اور جعل شدہ تھی۔

(۷): حدیث کا قرآن سے تعارض رکھنا: پچھلے ابواب میں حضرت کی امامت و خلافت پر بہت سی آیات کی دلالت کو پیش کیا گیا ہے، مثلاً آیت تطہیر، آیت انذار، آیت ولایت، آیت تبلیغ، آیت اکمال الدین اور اولی الامر

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

کہ صحیح ترین احادیث کی رو سے یہ تمام آیات نبی ﷺ کے بعد حضرت علی علیہ السلام کو امام و خلیفہ قرار دیتی ہے۔ درواقع اللہ تعالی نے انہیں اس مقام پر منصوب کیا اور نبی اکرم ﷺ نے اس حکم کو ابلاغ فرمایا اور آپ اپنی طرف سے یہ حکم تبدیل بھی نہیں کر سکتے۔

یہ دعوی شدہ حدیث کہ جو حضرت کی حکومت و امامت کو نسخ کرتی ہے ان تمام آیات قرآن کی مخالف ہے، جب کوئی روایت آیات قرآن سے تعارض کرے تو اصل اور حق قرآن ہے، بالخصوص ایسی روایت کہ جسے چار یا پانچ افراد نے بیان کیا ہو اور اس کے جعل ہونے پر دلائل اور شواہد بھی موجود ہوں۔

(۸): حضرت علیؑ کے غیر کی حکومت اور دینی اساس کی مخالفت: قرآن و احادیث میں اسلامی حاکم کے لئے خاص صفات و شرائط بیان ہوئی ہے کہ جن میں سے اہم ترین عدالت، تقوا، افضلیت اور اعلمیت ہے کہ دینی حاکم دوسروں سے صلاحیت میں برتر اور افضل ہو۔ جیسا کہ آیت شریفہ میں ہے: أَفَمَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَنْ يُتَّبَعَ أَمَّنْ لَا يَهِدِّي إِلَّا أَنْ يُهْدَى فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ[1]

تو کیا جو کوئی حق کی طرف ہدایت کرے وہ زیادہ حق دار ہے کہ اس کی فرمانبرداری کی جائے یا وہ جو خود ہی راستہ نہیں پاتا مگر یہ کہ اسے راستہ دکھایا جائے، سو تمہیں کیا ہو گیا ہے، تم کیسے فیصلے کرتے ہو۔

آیت شریفہ کے مطابق جو حق کا ھادی ہو اس کی اتباع لازمی ہے، اب اگر ھادی حق معصوم ہو تو اتباع میں وہ غیر معصوم سے افضل ہے اور اس کے ہوئے غیر معصوم ہادی نہیں ہو سکتا، اگر معصوم ھادی نہ ہو تو جو بیشتر صلاحیت و لیاقت رکھتا ہو اسی طرح اس کی اتباع بھی بیشتر لزوم رکھتی ہے۔

شیعہ مکتب کی اساس سے حضرت علی علیہ السلام عصمت کے اعتبار سے اور اہل سنت میں حضرت علی علیہ السلام اعلمیت کے اعتبار سے سب کی نسبت حکومت کے لئے شایستہ اور اولی تھے، تو آیت کی رو سے ان کی طرف رجوع واجب شرعی تھا۔

نبی اسلام ﷺ بھی حاکمیت کی شرط (اعلمیت) کا حامل ہونا ذکر فرماتے ہیں:

---

[1] سورہ یونس، آیہ ۳۵۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ما ولّت امة قطّ امرها رجلاً و فيهم اَعلَمُ منه اِلاّلم يزل امرهم يذهب سفالاً حتى يَرجِعُوا اِلىَ مَا تَرَكواه [1]

نبی اکرم ﷺ حدیث ثقلین میں بھی اپنی عترت کی اتباع کو لازم قرار دیتے ہیں۔اب یہ کہ علی علیہ السلام دیگر خلفاء سے خلافت کی نسبت برتر اور شایستہ تھے نہ صرف شیعہ اس کے قائل ہیں بلکہ اہل سنت سے معتزلہ بھی اس کے قائل ہیں، خود خلیفہ اوّل اور دوم کے ان کی اولویت پر اعترافات بھی پچھلے باب میں بیان ہو چکے ہیں۔اس کے علاوہ ابو بکر کا مختلف مقامات پر وہ صریح اعتراف ہے کہ میں تمہاری حکومت کے لئے شائستہ نہیں ہوں جاؤ ایک اور شخص کا انتخاب کرو بعض روایتوں سے آیا ہے کہ حالانکہ علی تمہارے درمیان میں ہیں۔ [2]

اگر دینی نصوص سے قطع نظر کریں تو علی علیہ السلام جیسی اعلم اور برتر شخصیت کے ہوتے ہوئے ابو بکر اور عمر جیسے افراد کا خلافت پر پہنچنا درست نہیں ہے، کیونکہ اگر نص نہ بھی ہوتی، تو بھی لوگوں پر ضروری تھا کہ اعلم اور افضل شخص کا انتخاب کریں۔ نبی اکرم ﷺ جو کہ ان آیات قرآن لانے والے اور ان تمام احادیث کو بیان کرنے والے ہیں، آیا انکے لئے ممکن ہے کہ ان آیات واحادیث کے برخلاف افضل اور اعلم خلیفہ کی تعیین سے عدول یا اسے نسخ کریں۔ حضرت علی علیہ السلام نے بھی ابو بکر کے اس دعوی کے جواب میں یہی جواب ذکر فرمایا۔ [3]

اگر حدیث نسخ کو قبول بھی کریں تو بھی خلافت کے لئے منحصر شخصیت حضرت علی علیہ السلام ہی تھے، حدیث نسخ زیادہ سے زیادہ نصب کو نسخ کرتی ہے، ان کی خلافت وامامت سے مانع نہیں ہے۔

(۹): نسخ کی توجیہ نہ ہونا اور اس کا زمانہ گزرنا: اگرچہ فردی، اجتماعی اور سیاسی قوانین میں نسخ ممکن ہے، لیکن یہ تبدیلی یا نسخ کی کوئی نہ کوئی علت یا وجہ ہوتی ہے ورنہ نسخ یا تبدیلی قانع کنندہ نہیں ہے اور ممکن نہیں ہے۔اب ابو بکر یا عمر سے پوچھیں گے کہ نبی اکرم ﷺ جو کہ آغاز نبوت سے اپنی عمر کے آخری لحظات تک علی علیہ السلام کی نصوص امامت بیان کرتے رہے، کیا ہوا تھا کہ ایک دم ان سب سے عدول کیا؟ نعوذ باللہ علی سے کونسا ایسا کام سرزد ہوا یا کوئی ان سے اعلم اور افضل ظاہر ہوا؟ تو ان سوالات کا جواب کسی کے پاس نہیں ہے۔

---

[1] ۔کتاب، سلیم بن قیس، ص ۲۰۵۔

[2] ۔شرح نہج البلاغہ، ج ۱، ص ۱۶۸۔

[3] ۔سابقہ ماخذ، ص ۵۔۲۰۴

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

پھر یہ نسخ کب ہوا؟ نبی ﷺ کی زندگی کے آخری تین روز تک ایسی کوئی خبر نہیں تھی بلکہ دیگر قرائن مثلاً قلم ودوات کا واقعہ اور عمر کی طرف سے وصیت نبی سے روکا جانا... یہ سب تو اس کے برعکس قرائن ہیں۔ نبی ﷺ کی رحلت سے پہلے سب سے بڑا واقعہ غدیر خم تھا کہ جہاں آپ نے ہزاروں حاجیوں کے سامنے علی علیہ السلام کی ولایت وامامت کا اعلان کیا اور یہ چیز ان حاجیوں سے تمام اسلامی شہروں میں نشر ہوئی۔

اس حدیث نسخ کا نہ اعلان ہوا، صرف چار یا پانچ آدمیوں نے سنی، باقی پوری امت اسلامی اس سے بے خبر تھی، ان کی ذمہ داری کیا ہے؟ پھر یہ افراد اس حد تک نہ تھے کہ علی علیہ السلام ، سلمان، ابوذر، مقداد، قبیلہ بنی ہاشم اور دیگر حضرت علی علیہ السلام کے حامی اصحاب ان پر یقین کریں، لہٰذا وہ اپنے موقف پر قائم رہے یہاں تک کہ سب سے جبر واکراہ کے ذریعے بیعت لی گئی کہ پچھلے باب میں گزر چکا ہے۔

چودہویں توجیہ: نصوص کا تعارض

بعض اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ نبی ﷺ کی جانشینی کے بارے میں دو طرح کی نصوص ہیں: نصوص جلی (شفاف) اور نصوص خفی (پنہان) کہ ان میں سے بعض حضرت علی علیہ السلام کی امامت اور بعض ابو بکر کی خلافت میں ظاہر ہیں کہ یہ دونوں قسم کی نصوص تعارض کرتی ہیں اور قانون کے مطابق ہر دو ساقط ہیں۔[1]

تجزیہ و تحقیق

پچھلے باب میں نصوص کے تعارض اور ان پر تجزیہ کی بحث گزر چکی ہے، اس کا خلاصہ یہ تھا کہ اکثر اہل سنت ابو بکر کے بارے میں نص کے منکر ہیں، بلکہ سب ایک طرح سے حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں نص کے قائل ہیں، لیکن اس کی توجیہ کرتے ہیں اور توجیہات کی بحث میں واضح ہوا کہ ان کی توجیہات بھی درست نہیں ہیں۔ پس یہ شبہہ بھی حضرت علی علیہ السلام کو حکومت سے جدا کرنے کی توجیہ نہیں بن سکتا۔

پندرہویں توجیہ: مطلق خلافت کا اثبات نہ خلافت بلا فصل

اہل سنت کا آخری شبہہ یا دفاع یہ دعوی ہو سکتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے حضرت علی علیہ السلام کی امامت و خلافت پر وارد نصوص، امامت، خلافت، اور امام المتقین جیسے الفاظ کے ساتھ صرف حضرت کی امامت کو ثابت کرتی ہیں، لیکن دیگر تین خلفاء کی خلافت کی نفی نہیں کرتیں۔

---

[1] شرح المواقف، ج ۸، ص ۳۹۵، باقلانی، تمہید، الاوایل و تلخیص الدلائل، ص ۴۵۰، ابن حزم، الفصل، ج ۴، ص ۹۔۱۰۷۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

تفتازانی حضرت علی علیہ السلام کی خلافت پر صریح احادیث نبوی نقل کرنے کے بعد یہ توجیہ کرتے ہیں:

ولو سلم فغايتهُ اثبات خلافتہ لانفی خلافة الآخرين [1]

اگر ہم انہیں تسلیم کرلیں تو یہ زیادہ سے زیادہ انکی خلافت کو ثابت کررہی ہیں نہ کہ دوسروں کی خلافت کی نفی کررہی ہیں۔

تجزیہ و تحقیق

اہل سنت کی یہ نہایت کمزور دلیل ہے کہ یہ احادیثِ امامت کے ظہور اور نص کے خلاف نیز عقل و عقلاء کے بھی خلاف ہے کہ اس کی یوں توضیح دی جاتی ہے:

(۱)۔آیات کا خلیفہ اور امام بلافصل میں ظہور: اگر حضرت علی علیہ السلام کی امامت پر آیات مثلاً آیت ولایت: إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ [2]، آیت تبلیغ اور اکمال الدین: يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ... الْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا... [3] آیت اولی الامر: أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ [4] پر دوبارہ نظر کریں تو معلوم ہوتا ہے یہ آیات رسول اللہ کے بعد بلا فصل جانشین کو بیان کرنا چاہتی ہیں۔ مثلاً آیت ولایت دلالت کرتی ہے کہ مسلمانوں کے حاکم اللہ، رسول اور وہ جو یہ صفت رکھتے ہیں اور یہ صرف حضرت علی علیہ السلام کی ذات پر تطبیق کرتی ہے، علمی تعبیر کے مطابق مذکورہ آیات یہ بیان کرنا چاہتی ہیں کہ رسول خدا کے بعد حاکم اور خلیفہ کون ہے؟ اور جو خصوصیات ذکر ہوئی وہ صرف حضرت علی علیہ السلام کی ذات پر تطبیق کرتی ہیں۔ اگر کوئی اور لوگ بھی تھے تو کیوں ان کی صفات آیات میں ذکر نہیں ہوئی اور آیات ان پر کیوں نہیں تطبیق کررہی ہیں؟ حالانکہ قرآن مجید کی شان یہ ہے: تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ہر چیز کو بیان کرنے والا ہے۔

---

[1] ۔شرح المقاصد، ج ۵، ص ۲۰۷، عبدالعزیز دہلوی، التحفہ الاثنی عشر، منقول از خلاصہ عبقات الانوار، ج ۹، ص ۲۶۷۔

[2] ۔سورہ مائدہ، آیہ ۵۵۔

[3] ۔مائدہ، ۳۔

[4] ۔نساء، ۵۹۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

(۲): احادیث نبوی کی خلیفہ بلا فصل میں نص: آیات کے علاوہ احادیث نبوی بھی حضرت علی علیہ السلام کی امامت و خلافت بلا فصل میں ظاہر اور نص ہیں۔ مثلاً نبی اکرم ﷺ حدیث دعوت میں جب اپنے گھر میں اپنے قوم و قبیلہ کو دعوت دیتے ہیں، تو فرماتے ہیں: جو بھی میری دعوت پر لبیک کہے گا وہ میرا وصی اور خلیفہ ہوگا، عَلی اَن یَکُونَ اَخِی وَ وَصِی وَ خَلِیفَتِی فِیکُم؟ یہاں آپ کی مراد خلیفہ بدون فصل یا با فصل تھی؟

دیگر احادیث نبوی جو کہ خلافت بلا فصل کو صراحت سے بیان کر رہی ہیں یہاں ان میں سے چند نمونے پیش کیے جاتے ہیں:

امامُ المسلمین و امیرُ المؤمنین و مولاهم بعدی علی بن ابی طالب [۱]

یَا علیّ انت الأمام و الخلیفة بَعدِی، فان عِلیاً ولیکم بَعدِی [۲]

مسلمانوں کے امام، امیر المومنین اور میرے بعد انکے مولی علی بن ابی طالب ہیں۔ اے علی آپ میرے بعد امام اور خلیفہ ہیں۔ بلاشبہ علی میرے بعد تمہارے ولی ہیں۔

مصنف مزاج اہل سنت بتائیں کہ آیا ان احادیث میں بعد کا اطلاق امام علی علیہ السلام کی خلافت بلا فصل پر ہے یا یہ مطلق ہے اور پچیس سال بعد کی خلافت کو شامل ہے؟

(۳): عام احادیث نبوی: وہ تمام احادیث نبوی جو کہ حضرت علی علیہ السلام کو امام، علمی مرجع، حجت حق، معیار حق، معیار ھدایت قرار دیتی ہیں، وہ سب بھی ان کی منحصر شخصیت اور امامت بلا فصل کو بیان کرتی ہیں، کیونکہ کوئی بھی ان صفات کا مالک سوائے علی (ع) کے نہیں تھا۔ اب یہ روایات عام ہیں اور تمام زمانوں کو شامل ہیں، سوائے موضوع امامت کے باقی سب خصوصیات اور مقامات زمانہ رسول ﷺ میں بھی ظاہر تھے، صرف موضوع امامت تھا کہ جو آپ رحلت کے بعد تحقق ہوا۔

یہاں بعنوان مثال حدیث غدیر کا جائزہ لیا جاتا ہے اس میں آپ کا مشہور جملہ مَن کُنتُ مَولاہ فَعلِیٌّ مَولاہ ایک عمومی دلالت رکھتا ہے کہ جس جس کے نبی مولی اور امام ہیں اس کے علی بھی مولا و امام ہیں، یہ عمومی دلالت

۱۔ امالی، صدوق، ص ۳۷۴۔
۲۔ تاریخ مدینہ دمشق، ج ۴۲، ص ۴۳، ۴۲، بحار، ج ۳۶، ص ۳۴۹
۳۔ البدایہ والنہایہ، ج ۷، ص ۳۶۹۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

سب کو شامل ہے، حتی ان تین خلفاء کو بھی شامل ہے کہ وہ بھی اپنے تمام امور میں حضرت علی علیہ السلام کو اپنا مولی و امام اقرار دیں اور رحلت نبی ﷺ کے بعد ان کی اطاعت کرتے، نہ یہ کہ سقیفہ کا مسئلہ کھڑا کرتے اور انہیں دھمکی سے مجبور کرتے کہ ابو بکر کی بیعت کریں۔

(۴): شیخین کی خلافت کے خلاف احادیث نبوی: زمانہ نبی ﷺ میں بعض صحابہ نے ابو بکر، عمر اور علی کی خلافت کے بارے میں رسول اکرم ﷺ سے سوال کیا، تو آپ نے ابو بکر اور عمر کے بارے میں منفی جواب دیا جبکہ حضرت علی کا نام آتا تو فوری فرماتے ہاں (وذاک).[1] یہاں بھی معلوم ہوتا آپ کی امامت علی (ع) سے مقصود ان کی خلافت بلا فصل ہے۔

(۵): سیرت عقلاء کی مخالفت: دینی اور غیر دینی حاکموں کی سیرت اور تاریخ پر نظر ڈالیں تو جب کسی نے اپنا جانشین معین کرنا چاہا تو یا اپنے جانشین کی ایسی واضح خصوصیات بیان کیں کہ جو اس کے منظور نظر فرد پر تطبیق کرتی ہوں یا نہایت واضح طور پر اس کا نام لیا ہے کہ میرے بعد فلاں شخص یا میرا بیٹا مثلا میرا جانشین ہے۔

ہمارا سوال یہ ہے کہ آیا کبھی ان حاکموں سے ان کی وصیت یا تعیین کے بعد کسی نے سوال کیا ہے کہ آپ کی جانشینی سے مراد جانشین بلا فصل ہے یا فاصلہ کے ساتھ؟ اگر کسی نے ایسا سوال پہلے کہیں کیا ہو، تو ہم اہل سنت کو بھی یہ حق دیں گے کہ حضرت علی علیہ السلام کی نصوص کے بارے میں یہ سوال بیان کریں، لیکن تاریخ نے کبھی ایسا سوال کسی سے نقل نہ کیا، کیونکہ یہ سیرہ عقلاء کے خلاف ہے، ہمیشہ عقلا، عالم نے جانشین کا اطلاق جانشین بلا فصل پر کیا۔

ہاں اگر جانشین کم سن یا بیمار ہو تو ممکن ہے کوئی ایسا سوال کرے، خوش قسمتی سے اہل سنت کو امام کے بارے میں اب کوئی شبہ نہیں ہے اور نہ ان کی حاکمیت میں کوئی مشکل موجود ہے، اسکے علاوہ آپ نبی کی جانشینی کے لئے سب سے برتر بالیاقت شخصیت تھے۔

(۶): جانشینوں کی کثرت نہ ہونا: مندرجہ بالا شبہ پیش کرنے والوں کا مقصود یہ تھا کہ احادیث نبوی زیادہ سے زیادہ حضرت علی علیہ السلام کی خلافت پر مطلق اور دوسروں کی خلافت کی نفی نہیں کرتیں، یہاں ایک نکتہ اور یہ ہے کہ اگر نبی اکرم ﷺ کی طرف سے بہت سے افراد جانشین اور خلیفہ قرار دیئے جاتے تو اس شبہ کی گنجائش

---

[1]۔ بدر الدین محمد شبلی حنفی، اکام المرجان فی احکام الجان، ص ۵۲، ۴۸ منقول از خلاصہ عبقات الانوار، ج ۱۹، ص ۲۷۵۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

باقی تھی، حالانکہ خود اہل سنت اپنے پہلے تین خلفاء کے بارے میں نصوص کے منکر ہیں، ان کی حکومت صرف بیعت کی بناء پر قبول کرتے ہیں۔ تو اس صورت میں نصوص صرف ایک شخص یعنی امام علی علیہ السلام میں منحصر ہیں اور اس انحصار کی بناء پر اگر منصوب شخص کو حکومت نہ دی جائے تو غیر منصوص کو منصوص پر مقدم کرنا لازم آتا ہے کہ جو نصوص کی مخالفت کا باعث ہے۔ بالفاظ دیگر اللہ و رسول جو کہ نصب کرنے والے ہیں ان کی نظروں میں صرف منصوص ہی اطاعت اور اتباع کے قابل ہیں اور غیر منصوب افراد یہ صلاحیت اور حق نہیں رکھتے کہ متبوع اور منصوب کے رہبر قرار پائیں۔[1]

(۷): حضرت علیؑ اور دیگر اصحاب کی رائے کی مخالفت: اگر یہ نظریہ نبی ﷺ کے زمانہ زندگی میں موجود ہوتا تو سقیفہ کی شورای اور انصار اور مہاجرین کے دلائل میں بھی بیان ہوتا، لیکن کسی نے اس دن ایسی کوئی بات نہ کی بلکہ نبی ﷺ کے بہت سے جانشینوں کا فرض کبھی تاریخ میں بیان ہی نہیں ہوا۔

اسی طرح اگر حضرت کی خلافت سے مقصود فاصلہ کے ساتھ خلافت ہوتی تو آپ اسے شروع سے ہی قبول کرتے، لازم نہیں تھا کہ خلافت نہ ملنے پر احتجاج و شکوہ کرتے اور امور خلافت اپنے ہاتھ میں لینے کے لئے حضرت زہرا علیہا السلام کے گھر دھرنا دیا جاتا، یا رات کو حضرت زہراء، امام حسن اور امام حسین علیہم السلام کے ہمراہ جنگ بدر میں شرکت کرنے والے صحابہ کے گھروں میں نصرت کی درخواست کے لئے جایا جاتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ آیات اور روایات صرف حضرت علی علیہ السلام کی بلافصل امامت کو ثابت کرتی ہیں اور دیگر ان کی خلافت کے اثبات یا عدم اثبات کے حوالے سے ساکت ہیں۔ شیعہ دیگر آئمہ علیہم السلام کی امامت کو بھی احادیث نبوی اور خود حضرت علی علیہ السلام کی روایات سے ثابت کرتے ہیں۔

سولہویں توجیہ: امامت کا معنوی ولایت سے خاص ہونا

بعض اہل تصوف جو کہ نبی ﷺ کی دینی نصوص کے ظواہر کو اپنی خاص عرفانی نظر سے تفسیر و تاویل کرتے ہیں، نصوص امامت کو بھی سیاسی اور معاشرتی رہبری کی بجائے معنوی امور، راہ طریقت کے طے کرنے اور غیبی اسرار الٰہی سے خبر دینے سے تفسیر کرتے ہیں۔ محی الدین عربی خلیفہ کو دو قسموں یعنی خدا کے طرف سے خلیفہ اور دوسرا نبی کی طرف سے خلیفہ میں تقسیم کرتے ہیں، پہلا منصوب نہیں ہو سکتا اور دوسرا قابل نصب ہے، البتہ وہ

---

[1] ۔ نفحات الازھار، ج ۶، ص ۳۱، ج ۹، ص ۳۲، ۱۲۵۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

تاکید کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے جب دنیا سے رحلت پائی تو اس وقت اپنے بعد خلافت کے لئے کسی بارے میں نص نہیں فرمائی تھی۔ وہ اس کی یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ جانتے تھے کہ امت میں کوئی ہے کہ جو اللہ سے اپنی خلافت حاصل کرے گا۔

اخذ الخليفة عن الله عين ما أخذه منه الرسول فنقول فيه بلسان الكشف خليفة الله و بلسان الظاهر خليفة رسول الله و لهذا مات رسول الله (ص) و ما نص بخلافة عنه الى احد ولا عيّنه لعلمه ان فى امته مَن يأخذ الخلافة عن ربه [1]

اس کا ولایت سے مقصود وہی باطنی ولایت ہے کہ جو نص اور نصب کی محتاج نہیں ہے، بلکہ سیاسی ولایت ایک اعتباری ولایت ہے کہ وہ نصب کی محتاج ہے۔ بعض دیگر لوگ بھی حضرت علی علیہ السلام کی امامت پر دلالت کرنے والی نصوص مثلاً حدیث غدیر کو اسی معنی پر حمل و تفسیر کرتے ہیں۔ [2]

تجزیہ و تحقیق

یہ نظریہ اور رجحان قرآن مجید اور احادیث نبوی سے نصوص کی مسئلہ امامت پر دلالت سے ناسازگار ہے، اس نظریہ کا ضعف پچھلے مطالب سے روشن ہے اور مزید تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔

---

[1] ۔ فصوص الحکم، فص داودی، امام خمینی (رح) اپنی تعلیمات میں اس کے مغالط کا ذکر فرماتے ہیں کہ جو سیاسی اور باطنی ولایت کو خلط کرنے سے پیدا ہوا (تعلیقات علی الفصوص فص داودیہ)

[2] ۔ سلامت علی ہندی، التبصرہ، منقول از خلاصہ عبقات الانوار، ج ۹، ص ۳۲۰۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

چھٹا باب:

صفات امام (ع) کے بارے میں شبہات

پہلا شبہ: ائمہ کے علم غیب کا انکار

امام کی ایک ضروری صفت دین و شریعت کے بارے میں کامل اور جامع علم کا حامل ہونا ہے جسے بعض روایات میں علم غیب اور علم لدنی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بعض اہل سنت[1] اس علم کے منکر ہیں، انکا دعوی ہے کہ امام کا علم بھی مادی اور بشری ہے اور اس کا دیگر انسانوں کے علم سے کوئی امتیاز نہیں ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا علم بھی اجتہادی اور خطا پذیر (اگرچہ کم خطا ہو) ہے۔ یہ لوگ ائمہ اطہار علیہم السلام کی نسبت علم غیب، نا محدود اور دیگر خارق العادہ صفات کو شیعہ غلات کا عقیدہ جانتے ہیں اور خود ائمہ کو (علماء ابرار) سے توصیف کرتے ہیں۔[2]

تجزیہ و تحقیق

الف: امامت کی حقیقت سے مختلف نظریہ

علم غیب کا امام میں ہونے یا نہ ہونے کے حوالے سے پہلا نکتہ یہ ہے کہ اہل سنت اور شیعہ میں حقیقتِ امامت کے بارے میں دو طرح کی رائے ہے، اہل سنت چونکہ امام اور امامت کی حقیقت کو صرف ایک سیاسی حاکم کی صورت میں دیکھتے ہیں کہ جو لوگوں، شوری یا طاقت وزور سے منتخب ہو، لہٰذا ایسے مقام کا غیب اور عالم ماورای طبیعت سے رابطہ کی نفی کرتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ حاکم کو حدِ اجتہاد تک یا اس سے کم حد تک کے عالم سے تفسیر کرتے ہیں۔

علماء اہل سنت کی آراء خود ان کے خلفاء کی حد تک درست ہیں، چونکہ ان کے خلفاء میں سب سے معتبر مثلا ابو بکر اور عمر نے حضرت علی علیہ السلام کے سامنے کئی بار اپنے علمی عجز کا اظہار کیا اور لوگوں نے عمر سے کئی بار یہ سنا کہ لَولاَ عَلیٌّ لَهَلَکَ عُمَر۔

---

[1] ۔ اہل سنت امام میں ایک فقیہ اور مجتہد کی حد تک علم معتبر جانتے ہیں۔ بغدادی، کتاب اصول الدین، ص ۲۷۷، تفتازانی، شرح المقاصد ج ۲، ص ۳۸۰، ۳۸۲، عضد الدین ایجی، شرح المواقف، ج ۸، ص ۳۸۰۔

[2] ۔ حسین مدرسی طباطبائی، مکتب در فرایند تکامل، ص ۱۴، ۳۱، ۳۹، ۴۳، ۴۸، ۵۴۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

لیکن شیعہ چونکہ زمانہ خاتمیت میں امامت کی ضرورت کے فلسفہ اور حضرت علی علیہ السلام جیسے آئمہ کی امامت کے قائل ہیں لہٰذا امامت کو اہل سنت سے مختلف تعریف کرتے ہیں اور اس ضمن میں امام کو اعلم اور علم غیب کا حامل جانتے ہیں۔

بعض شیعہ معاصرین بھی اسی آفت میں مبتلا ہیں، وہ بھی آئمہ اور امامت کے مقام کو درک نہ کرنے کی بناء پر اسے ایک مفکر اور دانشور کی حد تک لاتے ہیں کہ جس کا علم معمول کے مطابق ذرائع سے حاصل ہوتا ہے اور اس میں خطا کا احتمال بھی ہے۔ اگرچہ مقام امامت کی عظمت پر خود نبی اکرم ﷺ اور آئمہ علیہم السلام سے بہت سی احادیث نقل ہوئی ہیں۔

ہم یہاں ایک سوال کرتے ہیں کہ آیا حضرت علی علیہ السلام کا جبرائیل کی آواز سننا اور اسے مشاہدہ کرنا اور رسول اکرم ﷺ کی تائید کرنا اور حضرت سے بہت سی غیبی اخبار و احادیث، شیعہ کے اس عقیدہ پر دلیل نہیں ہیں کہ امامت اور آئمہ کی شخصیت کا گوہر دیگر انسانوں سے قابل مقایسہ نہیں ہے۔

ب: دین کے امور میں علم غیب کا معتبر ہونا

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ وہ علم غیب اور علم لدنی کہ جس کے بارے میں شیعہ قائل ہیں کہ امام میں ہونا لازمی ہے، وہ مطلق اور عام نہیں ہے بلکہ دینی امور اور تعلیمات خواہ وہ معرفت خواہ شریعت سے تعلق رکھتی ہوں ان سے خاص ہے، یعنی امام دین و شریعت کے حوالے سے تمام امور اور مسائل کا عالم ہو اور اس علم کی اللہ اور غیب سے تائید ہو۔ لیکن وہ امور جن کا دین سے ربط نہیں ہے مثلاً امام حسین علیہ السلام کا روز عاشورا اپنی شہادت کے بارے میں علم رکھنا یا حضرت علی علیہ السلام کا ۱۹ یا ۲۱ ماہ رمضان اپنی شہادت کا علم رکھنا، اس حوالے سے شیعہ علماء میں اختلاف ہے اور شیعہ اسے علم کو امامت میں ضروری بھی نہیں سمجھتے۔[1]

ج: فلسفہ امامت میں علم غیب کا لزوم

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی رحلت کے بعد کوئی اور نبی نہیں آئے گا اور امتِ اسلام کو اپنے رہبر کی ضرورت ہے کہ جو وحی کے علاوہ باقی جہات میں پیغمبر کی مانند ہو، تاکہ نئے دین اسلام کو تحریف اور بدعت کے ضرر سے بچا رکھے، مخالفین اسلام اور مسلمانوں کے سوالوں کا جواب دے اور جدید مسائل کو

---

[1] ۔ اوائل المقالات، ص ۳۱۳

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

واقع کے مطابق حل کرے۔ کیونکہ امام کا وجود دین اور اس کی تعلیمات کی صحیح تفسیر کے لئے ضروری ہے اور اگر اس کا اپنا علم معمولی اور خطا پذیر ہو تو تفسیر دین بالخصوص وہ دین جو کہ خاتمیت اور اکمال کا دعویدار ہے، وہ مشکلات، نقائص اور تحریف و بدعت کا شکار ہوگا کہ جس کے نتیجہ میں فلسفہ خاتمیت اور جاودانی بھی خدشہ دار ہوگا۔[1]

د: علم غیب امام کی باطنی ولایت کا ثمرہ

شیعہ امام کو نبوت کی حد تک بلکہ اس سے بڑھ کر جانتے ہیں اور اس کی دلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبوت کے بعد امامت عطا ہونا ہے کہ اس کی وضاحت پہلے باب میں گزر چکی ہے۔ پس شیعہ کے نزدیک امام ایک خاص معنوی مقام کا حامل ہے کہ جو عالم غیب اور الوہی سے رابطہ پر قادر ہے اور اسی ذریعے علم حاصل کرتا ہے۔ یہ کہ آئمہ اطہار علیہم السلام ملائکہ سے رابطہ رکھتے تھے اور احادیث میں اسے "مختلف الملائکہ" اور آئمہ کو محدث[2] سے تعبیر کیا گیا ہے۔

آئمہ علیہم السلام کے دور میں خود آئمہ سے بھی ان کے علم کے بارے میں سوال کیا جاتا تھا، چونکہ ان کے ملائکہ کے ساتھ غیبی رابطہ کی بات بیان ہوتی تو اصحاب اور احباب اپنے قلبی ایمان کی خاطر آئمہ علیہم السلام سے اس کا سوال کرتے تھے اور آئمہ بھی مختلف تعبیرات کے ساتھ اس موضوع کی تائید فرماتے تھے۔ مثلاً حارث بن مغیرہ نے امام صادق علیہ السلام سے عرض کی کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ کا علم دل میں ڈالنے اور کانوں میں گونجنے (الہام کی قسم) کے ذریعے پیدا ہوتا ہے؟

قلتُ أنا نتحدّث انه يقذف فِي قُلُوبِكُمْ وَ يَنكت فِي آذَانِكم

حضرت نے سوال کرنے والے کی تائید میں فرمایا: اوذاک۔[3]

حارث نصری نے امام باقر سے پوچھا کہ اگر امام سے سوال ہو اور وہ جواب نہ جانتا ہو تو کہاں سے علم پیدا کرے گا؟ فرمایا:

يَنكت فِي الْقُلُوبِ نكتاً أَوينقر فِي الأُذن نقراً[1]

۱۔ الشافی فی الامامۃ، ج ۱، ص ۱۷۹۔

۲۔ الدر المنثور ج ۵، ص ۳۷۸، ذیل آیت ۳۳۔ سورہ احزاب، شرح نہج البلاغہ، ج ۲، ص ۲۸۳، الکافی، ج ۱ ص ۲۲۱، ۲۷۰۔

۳۔ کافی، ج ۱، ص ۲۶۴، بصائر الدرجات، ص ۳۱۷، ۳۲۷۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

امام کاظم علیہ السلام بھی اپنے آئندہ علم کا سرچشمہ (قَذَفَ فِی الْقُلُوبِ وَ نَقَرَ فِی الأَسْمَاعِ) سے توصیف فرماتے ہیں، لیکن ساتھ اس طرح کی امامت کے خاتمیت سے تعارض کے شبھ کو دور کرنے کے لئے فرماتے ہیں نبی (ص) سے بعد کوئی نبی ظہور نہیں کرے گا۔[۲]

امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں:

اِنَّ العَبدَ اِذَا اختاره الله عزّوجلّ لِاُمورِ عِبَادِهِ شَرحَ لِذٰلِک صدره واودع قلبه ینابیع الحکمة و آلهمه العلم الهاماً فلم یعی بعده بجواب ولا یحیر فیه عن الصواب فَهُوَ مَعصوم مؤید موفق مسدّد قد آمن الخطایا و الذلل والعثار یخصه الله بذالک لیکون حجته علی عباده و شاهده عَلی خلقه [۳]

بلاشبہ جب اللہ تعالی کسی بندے کو اپنے بندگان کے امور کے لئے انتخاب کرتا ہے ،اسے شرح صدر عطا کرتا ہے اور اس کے دل میں حکمت و دانش کے سرچشمے کھولتا ہے، الہام کی جنس سے اسے الہام کرتا ہے کہ اس کے بعد سوال کا جواب دینے سے عاجز نہیں ہوتا اور حق و صداقت سے متحیر نہیں ہوتا، نتیجہ نکلا ایسی شخصیت معصوم، مؤید، موفق ہے کہ خطاؤں، انحراف اور لغزش سے محفوظ اور امان میں ہوتا ہے اللہ تعالی نے ایسا مقام معصوم امام سے خاص کیا ہے تاکہ اس کے بندوں کے لئے حجت اور شاہد ہو۔

ھ: علم غیب، عصمت اور حجت الہی کا لازمہ

بہت سی احادیث نبوی میں امام بالخصوص حضرت علی علیہ السلام کے لئے مندرجہ ذیل صفات: اتباع کا واجب ہونا، حجت خدا، عصمت، میزان حق، حق کا علی (ع) کے ساتھ ملازمہ، اہل بیت کی ہدایت نجات کا سبب اور معدن علم توصیف ہوئی ہیں کہ جس کا لازمہ ان کا خاص الہی علم ہے کہ جس میں خطا نہ ہو، ورنہ ان صفات کا اطلاق ایسے امام پر کہ جو خطا کر سکتا ہو درست نہیں ہے۔

---

[۱]۔ امالی طوسی، ص ۴۰۸، بصائر الدرجات، ص ۳۱۶۔

[۲]۔ کافی ج ۱، ص ۲۶۴۔

[۳]۔ کافی، ج ۱، ص ۲۰۲، عیون اخبار الرضا، ج ۱، ص ۲۲۱، معانی الاخبار، ص ۱۰۱۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

و: ائمہؑ کے علم غیب کے اثبات پر احادیث

مذکورہ دلائل کے علاوہ آئمہ کا علم غیب احادیث نبوی میں بھی تاکید سے بیان ہوا ہے۔ پیغمبر اکرم ﷺ فریقین کے نزدیک مورد اتفاق ایک روایت میں فرماتے ہیں:

من اراد ان ینظر الی آدم فی علمه والی نوح فی تقواه و الی ابراهیم فی حلمه والی موسی فی هیبته و الی عیسی فی عبادته فلینظر الی علی بن ابی طالب [1]

جو یہ چاہتا ہے کہ آدم کے علم، نوح کے تقوی، ابراہیم کے حلم، موسی کی ہیبت اور عیسی کی عبادت کو دیکھے وہ علی ابن ابیطالب کو دیکھے۔

چونکہ آدم علیہ السلام کا علم ملائکہ کے علم سے بالاتر اسماء کا علم تھا، معلوم ہوتا ہے وہ علم خاص اور علم لدنی تھا، تو اس حدیث کے مطابق حضرت علی علیہ السلام کا علم بھی حضرت آدم علیہ السلام کے علم کی مانند علم لدنی ہے۔

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

نَحنُ خَزَانُ عِلمِ اللهِ وَ نَحنُ مَعدنُ وَحیِ اللهِ [2]

نَحنُ وُلاةُ اَمرِ اللهِ وَخَزَنَةُ عِلمِ اللهِ وَ عَیبةُ وَحیِ اللهِ [3]

ہم علم خدا کے خزینے ہیں اور ہم وحی خدا کی معدن ہیں۔ ہم امر خدا کے سرپرست، علم خدا کے خزینے اور وحی خدا کے منبع ہیں۔

نیز امام باقر علیہ السلام انبیاء اور اوصیاء کے لئے ایسی روح کی خبر دیتے ہیں کہ جس کی بناء پر نبی اور اس کا وصی، عرش اور زمین کی تمام خبریں اور معلومات کا علم رکھتا ہے:

فبروح القدس- یا جابر - عَرَفُوا مَاتحت العرش الی ماتحت الثری [1]

۱۔ فخر رازی، تفسیر کبیر، ج ۷، ص ۸۶، ذیل آیہ مباہلہ، ینابیع المودۃ، ص ۲۱۴، شرح نہج البلاغہ، ج ۲، ص ۲۲۹، ابن تیمیہ، منہاج السنۃ النبویۃ، ج ۵، ص ۵۱۰

۲۔ امالی صدوق، ص ۲۵۲، بصائر الدرجات، ص ۱۰۳، ب ۱۹۔

۳۔ کافی، ج ۱، ص ۱۹۲۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ایک اور روایت میں حضرت بیان فرماتے ہیں: نبی کی رحلت سے روح القدس امام کی طرف منتقل ہو جاتی ہے کہ اسے نہ حالت خواب اور نہ غفلت پیش آتی ہے۔[۲]

امام رضا (ع) فرماتے ہیں: الامام المَخصوصُ بالعلمِ ... واحد دهره لايدانيه احد ولا يعادله عالم و لا يُوجَدُ منه بدل ولاله مثل ولا نظير مخصوص بالفضلِ منِ غيرِطلب منه ولا اكتساب بل اختصاص من المفضّل الوهاب... الامام عالم لايجهل...[۳]

امام کی خصوصیت علم ہے ---وہ اپنے زمانے کا یکتا ہے کوئی اس کے قریب نہیں ہو سکتا نہ کوئی عالم اسکی برابری کر سکتا اور نہ ہی کوئی اسکی مثل و نظیر بن سکتا ہے وہ پرودگار کی جانب سے عطاء شدہ خاص فضل کا حامل ہے ---امام عالم ہے کہ جہالت سے پاک ہے--

آیا ان روایات اور دیگر مذکورہ نکات کے پیش نظر کہا جا سکتا ہے کہ آئمہ علیہم السلام کا علم بشری، اجتہادی اور خطا پذیر ہے؟

دوسرا شبھہ: بعض روایات میں علم غیب کی نفی

شاید یہاں پر سوال پیش ہو کہ اگر آئمہ علیہم السلام کا علم غیب اور علم لدنی رکھنا مسلّم ہے تو کیوں بعض روایات میں اس کی نفی ہوئی ہے اور آئمہ علیہم السلام نے اصحاب کے سوالوں کے جواب میں اس کا انکار کیا ہے؟

تجزیہ و تحقیق

اس شبھہ کے نقد میں چند نکات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

الف: مقصرہ[۴] مخاطب کی رعایت

قرآن مجید میں علم غیب کو اللہ تعالی کے ساتھ خاص امور میں شمار کیا گیا ہے۔ وَعِندَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لاَ يَعْلَمُهَا إِلاَّ هُوَ... .[۱]

---

[۱] ۔ سید ہاشم بحرانی، ینابیع المعاجز، ص ۷۰۔

[۲] ۔ بحار، ج ۱۸، ص ۳۶۴۔

[۳] ۔ عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۶۔۱۹۵۔

[۴] ۔ مقصرہ کا معنی کوتاہی ہے، علم کلام کی اصطلاح میں ایسے شیعہ پر اطلاق ہوتا ہے کہ جو آئمہ کی معنوی اور کمالی صفات کو درک سے عاجز ہو اور آئمہ کو خاص صفات مثلاً عصمت، علم لدنی اور الھام سے توصیف نہ کر سکتا ہو۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

بعض لوگ حتی شیعہ عوام بھی قبول نہیں کرتے تھے کہ علم غیب جو کہ اللہ کا ذاتی اور استقلالی علم ہے، آئمہ کا علم غیب اللہ کے علم سے تعلق رکھتا ہو، وہ ہر دو صورت میں امام کی طرف علم غیب کی نسبت کو قبول نہیں کرتے تھے۔ لہٰذا آئمہ علیہم السلام ان شیعوں کو ملاحظہ کرتے ہوئے جو عقلی طور پر مسئلہ غیب کو حل کرنے میں عاجز تھے، اپنے علم غیب کی نفی کرتے تھے۔ اس کی ایک مثال حضرت علی علیہ السلام کے ایک لشکری کا اعتراض ہے کہ جب آپ نے فتح بصرہ کی خبر دی تو اس نے اعتراض کیا کہ کیا آپ علم غیب جانتے ہیں؟ حضرت نے فرمایا: یہ علم غیب نہیں ہے بلکہ نبی اکرم ﷺ سے حاصل کیا ہوا علم ہے۔[۲]

ب: غالی مخاطب کا ملاحظہ

ائمہ علیہم السلام کے بعض شیعہ اور مخاطب ایسے تھے کہ جو علم غیب کی حقیقت اور ائمہ کا علم اللہ کے علم غیب کے تابع ہونے کو درک کرنے پر قادر نہ تھے، بسا اوقات آئمہ سے علم غیب کا چھوٹا سا نمونہ دیکھ کر انہیں مقام نبوت اور کبھی مرتبہ الوھیت پر لاتے تھے اور غلو کرتے تھے۔ اسی لیے جب ائمہ علیہم السلام یہ محسوس کرتے کہ سوال کرنے والے میں غلو کی حالت ہے، تو فوراً اس کی اس حالت کو ختم کرنے کے لئے اپنے علم غیب کی نفی کرتے، مثلاً سدیر امام صادق علیہ السلام کے اصحاب میں سے ہے، نقل کرتے ہیں کہ میں ابو بصیر، یحییٰ بزاز اور داود بن کثیر ایک محفل میں تھے کہ حضرت نہایت خشمگین حالت میں محفل میں تشریف لاتے ہیں اور فرماتے ہیں:

ایسے لوگوں پر تعجب ہے کہ جو یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم علم غیب جانتے ہیں، حالانکہ میں نے کنیز کی تنبیہ کا قصد کیا ہوا تھا اور وہ فرار ہو گئی میں نہیں جانتا کہ وہ کونسے کمرے میں (مخفی) ہے۔

سدیر بتاتے ہیں جب حضرت وہاں سے نکلے اور اپنے گھر میں داخل ہوئے تو میں، ابو بصیر اور میسر ان کے گھر میں گئے اور ان سے سوال کیا آپ اپنی کنیز کے گم ہونے کے بارے میں یہ فرما رہے ہیں، حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ آپ میں بہت زیادہ علم ہے، البتہ ہم آپ کی طرف علم غیب کی نسبت نہیں دیتے۔ حضرت نے جواب میں اس شخص کی طرف اشارہ کیا جو تخت بلقیس کو لایا اور اس کے پاس علم کتاب کا ایک ذرہ تھا اور فرمایا: اس کے پاس علم کتاب کا ایک قطرہ تھا جبکہ ہمارے تمام علم کتاب ہے[۳]

۱۔ انعام آیت ۵۹، نمل، آیت ۶۵، اعراف آیت ۱۸۸۔
۲۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۲۸ شرح نہج البلاغہ، ج ۸، ص ۲۱۵
۳۔ کافی، ج ۱، ص ۲۵۷۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

اس تاریخی فراز سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اپنا مؤقف بیان کرنے میں عوام اور خواص کے حال کا ملاحظہ فرماتے تھے۔

ج: علم استقلالی کی نفی

علم غیب کی نفی پر روایات کی تفسیر میں تیسری وجہ یہ ہے کہ آئمہ علیہم السلام کا علم غیب کی نفی سے مراد علم غیب استقلالی کی نفی کرنا ہے، یعنی یہ کہ امام دعوی کریں کہ ان کے پاس اپنی طرف سے اور بغیر الہی اذن و عنایت کے علم ہے، اس علم کی آئمہ نے نفی کی۔

حتی کہ نبی کا علم بھی اللہ کی عنایت کے تابع اور علوم الہی کے خزانوں سے نازل ہوتا تھا۔ لہٰذا وہ آیت جس میں نبی اکرم ﷺ اپنے علم غیب کی نفی فرماتے ہیں، وہاں مراد علم استقلالی ہے۔[1] جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ حضرت نے اپنے لشکری کے اعتراض میں اپنے علم غیب کی نفی کرتے ہوئے اسے رسول اللہ ﷺ سے نسبت دی[2] اور اس روایت میں آپ مزید فرماتے ہیں: اللہ تعالی، اپنا علم غیب نبی اکرم ﷺ کو اور انہوں نے مجھے تعلیم دیا۔ اس جمع کی وجہ کو اکثر علماء شیعہ نے ذکر کیا۔[3]

د: علم فعلی کی نفی

بعض روایات سے یہ نکتہ سامنے آتا ہے کہ آئمہ اطہار علیہم السلام بالفعل سب علوم کو نہیں جانتے تھے، بلکہ جب چاہتے تو اللہ نے انہیں عطا فرماتا: عمار ساباطی نے جب امام صادق علیہ السلام سے علم غیب کے بارے میں پوچھا۔ تو حضرت نے فرمایا:

لاَولکن اِذَا اَرَادَ اَنْ یعلم الشی أعلمه الله ذلک [4]

تیسرا شبھہ: امام اور امامت میں علم غیب کا معتبر نہ ہونا

وہ لوگ جو امام کو ایک دینی عالم یا سیاسی حاکم کی حد تک دیکھتے ہیں، وہ کہتے ہیں امام میں علم لدنی اور علم غیب شرط نہیں ہے، اہل سنت تو شروع سے ہی آئمہ میں علم لدنی کے منکر ہیں۔

---

[1] ۔اعراف، آیت ۱۸۸۔
[2] ۔نہج البلاغہ، خطبہ ۱۲۸، شرح نہج البلاغہ، ج ۸، ص ۲۱۵۔
[3] ۔مجلسی، بحار، ج ۲۵، ص ۲۶۸، المیزان، ج ۱۸، ص ۱۹۶
[4] ۔کافی، ج ۱، ص ۲۵۸ و باب ان الائمۃ اذا شاؤا علموا

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

دور حاضر میں یہ شبہ بعض نے پیش کیا[۱] ۔ وہ لوگ نہج البلاغہ کے فراز کی طرح بعض روایات سے تمسک کرتے ہیں کہ امام علی علیہ السلام نے خود کو العلماء کا مصداق قرار دیا ہے، لہٰذا امامت میں علم غیب کے معتبر ہونے یا شرط قرار پانے کی نفی کرتے ہیں۔[۲]

تجزیہ و تحقیق

اس شبہ کے تجزیہ میں چند نکات قابل توجہ ہیں:

الف: مقام امامت کو تنزل دینا

پہلے باب میں بیان ہو چکا ہے کہ اہل سنت امامت کو سطحی نظر سے دیکھتے ہیں اور امام ایک دینی حاکم اور زیادہ سے زیادہ ایک مجتہد عالم کی مانند ہے جو خطاء بھی کر سکتا ہو جبکہ امامیہ آیات بالخصوص حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقام امامت کی آیت[۳] کے پیش نظر امام کو نبی کی مانند یا اس کے بالاتر جانتے ہیں۔ امام علی علیہ السلام اور دیگر آئمہ علیہم السلام جو احادیث نبوی کی رو سے اس مقام پر فائز ہیں، ان تمام صفات اور مقامات کے بھی حامل ہیں بالخصوص روایات میں حضرت علی علیہ السلام کی عصمت اور علم لدنی کی بھی صراحت ہوئی ہے۔

ب: روایات کے ساتھ مخالفت

یہاں سوال یہ ہے کہ حقیقت امامت اور اس کی ضروری صفات کا ملاک و معیار کیا ہے؟ آیا ہر کسی کو حق ہے کہ امام اور اس کی صفات کی تعریف و تعیین کرے یا قرآن و حدیث کی طرف رجوع کریں؟ بالفاظ دیگر آیا حقیقت امامت کو جاننے کی راہ قرآن و حدیث ہے یا عقل ہے؟

اگر عقل کی بات ہو تو پہلے باب میں فلسفہ امامت کی بحث میں بیان ہو چکا ہے کہ خاتمیت کے بعد لوگوں کے مسائل کے حل کے لئے امام میں عصمت اور علم لدنی جیسی صفات ضروری ہیں، تاکہ اسلام کا یہ نوپا درخت اپنی نشو ونما بڑھائے، اگر احادیث کی طرف رجوع کریں تو اس موضوع پر بہت سی احادیث ہیں جو امام کے لئے ایسی صفات

۱۔ لولا حضور الحاضر و قیام الحجة بوجود الناصر و ما اخذ الله علی العلماء... لألقیت حبلها علی غاربها (نہج البلاغہ، خطبہ ۳)

۲۔ کدیور، مجلہ مدرسہ، اردیبہشت، ۱۳۸۵، ش ۳، ص ۹۵۔

۳۔ بقرہ ۱۲۴۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ثابت کرتی ہیں، لہٰذا ان لوگوں کی بات درست نہیں ہے جو یہ دعوی کرتے ہیں کہ ایسی صفات نصوص میں وارد نہیں ہوئی، بلکہ یہ تیسری صدی کے متکلمین کی ایجاد کردہ ہیں۔

بعنوان نمونہ دو روایات کی طرف اشارہ ہوتا ہے:

امام سجاد علیہ السلام ایک عظیم و ظریف حدیث میں آئمہ علیہم السلام کی بلند ترین صفات اور عظیم ترین مقامات کا ذکر فرماتے ہیں اور آئمہ علیہم السلام کہ حجج اللہ، امان اہل الارض، آسمانوں کا اپنی جگہ قائم رکھنے کا وسیلہ، بارشوں کے نزول میں واسطہ اور آئمہ کے نہ ہونے کی صورت میں لوگوں کی ہلاکت و تباہی سے توصیف کرتے ہیں:

نَحنُ آئمةَ المُسلِمِينَ وَ حُجَجَ اللهِ عَلى العَالَمِين... نَحنُ امان اهل الأرض كَمَا اَن النَجُومَ امان لأهل السماء و نحن الذين يمسک الله السماء اَن تقع على الأرضِ الا بِاذنه و بنا يمسک اَن تميدَ باهلها و بنا ينزل الغيث و ينشر الرحمة و يخرج بركات الأرض ولولا ما فى الارض منا لساخت باهلها [1]

امام رضا علیہ السلام امام کی تعریف میں فرماتے ہیں:

الإمامُ المَخصُوصُ بِالعِلمِ... واحد دهره لايدانيه احد ولايعادله عالم ولا يوجد منه بدل ولاله بدل ولا نظير مخصوص بالفضل- كلٌ من غير طلب منه ولا من اكتساب بل اختصاص من المفضِّل الوهابِ... الامامُ عالم لايجهل و اودع قلبه ينابيع الحكمة و ألهمه العلم الهاماً [2]

ان اوصاف کے ہوتے ہوئے آیا یہ دعوی درست ہے کہ آئمہ علیہم السلام عام معمولی علم کے حامل ہیں، زیادہ سے زیادہ وہ دیگر علماء سے اعلم ہیں؟ ایسی تعابیر آیا صرف ایک اعلم کیلئے روا اور درست ہیں؟

حضرت کی نہج البلاغہ میں کلام کہ جہاں آپ نے علماء سے اللہ تعالی کے پیمان کا ذکر فرمایا کہ وہ لوگوں کے فقر اور ظالموں کے ظلم کے مد مقابل خاموش نہ رہیں اور اس کی حضرت نے اپنے آپ پر تطبیق فرمائی، یہاں حضرت حکومت قبول کرنے کے فلسفہ کو بیان فرماتے ہیں، یعنی بھوک و افلاس میں پڑے لوگوں اور مظلوموں کے حقوق

---

[1]۔ فرائد السمطین، ج ۱، ص ۴۵۔

[2]۔ عیون اخبار الرضا، ج ۱۲، ص ۶۔ ۱۹۸۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

کے دفاع کا وظیفہ صرف امام کے لئے نہیں بلکہ تمام علماء کے لئے ہے، تو اس موقع کی مناسبت سے امام کو عالم سے توصیف فرمایا۔ یہ شبہ پیش کرنے والے ان احادیث کی طرف کیوں نہیں توجہ کرتے کہ جہاں حضرت مقام امامت اور شخصیت امامت کی عدم معرفت اور قرآن میں امامت کی حقیقت سے اصحاب اور عام لوگوں کی جہالت کا شکوہ فرماتے ہیں:

حَتّٰی اَبقٰی وحدی اَ و قلیل بن شیعتی الذین عَرَفُوا فضلی و فرض امامتی مِن کتابِ اللهِ عَزَّوَجلَّ و سنة رَسُولِ اللهِ [1]

میں تنہا رہ گیا میرے شیعوں میں سے بہت کم لوگ میرے ہمراہ رہے، یہ وہ لوگ ہیں کہ جو کتاب خدا اور سنت رسولِ خدا کی رو سے میری فضیلت کو اور وجوب امامت کو جانتے ہیں۔

ج: فلسفہ امامت کے ساتھ ناسازگاری

اگر آئمہ علیہم السلام کے علم لدنی والی کی نفی جائے اور انہیں علماء ابرار کی حد تک تعریف کیا جائے تو اس نظر کی بنا پر فلسفہ امامت سے دور ہو جاتے ہیں۔ چونکہ پہلے باب میں بیان ہو چکا ہے کہ امام کی شان یہ ہے کہ وہ لوگوں کی ہدایت کرے اور دین و شریعت کے تمام احکام میں تنہا وہ مرجع ہے اور یہ شان اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب وہ خاشبھص الٰہی علم کا حامل ہو۔

چوتھا شبہ: علم غیب کا ائمہ اطہارؑ کے بعض اعمال سے ناسازگار ہونا

اگر ہم ائمہ علیہم السلام کے لئے علم غیب کے قائل ہوں، تو ائمہ کے چند اعمال ایسے ہیں کہ جو اس علم کے رکھنے سے سازگار نہیں ہیں، مثلاً امام علی علیہ السلام کا مسجد کوفہ کی طرف جانا حالانکہ علم غیب سے جانتے تھے کہ آج ابن ملجم کے ذریعے ضرب کھائیں گے اور شہید ہوں گے۔ امام حسین علیہ السلام نے اپنا سفیر مسلم بن عقیل کوفہ کی طرف بھیجا اور خود بھی کوفہ کی طرف حرکت کی، حالانکہ جانتے تھے کہ مسلم اور خود دونوں شہید ہوں گے۔ اس طرح ایک مثال آئمہ علیہم السلام کا خلفاء وقت سے زہر آلودہ غذا کا تناول کرنا وغیرہ ہے۔

---

[1] کافی، ج۸، ص۵۹۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

تجزیہ و تحقیق

اس شبہ کو دور کرنے کے لئے مندرجہ ذیل نکات اختصار سے بیان کئے جاتے ہیں:

(ا): امام کے علم غیب کے بارے میں مختلف نظریات

شیعہ امام میں فی الجملہ نہ بالجملہ علم غیب کے قائل ہیں، اب یہ کہ ائمہ علیہم السلام دینی تعلیمات اور احکام سے ہٹ کر دنیا کے دیگر امور، اسی طرح مستقبل اور ماضی کے مسائل کے بارے مطلق اور کامل علم رکھتے ہیں؟ یہاں پہلی بات یہ ہے کہ یہ شرطِ امامت نہیں ہے دوسرا یہ کہ بعض علماء اسے قبول نہیں کرتے اور اس میں کچھ قیود کا اضافہ کرتے ہیں کہ جس سے مندرجہ ذیل اقوال سامنے آئے ہیں:

(ا)۔امام لوح محو واثبات اور لوح محفوظ کے بارے میں مطلق علم رکھتے ہیں۔

(۲)۔امام صرف لوح محو واثبات کے بارے میں مطلق علم رکھتے ہیں۔

(۳)۔علم امام، اللہ تعالی سے درخواست پر موقوف ہے۔

(۴)۔نظریہ توقف اور جزئیات کے بارے میں امام کا علم خود ائمہ پر موقوف ہونا۔

یہ شبہ پہلی دو آراء کی بناء پر پیش ہوتا، لیکن تیسری رائے کے پیش نظر یہ شبہ وارد نہ ہوگا، کیونکہ گزشتہ اور آئندہ کے حوادث کا بالفعل علم نہیں رکھتے، ہاں جب اللہ سے علم کی درخواست کرتے ہیں تو انہیں علم حاصل ہوتا اور یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ وہ ہر امر کے لئے اللہ سے علم خاص طلب کریں۔

ب: علم غیب پر عمل کرنے کی مشکلات

ائمہ علیہم السلام علم غیب رکھنے کے باوجود علم ظاہری پر عمل کرنے میں مکلف تھے، ورنہ امور میں اختلال لازم آتا ہے کہ یہاں چند امور کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

(ا)۔علم غیب پر عمل کرنے کا ایک نتیجہ مثلاً یہ ہے کہ امام علی علیہ السلام حکومت پر فائز ہیں، ایسے لوگ جنہوں نے حال یا آئندہ ایسے جرم کرنے ہیں کہ جن پر حد شرعی جاری ہوتی ہے مثلاً سرقت، زنا، قتل تو امام ان کو جرم کے ارتکاب سے روکنے کے لئے قید میں ڈالیں۔اس کا نتیجہ کسی کو بغیر جرم کے ارتکاب کے قید کیا جائے یہ چیز حکومت کی مصلحت کے خلاف ہے۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

(۲)۔اس طرح کی سزائیں انسان کے اصل اختیار سے بھی منافات رکھتی ہیں، کیونکہ انسان کا خلیفۃ اللہ والا مقام اپنے اختیار سے محرمات اور گناہ کا راستہ ترک کرنے سے عطا ہوگا۔ لیکن یہی کام علم غیب کی رو سے جبراً کروایا جائے تو ایسا عمل خلیفۃ اللہ کے مقام کی اہمیت و قدر نہ رکھتا ہوگا۔

(۳)۔ایسا رویہ ان مجرم افراد کے اعتراض کا موجب بنے گا، ممکن ہے یہ دلیل دیں کہ شاید ہم آئندہ گناہ کے ارتکاب سے پہلے پشیمان ہوں اور ارتکاب نہ کریں لہٰذا صرف امام کے علم غیب کی بناء پر وہ قانع نہ ہوں۔

(۴)۔ایسی سزائیں نہ صرف عام لوگوں بلکہ حکومت پر فائز افراد کو بھی دی جائیں گی کہ جس سے حکومت کے امور میں ضعف پیدا ہوگا۔

(۵)۔وہ لوگ جنہوں نے گزشتہ دور میں جرم کیا، انہیں سزائیں دینے کا مطلب لوگوں کی بڑی تعداد پر حد جاری کرنا یا زندان میں ڈالنا ہے۔

(۶)۔دور دراز کے لوگوں کو جمع کرنا اور سزائیں دینا بھی بذات خود ایک پیچیدہ مشکل ہے۔

(۷)۔اگر امام صرف علم غیب کی بناء پر اقدام کریں مثلاً اپنے قاتل ابن ملجم کو گرفتار کریں، تو ممکن ہے کہ وہ ایسی نیت کا انکار کرے۔اسی طرح ان افراد کو کتنی مدت تک زندہ میں رکھا جائے اور وہ لوگ جنہوں نے اس کی مدد کرنی ہے آیا وہ بھی گرفتار ہوں؟ گرفتار ہونے والے لوگ ممکن ہے پشیمانی کا دعوی کریں اور اپنے مذموم عمل سے منحرف ہو جائیں، تو اس صورت میں علم غیب کی بناء ان سے کیا رویہ رکھا جائے۔آیا امام قاتل کے علاوہ وہ تمام لوگ بھی گرفتار کرے کہ جن کے بارے میں علم غیب کی رو سے جانتے ہیں کہ یہ امام کے لئے دیگر قسم کی مشکلات اور ضرر کا باعث بنیں گے، مثلاً جنگ میں زخمی کرنا، تہمت وغیرہ اس صورت میں بہت زیادہ لوگ گرفتار ہوں گے۔

اگر امام اپنے حق میں نقصان کرنے والے تمام افراد کو پکڑتے ہیں تو اس حوالے سے یہ سوال پیدا ہوگا کہ امام نے کیوں تبعیض کی اپنے حق میں تمام جرم کرنے والوں کو پکڑا، لیکن وہ لوگ جنہوں نے دوسروں کو اور بیت المال کو نقصان پہچایا ہے ان سے کیوں چشم پوشی کی گئی؟

امام حسینؑ کے علم اور مسلم بن عقیل کے بارے میں شبہ

مسلم بن عقیل کے کوفہ بھیجنے اور خود امام حسین علیہ السلام کا خروج بھی اس ظاہری علم پر عمل کرنے کے وظیفہ سے متعلق ہے یہاں امام حالات کی مناسبت سے صرف علم غیب کی بناپر ان امور کو نہیں چھوڑ سکتے

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

تھے، کیونکہ اس صورت میں کوفہ کے لوگ بلکہ تاریخ یہ سوال کرتی کہ جب کوفہ کے ہزاروں لوگوں نے حضرت کی رہبری میں دینی حکومت کی تشکیل کے لئے اپنی آمادگی کا اعلان کیا اور حضرت تک پیغام پہنچایا تو کیوں حضرت نے انہیں مثبت جواب نہ دیا؟

اور اگر کہا جائے کہ یہ علم غیب کی بناء پر تھا تو اہل سنت اور غیر مسلم مؤرخین جو آئمہ کے علم غیب کے قائل نہیں، وہ حضرت کے حوالے سے کچھ اور ہی تصویر پیش کرتے اور کربلا کی اس تحریک کے تمام آثار و ثمرات ختم ہو جاتے۔

اماموں کا زہر کھانا

اس حوالے سے بظاہر یہی ہے کہ اگرچہ امام علم غیب کی رو سے زہر کے بارے میں علم رکھتے تھے لیکن انہیں زہر کھانے پر مجبور کیا گیا تھا، لہٰذا اس کے سوا چارہ نہیں تھا۔ اس کے علاوہ زہر نہ کھانے کی صورت میں ان کو قتل کرنے کا ارادہ رکھنے والا ظالم حاکم ان کی شہادت کے کئی اور راستے اور طریقے ڈھونڈتا، اب امام نے اس وقت مصلحت دیکھنا تھی کہ کیا کریں، مثلاً زہر کے ساتھ شہادت میں بظاہر خلیفہ قاتل نہیں ٹھہرایا جاتا تھا، اور ظالم حاکم بھی ظاہری صورت کو برقرار رکھنے کے لئے امام کے اہل بیت، انکے پیروکار اور بعد والے جانشین کا احترام باقی رکھتا اور حداقل اس کی دوسرے طریقے کی اعلانیہ دشمنی سے بچے رہتے، جس سے مکتب شیعہ کی مخالفین میں زندگی جاری وساری رہتی۔

علم غیب کے خلاف عمل پر اعتراف کو ظاہری علم پر حمل کرنا

گزشتہ مطالب کے پیش نظر اگر روایات میں دیکھا جائے کہ امام نے کنیز کے مخفی ہونے یا دشمن کے پنہان ہونے کا تذکرہ کیا، تو وہ علم ظاہری کی رو سے ہے، اگرچہ علم غیب کی بناء پر وہ یہ سب معلوم کر سکتے تھے۔ مثلاً جنگ صفین میں ابو موسی اشعری کا امام علی علیہ السلام کے نمائندہ ہونے کی حیثیت عمرو عاص سے مذاکرے کا واقعہ مشہور ہے کہ اس میں امام نے اس کے عمرو عاص سے فریب کھانے کی پیشین گوئی کی (وکانی بہ دقد خدع) تو آپ کے ساتھیوں میں سے ایک بنام عبداللہ ارفع نے آپ سے اس قسم کا علم رکھنے کے باوجود ابو موسی اشعری کو بھیجنے کی وجہ پوچھی؟ تو آپ نے اللہ کی طرف سے لوگوں پر انبیاء الٰہی بھیجنے کی طرف اشارہ کیا کہ اللہ تعالیٰ تو اپنے علم

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ازلی کی بناء پر جانتا ہے کہ قوم یونس یا دیگر اقوام ایمان نہیں لائیں گے اور دنیا کے عذاب میں مبتلاء ہوں گے، تو پھر بھی نبی کو بھیجا تاکہ حجت تمام ہو۔[۱]

پانچواں شبہ: ائمہؑ کا اپنے تعارف میں خارق العادہ صفات کا ذکر نہ کرنا

بعض نے آئمہ کے حوالے سے ان صفات کے انکار کی ایک وجہ یہ بیان کی کہ آئمہ نے کبھی بھی خود کو ان صفات کا مصداق قرار نہ دیا اور نہ اپنے تعارف میں ان کا تذکرہ کیا۔[۲]

امام علی، امام سجاد، اور امام رضا علیہم السلام سے پیچھے بیان ہونے والی احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ جب خاص مخاطبین ان کی خدمت میں ہوتے تو وہ اپنے تعارف میں ان تمام صفات کو بیان فرماتے تھے۔ یہاں امام حسن علیہ السلام کے مسجد کوفہ میں خطبہ پر اکتفاء کیا جاتا ہے:

یا اهل کوفه اتقوا فینا فانا امراء کم و انا اضیافکم و نحن اهل البیت الذی قال الله فیهم إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا .[۳]

اے اہل کوفہ ہمارے بارے میں اللہ سے ڈرو بلا شبہ ہم تمہارے سرپرست، تمہارے مورد تکریم اور ہم وہ اہلبیت ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالی فرماتا ہے: انما یرید اللہ---

اس تعارف میں آپ الہی نصب اور عصمت پر تاکید فرماتے ہیں۔

چھٹا شبہ: آئمہؑ کی عصمت کا انکار

اہل سنت کا ایک قدیمی اور بعض معاصرین کا ائمہ علیہم السلام کی عصمت کا انکار کرتے ہوئے شبہ یہ ہے کہ وہ دعوی کرتے ہیں کہ صفت عصمت سب سے پہلے ہشام بن حکم یا دوسری و تیسری صدی کے متکلمین نے جعل کی ہے۔[۴] اس شبہ کی وجہ بھی حقیقتِ امامت کو سطحی نظر سے دیکھنا ہے۔

۱۔ یا نبی لو عمل الله فی خلقه بعلمه ما احتج علیهم بالرسل (بحار، ج۴۱، ص۳۱۰، المناقب، ج۲، ص۲۶۱۔)

۲۔ کدیور، مجلہ مدرسہ، اردیبہشت، ۱۳۸۵، ش۳، ص۹۵۔

۳۔ سیر اعلام النبلاء، ج۳، ص۳۹۳

۴۔ مکتب در فرایند تکامل، حسین مدرسی طباطبائی، ص۱۴

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

اس شبہ کا تیسرے باب میں خاتمیت اور عصمت کے ناسازگاری کے شبہ میں عقلی اور منقول دلائل سے جواب دیا ہے۔

وہ احادیث نبوی جو ائمہ اطہار علیہم السلام میں صفت عصمت پر دلالت کرتی ہیں، وہ اس دعوی کو باطل قرار دیتی ہیں جو یہ کہتے ہیں سب سے پہلے ہشام بن حکم نے اس موضوع کو پیش کیا۔ ہاں وہ عصمت کے عقیدہ کے اثبات کے لئے احادیث اور عقل سے دلائل لاتے تھے جیسا کہ ہشام کے شاگرد ابن ابی عمیر واضح کرتے ہیں کہ عصمت کے نظریہ کے اثبات میں ہشام کے بعض نکات مثلاً ایک (لاَیَنَالُ عَهدِی الظالمین) سے تمسک، بے نظیر ہیں۔[1]

اسی طرح کسی شیعہ آثار میں یہ ذکر نہیں ہے کہ ہشام نے سب سے پہلے عقیدہ عصمت کو پیش کیا حتی کہ شیخ صدوق، کہ بعض انہیں ائمہ علیہم السلام کی خارق العادہ صفات کا مخالف سمجھتے ہیں، انہوں نے بھی ایسی کوئی بات نقل نہیں کی۔ بعض مغربی محققین بھی یہی رائے رکھتے ہیں کہ عصمت کا نظریہ ہشام کے زمانہ سے پہلے امام باقر علیہ السلام کے زمانہ میں رائج تھا۔[2]

ساتواں شبہ: ائمہؑ کی عصمت کا روایات اور دعاؤں سے تعارض رکھنا

اہل سنت اور وہ لوگ جو ائمہ علیہم السلام کی عصمت کے منکر ہیں اور انہیں ایک عالم دین کی حد تک تنزل دیتے ہیں، وہ آئمہ کی عصمت نہ ہونے پر ایسی روایات سے تمسک کرتے ہیں کہ جن میں آئمہ علیہم السلام خود کو معصوم، گناہ اور خطا سے دور توصیف نہیں کرتے بلکہ ان کا اعتراف کرتے ہیں مثلاً:

فَلاَ تکفوا عَن مَقَالَةٍ بِحَقٍّ اَو مشورة بعدل فانی لست فی نَفْسِی بِفَوقِ اَن أخطی ولا آمنُ ذلک مِن فِعْلِی[3]

مجھے کلمہ حق کہنے اور عدل کا مشورہ دینے نہ رکو کیونکہ اپنے آپ کو اس سے برتر نہیں پاتا کہ خطاء نہ کروں۔

حضرت کی دعا کو بھی دلیل کے طور ذکر کرتے ہیں کہ جس میں حضرت فرماتے ہیں:

---

[1] ۔ نعمۃ، عبداللہ، ہشام بن الحکم، ص ۲۰۳۔

[2] ۔ لالونی، اریبا، تختستین اندیشہ ھای شیعی (تعالیم امام محمد باقر علیہ السلام، ۱۳۲، ترجمہ ڈاکٹر فریدون۔

[3] ۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۲۰۷۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

اللّٰھُمَّ اِغْفِرلی مَا اَنت اعلم مِنی فان عدتُ فعد علیّ بالمَغفرۃِ اللھم اِغفرلی ما وأیت من نفسی و لم تجدله و فاء عندی اللھم اغفرلی ما تقربتُ به الیک ثم خالفه قبلی اللھم اغفرلی رمزات الألحاظ و سقطات الالفاظ و شهوات الجنان و هفوات اللسان [1]

بارالٰہی جو کچھ تو میرے بارے میں مجھ سے زیادہ جانتا ہے معاف فرما۔۔۔۔۔

تجزیہ و تحقیق

مذکورہ شبھہ کے تجزیہ میں مندرجہ ذیل نکات قابل غور ہیں:

الف: آیات اور احادیث نبوی سے مخالفت:

تیسرے باب میں عصمت کے خاتمیت سے ناسازگاری کے شبھہ کے تجزیہ میں عصمت امام کی ادلہ کہ جن میں آیات و احادیث نبوی ہیں، تفصیل سے بیان کی ہیں۔ان محکم و متقن نصوص کے مطابق ضروری ہے کہ امام معصوم ہو بالخصوص حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں واضح اور شفاف آیات و روایات موجود ہیں، لہٰذا اگر ایک چند ایسے موارد پاتے ہیں کہ جو ان کی عصمت کے بظاہر خلاف ہیں تو اس کی تشریح اور توجیہ کرنی چاہئے۔

ب: حضرت کے کلام میں اصول کلی کا بیان

حضرت کی مذکورہ کلام کے حوالے سے مکمل خطبہ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت نے جنگ صفین میں اپنے اصحاب کے لئے خطبہ فرمایا، اس وقت ایک شخص نے حضرت کی ایسے تعریف و ستائش کی کہ اس سے خوشامدی اور چاپلوسی کی بو آتی تھی، حضرت نے اس بات کو ناپسند فرمایا اور خطبہ کا مذکورہ فراز بیان فرمایا اور واضح کیا کہ لوگ حاکم کی ثناخوانی کی بجائے اس سے حق اور منطقی بات کریں اور عدالت کی رو سے مشورہ دیں، کیونکہ حاکم کو ان چیزوں کی ضرورت ہے۔اب چونکہ حضرت خود بھی حاکم تھے، اخلاقی جہت سے اپنے آپ کو دیگر حاکموں سے برتر اور جدا تصور نہیں کرتے تھے، لہٰذا اپنی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ میں بھی اس خطا اور مشورہ کی احتیاج سے مستثنی نہیں ہوں۔ یہاں حضرت کے حاکموں کے حوالے سے ایک کلی ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ جس

---

[1] سابقہ ماخذ، خطبہ ۷۷۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

میں اس کے لئے لوگوں سے مشورہ ضروری قرار دیا گیا، ورنہ حضرت کی عصمت اور علم کامل پر بہت سی واضح نصوص موجود ہیں۔

ج: امکان خطا

حضرت کے خطبہ پر غور کیا جائے تو اس میں انسانی طبیعت کی طرف اشارہ ہے اس طرح سے کہ اگر اسے اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو یہ گناہ و خطا کا باعث بن سکتی ہے، اس فراز (فَاِنّی لَست فِی نَفْسِی بفوق ان ا خطا) میں "فی نفسہ" کلمہ اس دعوی پر دلیل ہے۔

اب یہ کہ خود حضرت کی طبیعت و فطرت اس طرح تھی؟ اس کا جواب بعد والے فراز میں ملتا ہے حضرت بعد میں اپنے نفس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اللہ کا لطف اور عنایت مجھے شامل حال ہے، لہٰذا اس خطا کی گرد سے پاک و منزہ ہوں: الا ان تکفی اللہ من نفسی۔

د: حضرت کی عصمت پر دیگر نصوص

حضرت سے بہت سی ایسی روایات نقل ہوئی ہیں کہ جو حضرت کی عصمت اور ان سے خطا کے صادر نہ ہونے پر دلالت کرتی ہیں کہ اشارہ ہوگا۔ اسی خطبہ میں اگرچہ حضرت حاضرین سے چاہتے ہیں کہ انہیں مشورہ دینے سے دریغ نہ کریں، لیکن دوسرے مقام پر صراحت سے فرماتے ہیں کہ انہیں بالکل مشورہ کی احتیاج نہیں ہے، چونکہ ان پر جہالت و خطا کا دروازہ بند ہے۔ جیسا کہ طلحہ اور زبیر کے شکوہ کہ حضرت ان سے مشورہ نہیں کرتے، اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

اَم ایّ حق رفعه الیّ احدٌ من المسلمین ضعفتُ عنه ام جهلتُه ام اخطأت بابه؟ ... ولا وقع حکم جهلتُه فأستشیر کما واخوانی المسلمین و لوکان ذلک لم ارغب عنکما والا عن غیر کما [1]

طلحہ و زبیر کے قتل ہونے کے بعد اپنے لیے حق کی شناخت کے بارے میں تردید نہ رکھنے کے بارے میں فرماتے ہیں:

---

[1]۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۹۶۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ماشککتُ فی الحق مذ أریته ... من وثق بماء لم یظمأ [1]

حضرت اپنی عصمت اور اپنے سے کذب و گمراہی کے صادر نہ ہونے کے بارے میں فرماتے ہیں:

ما کَذَبْتُ وَلاَ کُذِبْتُ وَلاَ ضَلَلْتُ وَلاَ ضَل لی [2]

شبہ کا دوسرا حصہ، دعاؤں میں ائمہؑ کا گناہوں کا اعتراف

عصمت کے انکار پر ایک دلیل ائمہ علیہم السلام کی دعائیں پیش کی جاتی ہیں کہ جن میں آئمہ نے گناہوں کا اعتراف کیا ہے۔ [3]

تجزیہ و تحقیق

الف: عرفانی تفسیر

دعا کرنے والا خود کو بے نہایت خالق کے برابر پاتا ہے کہ وہ خود ہر لحظہ اس قدسی موجود سے وابستہ ہے، لہٰذا خدا کی طرف اپنی نسبت کو قطرہ کی دریا کی طرف نسبت کی مانند پاتا ہے کہ اس کا وظیفہ اس فیاض معبود کی عبادت ہے اور جو بھی اس راہ میں قدم اٹھاتا ہے، وہ اپنے محبوب اور معبود کی رضایت کے لئے ہے اور یہ اس کی سعادت کا باعث ہے، جبکہ ہر وہ عمل و فعل جو اس سے دوری کا باعث ہو، وہ اس کے ناقابل جبران خسارہ اور گناہ کا باعث جانتا ہے۔

ممکن ہے وہ شرعی اعمال کی رو سے گناہ اور معصیت شمار نہ بھی ہوتا ہو، عارف نہ صرف گناہ بلکہ مکروھات اور اس سے بڑھ کر مباح کو بھی اس کے واجبات اور مستحبات بجالانے کے لئے ترک کرتا ہے، تاکہ الٰہی بے کراں دریا سے متصل رہے اور اپنے مقصود کو پالے کہ جیسے عرفان کی اصطلاح میں فنا سے تعبیر کیا گیا ہے، جیسا کہ کہا جاتا ہے حسناتِ الأبرارِ، سیئاتِ المُقَرَّبین۔

حضرت علی علیہ السلام کی شخصیت جو عرفاء کے سردار اور نبی اکرم ﷺ کے بعد اشرف المخلوقات ہیں، وہ بھی ہر لحظہ اپنی ہستی کو اللہ تعالیٰ کے لامتناہی کمال و مقصود تک پہنچنے میں صرف کرتے ہیں، اس مقصد میں ہر حرکت

۱۔ سابقہ ماخذ، خطبہ ۴۔
۲۔ سابقہ ماخذ، حکمت: ۱۷۶
۳۔ آلوسی، تفسیر روح المعانی، ج ۱۲، ص ۲۶، ذیل آیت ۳۳ سورہ احزاب۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

اور فعل جو باعث بنے کہ یہ سفر کند ہو حضرت کی نظر میں خطا لغزش اور گناہ حساب ہوگا، اگرچہ شریعتِ اسلام میں گناہ نہیں ہے، لہٰذا حضرت دعا و استغفار فرماتے ہیں۔ حضرت کی دیگر دعائیں مثلاً دعائے کمیل، صباح، وغیرہ اسی مقام عرفان پر وارد ہوئی ہیں۔[1]

ب: تعلیمی و تربیتی تفسیر

امام اپنی دعاؤں میں دوسروں کو اللہ تعالی کی بارگاہ میں دعاء و مناجات کی تعلیم دینے کے مقام پر بھی تھے، یعنی وہ غیر مستقیم طریقے سے جانتے تھے کہ گناہ گار لوگوں کو سکھائیں کہ کس طرح اللہ کی بارگاہ میں اپنے گناہوں کا اعتراف کریں اور دل کو سیاہی اور کدورت سے پاک کریں تاکہ نور ہدایت کی طرف حرکت کریں، البتہ بعض اس جواب کو قانع کنندہ نہیں جانتے۔[2]

ج: استغفار دفعی پر حمل کرنا

بعض ہم عصر علماء آئمہ علیہم السلام کے اعترافات کی توجیہ میں لکھتے ہیں: ان دعاؤں میں استغفار دفعی ہے یعنی وہ استغفار جو گناہ اور غفلت عارض ہونے سے مانع ہو، نہ استغفار رفعی جو گناہ اور خطاء کی بخشش کے لئے ہوتا ہے، اس کی مثال ایسے ہے کہ کوئی صاف و شفاف آئینہ پر ایک کپڑا آویزاں کرے تاکہ اس پر گرد و غبار نہ آئے، نہ کہ ایسا ہے کہ آئینہ پر گرد و غبار جم چکی ہے اور کپڑے سے صاف کیا جارہا ہو۔[3]

د: امت کے گناہوں سے استغفار

بعض روایات سے یہ نکتہ سامنے آتا ہے کہ آئمہ اطہار علیہم السلام خود تو معصوم اور گناہوں سے پاک تھے، لیکن چونکہ وہ نبی ﷺ کی مانند مسلمان امت کے معنوی رہبر تھے تو امت کی ہدایت و رشد کے امور ان کے ذمہ ہے۔ اگرچہ لوگوں کی ہدایت کے اسباب مکمل طور پر انہیں فراہم نہ ہوسکے، لیکن اس کے باوجود وہ لوگوں کے گناہ، خطا اور کوتاہی کو اپنی خطا و تقصر سمجھتے ہوئے اللہ کی بارگاہ میں استغفار کرتے تھے، جیسے کوئی والد اپنی اولاد کی خطاؤں کو اپنے ذمہ لے کر بخشش طلب کرتے ہیں۔ پیغمبر ﷺ اور آئمہ علیہم السلام بھی امت اسلام کے والد کی مانند

---

[1] ۔ کشف الغمہ، ج ۳، ص ۳۶۔

[2] ۔ ابن ابی الفتح الاربلی، کشف الغمہ، ج ۳، ص ۳۶۔

[3] ۔ جوادی آملی، ادب فنای مقربان، شرح زیارت جامعہ کبیرہ، ج ۳، ص ۲۶۲۔

[4] ۔ تفسیر مجمع البیان، ج ۹، ص ۱۸۵، ادب فنای مقربان، ج ۳، ص ۲۶۳، بحار، ج ۶۸، ص ۲۴

[5] ۔ انا و علی ابو الهذه الامة. بحار، ج ۲۳، ص ۲۵۹۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

ط: دعاؤں کے ظاہر پر حمل کرنے کا ممکن نہ ہونا:

اگر شبہ کرنے والے خواہ شیعہ یا سنی حضرت علی علیہ السلام سے بھی ارادت رکھتے ہیں اور یہ بھی اصرار کرتے ہیں کہ دعاؤں میں عرفی زبان کا استعمال ہوا ہے، بلکہ یہ حقیقت ہے کہ آئمہ علیہم السلام نے حقیقت میں گناہوں کا نعوذ باللہ اعتراف کیا ہے۔

تو ان سے ان دعاؤں کے مشابہہ دیگر دعاؤں کے بارے میں سوال کیا جائے گا، مثلا حضرت علی علیہ السلام کی یہ دعا:

إِلٰهِی قَلْبِی مَحْجُوبٌ وَ نَفْسِی مَعْیُوبٌ وَ عَقْلِی مَغْلُوبٌ وَ هَوَائِی غَالِبٌ وَ طَاعَتِی قَلِیلٌ وَ مَعْصِیَتِی کَثِیرٌ [1]

بار الٰہی میرا دل حجاب میں گھرا ہوا، میرا نفس عیب دار، میری مغلوب، میری خواہشات غالب، میری اطاعت کم اور میری معصیت زیادہ ہے۔

وَلَا تُعَاجِلْنِی بِالْعُقُوبَةِ عَلٰی مَا عَمِلْتُهُ فِی خَلَوَاتِی مِنْ سُوءِ فِعْلِی وَ إِسَائَتِی [2]

جو کچھ میں نے اپنی خلوتوں میں برے اعمال اور معصیتیں انجام دیں ان پر عقوبت کرنے میں جلدی نہ کر۔

امام حسین علیہ السلام کی معروف دعائے عرفہ:

وَلَوْلَا سَتْرُکَ إِیَّایَ لَکُنْتُ مِنَ الْمَفْضُوحِینَ [3]

اگر تو میرے عیب نہ چھپاتا تو میں رسوا ہو جاتا۔

آیا کوئی منصف مزاج مسلمان یہ قبول کر سکتا ہے کہ نعوذ باللہ حضرت علی علیہ السلام کی ہوائے نفس ان کی عقل پر غالب اور ان کے گناہ ان کی نیکیوں سے زیادہ ہو گئے ہوں۔

۱۔ مفاتیح الجنان، دعای صباح۔
۲۔ دعائے کمیل۔
۳۔ دعائے عرفہ۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

و: پیغمبر ﷺ کی دعاؤں سے نقضی جواب

ائمہ علیہم السلام کی دعاؤں کے ظاہر کو ان کی عدم عصمت پر حمل کرنے والے حضرات سے نبی اکرم ﷺ کی دعاؤں کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے، جہاں بظاہر آپ بھی اعتراف کرتے ہیں: مثلاً اَنْتَ الْجَوَادُ وَ اَنَا الْبَخِیْل اَنْتَ الْغَافِرُ وَ اَنَا الْمُسِیئ[1]

تو سخی اور میں بخیل، تو غفور میں خطاکار۔

نبی اکرم ﷺ دعائے مجیر میں تقریباً نوے مرتبہ ذکر (اَجِرْنَا مِنَ النَّارِ)[2] اور دعائے جوشن کبیر (اَلغَوث اَلغَوث خَلِصْنَا مِنَ النَّارِ)[3] کو صد مرتبہ تکرار کرتے ہیں آیا کوئی مسلمان ان دعاؤں کو ظاہر پر حمل کر سکتا ہے ؟! اگر یہاں کوئی خاص تعبیر و توجیہ ہے، تو وہ ان کے جانشین اور وصی کے بارے میں کیوں نہیں ہو سکتی۔

آٹھواں شبہ: حجیت کو عبادتی اور شخصی امور میں خاص کرنا

بعض آئمہ علیہم السلام کی فی الجملہ حجیت کو قبول کرتے ہیں، لیکن ان کا دعوی ہے کہ ان کی حجیت عبادتی احکام اور فردی امور میں خاص ہے لیکن سیاسی اور معاشرتی امور میں ان کا فرمان اور عمل دوسروں کے لئے حجت نہیں ہو سکتا۔

تجزیہ و تحقیق

پانچویں باب میں نصب کی توجیہات میں یہ بحث گزر چکی ہے کہ امامت ایک کلی مفہوم رکھتی ہے کہ جس کا دائرہ فردی، عبادی، سیاسی اور اجتماعی امور کو شامل ہے، لہٰذا آئمہ علیہم السلام کی گفتار اور عمل ان تمام مراحل میں حجت ہے۔[4]

تیسرے باب میں امامت کی خاتمیت کے ساتھ ناسازگاری کی بحث میں نبی اکرم ﷺ سے مختلف احادیث حضرت علی علیہ السلام کی مختلف جہات مثلاً علمی مرجعیت، تفسیر دین، سیاست، خلافت اور سب امور میں حجت ہونے کو بیان کرتی ہیں۔

---

[1] ۔ دعای یستشیر، کفعمی، المصباح، ص ۲۸۶۔

[2] ۔ دعای مجیر۔

[3] ۔ دعای جوشن کبیر

[4] ۔ مجتہد شبستری، کیان، ش ۴۵، ص ۱۳، نقدی بر قرائت رسمی از دین، ص ۴۷۸

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

سیاست، حکومت اور معاشرہ کے حوالے سے دین کلی اصول و قواعد کو بیان کرتا ہے کہ جو ہمیشہ اور جاودانی ہیں، جبکہ کچھ امور جزئی اور قابل تغیر ہیں کہ امام وہاں بھی اجتماعی مسائل کے حل کے لئے راہنمائی فرماتے ہیں، امام کی حجت سے مقصود پہلی صورت ہے کہ جو کلی اور ہمیشہ جاودانی ہے، جبکہ جزئیات میں راہنمائی ممکن ہے زمانہ اور شرائط کے تبدیل ہونے سے تبدیل ہو جائے۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ آئمہ علیہم السلام اپنے زمانہ میں حجت تھے، اس کا تعلق وہی جزئی امور ہیں جبکہ کلی امور میں ان کی تعلیمات، عدالت کا اجراء اور لوگوں کو ہدایت کی طرف راہنمائی کرنا یہ کسی خاص زمانہ سے مخصوص نہیں ہیں۔ جزئی امور کی راہنمائی میں بھی پہلے یہ تشخیص کرنی پڑتی ہے کہ ان میں سے کونسی راہنمائی صرف اس زمانہ سے مخصوص تھی کہ اب اس کی جگہ حکم پر بحث کی جائے۔

نواں شبہ: زمین و آسمان کی بقاء کی ائمہؑ کی طرف نسبت

اہل سنت کا شیعوں کے بارے میں ایک شبہ یہ ہے کہ شیعہ لوگ اپنے آئمہ کی تعریف میں غلو اور افراط سے کام لیتے ہیں مثلاً بہت سی ایسی روایات موجود ہیں کہ جن میں آئمہ علیہم السلام کو زمین اور آسمانوں کی بقاء کی علت قرار دیا گیا:

يَا آدَمُ لَولاَهُم لَمَا خَلَقْتُکَ وَ لَما خَلَقْت النَّار وَ الْعَرشَ وَالكُرسی واللَّوح وَالْقَلَم [1]

اے آدم اگر وہ نہ ہوتے تو میں تجھے خلق نہ کرتا، نہ آگ، عرش کرسی اور لوح و قلم کو خلق کرتا۔

جبکہ ائمہ عام لوگوں کی مانند ہی، ں کائنات کی تکوین اور بناء میں ان کا کوئی کردار نہیں ہے، اگر ایسا ہوتا تو ان سے پہلے زمانوں میں کون کائنات کی بقاء کا سبب تھا؟

تجزیہ و تحقیق

اس شبہ کی بنیادی وجہ امامت اور آئمہ علیہم السلام کے مقام کی شناخت نہ رکھتا ہے، اس شبہ کے تجزیہ میں چند نکات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

(۱): نبی اکرم ﷺ اور ائمہؑ کی خلقت کا ہدف: فلسفہ میں کسی چیز کو بنانے میں چار علتوں کا ذکر ہوتا ہے: علت فاعلی، مادی، صوری اور غائی، مثلاً کسی مدرسہ کو بنانے کی علت غائی طالب علموں کا پڑھنا ہے، اگر مدرسہ بنانے والے شروع سے جان لیں کہ یہاں کوئی نہیں پڑھے گا تو بالکل مدرسہ نہیں بنائیں گے۔

---

[1] تاریخ بغداد، ج ۱، ص ۲۴۷، تاریخ مدینہ دمشق، ج ۱۴، ص ۱۷۰، موسوعۃ الامامۃ فی نصوص اہل السنۃ، ج ۳، ص ۳۰۰، ۳۰۴، ۶۹

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

فریقین کے ماخذ میں بہت سی احادیث نبوی نقل ہوئی ہیں کہ جو نبی اکرم ﷺ حضرت زہرا اور آئمہ علیہم السلام کو پوری کائنات کی علت غائی بتاتی ہیں اور واضح کرتی ہیں کہ اگر یہ نہ ہوتے تو اللہ کائنات کو خلق نہ کرتا۔ انس بن مالک نبی اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت آدم کی ساقِ عرش میں پنجتن کے اسماء پر نظر پڑی تو اللہ تعالی سے ان کے بارے میں پوچھا، تو اللہ نے فرمایا:

يَا آدَمُ لَولاَهُم لَمَا خَلَقتُکَ وَ لَما خَلَقْت النَّار وَ الْعَرشَ وَالکُرسی واللَّوح وَالْقَلَم [1]

جس طرح کائنات کی تخلیق میں اہم حیثیت کے مالک ہیں، اسی طرح کی اس کی بقاء میں بھی اہم سبب ہیں، اگر یہ نہ ہوتے تو بھی عالم تباہ ہو جاتا۔ احادیث نبوی میں آیا ہے: اهل بَيْتِي اَمَان لِأَهلِ الأَرْضِ فَإِذَا ذَهَبَ اَهْلُ بَيتِي وَ ذَهَبَ اَهلُ الأَرْض [2]

اسی طرح اہل سنت کے ماخذ میں امام سجاد علیہ السلام سے ایک طولانی حدیث نقل ہوئی ہے کہ آپ فرماتے ہیں:

نَحْنُ اَمانُ اَهلِ الأرضِ كَمَا اَنَّ النجُومَ اَمَان لِأَهْلِ السَمَاءِ وَ نَحْنُ الذِّينَ بِنَا يُمْسِكُ الله السماء اَن تَقَعَ عَلَى الأَرْضِ اِلاَّبِإِذْنِه وَ بِنَا يُمْسِكُ الأَرْضَ اَن تَمِيدَ بِأَهلِهَا... وَلَولاَ مَافِي الأَرضِ منّا لساختِ الأرض بِأَهْلِهَا [3]

ہم زمین والوں کے لیے امان ہیں جس طرح ستارے آسمان والوں کے لیے امان ہیں اور ہم وہ ہیں جنکی بنا پر اللہ نے آسمان کو ٹھرایا ہے کہ وہ زمین پر گرنے نہ پائے مگر اسکے اذن کے ساتھ، اور ہماری وجہ سے زمین کو ٹھرایا ہے کہ اپنے رہنے والوں لپیٹ میں نہ لے۔۔۔ اگر زمین پر ہم میں سے کوئی نہ ہوتا تو زمین اپنے رہنے والوں کو نگل لیتی۔

ایسی روایات تواتر معنوی رکھتی ہیں۔

---

[1] ۔ تاریخ بغداد، ج ۱، ص ۲۴۷، تاریخ مدینہ دمشق، ج ۱۴، ص ۱۷۰، فرائد السمطین ج ۱، ص ۳۶۔
[2] ۔ فرائد السمطین، ج ۲، ص ۲۵۲
[3] ۔ تاریخ مدینہ دمشق، ج ۴۰، ص ۲۰، المعجم الکبیر، ج ۷، ص ۲۲۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

۲: پیغمبرؐ اور ائمہؑ واسطہ فیض: پہلے باب میں اسی موضوع پر فریقین کے ماخذ سے بہت سی روایات نقل کی گئی ہیں کہ جن کی رو سے پیغمبر اسلام ﷺ اور اہل بیت علیہم السلام کی نورانی ارواح اور حقیقت سب سے پہلے موجودات ہیں کہ دیگر مخلوقات تک الٰہی فیض پہچانے کا واسطہ ہیں کہ یہ فیض کائنات کی تخلیق اور بقاء، دونوں میں کردار ادا کرتا ہے۔

اہل سنت کے بعض عرفاء کا عقیدہ ہے کہ انبیاء قطب عالم ہیں اور نبی کی وفات پانے یا اسکے نہ ہونے کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء کو اپنی قدرت سے زندہ رکھا ہے، مثلاً حضرت الیاس، ادریس، عیسیٰ اور خضر علیہم السلام (اگر ان کی نبوت کے قائل ہوں) کو قطب کے جلوے بتاتے ہیں۔[1]

مکتب شیعہ احادیث نبوی اور آئمہ علیہم السلام کی روایات کی رو سے زمانہ خاتمیت میں قطب کائنات آئمہ معصومین علیہم السلام کو جانتے ہیں کہ موجودہ دور میں حضرت مہدی علیہ السلام ہیں کہ جو اللہ کی قدرت سے زندہ اور واسطہ فیض ہیں۔

۳: نبی ﷺ اور ائمہؑ، معرفت دین کا وسیلہ: انسان کی تخلیق کا فلسفہ اللہ کی معرفت اور اس کی عبادت کرنا ہے تاکہ انسان کامل کے مراتب طے کرتا ہوا سعادت ابدی کو پالے۔ یہ ہدف انبیاء، ان کے اوصیاء اور شریعت الٰہی کی شناخت سے حاصل ہوتا ہے، امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

مَا زَالَتِ الأَرضُ اِلاَّ وَلِلّٰهِ فِيهَا الْحُجَّة يَعرِفُ الحَلال و الحَرَام وَ يَدْعُو الناس اِلى سَبِيلِ اللهِ[2]

یہ حجج الٰہی انبیاء اور خاتمیت کے زمانہ میں آئمہ علیہم السلام کی صورت میں لوگوں کو دینی و الٰہی معرفت عطا کرتی ہیں، اگر یہ نہ ہوں تو انسان کی خلقت بھی بے معنی ہوگی، لہٰذا روایات میں آتا ہے کہ اگر زمین پر امام نہ ہو تو تمام انسان ہلاک ہو جائیں گے۔ اسی لیے آخری حجت خدا کی رحلت کے بعد اور زمین کے حجت الٰہی سے خالی ہونے کے بعد زمین پر زندگی ختم ہو جائے گی اور قیامت شروع ہو جائے گی۔[1]

---

[1] ۔ الفتوحات، ج ۲، ص ۵۔
[2] ۔ کافی، ج ۱، ص ۱۷۸۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

جواب شبھہ، ائمہ سے پہلے کائنات کے محافظ

پہلا جواب یہ ہے کہ پیچھے گزر چکا ہے کہ نبی ﷺ اور آئمہ علیہم السلام کائنات کی خلقت کا ہدف اور غایت ہیں، لہٰذا لازم نہیں ہے کہ غایت فعل سے پہلے موجود ہو بلکہ غایت ہمیشہ کسی فعل کی منتھی اور مقصود ہوتی ہے، پس آئمہ کا پہلے زمانوں میں وجود ضروری نہیں ہے۔

دوسرا جواب: نبی ﷺ اور آئمہ علیہم السلام واسط فیض الٰہی ہیں، لہٰذا ان کا نورانی وجود نہ صرف اس دنیا میں بلکہ عالم ارواح وانوار اور فلسفی تعبیر کے مطابق عالم عقول میں بھی موجود ہے۔

تیسرا جواب: آئمہ دین علیہم السلام معرفت کا واسطہ ہیں، یہاں مراد دنیا ہے کہ یہ ہستیاں دنیا میں معرفت الٰہی کی چشمہ ہیں۔ پس اگر احادیث میں کہا گیا ہے کہ امام نہ ہو تو زمین دنیا والوں کو نگل لے گی، یہاں مراد زمانہ خاتمیت ہے کہ یہ بارہ اماموں کا دور ہے۔ اس کے علاوہ کہہ سکتے ہیں کہ یہاں امام سے مقصود مطلق حجت الٰہی ہے کہ جس میں انبیاء بھی شامل ہیں کہ جو حجت الٰہی اور الٰہی احکام کو بیان کرنے والے تھے۔

دسواں شبھہ: ائمہ کی تکوینی ولایت کا انکار

بعض ائمہ علیہم السلام کی باطنی اور تکوینی ولایت کا انکار کرتے ہیں اور اسے عرفاء مثلاً محی الدین عربی اور سید حیدر آملی کی طرف نسبت دیتے کہ آخر کار گیارہویں صدی ہجری میں صدر المتالھین کے فلسفی مکتب میں یہ ولایت تکوینی کے نظریہ کی صورت میں تشکیل پاتا ہے۔[۲]

تجزیہ و تحقیق

اس کا جواب امامت و خاتمیت کے ناسازگاری کے باب میں الہام اور باطنی ولایت کے شبھہ میں تفصیل سے دیا جا چکا ہے، یہاں چند نکات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

الف: ولایت تکوینی، تقرب الٰہی کا نتیجہ

پہلا نکتہ یہ ہے کہ ولایت تکوینی کا یہ معنی کہ اذن الٰہی سے کائنات کے امور میں ولی کا تصرف کرنا، صرف انبیاء اور آئمہ علیہم السلام سے خاص نہیں ہے کیونکہ ایسی ولایت کی وجہ انسانی نفس کا تکامل اور تہذیب ہے، کوئی

---

[۱]۔امام باقرؑ فرماتے ہیں: ان اخر من یموت الامام لئلا یحتج احد علی اللہ عزّوجل انہ ترکہ بغیر حجۃ اللہ علیہ. (کافی، ج۱، ص۱۸۰).

[۲]۔ مکتب در فرایند تکامل، ص۱۷

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

بھی انسان اپنے کمالی مراتب کی بناء پر اذن الٰہی سے جہان میں تصرف کر سکتا ہے کہ جسے کلامی اصطلاح میں کرامت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ انسان کے الٰہی تقرب اور الٰہی فیوض کسب کرنے پر بہت سی روایات وارد ہوئی ہیں، مشہور حدیث قدسی میں ہے:

لایَزَالُ الْعَبدَ یَتَقَرَّبُ الیّ بِالنَوافِلِ حَتَّی اَحبّہ فَاِذَا اَحْبَبْتُہُ کُنْت سَمعَہ وبَصرَہ ولِسَانَہ ویَدَہ و رجلہ ففیّ یَسْمَعُ وَ بی یبصر وبی یَنْطِقُ وبی یبطش و بی یَمشِی. [1]

یعنی عبد مستحبی عبادات کے ساتھ اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ الٰہی آنکھ سے دیکھتا، خدا کی زبان سے بولتا ہے...۔

حضرت علی دروازہ خیبر کو اکھاڑنے کی قوت کو اپنے بدن کی قوت سے نہیں بلکہ الٰہی قوت سے تعبیر فرماتے ہیں:

واللہ مَاقَلعتُ بابَ خَیْبَر و رمیتُ بہ خلاف ظھری اَربَعِین ذراعاً بقوۃ جسدیۃ ولاحرکۃ غذائیۃ لَکنی آیدت بِقُوَّۃٍ ملکوتیۃ و نفس بِنُورِ بِھَا مُضِیئۃ [2]

ب: عرفانی تجربات

تمام شیعہ و سنی عرفاء، اور فلاسفہ خاص انسانوں سے کرامات کے صدور کو مانتے ہیں، مثلاً بو علی سینا ایسے لوگوں کو جو عرفاء کے خارق العادہ افعال کا انکار کرتے ہیں، خبر دار کرتے ہیں اور واضح کرتے ہیں کہ یہ ممکن ہیں۔ [3]

عرفاء اور فلاسفہ انسانوں کی قدسی نفوس اور معنوی کمالات کی رو سے انبیاء کے معجزات اور اولیاء کی کرامات کی تشریح کرتے ہیں۔

ج: اشاعرہ کا اعتراف

اکثر اہل سنت یعنی اشاعرہ مکتب کے ماننے والے اپنے اولیاء سے خارق العادہ افعال کے صدور کو مانتے ہیں کہ جنہیں کرامات سے تعبیر کیا جاتا ہے، حتی بعض عمر کے لئے ایسے مقام کے قائل ہیں۔ اب اگر شیعہ اپنے آئمہ اطہار

۱۔ کنز العمال، ج ۷، ص ۷۷۰، ح ۲۱۳۲۷، المعجم الاوسط، ج ۱۰، ص ۱۶۳، ح ۹۳۴۷، کافی، ج ۲، ص ۳۵۲
۲۔ امالی، مجلس ۷۷، ح ۱۰۔
۳۔ اشارات، ج ۳، ص ۳۹۷۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

علیہم السلام مثلاً حضرت علی علیہ السلام جو کہ بچپن میں دامن نبی ﷺ میں تربیت پائے اور ان کے فضائل پر بہت سی احادیث بیان ہوئی ہے، ان کے لئے ایسے مقام کے قائل ہیں، تو یہاں تعجب اور اعتراض کی گنجائش ہے؟

د: قرآن اور غیر نبی کی ولایت تکوینی

قرآن مجید میں بہت سی آیات انبیاء کے علاوہ ایسے کامل اور الٰہی قرب و منزلت کے مالک انسانوں کا ذکر کرتی ہیں کہ جو خارق العادہ امور پر قادر تھے:

(۱): عفریت اور آصف بن برخیا: جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے درباریوں سے پوچھا کہ کون تخت بلقیس لائے گا تو قرآن مجید دو افراد کا ذکر کرتا ہے: ایک طایفہ جنات سے عفریت کہ جس نے کہا تھا کہ اس سے پہلے کہ آپ اپنے مقام سے بلند ہوں میں لاسکتا ہوں اور دوسرا فرد (کہ جن کو احادیث میں آصف کا نام دیا ہے) نے کہا کہ میں پلک جھپکنے سے پہلے لاسکتا ہوں۔[1]

دوسرا فرد جو ایسی قدرت کا مالک تھا، قرآن اس کی خصوصیت یہ بتاتا ہے کہ اس کے پاس کتاب سے کچھ علم تھا (عِنْدَهُ عِلْم مِنَ الْكِتَابِ) اگر یہاں کتاب سے مراد کتاب الٰہی اور وہ بھی قرآن جیسی ہو تو اس کے عالم پیغمبر اکرم ﷺ یا علی علیہ السلام ہیں کہ آصف سے کہیں بڑھ کر ولایت و قدرت رکھتے ہیں۔

(۲): ذوالقرنین: ان کے پاس بھی اللہ کی طرف سے ولایت تکوینی تھی کہ قرآن بتاتا ہے کہ ہم نے اسے زمین پر قدرت و حکومت بخشی اور ہر چیز اس کے اختیار میں دی مثلاً وہ قادر تھے کہ تھوڑی سی مدت میں مشرق سے مغرب تک جائے۔[2]

اسی طرح قرآن مجید حضرت موسی (ع) کی والدہ، حضرت مریم، (ع) لقمان، خضر کو ایسے کامل انسانوں کے عنوان سے یاد کرتا ہے۔[3]

ھ: ولایت تکوینی کو علیت طولی یا مظہریت کے ذریعے بیان کرنا

علیت طولی سے مراد یہ ہے کہ ہر فعل کی سب سے پہلی علت اللہ تعالی ہے، لیکن اللہ تعالی اسباب اور علل سے اپنے افعال انجام دیتا ہے کہ یہاں باقی علل واسطہ ہیں جو اپنے وجود و بقاء کے لئے علت الاولی یعنی اللہ تعالی سے

---

[1] ۔ نمل، آیت ۳۹، ۴۰۔
[2] ۔ کہف، آیت ۸۴۔
[3] ۔ آل عمران، ۳۸، نمل ۴۱، مریم ۲۵، کہف، ۶۶۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

کب فیض کرتی ہیں۔ پس اگر ولی یا امام معصوم سے کوئی خارق العادہ فعل انجام پائے تو ایسا فعل چونکہ اذن الٰہی اور ان علل کے ذریعے انجام پایا ہے جو اللہ سے وابستہ ہیں، تو یہ چیز اللہ کی فاعلیت سے کوئی تعارض نہیں رکھتی۔ یہ فلاسفہ مشاء کا نظریہ ہے۔[1]

فلاسفہ اشراق اور عرفا یہاں مظہریت کے قائل ہیں، یعنی انسان بالخصوص اولیاء اور آئمہ علیہم السلام الٰہی فعل کی تجلی ہیں۔[2] وہ ایمان، تہذیب اور نفس کے تکامل میں اس حد تک قرب الٰہی کے عظیم درجہ پر پہنچ چکے ہیں کہ الٰہی فعل کے ظہور اور تجلی کا مقام بن چکے ہیں جیسے آئینہ کہ جو صورت کے نور کو انعکاس دیتا۔[3]

ان دو نظریہ کی بناء پر ائمہ اطہار علیہم السلام کے خارق العادہ افعال اور جہان کی تکوین میں ان کا کردار کوئی مشکل نہیں رکھتا، لہٰذا وہ روایات کہ جو انبیاء اور ائمہ علیہم السلام کو واسط فیض بتاتی ہیں وہ بھی اس کی تائید کرتی ہیں۔ قرآن مجید بتاتا ہے کہ کائنات کے مختلف امور اللہ تعالیٰ نے اپنی مقرّب مخلوقات کے سپرد کئے، جیسا کہ فرشتے اس کے اذن سے اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ مثلاً قبض ارواح کو فرشتہ عزرائیل کے سپرد کیا ہے اور دیگر موارد میں دیگر فرشتے کام کر رہے ہیں۔[4]

خلاصہ یہ ہے کہ شیعہ اپنے ائمہ اطہار علیہم السلام کی ولایت تکوینی کو مندرجہ بالا دو نظریوں کی روشنی میں اذن الٰہی سے تعبیر کرتے ہیں، جو پروردگار کی توحید افعالی اور توحید ربوبی سے کسی قسم کا تعارض نہیں رکھتی۔

یہ ولایت تکوینی در واقع الٰہی ولایت کے طول میں ہے نہ کہ عرض میں کہ باعث شرک ہو، عرفاء کی تعبیر کے مطابق معصومین علیہم السلام کی ولایت، الٰہی ولایت کی تجلی ہے اور کائنات کے امور میں ان کے تصرفات اور افعال نہ کہ فاعل حقیقی کے باب سے تعلق رکھتے ہوں، بلکہ وسیلہ اور واسطہ فیض کے عنوان سے ہیں کہ جس کی مکمل وضاحت پہلے باب میں اس عنوان "امام زمین کی بقا اور حفاظت کی علت" کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

---

[1] ۔ جوادی آملی، تفسیر موضوعی توحید در قرآن، ج ۲، ص ۴۴۷، ۴۵۱
[2] ۔ جوادی آملی، سابقہ ماخذ، ص ۴۵۶۔
[3] ۔ کافی، ج ۱، ص ۱۴۵۔
[4] ۔ سجدہ، آیت ۱۱، نحل آیت ۳۲۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

فہرست مآخذ

(الف)

۱۔ آشوری، داریوش: ۱۳۸۲، دانشنامہ سیاسی، تھران: مروارید۔

۲۔ آلبانی، محمد ناصر الدین: ۱۴۱۵ق، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ، ج ۴، ریاض: مکتبۃ المعارف النشر والتوزیع۔

۳۔ آلوشی، محمود بن عبداللہ: ۱۴۰۳ق، مختصر التحفہ الاثنی عشتریہ، بنارس: ادارۃ البحوث الاسلامیۃ۔

۴۔ آمدی، سیف الدین: ۲۰۰۳م، ابکار الافکار اصول الدین، بیروت: دار الکتب العلمیۃ۔

۵۔ آمدی، سیف الدین: ۲۰۰۳م، غایۃ المرام فی علم الکلام، بیروت: دار الکتب العلمیۃ۔

۶۔ احمد بن حنبل: ۱۴۰۳ق، فضائل الصحابۃ، بیروت: موسسۃ الرسالۃ۔

۷۔ اسکافی: ۱۳۷۴، المعیار والموازنۃ، با تحقیق شیخ محمد باقر محمودی، ترجمہ محمود مھدوی دامغانی، تھران: نشر نی۔

۸۔ اسفرایینی، شھفور بن طاھر: ۱۳۷۴ق، التبصیر فی الدین، مصر: خانجی۔

۹۔ ابن ابی الحدید: ۱۹۶۳ق، شرح نھج البلاغہ، با تحقیق محمد ابوالفضل ابراھیم، داراحیاء الکتب العربیۃ، بی جا۔

۱۰۔ ابن اثیر: ۱۳۹۹ق، الکامل فی التاریخ، دار بیروت۔

۱۱۔ ابن تیمیہ: کتب ورسایل وفتاوی ابن تیمیہ، ج ۱۲، احمد عبدالحلیم بن تیمیہ، دار النشر، مکتبۃ ابن تیمیہ، طبع دوم۔

۱۲۔ ابن تیمیہ: بی تا، مجموعۃ الرسائل الکبری، ج ۲، بیروت: احیاء التراث العربی۔

۱۳۔ ابن تیمیہ: مجموعۃ فتاوی ابن تیمیہ، بہ اہتمام عاصمی نجدی۔

۱۴۔ ابن تیمیہ: ۱۴۰۶ق، منھاج السنۃ النبویۃ، دار النشر موسسۃ قرطبۃ۔

۱۵۔ ابن حیان: ۱۴۱۴ق، صحیح ابن حیان، بیروت: موسسۃ الرسالۃ۔

۱۶۔ ابن خلدون: ۱۴۲۱ق، تاریخ ابن خلدون، بیروت، دار الفکر۔

۱۷۔ ابن خلدون: ۱۴۲۱ق، مقدمہ، بیروت، دار الفکر۔

۱۸۔ ابن عربی، محی الدین: بی تا، الفتوحات المکیۃ، بیروت، دار صادر۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

۱۹۔ ابن عربی، محی الدین، ۱۳۷۰، فصوص الحکم، باتعلیقات عفیفی، تھران، الزھرا۔

۲۰۔ ابن عساکر، ۱۹۹۵م، تاریخ مدینۃ، دمشق، بیروت، دارالفکر۔

۲۱۔ ابن کثیر، ۱۴۱۹ق، البدایۃ والنھایۃ، بیروت، دارالمعرفۃ۔

۲۲۔ ابن میثم، میثم بن علی، ۱۳۸۴، النجاۃ فی القیامۃ فی تحقق امر الامامۃ، تھران پژوھشگاہ علوم انسانی۔

۲۳۔ ابن میثم، میثم بن علی، ۱۴۱۲ق، شرح نھج البلاغہ، بیروت، نشر احیاء التراث العربیۃ۔

۲۴۔ ابن میثم، میثم بن علی، ۱۴۰۶، قواعد المرام، قم، کتابخانہ آیۃ المرعشی نجفی۔

۲۵۔ ابن ہشام، ۱۴۲۱ق، السیرۃ النبویۃ، بیروت، دارالفکر۔

۲۶۔ ارموی، ابن ابی الفتح، کشف الغمۃ، بیروت، دارالاضواء۔

۲۷۔ اصفھانی، محمد حسین، ۱۴۱۸ق، حاشیۃ المکاسب، بی جا، نشر آل سباع قطیفی۔

۲۸۔ امین، احمد، بی تا، ضحیٰ الاسلام، بیروت، دارالکتاب العربی۔

۲۹۔ امینی، شیخ، الصراع بین الاسلام والوثنیۃ، اعداد شیخ فارس تبریزیان الحسون۔

۳۰۔ امینی (علامہ)، ۱۳۶۶، الغدیر، تھران، دارالکتب الاسلامیۃ۔

۳۱۔ ایجی، قاضی عضدالدین، ۱۴۱۹ق، المواقف، باشرح سید شریف جرجانی، بیروت، دارالکتب العلمیۃ۔

۳۲۔ ایمانی، محمد مھدی، ۱۴۲۰ق، الامام علی فی آراء الخلفاء، ترجمہ شیخ یحییٰ کمالی بحرانی، قم، موسسہ المعارف الاسلامیۃ۔

(ب)

۳۳۔ باتور مور، تامس برتون، ۱۳۷۱، نخبگان و جامعہ، علیرضا طیب، تھران، دانشگاہ۔

۳۴۔ بازرگان، مھدی، ۱۳۷۷، آخرت و خدا ھدف بعثت، تھران، موسسہ خدمات فرھنگی رسا۔

۳۵۔ باقلانی، محمد بن طیبہ، ۱۴۱۴ق، تمھید الاوایل، بیروت، دارالکتاب الثقافۃ۔

۳۶۔ بحرانی، شیخ علی، ۱۴۱۵ق، منار الھدی فی النص علی امامۃ الائمۃ الاثنی عشر، بیروت، دارالمنتظر۔

۳۷۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، ۱۴۰۷ق، صحیح بخاری، بیروت، دار ابن کثیر، الیمامۃ، چاپ سوم۔

۳۸۔ برقی، محمد، ۱۳۸۳، سیمای علی از منظر اہل سنت، تھران، نشر احسان۔

۳۹۔ برقعی، ابوالفضل، بی تا، تضاد مفاتیح با قرآن، بی نا، بی جا۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

۴۰۔ بروجردی، سید حسین (آیۃ اللہ العظمی)، ۱۴۰۹ق، جامعہ احادیث الشیعہ، قم، چاپخانہ مہر۔

۴۱۔ بغدادی، ابو بکر، ۱۴۱۷ق، تاریخ بغداد، بیروت، دار الکتب العلمیۃ۔

۴۲۔ بغدادی، احمد بن عبد العزیز، ۱۴۰۱ق، السقیفہ، با تحقیق محمد ھادی امینی، بیروت، شرکۃ الکتبی۔

۴۳۔ بغدادی، عبد القاھر، بی تا، الفرق بین الفرق، بیروت، دار الکتب العلمیۃ۔

۴۴۔ بغدادی، عبد القاھر، ۱۴۱۷ق، کتاب اصول الدین، بیروت، دار الفکر۔

۴۵۔ بلاذری، احمد، ۱۳۹۴ق، انساب الاشراف، بیروت، دار التعاریف۔

۴۶۔ بو علی سینا، بی تا، الھیات شفا، با مقدمہ و تعلیقات ابراھیم مذکور، بیروت۔

۴۷۔ بی آزار شیرازی، عبد الکریم، ۱۳۸۴، الوحدۃ الاسلامیۃ او التقریب بین المذاھب الاسلامیۃ، تھران، المجمع العالمی للتقریب بین المذاھب الاسلامیۃ۔

۴۸۔ بی آزار شیرازی، عبد الکریم، ۱۳۸۱، ہمبستگی، مذاھب اسلامی، تھران، الھدی۔

۴۹۔ بیات، عبد الرسول و دیگران، ۱۳۸۱، فرھنگ واژہ ھا، قم، موسسہ اندیشہ و فرھنگ دینی۔

(ب۔ت)

۵۰۔ پویر، کارل ریموند، ۱۳۶۹، جامعہ باز و دشمنانش، ج۴، تھران، خوارزمی۔

۵۱۔ تارو، لستر، ۱۳۷۶، آینده سرمایه داری، عزیز کیاوند، تھران، نشر دیدار۔

۵۲۔ تفتازانی، سعد الدین، بی تا، شرح العقائد النسفیۃ، قاھرہ، الکلیات الازھریۃ۔

۵۳۔ تفتازانی، سعد الدین، ۱۴۰۹ق، شرح المقاصد، قم، انتشارات شریف رضی۔

(ج۔ح۔خ)

۵۴۔ جعفریان، رسول، ۱۳۸۵، تاریخ تشیع در ایران، قم، انتشارات انصاریان۔

۵۵۔ جوادی، سید کمال، ۱۳۷۵، فھرستوارہ ایرادات و شبہات علیہ شیعیان در ھند و پاکستان، تھران، وزات فرھنگ و ارشاد۔

۵۶۔ جوادی آملی، عبد اللہ، ۱۳۸۳، تفسیر موضوعی، توحید در قرآن، ج۲، قم، نشر اسراء۔

۵۷۔ جوادی آملی، عبد اللہ، ۱۳۶۷، ولایت در قرآن، مرکز نشر فرھنگی رجاء۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

۵۸۔ جوینی، امام الحرمین، ۱۴۰۰ق، غیاث الامم، فی التباث الظلم، الدوحۃ۔

۵۹۔ جوینی، امام الحرمین، ۱۳۶۹ق، کتاب الارشاد، مکتبۃ الخانجی، عصر۔

۶۰۔ حاکم سکانی، عبید اللہ، ۱۴۱۱ق، شواھد التنزیل لقواعد التفضیل، با تحقیق شیخ محمد باقر بھبودی، تھران، وزارت فرھنگ وارشاد۔

۶۱۔ حائری یزدی، مھدی، ۱۹۹۴ق، حکمت وحکومت، لندن، بی تا۔

۶۲۔ حجاریان، سعید، از شاھد قدسی تا شاھد بازاری۔

۶۳۔ حجتی کرمانی، محمد جواد، ۲۹ خرداد ۱۳۷۹، روزنامہ اطلاعات۔

۶۴۔ حر عاملی، شیخ، وسایل الشیعہ، قم، آل اہل البیت۔

۶۵۔ حرانی، ابن شعبہ، ۱۳۸۱، تحف العقول، باترجمہ صادق حسن زادہ آملی، قم، انتشارات آل علی۔

۶۶۔ الحسینی الخطیب، السید عبدالزھراء، ۱۴۰۵ق، مصادر نھج البلاغہ، ج۱، بیروت، دارالاضواء۔

۶۷۔ حسینی طھرانی، سید محمد حسین، ۱۳۶۲، امام شناسی، تھرانی، نشر حکمت۔

۶۸۔ حکیم، محسن، ۱۴۱۱ق، مستمسک العروۃ الوثقی، قم، موسسہ اسماعیلیان۔

۶۹۔ حکیمی، محمد رضا، ۱۳۸۲، خورشید مغرب، قم، انتشارات دلیل ما۔

۷۰۔ حکیمی، محمد رضا، ۱۳۸۱، مشعل جاوید، بہ کوشش محمد علی مھدوی راد، تھران، وزارت فرھنگ وارشاد۔

۷۱۔ حلی، علامہ، ۱۴۰۹ق، الالفین فی امامۃ مولانا امیر المومنین، قم، دارالہجرۃ۔

۷۲۔ حلی، علامہ، ۱۴۰۴ق، مبادی الوصول الی علم الاصول، قم، مکتب الاعلام الاسلامی۔

۷۳۔ حمصی رازی، ۱۴۱۲ق، المنقذ من التقلید، قم، انتشارات اسلامی۔

۷۴۔ حنبلی مقدسی، ابو عبداللہ محمد، ۱۴۱۰ق، الاحادیث المختارۃ، با تحقیق عبدالملک دھیش، مکہ المکرمۃ، مکتبۃ: النھضۃ الحدیثیۃ۔

۷۵۔ حنفی، شیخ نوح، تنقیح الفتاوی، الحامدیۃ۔

۷۶۔ خمینی، سید روح اللہ، ۱۴۱۰ق، التعلیقات علی شرح الفصوص، قم، موسسہ پاسدار اسلام۔

۷۷۔ خمینی، سید روح اللہ، ۱۳۷۸، صحیفہ امام، تھران، وزارت ارشاد۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

۷۸۔ خمینی، سید روح اللہ، ۱۳۸۵ق، کتاب الطھارۃ، قم، موسسہ مطبوعاتی اسماعیلیان۔
۷۹۔ خمینی، سید روح اللہ، بی تا، کشف الاسرار، بی تا، بی جا۔
۸۰۔ خمینی، سید روح اللہ، ۱۳۷۲، مصباح الھدایۃ الی الولایۃ، تھران، موسسہ نشر آثار امام خمینی۔
۸۱۔ خوئی، ابوالقاسم، ۱۳۶۷، مصباح الاصول، ج ۳، قم، مکتبۃ الداوری۔
۸۲۔ خوئی، سید ابوالقاسم، ۱۴۱۳ق، معجم رجال الحدیث، بی نا، بی جا۔

(د۔ذ)

۸۳۔ دھلوی ھندی، شاہ ولی اللہ، التفھیمات الالھیہ، با تصحیح و تعلیقات غلام مصطفیٰ القاسمی، پاکستان، مطبع الحیدری۔
۸۴۔ ذھبی، امام شمس الدین، ۱۴۱۷ق، سیر اعلام النبلاء، بیروت، دار الفکر۔
۸۵۔ رازی، ابوحاتم، ۱۳۸۲، کتاب الزینۃ، ترجمہ علی آقانوری، قم، مرکز مطالعات و تحقیقات ادیان و مذاھب۔
۸۶۔ ربانی گلپایگانی، علی، بھار ۱۳۸۳، مبانی حجیت روایات اہل البیت، مجلہ کلام اسلامی۔
۸۷۔ رستم نژاد، مھدی، ۱۳۸۱، شگردھای دین ستیزی از نظر قرآن، قم، یاقوت۔
۸۸۔ رستم نژاد، مھدی، ۱۳۸۴، عاشوراریشہ ھا، قم، مدرسہ الامام علی بن ابی طالب۔
۸۹۔ رضوانی، علی اصغر، ۱۳۸۴، امام شناسی در قرآن و پاسخ بہ شبہات، قم، انتشارات مسجد مقدس جمکران۔
۹۰۔ الرفاعی، عبدالجبار، ۱۴۲۴، معجم ماکتب عن الرسول واہل البیت، ج ۵ و ۹، تھران، وزارت فرھنگ و ارشاد۔
۹۱۔ ری شھری، محمد، ۱۴۰۴ق، میزان الحکمۃ، قم، دفتر تبلیغات اسلامی۔
۹۲۔ زمخشری، محمود بن عمر، بی تا، الکشاف، بیروت، دار الکتاب العربی۔
۹۳۔ سبحانی، جعفر، ۱۴۲۳ق، الالھیات، علی ھدی الکتاب والسنۃ والعقل، قم، موسسہ امام صادق (ع)۔
۹۴۔ سبحانی، جعفر، حسن وقبح عقلی، موسسہ امام صادق (ع)، قم، ۱۳۸۲۔
۹۵۔ سبحانی، جعفر، ۱۳۸۲، ولایت تشریعی و تکوینی، قم، انتشارات موسسہ امام صادق (ع)۔
۹۶۔ سروش، عبدالکریم، ۱۳۷۶، بسط تجربہ نبوی، تھران، موسسہ فرھنگی صراط۔
۹۷۔ سروش، عبدالکریم، ۱۳۷۶، فربہ تر از ایدئولوژی، تھران، موسسہ فرھنگی صراط۔
۹۸۔ سید مرتضی، (علم الھدی)، ۱۳۷۰، الذخریۃ فی علم الکلام، قم، جامعہ، مدرسین۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

۹۹۔ سید مرتضی، ۱۴۲۶ق، الشافی فی الامامۃ، بیروت، موسسہ الصادق (ع)۔

۱۰۰۔ شرف الدین، ۱۴۱۷ق، الفصول المہمۃ فی تالیف الامۃ، تھران، مجمع العادی للتقریب بین المذاہب الاسلامیۃ۔

۱۰۱۔ شرف الدین، ۱۴۱۶ق، المراجعات، بیروت، موسسہ الاعلمی۔

۱۰۲۔ شعرانی، ابوالحسن، ۱۳۶۳، ترجمہ و شرح کشف المراد، تھران، کتابفروشی اسلامیہ۔

۱۰۳۔ شوشتری، شیخ محمد تقی، ۱۳۷۶، بہج الصباغۃ فی شرح نہج البلاغہ، تھران، امیر کبیر۔

۱۰۴۔ شوکانی، ۱۴۲۳ق، فتح التقدیر من علم التفسیر، ریاض، مکتبۃ الرشد۔

۱۰۵۔ شوپیتر، جوزف، ۱۳۷۵، کاپیتالیسم، سوسیالیسم و دموکراسی، حسن منصور، تھران، نشر مرکز۔

۱۰۶۔ شہرستانی، عبدالکریم، بی تا، الملل والنحل، بیروت، دار المعارف۔

۱۰۷۔ شہرستانی، عبدالکریم، بی تا، نہایۃ القدام، قاہرہ، مکتبۃ المتنبی۔

۱۰۸۔ شیرازی، سید محمد حسین، بی تا الفقہ، کتاب الحکم فی الاسلام، قم، دار القرآن الکریم۔

۱۰۹۔ صافی گلپایگانی، لطف اللہ، ۱۳۸۰، امانت و مھدویت، قم، انتشارات حضرت معصومہ (ع)۔

۱۱۰۔ صدر، سید صدرالدین، ۱۳۷۹، المھدی، قم، دفتر تبلیغات اسلامی۔

۱۱۱۔ صدر، سید محمد باقر، المجموعۃ الکاملۃ لمولفات الصدر، ج ۱۲، بیروت، دار التعارف۔

۱۱۲۔ صدر، سید محمد باقر، ۱۳۹۹ق، بحث حول الولایۃ، بیروت، دار التعارف۔

۱۱۳۔ صدر المتالھین، محمد، ۱۳۶۱، تفسیر القرآن الکریم، قم، انتشارات بیدار۔

۱۱۴۔ صدوق، محمد بن علی، الاعتقادات، مندرج در، سلسلۃ مولفات شیخ مفید، ج ۵۔

۱۱۵۔ صدوق، محمد بن علی، ۱۴۱۸ق، الھدایۃ، قم، موسسہ الامام الھادی۔

۱۱۶۔ ضیائی فر، سعید، ۱۳۸۲، جایگاہ مبانی کلامی اجتہاد، قم، بوستان کتاب

(ط)

۱۱۷۔ طباطبایی، سید محمد حسین، ۱۳۷۹ق، اسلام و انسان معاصر، بہ کوشش سید ھادی خسروشاھی، تھران، انتشارات رسالت۔

۱۱۸۔ طباطبایی، سید محمد حسین، ۱۴۱۷ق، المیزان فی تفسیر القرآن، بیروت، موسسہ الاعلمی۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

۱۱۹۔ طباطبایی، سید محمد حسین، بی تا، حاشیۃ الکفایۃ، تھران، بنیاد علمی علامہ طباطبایی۔

۱۲۰۔ طباطبایی، سید محمد حسین، ۱۳۶۲، شیعہ در اسلام، قم، انتشارات اسلامی۔

۱۲۱۔ طباطبایی، سید محمد حسین، بی تا، ظہور شیعہ، تھران، نشر شریعت۔

۱۲۲۔ طباطبایی، سید محمد حسین، ۱۳۶۱، قرآن در اسلام، قم، انتشارات اسلامی۔

۱۲۳۔ طباطبایی، سید محمد حسین، ۱۳۸۵، معنویت تشیع، بہ اہتمام محمد بدیعی، قم، انتشارات تشیع۔

۱۲۴۔ طبرانی، سلیمان ابوالقاسم، ۱۴۱۵ق، المعجم الاوسط، قاھرہ، دارالحرمین۔

۱۲۵۔ طبرانی، سلیمان ابوالقاسم، ۱۴۰۴ق، المعجم الکبیر، الموصل، المکتبۃ الزھراء۔

۱۲۶۔ طبری، ابو جعفر، ۱۴۲۴ق، تاریخ الطبری، بیروت، دار والمکتبۃ الھلال۔

۱۲۷۔ طبسی، نجم الدین، ۱۳۸۲، چشم اندازی بہ حکومت مھدی، قم، بوستان کتاب۔

۱۲۸۔ بوسی، نصیر الدین، ۱۹۸۵م، تلخیص المحصل، بیروت، دار الاضواء۔

۱۲۹۔ طوسی، نصیر الدین، شرح العبارات المصطلحۃ بین المتکلمین۔

۱۳۰۔ طوسی، نصیر الدین، کشف المراد، قم، انتشارات مصطفوی۔

(ع۔غ)

۱۳۱۔ عبدالجبار، قاضی، بی تا، المغنی فی ابواب التوحید والعدل، قاھرہ، موسسہ المصریۃ العامۃ۔

۱۳۲۔ عبدالجبار، قاضی، ۱۴۲۲ق، شرح الاصول الخمسۃ، بیروت، دار احیاء التراث العربی۔

۱۳۳۔ عبدالرحمان، صالح، عقیدۃ الشیخ محمد بن عبدالوھاب۔

۱۳۴۔ عبدالصمد، عبدالفتاح، ۱۳۷۶، خاستگاہ خلافت، ترجمہ سید حسن افتخار زادہ، تھران، نشر آفاق۔

۱۳۵۔ عراقی حنفی، ابو محمد عثمان، الفرق المفترقۃ بین اھل الزیغ والزندقۃ۔

۱۳۶۔ العطاردی الخبوشانی، عزیزاللہ، ۱۴۰۶ق، مسند الرضا، مشھد، کنگرہ جھانی حضرت امام رضا (ع)۔

۱۳۷۔ غزالی، ابوحامد، ۱۹۹۳م، الاقتصاد فی الاعتقادات، بیروت، دار الھلال۔

۱۳۸۔ غزالی، ابوحامد، ۱۳۲۲ق، المستصفی من علم الاصول، بیروت، دار الفکر۔

۱۳۹۔ غزالی، ابوحامد، قواعد العقائد، عربستان، نشر موقع الوراق، مندرج در نرم افزار المکتبۃ الشاملۃ۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

(ف۔ق)

۱۴۰۔ فاضل مقداد، ۱۴۲۲ق، اللوامع الالھیۃ، قم، مکتب الاعلام الاسلامی۔

۱۴۱۔ فخر رازی، الاربعین۔

۱۴۲۔ فخر رازی، ۱۴۱۵ق، تفسیر کبیر، بیروت، دارالفکر۔

۱۴۳۔ فضل بن شاذان، ۱۴۲۰ق، الایضاح، بیروت، موسسہ الاعلمی۔

۱۴۴۔ قبانجی، احمد، ۲۰۰۴م، خلافۃ الامام علی بالنص ام بالنصب؟، قم و نجف، منشور سید۔

۱۴۵۔ قدردان قراملکی، محمد حسن، ۱۳۸۶، آیین خاتم، تھران پژوھشگاہ فرھنگ واندیشہ اسلامی۔

۱۴۶۔ قدردان قراملکی، محمد حسن، ۱۳۷۸، سکولاریزم در مسیحیت واسلام، قم، دفتر تبلیغات اسلامی۔

۱۴۷۔ قدردان قراملکی، محمد حسن، ۱۳۸۳، کلام فلسفی، قم، انتشارات وثوق۔

۱۴۸۔ قدردان قراملکی، محمد حسن، ۱۳۸۱، معجزہ در قلمرو عقل ودین، قم، دفتر تبلیغات اسلامی۔

۱۴۹۔ قلمداران، علی، ۱۳۸۵ق، حکومت در اسلام، تھران، موسسہ مطبوعات اسماعیلیان۔

۱۵۰۔ قلمداران، علی، بی تا، شاھراہ اتحاد، با مقدمہ وحواشی سید ابوالفضل برقعی، بی تا، بی جا۔

۱۵۱۔ قمیصی، عبداللہ، الصراع بین الاسلام والوھبیۃ، ج۱۔

۱۵۲۔ قندوزی حنفی، سلیمان بن ابراھیم، ۱۴۱۶ق، ینابیع المودۃ لذوی القربی، تھران، دارالاسوۃ للطباعۃ والنشر۔

۱۵۳۔ قوشجی، علاء الدین، شرح التجرید، چاپ سنگی۔

۱۵۴۔ قیصری، داود، ۱۳۷۵، شرح فصوص الحکم، تھران، انتشارات علمی وفرھنگی۔

(ک۔گ)

۱۵۵۔ کاتب، احمد، ۱۹۹۸م، تطور الفکر السیاسی من الشوری الی ولایۃ الفقی، بیروت، دارالجدید۔

۱۵۶۔ کاشف الغطاء، شیخ محمد حسین، ۲۰۰۳م، اصل الشیعہ واصولھا، بیروت، دارالاضواء۔

۱۵۷۔ کلایرودی ودیگران، آشنایی با علم سیاست، بھرام ملکوتی، تھران، سیمرغ۔

۱۵۸۔ کلینی، محمد بن یعقوب، ۱۳۶۵، الکافی، طھران، دارالکتب الاسلامیہ۔

۱۵۹۔ گنون، رنہ، ۱۳۷۸، بحران دنیای متجدد، ضیاء الدین دھشیری، تھران، امیر کبیر۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

۱۶۰۔ گیدنز، آنتونی، ۱۳۷۳، جامعہ شناسی، منوچہر صبوری، تھران، نشرنی۔

(ل)

۱۶۱۔ لاھیجی، عبدالرزاق، ۱۳۸۳، گوہر مراد، تھران، نشر سایہ۔

۱۶۲۔ لباف، علی، ۱۳۸۴، معماری نام، تھران، نشر منبر۔

۱۶۳۔ لباف، علی، ۱۳۸۱، مظلومی گمشدہ در سقیفہ، تھران، منبر۔

۱۶۴۔ اللکھنوی، میر حامد حسین، ۱۴۱۴ق، خلاصۃ عبقات الانوار، قم، بہ اھتمام و نشر سید علی میلانی۔

(م)

۱۶۵۔ ماتریدی، ابو منصور، ۲۰۰۴م، تاویلات اہل السنۃ، بیروت، موسسۃ الرسالۃ۔

۱۶۶۔ ماوردی، علی بن محمد، ۱۴۲۲ق، الاحکام السلطانیۃ، بغداد، المجمع العلمی۔

۱۶۷۔ متقی، علی بن حسام، ۱۴۲۴ق، کنز العمال، بیروت، دار الکتب العلمیۃ۔

۱۶۸۔ مجتھد شبستری، محمد، ۱۳۷۹، نقدی بر قرائت رسمی از دین، تھران، طرح نو۔

۱۶۹۔ مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، تھران، دار الکتب الاسلامیہ۔

۱۷۰۔ مجلسی، محمد باقر، ۱۳۶۳، مراۃ العقول، تھران، دار الکتب الاسلامیہ۔

۱۷۱۔ مرعشی نجفی، سید محمود واسفندیاری، محمد موسوعۃ الامامۃ فی نصوص اہل السنۃ، قم، کتابخانہ آیت اللہ مرعشی نجفی۔

۱۷۲۔ مسعودی، ابوالحسن، ۱۴۲۱ق، مروج الذھب، بیروت، موسسہ النور۔

۱۷۳۔ مسعودی، علی، ۱۴۰۹ق، اثبات الوصیۃ، بیروت، دار الاضواء۔

۱۷۴۔ مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، بیروت، دار احیاء التراث العربی، با تحقیق محمد فواد عبدالباقی۔

۱۷۵۔ مصباح یزدی، محمد تقی، ۱۳۷۸، آموزش عقاید، تھران، سازمان تبلیغات اسلامی۔

۱۷۶۔ مطہری، مرتضی، آشنایی با علوم اسلامی، قم، انتشارات اسلامی۔

۱۷۷۔ مطہری، مرتضی، ۱۳۶۶، امامت و رھبری، تھران، صدرا۔

۱۷۸۔ مطہری، مرتضی، ۱۳۶۵، حماسہ حسینی، تھران، صدرا۔

۱۷۹۔ مطہری، مرتضی، ۱۳۶۶ خاتمیت، تھران، صدرا۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

۱۸۰۔ مطہری، مرتضی، ۱۳۶۱، سیری در نہج البلاغہ، قم، انتشارات اسلامی۔

۱۸۱۔ مطہری، مرتضی، عدل الٰہی، قم، انتشارات اسلامی۔

۱۸۲۔ مطہری، مرتضی، ۱۳۹۸ق، قیام وانقلاب مہدی، تہران، صدرا۔

۱۸۳۔ مطہری، مرتضی، مجموعہ آثار، تہران، صدرا۔

۱۸۴۔ مطہری، مرتضی، ۱۳۷۷، نبوت، تہران، صدرا۔

۱۸۵۔ مطہری، مرتضی، ۱۳۷۷، ولاء ھا وولایت ھا، تہران، صدرا۔

۱۸۶۔ مظفر، محمد رضا، ۱۳۷۹، اصول الفقہ، قم، دفتر تبلیغات اسلامی۔

۱۸۷۔ مغنیہ، شیخ محمد جواد، ۱۴۲۷ق، الشیعۃ فی المیزان، بیروت، موسسہ دار الکتاب الاسلامی۔

۱۸۸۔ مفید، محمد بن نعمان، ۱۴۱۴ق، سلسلۃ مولفات الشیخ المفید، بیروت، دار المفید۔

۱۸۹۔ مکارم شیرازی، ناصر، ۱۳۷۱، انوار الفقاھۃ، کتاب البیع، ج۱، قم، مدرسہ امام علی بن ابی طالب۔

۱۹۰۔ منتظری، حسینعلی، دراسات فی ولایۃ الفقیہ، تہران، دار الفکر۔

۱۹۱۔ موثقی، سید احمد، ۱۳۷۰، استراتژی وحدت در اندیشہ سیاسی اسلام، قم، دفتر تبلیغات اسلامی۔

۱۹۲۔ موسوی، عبدالحمید، بہار ۱۳۸۱، مجلہ ندای اسلام، حوزہ علمیہ اہل سنت زاھدان، ش۹۔

۱۹۳۔ موسوی ھندی، سید ناصر حسین، بی تا، افحام الاعداء والخصوم بتکذیب ما افتروہ علی سید تنا ام کلثوم، طہران، مکتبۃ نینوی۔

۱۹۴۔ میرلوحی، سید ابوالفضل، ۱۳۷۵، تجلی فضیلت (اعترافات ابن ابی الحدید)، ترجمہ، حسین شفیعی، قم، انتشارات اسلامی۔

۱۹۵۔ میلانی، سید علی، ۱۴۲۱ق، ابطال ما استدل بہ لامامۃ ابی بکر، قم، مرکز الابحاث العقیدیۃ۔

۱۹۶۔ میلانی، سید علی، امامت بلا فصل، مندرج در نرم افزار کتابخانہ اہل البیت۔

۱۹۷۔ میلانی، سید علی، ۱۴۲۱ق، تزویج ام کلثوم من عمر، قم، مرکز الابحاث العقائد۔

۱۹۸۔ ناظم زادہ، قمی، سید اصغر، ۱۴۱۱ق، الفصول المائۃ فی حیاۃ ابی الآئمۃ علی بن ابی طالب، قم، ناشر مولف، توزیع انتشارات اہل البیت۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

۱۹۹۔ نائینی، محمد حسین، تنبیہ الامۃ، و تنزیہ العلۃ، تھران، شرکت سھامی خاص۔

۲۰۰۔ نسفی، عمر بن محمد، ۱۳۸۰، العقائد النسفیۃ، در متن شرح عقاید اہل سنت، عبد الملک السعدی، سندج، انتشارات کردستان۔

۲۰۱۔ نوبختی، ابو محمد الحسن بن موسی، ۱۳۵۵ق، فرق الشیعۃ، نجف، انتشارات مرتضوی۔

۲۰۲۔ نوری، حسین، ۱۴۰۸ق، مستدرک الوسایل، قم، موسسہ آل البیت۔

۲۰۳۔ نیشابوری، الحاکم، ۱۴۱۱ق، شواہد التنزیل لقواعد التفضیل فی الآیات النازلۃ فی اہل البیت، تھران، وزارت ارشاد۔

۲۰۴۔ نیکویی، حجت اللہ، بی تا، تئوری الھی امامت در ترازوی نقد، بی جا، بی نا۔

(ھ۔ی)

۲۰۵۔ ھاشمی، شافعی، سید محمد طاھر، ۱۳۷۸، مناقب اہل البیت از دیدگاہ اہل سنت، مشھد، بنیاد پژوھش ھای اسلامی۔

۲۰۶۔ یعقوبی، ۱۳۷۴، تاریخ یعقوبی، ترجمہ محمد آیتی، تھران، انتشارات علمی و فرھنگی۔

۲۰۷۔ یوسفیان، حسن و شریفی، احمد، ۱۳۷۷، پژوھشی در عصمت معصومان، تھران، پژوھشگاہ فرھنگ و اندیشہ اسلامی۔

(مقالات)

۲۰۸۔ سروش، عبد الکریم، اردیبھشت، ۱۳۸۱، اسلام و وحی، مجلہ آفتاب، ش ۱۵۔

۲۰۹۔ سروش، عبد الکریم، مرداد، ۱۳۸۴، تشیع و چالش مردم سالاری، سایت سروش، سخنرانی در دانشگاہ سورین فرانسہ۔

۲۱۰۔ کدیور، محسن ۱۴و۱۵ اسفند ۱۳۸۴، بازخوانی امامت در پرتو نھضت حسینی، روزنامہ شرق، و نیز سایت کدیور۔

۲۱۱۔ کدیور، محسن، اردیبھشت، ۱۳۸۵، قرائت فراموش شدہ، مجلہ مدرسہ، ش ۳، و نیز سایت کدیور۔

۲۱۲۔ مجتھد شبستری، محمد، مجلہ کیان، ش ۴۵۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

۲۱۳۔ نعمانی، عبدالعزیز، حضرت فاطمہ زہرا از ولادت تا افسانہ شہادت، مجلّہ ندای اسلام، ش ۲، حوزہ علمیہ اہل سنت زاھدان۔

۲۱۴۔ واعظ زادہ خراسانی، محمد، راہ کارھای تحکیم وحدت اسلامی، مجلّہ ھفت آسمان، ش ۳۰۔

۲۱۵۔ واعظ زادہ خراسانی، محمد تابستان، ۱۳۸۰، مصاحبہ، مجلّہ کتاب نقد، ش ۱۹۔

۲۱۶۔ واعظ زادہ خراسانی، محمد، مجلّہ مطالعات اسلامی، ش ۶۰۔

۲۱۷۔ واعظ زادہ، خراسانی، محمد، مصاحبہ، مجلّہ نہج البلاغہ، ش ۴و۵۔

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Answers to Scholastic Doubts Raised About Imamate

Presented By: https://Jafrilibrary.com

Compiled by: Mohammad Hassan Ghadrdan Gharamaleki

Translated by: Ali Asghar Saifi

AL_MUSTAFA International Centre
For Translation & Publication
Pakistan. (Reg. 288/2011)

House: 346, St: 33, F-11/2, Islamabad Pakistan.
Tel: +92-51-2212124
E-mail:almustafa_pak@yahoo.com

Presented By: https://Jafrilibrary.com